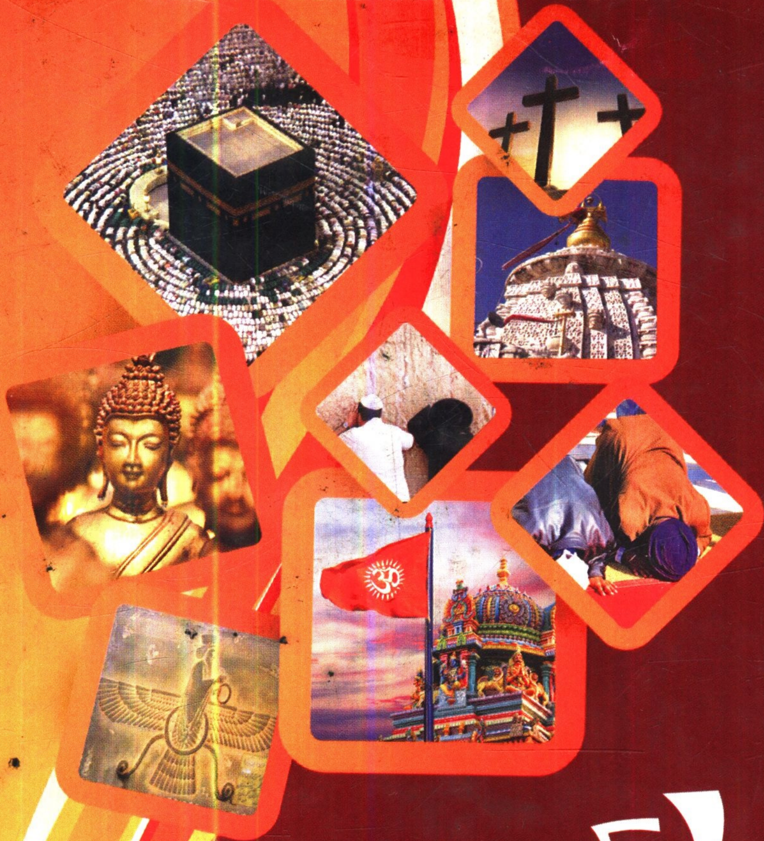

دنیا کے بڑے مذاہب

www.KitaboSunnat.com

تالیف عماد الحسن آزاد فاروقی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

قُلْ أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام

محدث لائبریری

کتاب وسنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

معزز قارئین توجہ فرمائیں

- کتاب وسنت ڈاٹ کام پر دستیاب تمام الیکٹرانک کتب...عام قاری کے مطالعے کیلئے ہیں۔
- مجلس التحقیق الاسلامی کے علمائے کرام کی باقاعدہ تصدیق واجازت کے بعد (Upload) کی جاتی ہیں۔
- دعوتی مقاصد کیلئے ان کتب کو ڈاؤن لوڈ (Download) کرنے کی اجازت ہے۔

تنبیہ

ان کتب کو تجارتی یا دیگر مادی مقاصد کیلئے استعمال کرنے کی ممانعت ہے
کیونکہ یہ شرعی، اخلاقی اور قانونی جرم ہے۔

اسلامی تعلیمات پر مشتمل کتب متعلقہ ناشرین سے خرید کر تبلیغ دین کی کاوشوں میں بھرپور شرکت اختیار کریں

PDF کتب کی ڈاؤن لوڈنگ، آن لائن مطالعہ اور دیگر شکایات کے لیے درج ذیل ای میل ایڈریس پر رابطہ فرمائیں۔

KitaboSunnat@gmail.com

library@mohaddis.com

www.KitaboSunnat.com

دُنیا کے بڑے مذاہب

ھندو مت	بُدھ مت	جَین مت	زرتشتیت
سکھ مت	یہودیت	عیسائیت	اسلام

DATA ENTERED
29594

تالیف
عمّاد الحسن آزاد فاروقی

تقدیم ونظرثانی
پروفیسر سیّد امیر کھوکھر
(ایم فل تقابل ادیان)

ARSLAN RAZA BOOK BANK
AND LIBRARY SUPPLIERS
Punjab Univeristy Old Campus New Anarkali Lahore
Arslan Raza 0323-4251011

ناشران:
بُک کارنر شوروم
بالمقابل اقبال لائبریری
بُک سٹریٹ جہلم پاکستان
فون نمبر 0544-614977
فون نمبر 0544-621953
موبائل 0323-5777931
موبائل 0321-5440882
Join us on Facebook: www.facebook.com/bookcornershowroom

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

Dunia Kay Baray Mazahib
Amad ul Hasan Azad Farooqi - Jhelum:
Book Corner Showroom. 2013
528p.
1. History - Religions
ISBN: 978-969-9396-39-7

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

قانونی مشیر: عبدالجبار بٹ (ایڈووکیٹ ہائی کورٹ)

اشاعت	:	جون 2013ء
نام کتاب	:	دُنیا کے بڑے مذاہب
تالیف	:	عمادالحسن آزاد فاروقی
تقدیم ونظرِ ثانی	:	پروفیسر سیّد امیر کھوکھر
پروف ریڈنگ	:	ابوحسان محمد عباس / خلیل الرحمٰن
اہتمام	:	شاہد حمید / ولی اللہ
معاونین	:	گگن شاہد / امر شاہد
سرورق	:	ہارون رشید
مطبع	:	مکتبہ جدید پریس، لاہور

''بک کارنر شوروم، جہلم'' کا مقصد ایسی کتب کی اشاعت ہے جو تحقیق کے لحاظ سے اعلیٰ معیار کی ہوں۔ اس ادارے کے تحت جو کتب شائع ہوں گی اس کا مقصد کسی کی دل آزاری یا کسی کو نشانہ بنانا نہیں بلکہ اِشاعتی دُنیا میں ایک جدت پیدا کرنا ہے۔ اللہ ربّ العزت کے فضل وکرم سے انسانی طاقت اور بساط کے مطابق کتاب کی تصنیف، پروف ریڈنگ، ایڈیٹنگ، طباعت، تصحیح اور جلد بندی میں انتہائی احتیاط کی گئی ہے۔ تاہم غلطی کا احتمال بہرحال باقی رہتا ہے۔ بشر ہونے کے ناطے اگر سہواً غلطی رہ گئی ہو یا صفحات دُرست نہ ہوں تو ناشر، پروف ریڈرز اور طابع ہر قسم کے سہو پر اللہ غفور الرحیم سے عفو وکرم کے خواست گار ہیں۔ قارئین سے گزارش ہے کہ کتاب میں اگر کہیں بھی غلطی یا خامی نظر آئے تو از راہِ کرم مطلع فرمادیں تاکہ آئندہ ایڈیشن میں درستگی عمل میں لائی جاسکے۔ ادارہ ''بک کارنر جہلم'' کے متعلقین اپنے کرم فرماؤں کے تعاون کیلئے بے حد شکر گزار ہیں۔ (ناشر)

Book Corner Showroom
Opposite Iqbal Library, Book Street, Jhelum, Pakistan
Ph: +92 (0544) 614977, 621953 - Mob: 0323-577931, 0321-5440882
http://www.bookcorner.com.pk - email: bookcornershowroom@gmail.com
Join us on Facebook: www.facebook.com/bookcornershowroom

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

ٹیمپل یونیورسٹی (فِلاڈلفیا) کے شعبۂ مذہب

کے نام

جہاں سب سے پہلے مجھے دوسرے مذاہب سے

متعارف ہونے کا موقع ملا۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

مذہب

اپنی ملت پر قیاس اقوامِ مغرب سے نہ کر
خاص ہے ترکیب میں قومِ رسولِ ہاشمی
ان کی جمعیت کا ہے ملک و نسب پر انحصار
قوتِ مذہب سے مستحکم ہے جمعیت تری
دامنِ دیں ہاتھ سے چھوٹا تو جمعیت کہاں
اور جمعیت ہوئی رُخصت تو ملت بھی گئی!

(......علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ......)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

29594

فہرست

مقدمہ	(پروفیسر سید امیر کھوکھر)	11
طشتِ افق	(پروفیسر ڈاکٹر شہزادہ ایم اے بٹ)	21
پیش گفتار	(عماد الحسن آزاد فاروقی)	25
ہندومت (Hinduism)		43
برہمنی روایت اور اس کا ارتقا		43
رامائن اور مہابھارت کا زمانہ		61
مہابھارت		62
رامائن		63
نئے دیوی دیوتاؤں کا ظہور		66
موحدانہ رجحان		68
فرقہ بندی کا زمانہ		69
شیومت		75
ویشنومت		79
دیوی مت		83
قانون اور سماجی زندگی		86
حوالہ جات اور حواشی		111

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

○ بدھ مت (Buddhism)	115
گوتم بدھ کی زندگی اور تعلیمات	115
تعلیمات	125
پہلی عظیم سچائی	128
دوسری عظیم سچائی	131
تیسری عظیم سچائی	133
سلسلۂ علّت و معلول	134
۱۔ اَوِدّیا (پالی: اوجا، "جہالت")	135
۲۔ سمسکارہ (پالی: سنکھارا "شعوری اعمال")	135
۳۔ وِجّانا (پالی: وِنّانا، "شعور")	135
۴۔ نام روپ (پالی، سنسکرت: "جسم و ذہن")	136
۵۔ سَدٔیاتنا (پالی: سَلیاتنا، "حواسِ خمسہ اور عقل")	136
۶۔ سپرشا (پالی: بھاسا، "احساسات ستہ):	137
۷۔ ویدنا (سنسکرت، پالی: مراد "تاثر")	137
۸۔ ترِشنا (پالی: تنہا، "خواہش یا طلب")	138
۹۔ اُپادنا (الفت، چاہ، طمع)	138
۱۰۔ بھاوا (سنسکرت اور پالی: "وجود میں آنا")	139
۱۱۔ جاتی (پیدائش)	139
۱۲۔ جَرامَرَن ("بڑھاپا اور موت")	139
۱۔ سمیک دِرشٹی	141
۲۔ سمیک سنکلپ	142
۳۔ سَمیک واک	143
۴۔ سَمیک کرمانتا	143

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

۵۔سمیک اجیوا	144
۶۔سمیک دِہام	146
۷۔سمیک سمرِتی	146
۸۔سمیک سمادھی	147
مراقبہ	148
نروان	151
بدھ مت کی اشاعت اور نشوونما	154
بھگتی کا رجحان	161
تری کایا کا عقیدہ	162
بودھی ستوا کا تصور	164
برکت اور کسبِ فیض کا تصور	164
مہایان کی فلسفیانہ ترقی	165
وسطِ ایشیا اور مشرق بعید میں بدھ مت کی اشاعت	168
جنوبی اور جنوب مشرقی ایشیا میں بدھ مت کی اشاعت	175
ہند چین، ملایا اور جزائر انڈونیشیا میں بدھ مت کی اشاعت	177
حوالہ جات اور حواشی	180
○ **جین مت (Jainism)**	183
تعارف	183
بنیادی عقائد	188
روح	190
غیر ذی روح	190
اخلاقی تعلیمات	195
سمیک درشن	196

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

سمیک گیان 196

سمیک چرتر 197

جین مت کا ارتقاء اور فرقہ بندی 206

جین مت کا مذہبی ادب 212

ہندوستانی تمدن میں جین مت کا حصہ 214

حوالہ جات اور حواشی 220

○ زرتشتیت **(Zoroastrianism)** 223

تعلیمات 232

زرتشتی روایت کا ارتقاء 245

حوالہ جات اور حواشی 270

○ سِکھ مت **(Sikhism)** 272

تعلیمات 286

سکھ روایت کا ارتقا 297

حوالہ جات اور حواشی 311

○ یہودیت **(Judaism)** 313

یہودیت کی تاریخ 323

عہد مہاجرت میں یہودیوں کا مذہبی ارتقاء 338

دورِ جدید اور یہودیوں کی نشاۃ ثانیہ 345

☆ یہودی تہوار 354

سبت 354

پشاخ 355

شووس 357

یوم کپور 357

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

	شکوت	358
	پیوریم	359
	تیشا باؤ	360
	ہنو خا	361
	مقدس کتابیں	362
	حوالہ جات اور حواشی	364
○	عیسائیت (Christianity)	365
	حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی زندگی اور تعلیمات	373
	تعلیمات	387
	عیسائی عقائد کی تشکیل	394
	روح (عبرانی: روحا)	397
	عیسائی چرچ کا ارتقاء	409
	حوالہ جات اور حواشی	424
○	اسلام (Islam)	425
	بنیادی عقائد اور تعلیمات	431
	اسلامی روایت اور تمدن کا ارتقاء	447
	حوالہ جات اور حواشی	484
ضمیمہ نمبر ۱	ہندومت کی مقدس کتابوں سے اقتباس	485
	اِندر کے نام بھجن	485
	حقیقت اعلا آتمن	487
	اوتار کی حقیقت اور بے غرض عمل	487
ضمیمہ نمبر ۲	بدھ مت کی مقدس کتابوں سے اقتباس	490
	''نجات'' کی مسرت	490

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

	خلائے محض	491
ضمیمہ نمبر ۳	جین مت کی مقدس کتابوں سے اقتباس	494
	بنیادی حقیقتیں	494
ضمیمہ نمبر ۴	زرتشتیت کی مقدس کتابوں سے اقتباس	496
	اخلاقی عمل اور اختیار کی آزادی	496
	خیر اور شر	498
ضمیمہ نمبر ۵	سکھ مت کی مقدس کتاب سے اقتباس	500
	معرفتِ الٰہی	500
	دُنیاوی معیاروں سے آزادی	502
ضمیمہ نمبر ۶	یہودیت کی مقدّس کتابوں سے اقتباس	504
	خدائی وعدہ	504
	غضبِ الٰہی	505
	نیک بندے کی دُعا	506
ضمیمہ نمبر ۷	عیسائیت کی مقدّس تحریروں سے اقتباس	508
	اصلاحِ نفس اور اعتماد باللہ	508
	مسیحیت	509
	کفارہ اور نجات	510
ضمیمہ نمبر ۸	اسلام کی مقدس کتاب سے اقتباس	512
	کائنات میں خدا تعالیٰ کی نشانیاں	512
	اچھے اخلاق	514
	یوم حساب	515

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

مقدمۃ

اللہ تعالیٰ نے انسان کو کرامت وعظمت کا تاج عطا کر کے زمین میں اپنی نیابت و خلافت سے نوازا.......... انسان ابتدا ہی سے جستجو کا پیکر بن کر رونق افروز گیتی ہوا۔ اس نے گلزاروں کے روح پرور نظارے دیکھے، کوہساروں کی بلند ترین چوٹیوں کا مشاہدہ کیا، آفتاب و ماہتاب کی تابانیوں سے آشنا ہوا۔ جھلملاتے اور ٹمٹماتے ستاروں پر اس کی نظر پڑی، گردش لیل ونہار کو اس نے محسوس کیا.......... موسلا دھار بارش اور تند و تیز طوفان بھی اس پر گزرے، نباتات و جمادات، چرند پرند، صحرا و دریا الغرض وہ ہر چیز کو بنظر عمیق دیکھتا رہا۔

ہر نظارہ دل افروز اور ہر مشاہدہ بصارت نواز تھا۔ جنت سے نکلا ہوا انسان کبھی بلندیوں سے مرعوب ہوا اور کبھی گہرائیاں اور پہنائیاں اس کے لئے کشش کا باعث بنیں۔ اس کی سیماب فطرت فکر وسوچ حقیقی معبود و خالق کو تلاش کرتی رہی۔ توسنِ عقل پر سوار اس نے تفکر و تدبر کی انتہاؤں کو چھوا، لیکن قیاس آرائیوں اور تخمینہ زائیوں نے اُسے کبھی تو سورج کے آگے جھکا دیا اور کبھی چاند کے سامنے سجدہ کناں کیا۔ وہ کبھی آگ کو معبود سمجھتا رہا اور کبھی پانی کو لائق عبادت، بلند و بالا پہاڑوں کی ہیبت نے کبھی اس کے اوسان خطا کر کے خراجِ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

عبادت وصول کیا اور کبھی دریاؤں کی روانی میں اُسے مشکل کشائی نظر آئی۔

لیکن تابہ کے؟؟؟

انسانی فکر جتنا بھی تگ و دو کرے، اشہبِ عقل جتنا بھی سرپٹ دوڑے.........

راہوارِ تدبر جتنی بھی تند رفتار سے چلے وہ بالآخر تھک ہار کر مایوسی کی اتھاہ گہرائیوں میں پناہ گزیں ہوگا کیونکہ حواسِ ظاہرہ و باطنہ کی رسائی محدود ہے، محدود سے لامحدود کا سفر اس کے بس کی بات نہیں تاوقتیکہ خالقِ کون و مکان کی طرف سے روحانی راہنمائی کسی پیکرِ خاکی کی صورت میں عطا نہ ہو جائے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے احسن تقویم کی حامل انسانیت کو بارگاہِ احسن الخالقین تک پہنچانے کے لئے سفارتی سلسلہ شروع فرمایا جسے ''نبوت ورسالت'' کہتے ہیں۔ کچھ نے اس سلسلہ کو مانا اور سرِ تسلیم خم کر دیا جبکہ کچھ نے انکار و استکبار کی روش اپنائی۔

اس مختصر تمہید سے مقصود یہ ہے کہ انسان اپنی فکر و جستجو سے اپنی کامیابی کے جو راستے منتخب کرتا رہا، اور پھر ان پر چلتا رہا، اسے بھی ''مذاہب'' کہتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو رشد و ہدایت بذریعہ انبیائے کرام و رسولانِ عظام علیہم السلام انسان کو میسر آئی۔ کامیابی کے ان راستوں کو بھی ''مذاہب'' سے ہی تعبیر کیا جاتا ہے۔

مذہب کا لفظی معنی ''راستہ اور طریقہ'' کے ہیں، انگریزی میں اس کے لئے لفظ Religion کا استعمال ہوتا ہے، اس کا مادہ لاطینی لفظ ''Religio'' یعنی پابندی امتناع اور قیود کے ہیں۔

مقتدرہ انگریزی اردو لغت میں مذہب کی تعریف بایں الفاظ کی گئی ہے۔

''مافوق الفطرت قوت کو اطاعت، عزت اور عبادت کے لئے بااختیار تسلیم کرنے کا عمل، اس قسم کی مختار قوت کو تسلیم کرنے والوں کا یہ احساس یا روحانی رویہ اور اس کا ان کی زندگی اور طرزِ زیست سے اظہار، متبرک رسوم و رواج یا وظائف کے سرانجام دیئے جانے کا عمل

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

خدائے واحد و مطلق یا ایک یا ایک سے زائد دیوتاؤں پر ایمان لانے اور اُن کی عبادت کا ایک مخصوص نظام۔"

مؤرخین مذاہب عالم نے مذاہب کی تقسیم تین اعتبار سے کی ہے:

ا۔ (ا) الہامی مذاہب (ب) غیر الہامی مذاہب

۲۔ (ا) سامی مذاہب (ب) غیر سامی مذاہب

۳۔ (ا) تبلیغی مذاہب (ب) غیر تبلیغی مذاہب

ا۔ الہامی مذاہب میں یہودیت، عیسائیت اور اسلام جبکہ غیر الہامی مذاہب میں ہندومت، بُدھ مت، جین مت، کنفیوشس ازم اور زرتشتیت وغیرہ شامل ہیں۔

۲۔ سامی مذاہب سے مراد وہ مذاہب ہیں جو بنی اسرائیل و عرب میں پھیلے لہٰذا ان میں یہودیت، عیسائیت اور اسلام شامل ہیں۔ جبکہ غیر سامی یعنی جو آریائی اور منگول نسلوں میں پھیلے ان میں بُدھ مت، ہندومت، کنفیوشس ازم اور زرتشتیت شامل ہیں۔

۳۔ تبلیغی مذاہب میں عیسائیت، بدھ مت اور اسلام جبکہ غیر تبلیغی میں باقی مذکورہ مذاہب شامل ہیں۔

اگرچہ مذاہب کی تاریخ اتنی ہی پُرانی ہے جتنی کہ خود انسان کی تاریخ۔ اِسلامی نقطۂ نظر سے جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو زمین پر بھیجا تو نبوت و رسالت سے سرفراز فرما کر بھیجا اور یوں مذہب کی ابتدا ہوگئی۔ دیگر مؤرخین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ جب سے انسان اس خاکدانِ ارضی پر آباد ہوا، اس کا گردوپیش کے مطابق کوئی نہ کوئی عقیدہ، نظریہ اور مذہب بہرحال موجود رہا۔

تاریخ انسانیت میں لاتعداد نظریات نے جنم لیا، بے شمار عقائد وجود میں آئے، متعدد مذاہب پھیلے، لیکن انسان کی معلوم تاریخ جو کہ تقریباً چار ہزار قبل مسیح سے پانچ ہزار قبل

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

مسیح تک کی ہے میں جن مذاہب نے عالمی شہرت حاصل کی اور انسانیت پر دیرپا اثرات مرتب کیئے، ان میں مندرجہ ذیل مذاہب شامل ہیں:

۱۔ ہندو مت

۲۔ بُدھ مت

۳۔ جین مت

۴۔ زرتشتیت

۵۔ سِکھ مت

۶۔ یہودیت

۷۔ عیسائیت

۸۔ اسلام

مذکورہ مذاہب کی بیشتر تعداد غیر الہامی ہے۔

ہر مذہب کی تعلیمات جداگانہ ہونے کے باوجود قدرِ مشترک یہ ہے کہ تمام مذاہب حق کی تلاش میں ہیں اور انسان کی فوز و فلاح کے داعی اور علمبردار ہیں۔ قطع نظر اس کے کہ غیر الہامی مذاہب میں الوہی نظامِ سفارت (یعنی نبوت و رسالت) کے فقدان کی وجہ سے وہ راہ یاب نہ ہو سکے اور الہامی مذاہب میں سے یہودیت و عیسائیت کی اصل تعلیمات گردشِ زمانہ کی دست بُرد سے محفوظ نہ رہ سکیں۔ البتہ اسلام کی تمام تر تعلیمات حرف بحرف نہ صرف محفوظ و مصئون بلکہ ازمنہ و امکنہ کی قید کے بغیر ہمیشہ کے لئے قابلِ عمل اور فوز و فلاح کی ضامن ہیں۔

ایک مافوق الفطرت ذات کے بارے میں مختلف مذاہب کے نقطہ ہائے نظر سے ہم اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ شرک و بُت پرستی کے باوجود ایک عظیم ترین طاقت کے بارے میں مختلف مذاہب کا تصور بہر حال موجود ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

☆ ہندومت میں حقیقتِ اعلیٰ آتمن کا تصور مرکزی حیثیت رکھتا ہے۔ "کاتھا اپنشد" میں آتمن کے بارے میں لکھا گیا ہے:

"ہر وجود کے دل میں پوشیدہ آتمن روحِ اعلیٰ، وجودِ مطلق ہے۔ چھوٹے سے چھوٹے ذرّہ سے بھی چھوٹا اور وسیع ترین فضاؤں سے بھی وسیع جو انسان اپنی مرضی و ارادہ کو ختم کر دیتا ہے۔ وہ غموں سے پیچھا چھڑا لیتا ہے اور خالق کی مہربانی سے آتمن کے جمال کا نظارہ کرتا ہے۔ بغیر ہلے وہ دور تک سفر کر لیتا ہے، سوتے ہوئے وہ ہر جگہ پہنچ جاتا ہے۔ میرے اپنے اندر کے نورِ الٰہی کے علاوہ اور کون اس غم و مسرت کے شہنشاہ سے بہرہ یاب ہو سکتا ہے۔

جب عارف اُس روح کو جو ہر جگہ ظاہری اشیا میں بغیر دکھائی دیئے اور فانی اشیا میں لافانی عنصر کے طور پر موجود ہے، پالیتا ہے تو وہ غموں کے پار ہو جاتا ہے۔"

(کاتھا اپنشد)

☆ بُدھ مت میں چونکہ معبودِ حقیقی کا واضح تصور موجود نہیں، انہیں غموں سے نجات اور دُکھوں سے خلاصی کے حصول کے لئے فقیرانہ طرزِ حیات اختیار کرنے کی تلقین کی گئی ہے۔ گوتم بُدھ کے یہ الفاظ قابلِ توجہ ہیں:

"اُس شخص کی تنہائی کس قدر پُرمسرت ہے جو مکمل خوشی سے بہرہ یاب ہے، جس کو حق کی معرفت حاصل ہو چکی ہے، جو حق کا مشاہدہ کر رہا ہے باعثِ مسرت ہے بغض و نفرت سے چھٹکارا پالینا اور تمام مخلوقات کے سلسلے میں ضبطِ نفس کا حامل ہونا، باعثِ خوشی ہے۔ نفس پروری سے رہائی حاصل کر لینا، تمام خواہشات کے پار ہو جانا اور اس

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

تکبر کو جو "میں ہوں" کے تصور سے پیدا ہوتا ہے ایک طرف اٹھا کے رکھ دینا، یہی صحیح معنوں میں اعلیٰ ترین مسرت ہے۔"

(مہاواگا ۱:۴)

☆ جین مت میں بھی خدا کا واضح تصور موجود نہ ہونے کے باوجود روح کو اعلیٰ درجہ حاصل ہے اور روح کو لافانی خیال کیا جاتا ہے۔ ملاحظہ ہو:

"روح" اپنی فطرت کے لحاظ سے شعور، علم، احساس، پاکیزگی، لطافت، نورانیت، ابدیت اور دوسری تمام پسندیدہ صفات کی حامل ہے اور اس حیثیت میں وہ کرم اور آواگون کے چکر سے بھی آزاد رہے۔"

(ایس گوپالن، آؤٹ لائنز آف جینیزم، نئی دہلی ص ۱۴)

☆ زرتشت مذہب میں "اوستا" کو مقدس کتاب مانا جاتا ہے اگرچہ اس مذہب میں اہورا مزد کو خدائے واحد اور معبودِ اعلیٰ متصور کیا جاتا ہے لیکن اس کی اہم صفات (امیشا اسپنتا) کو الگ سے معزز ہستیوں کے نام سے یاد کیا جاتا ہے، بایں وجہ توحید کا تصور شفافیت سے خالی ہے۔ یاسنا کی یہ تحریر اگرچہ طویل ہے لیکن تصورِ خالق کی وضاحت کے لئے یہ اقتباس درج کرنا ضروری ہے۔

"اے زندگی اور حکمت کے مالک! اسی اختیار کی بدولت میں تجھ کو سب سے اوّل "الوہی قوانین" اور اے جذبۂ الٰہی، تیرے ذریعہ سے برسرِعمل دیکھتا ہوں اپنی سب سے پسندیدہ بادشاہت، نیک خیال کے ذریعے مجھ پر منکشف کر دے اور حمد و ثنا کے لئے اپنی خوشنودی مجھے عطا فرما۔

اب ذرا سُن! وہی تجھ سے مل سکتے ہیں اے اہورا، جو اپنے اعمال،

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

راستی اور نیک خیال کے الفاظ و زبان کے ذریعہ جس کا کہ تو اوّلین
راہنما ہے، اے مزد! تیرے آقا ہونے کا قرار کرتے ہیں ....
اہورا مزد کی قدرت سے اُس پر ایمان لانے والے کو اچھے سے بھی
بہتر خیر نصیب ہوتا ہے، لیکن اُس کے لئے جو کہ ایمان نہیں لاتا زندگی
کی آخری سانسوں میں بد سے بدتر بدلہ ہے۔"

(یاسنا۵۱:۶۔۱)

☆ سِکھ مت، جس کے بانی گرونانک صاحب ہیں، ان کی مذہبی کتاب "گروگرنتھ صاحب" میں یہ الفاظ خدائے واحد کا تصور پیش کر رہے ہیں:

"جب ہم ایکو ایک کر جانیا"
اگر ہم نے ایک خدا کو حقیقی معنوں میں خدائے واحد جان لیا ہے۔
"تب لوگے کا ہے دُکھ جانیا"
تو اس میں لوگوں کے لئے دُکھ کی کیا بات ہے۔

(ماخوذ بہ ہمس آف گرونانک لینگویج ڈیپارٹمنٹ پنجاب، پٹیالہ صفحہ ۴۸۲)

☆ یہودیت جو کہ الہامی مذہب ہے، اس کی مذہبی کتاب تورات جو حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی۔ اس میں خدا تعالیٰ کا واضح تصورِ خالقیت موجود تھا لیکن بعد ازاں یہودیوں نے اس میں تحریف و تبدل کر دیا۔ بایں ہمہ بائبل کے یہ الفاظ توحید باری تعالیٰ پر شاہد عادل ہیں لیکن معمولی تحریف نے ان کے حسن کو ماند کر دیا۔

"سو تُو بنی اسرائیل سے کہہ کہ میں خداوند ہوں اور میں تم کو مصریوں
کے بوجھوں کے نیچے سے نکال لوں گا، اور میں تم کو اُن کی غلامی سے
آزاد کروں گا اور میں اپنا ہاتھ بڑھا کر اور اُن کو بڑی بڑی سزائیں

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

دے کر تم کو رہائی دوں گا اور میں تم کو (اپنا) لوں گا کہ میری قوم بن جاؤ اور میں تمہارا خدا ہوں گا اور تم جان لو گے کہ میں خداوند تمہارا خدا ہوں جو تم کو مصریوں کے بوجھوں کے نیچے سے نکالتا ہوں، اور جس ملک کو ابرہام اور اضحاق اور یعقوب کو دینے کی قسم میں نے کھائی تھی اُس میں تم کو پہنچا کر اُسے تمہاری میراث کر دوں گا۔ خداوند میں ہوں۔"

(دی ہولی بائبل، کتاب خروج باب ٦، آیات ٨۔٥)

☆ عیسائیت بھی الہامی مذہب تھا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو اپنا پیغام پہنچایا، اور "انجیل" جیسی ذی شان کتاب ان پر نازل کی، حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے کبھی بھی خُدائی کا دعویٰ نہ کیا بلکہ ہمیشہ عبدِ صادق بن کر پیغامِ توحید بنی اسرائیل تک پہنچایا۔ جب آپ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے زندہ آسمان پر اٹھایا تو آپ علیہ السلام کے حواریوں میں سے پطرس نے جو تقریر کی، اس کے الفاظ یہ تھے:

"اے اسرائیلیو! یہ باتیں سنو کہ یسوع ناصری ایک شخص تھا جس کا خدا کی طرف سے ہونا تُم پر اُن معجزوں اور عجیب کاموں اور نشانوں سے ثابت ہوا۔ جو خُدا نے اس کی معرفت تُم میں دکھائے، چنانچہ تم آپ ہی جانتے ہو جب وہ خدا کے مقررہ انتظام اور علم سابق کے موافق پکڑوایا گیا تو تم نے بے شرع لوگوں کے ہاتھوں سے اُسے مصلوب کروا کر مار ڈالا، لیکن خُدا نے موت کے بند کھول کر اُسے جلایا کیونکہ ممکن نہ تھا کہ وہ اس کے قبضہ میں رہتا، پس اسرائیل کا سارا گھرانہ جان لے کہ خدا نے اسی یسوع کو جسے تم نے مصلوب کیا

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

خداوند بھی کیا اور مسیح بھی۔"

(رسولوں کے اعمال باب ۲ آیات ۲۵، ۲۶، ۳۶)

☆ اسلام جو کہ عالمگیر دین اور مکمل ضابطۂ حیات ہے اس میں خدائے واحد کا تصور بالکل واضح، عیاں، ٹھوس دلائل و شواہد اور نا قابل تردید حقائق سے بھر پور ہے۔

سورۂ اخلاص کی آیات اس کی وحدانیت و صمدیت کے سرمدی پیغام کو بایں الفاظ بیان کرتی ہیں:

قل هو الله احد.	کہہ دیجئے (اے محبوبِ مکرم ﷺ) وہ اللہ ایک ہے
الله الصمد	اللہ بے نیاز ہے
لم يلد	نہ اس نے کسی کو جنم دیا
ولم يولد	نہ ہی اس سے کسی نے جنم لیا
و لم يكن لهٗ كفوا احد	اور نہ ہی اس کا کوئی ہمسر و ہم پلہ ہے

قارئین کرام!

ان اقتباسات سے یہ حقیقت اظہر من الشمس اور اَبین من الامس ہو جاتی ہے کہ مذاہبِ عالم میں کامیابی اور ہدایت کا واضح تصور موجود ہے لیکن غیر الہامی مذاہب میں نبوت و رسالت کا واسطہ نہ ہونے کی وجہ سے افکار و نظریات حقیقتِ مطلقہ تک رسائی سے محروم رہے اور الہامی مذاہب (عیسائیت و یہودیت) اپنی الہامی کتابوں میں تحریف و ترمیم اور رطب و یابس کی ملاوٹ کی وجہ سے راہِ ہدایت سے ہٹ گئے لیکن اِسلام کی ابدی تعلیمات اور سرمدی پیغامات اب بھی دعوتِ عمل دے رہے ہیں اور "اِنّ الدین عنداللہ الاسلام" کی حقیقت آئے روز مزید واضح تر ہوتی جا رہی ہے۔

زیرِ نظر کتاب "دُنیا کے بڑے مذاہب" انتہائی معلومات افزا اور حقائق کشا کتاب ہے۔ مصنف نے بڑی دیدہ ریزی اور جگر کاوی سے مذکورہ مذاہب کی تاریخ،

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

تعلیمات، نظریات اور ترجیحات کو تحریر کی سِلک میں پرو دیا ہے، حقیقت بین نگاہوں کے لئے یہ ایک تحفہ سے کم نہیں، اس پر مستزاد پاکستان کے مشہور و معتبر طباعتی و اشاعتی ادارہ ''بک کارنر شوروم'' کا اسے شائع کرنا اس کی اہمیت کو بڑھا دیتا ہے۔

برادرم گگن شاہد اور امر شاہد جو کہ کتابوں کی طباعت و اشاعت میں جنوں کی حد تک محنت کرتے ہیں۔ انہوں نے دیدہ زیب اشاعت، خوبصورت سرورق اور اعلیٰ معیاری کمپوزنگ کر کے اس کی خوبصورتی کو چار چاند لگا دیئے ہیں۔ اگر حق کا کوئی ایک بھی متلاشی اس کتاب کے پڑھنے سے چمن زارِ اسلام کی معنبر فضاؤں میں آ گیا یا تشکیک و اضطراب کے ریگزاروں سے نکل کر ایقان و ایمان کے لالہ زاروں میں فروکش ہو گیا تو ہم سمجھیں گے ہماری محنت ٹھکانے لگی۔

صلائے عام ہے یارانِ نکتہ داں کے لئے

پروفیسر سَید امیر کھوکھر
ایم اے اسلامیات، اُردو،
ایم فِل تقابلِ ادیان،
فاضل علومِ اسلامیہ والسنہ شرقیہ
متوطن اترا شہر
تحصیل قائدآباد، ضلع خوشاب
0301-3062698

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

طشتِ اُفق

مصنف نے اس تصنیف میں کافی تحقیقی مواد کو قارئین کے لیے اوراقِ زر پر بکھیر دیا ہے۔ مذاہب کا مطالعہ یقیناً ہمیں ماضی کی ارتقائی زنجیروں سے کڑی در کڑی ملاتا ہے جن کے مشاہدہ سے ہمیں اپنے سفر کے اُن راستوں اور فاصلوں کا پتہ چلاتا ہے جہاں سے اولادِ آدم اپنا سفرِ زندگی طے کرتی چلی آئی ہے۔

یہاں میں ایک بات قارئین کی خدمت میں گوش گذار کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ دین اور مذاہب میں فرق جان کر کسی بھی مضمون کو پڑھا جائے تا کہ ان پیچیدہ مذہبی راستوں پر پھسلنے کا خوف دامن گیر نہ رہے۔

دین روزِ اوّل جب آدم علیہ السلام کو اس دُنیا میں مبعوث فرمایا گیا اسلام ہی تھا اور دین وہ نعمتِ عظمیٰ تھی جو اللہ تعالیٰ عزوجل نے اپنے خاص بندوں کے ذریعے بنی نوعِ انسان تک پہنچایا۔ جب کہ مذاہب وہ راستے ہیں جو دین میں مختلف اسکالرز نے تشریح کر کے پیدا کیے چونکہ دینِ اسلام کا خالق اللہ تعالیٰ عزوجل کی ذات مبارکہ ہے، اس لیے اُس میں روزِ اوّل سے آخر تک کوئی جھول ہے اور نہ ہوگا۔ البتہ مذہب میں چونکہ انسانی سوچ دخیل ہے اس لیے اس میں خامیوں کے امکان کو کسی طور پر رد نہیں کیا جا سکتا۔

یہاں علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ کے کلام کا ذکر نہ کیا جائے تو تشنگی رہ جائے گی۔

اپنی ملت پر قیاس اقوامِ مغرب سے نہ کر　　خاص ہے ترکیب میں قومِ رسولِ ہاشمی
ان کی جمعیت کا ہے ملک و نسب پر انحصار　　قوتِ مذہب سے مستحکم ہے جمعیت تری
دامنِ دیں ہاتھ سے چھوٹا تو جمعیت کہاں　　اور جمعیت ہوئی رُخصت تو ملت بھی گئی!

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

جب ہم دُنیا کے بڑے مذاہب کی بات کرتے ہیں تو وہ الہامی نہیں ہوتے، وہ روایات اُس علاقے کی تمدن و ثقافت سے پھوٹ کر نمو پانے والی جمعیتیں ہوتی ہیں اور ان کے پروان گری میں وہاں کے مضبوط قبیلے اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ جیسا کہ قدیم تواریخ سے مشاہدے میں آتا ہے۔ جیسا کہ دینِ اسلام میں بھی مذہب کی رسم ادا کی جارہی ہے مثلاً امام ابو حنیفہ، امام مالک، امام شافعی، امام حنبل رحمہم اللہ جیسے جید مسلم اسکالرز نے اپنی اپنی عقلِ سلیم کے مطابق قرآن وسنت کے ابدی پیغام کو مخلوقِ خُدا میں پھیلایا، گو ان مذاہب میں کہیں تصادم نہیں تھا لیکن جوں جوں وقت گزرتا گیا علاقائی لسانیات کی وجہ سے ان میں منطقی مسائل نے جنم لینا شروع کر دیا۔ یوں ان مذاہب کے سائے تلے مختلف مکاتبِ فکر نے جنم لینا شروع کر دیا۔

مذہب ہے جس کا نام وہ ہے اک جنونِ خام　　ہے جس سے آدمی کے تخیل کو انتعاش

میرا کہنے کا مقصد ہے کہ جب ہم مذاہب کی بات کریں تو دینِ اسلام کی بات نہ کریں کیونکہ دینِ اسلام ان سے بالا و اعلیٰ ہے اور یہ کہ دین کسی مذہب کا مرہونِ منت نہیں بلکہ مذاہب دینِ اسلام کے چشمہء حق سے پھوٹے ہیں۔ اس کا ثبوت یہ ہے کہ تمام مذاہب میں ہمارے پیارے نبی سرکارِ دوجہاں ذاتِ خوشبودار صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد اس جہان رنگ وبو میں ظہور کا واضح اعلان موجود ہے۔ وہ اس لیے کہ شاخیں اپنے مرکز سے فیض حاصل کرتی ہیں اور اسی طرح تمام مذاہب نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد باسعادت کا فیض دینِ اسلام سے حاصل کیا ہے۔

محسوس پر بنا ہے علومِ جدید کی　　اس دَور میں ہے شیشہء عقائد کا پاش پاش

دینِ اسلام کے علاوہ تمام مذاہب اپنے خطہ ہائے بودوباش کی روایات اور تسخیرالناس کی خواہشات اور قوت کے بل بوتے پر اپنے جاہ وجلال کو دوام دینے کے لیے مخصوص منطقی قوانین جو ہیڈ آف سٹیٹ کو تحفظ دے سکتے ہوں لاگو کر دیتے تھے جو کہ ان مذاہب کو جنم دینے کا سبب بنتے چلے جاتے تھے، جن کو شمار کیا جانا تو ممکن نہیں، البتہ کچھ معروف نام ایسے ضرور ہیں جنھوں نے تہذیب وتمدن کے حوالے سے اپنے انمٹ نقوش چھوڑے ہیں جن میں عموماً ہندومت کا نام لیا جاتا ہے۔ ہندومت بذاتِ خود کوئی مذہب نہیں بلکہ ایک سلسلہ ہے جو ایک قدیم تاریخ کے تانوں بانوں میں دیومالائی کہانیوں میں اُلجھا ہوا ہے اور مصنف کی ایسے تمام مذاہب کا احاطہ کرنے کی نہایت شاندار کاوش ہے۔ یقیناً ایسے موضوعات پر قلم کشائی کرنا انتہائی مشکل کام ہے لیکن مصنف کی کاوش قابلِ تحسین ہے کہ جنھوں نے کافی حد تک مضمون کی مناسبت سے عہدہ برآ ہونے کی کامیاب سعی کی ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہمارے خطہ میں آرین قوم کی آمد سے مذاہب کی تاریخ کے اوراق رنگین ہونا شروع ہوئے جن کا تعلق ایران سے ہے۔ یہ لوگ ۱۵۰۰ قبل مسیح میں مسلسل سرزمین ہندوستان میں وارد ہوتے رہے اور ان لوگوں نے انتہائی خلوص نیت سے ایک خدا کی وحدانیت کی تعلیم دی اور یہ تاریخ کا وہ دَور تھا جب دُنیا میں کہیں دُور دُور تک کسی مذہب کا نام ونشان نہ تھا۔ اس دَور میں اس سرزمین پر ہر طرف بُت پرستی کا دَور دَورہ تھا اور آرین چونکہ دینِ ابراہیمی کے پیروکار تھے اس لیے انہوں نے صرف ایک اللہ کے تصور سے لوگوں کو روشناس کرایا اور یہی لوگ سیّدنا ابراہیم علیہ السلام کی نسبت سے براہمن کہلائے جنہوں نے بُت پرستی کی مخالفت کی لیکن آج کا براہمن وہ نہیں ..... یہ ہندو براہمن ہے جنہیں آج کل مندروں کا 'تولی بنایا ہوا ہے۔

قصہ مختصر کہ اسلام دراصل ایک ایسا دین ہے جو کائنات کے تمام مذاہب کی بنیاد ہے کیونکہ اللہ ربّ العزت نے اپنی مخلوق کے لیے ایک ہی دین رُشد وہدایت کے لیے منتخب کیا ہے۔ یہودیت ہو عیسائیت ہو آرین دھرما یا ہندوازم، یہ سب حقیقتاً اِسلام ہی کے چشمہ سے بہتے ہوئے دریا ہیں جو جن علاقوں سے گزرا اُنہی کے رنگ میں رنگتا چلا گیا اور یوں مذاہب تقسیم در تقسیم ہوتے چلے گئے۔ عموماً آج بھی چند برہمن ویدوں کے مطابق درس دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ کائنات میں ایک ہی ہستی ہے اور وہ خُدا کی جانب اشارہ کرتے ہیں لیکن ہندو مخصوص ذہنیت انہیں برملا سچ بولنے سے مانع رکھتی ہے۔

ان براہمن کے لکھے ہوئے اقوال جو اپنشد کے نام سے موسوم ہیں جن کی تعداد سینکڑوں میں ہے اُن میں سے چند اقتباسات کا ذکر کرنا ضروری سمجھتا ہوں تا کہ یہ جانا جا سکے کہ تمام مذاہب اصل میں اسلام ہی کے دامن سے پھوٹے ہیں اور اسلام مذہب نہیں دین ہے۔

☆ ''میں پناہ مانگتا ہوں اس اللہ کی جو ایک ہے، غیر فانی ہے۔ حسن اور قابلیت سے بھرپور نور کا مرقع۔ اسی سے ہمارے دل اطمینان پاتے ہیں۔''

☆ ''جب ایک عقل مند شخص جان لیتا ہے کہ دُنیاوی لذتوں کا تعلق رُوح سے نہیں، جاگنا اور سونا جسم کی فطری ضرورت ہے تو وہ کسی چیز کا غم نہیں کھاتا۔''

(Shvetashvatara Upanishad)

اور آمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشینگوئیوں کا ذکر کیے بنا یقیناً تبصرہ ادھورا رہ جائے گا تو اس ضمن میں مَیں رگ وید سے حضور پُرنور ذاتِ خوشبودار صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر رقم کروں گا۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ا۔ ''اے ستا کرتو (بمعنی محمد ﷺ) اندر جو کہ لڑائی میں شہ زور ہے ہم تجھ سے دولت کے لیے خوراک کا نذرانہ پیش کرتے ہیں۔''

(رگ وید سنہتا۔ اسٹک اول)

۲۔ ''اے ستا کرتو (بمعنی محمد ﷺ) شام وید کے راگوں میں تیری استت ہے۔ رگ وید کے منتروں میں تیری مہما (تعریف) ہے۔ ایسا ہو کہ ہم بھی تیری تعریف کریں۔''

(رگ وید سنہا۔ اسٹک۔ پہلا ادھیا۔ انوا کا ۲ سکت ۲)

۳۔ ''اے ستا کرتو (بمعنی محمد ﷺ) شام وید کے پڑھنے والے تیری استت کرتے ہیں۔ رگ وید کے پڑھنے والے تیری تعریف کرتے ہیں جو کہ تعریف کے لائق ہے اور براہمن تجھے مانند بانس کے بلند کرتے ہیں۔''

(رگ وید سنہا۔ اسٹک۔ پہلا ادھیا۔ انو کا ۳ سکت ۳)

اور سام وید میں لکھا ہے: ''احمد نے ربّ سے پُر حکمت شریعت حاصل کی۔ میں اس سورج کی طرح روشن ہوں۔''

(سام وید۔ پر پاٹھک ۲۔ دشتی ۸۔ منتر ۸)

اور اتھر وید میں لکھا ہے: ''اے لوگو! یہ احترام سے سنو! محمد (قابل تعریف نراشنس) تعریف کیا جائے گا۔ ساٹھ ہزار نوے دشمنوں سے ہم اس امن والے کو بچالیں گے۔''

(اتھر وید۔ کتاب سوکت کا حصہ نراشنس)

اگر مختلف مذاہب سے حضور سرور کونین ﷺ کی شان لکھنا شروع کروں تو سمندر کا پانی خشک ہو سکتا ہے لیکن اُن کی شانِ عظمت نشان کا ذکر خیر ختم نہیں ہو سکتا۔

ہم بغلِ دریا سے ہیں اے قطرۂ بے تاب تُو پہلے گوہر تھا، بنا اب گوہر نایاب تُو

دُعا ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے حبیب ﷺ کے صدقے مصنف اور ناشران کو اپنی رحمتوں کی چھاؤں میں رکھے۔ آمین!

پروفیسر ڈاکٹر شہزادہ ایم اے بَٹ
چیئرمین میڈیکل ونگ آزاد کشمیر وکوارڈینیٹر ضلع جہلم
قومی امن کمیٹی برائے بین المذاہب ہم آہنگی پاکستان

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

پیش گفتار

دورِ جدید کی نمایاں خصوصیات میں سے مختلف تہذیبی روایتوں اور انسانی جماعتوں کا روز افزوں باہمی اختلاط بھی ہے۔ نقل و حمل اور ابلاغ و ترسیل کے ترقی پذیر ذرائع نے اُن انسانی آبادیوں اور گروہوں کو بھی باہم منسلک کر دیا ہے جو روایتی اعتبار سے الگ تھلگ چلے آ رہے تھے۔ اِس طور پہ یا طورِ دُنیا کے سمٹ جانے سے انسانی جماعتوں کے ایک دوسرے پر انحصار اور تمام انسانوں کے ایک برادری ہونے کے تصور کو بہت تقویت ملی ہے اور اس تصور کے ساتھ ساتھ دوسرے تمدنی، تہذیبی، سیاسی اور معاشی عوامل کی بنا پر جو دورِ جدید میں نشوونما پاتے رہے، رفتہ رفتہ ایک ایسا عالمی شعور وجود میں آتا جا رہا ہے جو انسانی معاملات و موضوعات کو تمام نوعِ انسانی کے تناظر میں دیکھنا چاہتا ہے۔

اس فکر کے حامل دانشوروں کا یہ خیال ہے کہ تاریخ انسانی کے مختلف اجزاء، مختلف تہذیبیں اور مختلف مذاہب، ان میں سے کسی نے دوسروں سے بالکل محفوظ اور غیر متعلق رہتے ہوئے ترقی نہیں کی ہے، بلکہ ان میں سے ہر ایک دوسروں سے محسوس یا غیر محسوس طریقے سے متعلق رہا ہے۔ ان میں سے کسی ایک کو پورے طور پر سمجھنے کے لئے دوسروں کا مطالعہ ناگزیر ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اس طرح کے مطالعہ کے دوران ایک دوسرے کے تقابل میں مختلف تمدنی وتہذیبی روایات کی انفرادی خصوصیات بھی زیادہ نمایاں طور پر سامنے آجاتی ہیں۔ پھر بنیادی انسانی موضوعات اور مشترک مسائل کو سمجھنے کے سلسلے میں یہ بھی خیال کیا جاتا ہے کہ کسی بھی نوع کے مختلف اجزا کا باہم مطالعہ اُس نوع کی حقیقت کو سمجھنے میں بدرجہا زیادہ معاون ہوسکتا ہے بنسبت اس کے کہ ہم اپنی نظر کسی ایک ہی جُز کے مطالعہ تک محدود رکھیں اور صرف اُسی کی مدد سے اُس نوع کی حقیقت تک پہنچنا چاہیں۔

اب اس فکر سے اتفاق کرتے ہوئے مختلف انسانی جماعتوں، تہذیبوں اور نسلِ انسانی کے مشترک مسئلوں کو عالمی پس منظر میں سمجھنے کے لئے یا عہدِ حاضر کی روز بروز زیادہ نمایاں ہوتی ہوئی خصوصیت یعنی مختلف قوموں اور روایتوں سے متعلق افراد اور جماعتوں کے باہمی اختلاط کے سبب اپنے سے علاوہ دوسروں سے متعلق تہذیبی وتمدنی روایات کا مطالعہ ایک اہم ضرورت بن گیا ہے۔

اُردو زبان میں خصوصیت سے ایسی کتابوں کی بڑی کمی محسوس ہوتی ہے جو جدید معیارِ تحقیق کے مطابق ہمدردانہ لیکن غیر جانبدارانہ اور معروضی انداز پر لکھی گئی ہوں اور دوسری تہذیبوں کے بارے میں معلومات فراہم کرتی ہوں۔ تہذیبی زندگی کا ایک اہم حصہ مذہبی عقائد ہوتے ہیں یا یوں کہیے کہ ہر تہذیب وتمدن کی بنیاد کسی مذہبی روایت پر ہوتی ہے۔ ایسی کتابیں جو مندرجہ بالا معیار پر دوسرے مذاہب سے متعارف کراسکیں اور بھی کم ہیں۔ پیشِ نظر تصنیف اس کمی کو دور کرنے کی ایک کوشش ہے۔

لیکن اس سے پہلے کہ ہم آئندہ ابواب میں دنیا کی چند اہم مذہبی روایات کا مطالعہ کریں یہاں ہم مذاہب کے غیر جانبدارانہ مطالعہ اور عالمی شعور کے پس منظر میں یہ سوال ضرور اٹھانا چاہیں گے کہ آخر خود نفسِ مذہب ہے کیا چیز؟ زندگی کے مختلف پہلوؤں میں مذہب کے عنوان سے جو حقیقت عبارت ہے اُس سے ہماری کیا مراد ہے؟ اُس کی کون کون

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

خصوصیات ایسی ہیں جو کہ اُسے زندگی کے دوسرے پہلوؤں سے ممتاز و نمایاں کرتی ہیں اور جو مذہب کی تمام مخصوص شکلوں یعنی مختلف مذہبی روایات میں مشترک طور پر پائی جاتی ہیں۔

آثار قدیمہ، علم الانسان اور جغرافیائی تحقیقات نے یہ واضح کر دیا ہے کہ اب تک انسانوں کی کوئی مستقل جماعتی، قومی یا تہذیبی زندگی ایسی نہیں رہی ہے جو مذہب کی کسی نہ کسی شکل سے یکسر عاری رہی ہو۔ یہ چیز اس حقیقت کی طرف اشارہ کرتی ہے کہ مذہب کا تعلق ضرور بالضرور انسان کی کسی بہت بنیادی ضرورت سے ہے جس کے بغیر اُس کی دنیوی زندگی اگر خطرے میں نہیں پڑے گی تو کم سے کم سنگین بحران کا شکار ضرور ہو جائے گی۔

مذہب کی یہی مرکزیت اور انسانی زندگی سے اُس کا یہی گہرا تعلق شاید اس چیز کا سبب ہے کہ اس کا اظہار مختلف عقیدوں، مخصوص اعمال، رسومات، فنونِ لطیفہ کے مظاہر، مخصوص پابندیوں، مخصوص قوانین، اخلاقی ضابطوں، مخصوص رویوں، حرکات و سکنات اور بے شمار دیگر صورتوں میں ہوتا ہے۔ مذہبی احساس کے اظہار کی ان کثیر اور متنوع شکلوں کو دیکھتے ہوئے مذہب کی کوئی ایسی تشریح جو بیک وقت مذہبی زندگی کے تمام پہلوؤں کا احاطہ اور اُن کے ساتھ انصاف کر سکے، بہت مشکل معلوم ہوتی ہے۔

البتہ انسانی سطح پر مطالعہ کرنے سے یہ کہا جا سکتا ہے کہ بنیادی اعتبار سے مذہب کی حقیقت دو خانوں میں تقسیم محسوس ہوتی ہے۔ اگرچہ مذہب کے ان دونوں پہلوؤں کے درمیان ایک اندرونی ربط پایا جاتا ہے لیکن اپنی خاص کیفیت اور زندگی کے دو الگ میدانوں سے متعلق ہونے کے لحاظ سے دونوں میں فرق بھی بہت واضح ہے۔ مذہب کا ایک خانہ یا اُس کا ایک پہلو فرد کی باطنی زندگی سے تعلق رکھتا ہے جہاں وہ مذہب کی حقیقت سے بطور ایک احساس اور باطنی واردات کے دوچار ہوتا ہے، یہی وہ دنیا ہے جہاں مذہب اپنی اصل حقیقت میں بے نقاب ہوتا ہے اور انسان کا اُس سے براہِ راست تعلق قائم ہوتا ہے۔ اسی لئے یہی وہ سطح ہے جہاں باطنی تجربہ میں آ کر مذہب انسان کی مذہبی تشنگی کو دور کرنے کا سبب

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بنتا ہے۔

مذہب کی دوسری صورت یا اُس کا دوسرا پہلو فرد کی جماعتی زندگی سے متعلق ہے۔ یہاں مذہب ایک ایسی مخصوص روایت کی شکل میں سامنے آتا ہے جو ایک طرف تو افراد کی مذہبی اجتماعیت کے لئے بنیاد فراہم کرتا ہے اور دوسری طرف اپنے تعلق سے فرد کے لئے مذہب کے عملی اور اجتماعی اظہار کو بھی ممکن بناتا ہے۔

مذہب کی ان اجتماعی شکلوں اور ایک روایت کی صورت میں دُنیا کی مختلف مذہبی روایتوں میں بآسانی فرق کیا جا سکتا ہے، بلکہ بعض تو ان میں سے ایک دوسرے کی بالکل ضد معلوم ہوتی ہیں، گویا عین ممکن ہے کہ ان کے عقیدے، رسمیں اور مذہبی ادارے اپنے اپنے نظامِ مذہب کے اعتبار سے مذہبی زندگی کی تشفی کے لئے کفایت کرتے ہوں۔ دوسری طرف مذہب بحیثیت ایک باطنی تجربہ کے مخصوص روایتوں کے ظاہری اختلاف سے آزاد ہے۔ چنانچہ اپنی اس صورت میں مذہب تمام مذہبی روایتوں میں قدرِ مشترک اور اُن کے صفتِ مذہب سے متصف کئے جانے کا جواز ہے۔

بحیثیت باطنی تجربہ کے مذہب تمام مخصوص مذہبی روایتوں کا نقطۂ آغاز اور اُن کی بنیاد بھی ہے۔ مذاہب کی بنیاد، خواہ وہ کسی ایک تاریخی شخصیت کو اپنا نقطۂ آغاز مانتے ہوں یا محض کسی قوم کے اجتماعی ارتقا کا ایک جُز ہوں، کسی ایک یا مختلف شخصیتوں کے روحانی تجربہ پر ہے اور اسی سے وہ اپنا استناد حاصل کرتے ہیں۔ یہ نزولِ وحی کسی روایت میں گیان، کسی میں کیولیہ، کسی میں موکش، کسی میں نام کا حصول، کسی میں براہِ راست مشاہدہ، کسی میں الہام اور کسی میں نزولِ وحی سے تعبیر ہوا ہے۔

روایت کی تشکیل درحقیقت اُس وقت شروع ہوئی جب ان روحانی تجربات کو دوسروں کے لئے قابلِ فہم بنانے کی ضرورت سمجھی گئی۔ اس طرح ان باطنی وارداتوں نے عقیدوں، علامتوں، اعمال اور رسومات کی ایک ظاہری اور قابلِ محسوس شکل اختیار کر لی اور

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اپنی اس شکل میں وہ دوسرے انسانوں اور آئندہ آنے والی نسلوں کے لئے اُس روحانی تجربہ کی ابلاغ و ترسیل کا وسیلہ بھی بن گئے۔ کسی بھی مذہبی روایت میں اُس کے مخصوص عقائد اور اعمال درحقیقت وہ تار ہیں۔ جن کے ذریعہ اس روایت سے متعلق افراد اپنی روایت کے بانی یا بانیان کے روحانی تجربہ سے منسلک ہوتے ہیں اور بقدر اپنے روحانی ارتقا کے اُس میں شریک ہو سکتے ہیں۔

مذہب کا وہ باطنی تجربہ جو اپنی انتہائی عظیم اور طاقتور شکل میں بانیانِ مذاہب کی روحانی واردات میں ملتا ہے اور مخصوص مذہبی روایتوں میں بطور مغز، روح یا اُن کی بنیاد کے موجود ہے، عام انسانوں کی مذہبی زندگی کے لئے بھی اساسی حیثیت رکھتا ہے چنانچہ وہ مذہبی تصورات اور اعمال جو مذہبی احساس اور باطنی تجربہ سے بالکل معرا ہو چکے ہوں محض ذہنی معتقدات اور میکانیکی اعمال کا درجہ اختیار کر لیتے ہیں۔

ایسی صورت یا دوسرے الفاظ میں ظاہری اعمال و رسومات کا تعلق منقطع ہو جانے کی بنا پر یا دوسرے الفاظ میں ظاہری اعمال و رسومات کے فرد کے اندر کسی مذہبی احساس کی بیداری میں ناکام رہنے کی بنا پر، روایتی اعمال و عقائد کی حیثیت فرد کے اوپر ایک بیرونی جبر کی سی ہو جاتی ہے۔ اس صورتِ حال میں شدت کا پیدا ہو جانا ہی ہمارے خیال میں مذہبی تاریخ میں اصلاحی تحریکوں یا فرقہ سازی کا ایک اہم سبب ہے۔

انسان کی مذہبی زندگی میں مذہبی تجربہ یا مذہب کے داخلی احساس کی مرکزی اور بنیادی حیثیت متعین ہو جانے کے بعد اب ہمارے لئے مذہب کی نوعیت میں تحقیق کرنا کسی قدر سہل ہو گیا ہے۔ مذہبی تجربہ یا مذہبی احساس کے تجزیہ اور اُس کے اجزائے ترکیبی کی تحقیق کے سلسلے میں ایک جرمن پادری اور دانشور ڈولف اوٹو (۱۸۶۹ء-۱۹۳۷) نے ایک مختصر کتاب داس ہیلیگ (مقدس کا تصور) اس صدی کے بالکل شروع میں تصنیف کی تھی۔ یہ بات حیرت انگیز ہے کہ یہ صدی ختم ہونے کو آئی ہے لیکن ابھی تک یہ کتاب اس موضوع پر

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

نہایت معتبر سمجھی جاتی ہے۔ اوٹو نے مذہبی تجربہ کو بنیادی اعتبار سے ایک ایسی ''غیبی'' حقیقت کا مکاشفہ (یا کمتر درجہ میں شعور) قرار دیا ہے جو انسان کے لئے ایک بالکل ''غیر'' کی صورت میں سامنے آتی ہے۔ یہاں ''غیبی'' سے مراد یہ ہے کہ اس حقیقت کا نہ صرف یہ کہ ہماری دنیا سے کوئی تعلق نہیں ہوتا بلکہ وہ ایک ایسے ''اسرار'' سے تعلق رکھتی ہے جس کا احساس تو ہم کر سکتے ہیں۔ لیکن اس کی تہہ تک پہنچنا ہمارے امکان سے باہر ہے۔

اوٹو کا یہ بھی خیال ہے کہ یہ پُراسرار اور دنیا سے بالکل منزہ حقیقت بیک وقت اپنی عظمت کے اعتبار سے انسان کے لئے رعب و ہیبت پیدا کرنے والی بھی ہے اور اپنے اندر انسانی سعادت کا سامان رکھنے کے باعث اُس کے کئے باعثِ کشش بھی ہے۔ اپنی ان صفات کی وجہ سے اس حقیقت کا شعور یا مکاشفہ انسان کے اندر ردِّ عمل کے طور سے انتہائی عاجزی، اپنی بے وقعتی اور غیبی حقیقت کے لئے عقیدت کا احساس پیدا کرتا ہے۔ اپنے ان بیانات کی تشریح اور سند کے لئے اوٹو نے یہودی اور عیسائی مقدس صحیفوں سے اقتباسات پیش کئے ہیں۔ لیکن یہی چیز اوٹو کی حدود کو بھی ظاہر کرتی ہے۔

اوٹو کی تشریحات خدا پرستانہ مذاہب پر تو بخوبی صادق آتی ہیں، لیکن جب ایسے مذاہب مثلاً ابتدائی بُدھ مت یا جین مت معرضِ بحث میں لائے جائیں، جن کا مذہبی نظام خدا کے تصور سے عاری ہے تو اوٹو کا تجزیہ مسئلے کی پوری ترجمانی سے معذور نظر آتا ہے، مثلاً یہ کہ ابتدائی بُدھ مت اور ہنایان فرقہ میں نروان اور جین مت میں کیولیہ کے تصور سے تنزیہی اور سرّی سطح پر تو اوٹو کی ''غیبی حقیقت'' کی عکاسی ہوتی ہے لیکن رعب و ہیبت، انسان کے اندر اپنی بے وقعتی اور ماورائی حقیقت سے عقیدت کا احساس پیدا کرنے والی خصوصیات ان میں مفقود معلوم ہوتی ہیں۔

بہر حال ایک دوسرے رُخ سے اگر مذہبی تجربہ کو دیکھا جائے تو وہ انسان کے لئے اُس کی وجودی تنہائی کے مداوے کا تجربہ ہے۔ اس دنیا میں وجودِ انسانی جس حالت میں

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اپنے آپ کو پاتا ہے وہ ناقص، خطرات کا شکار اور بنیادی اعتبار سے غیر اطمینان بخش ہے۔ اپنے وجود کی انتہائی گہرائیوں میں آدمی ایک ایسے مستقل اضطراب کا شکار رہتا ہے جو ایک طرف نتیجہ ہے وجودی اعتبار سے اُس کے تنہا اور دوسری چیزوں سے جُدا ہونے کا، اور دوسری طرف حوادث زمانہ کے مقابلے میں اپنی بنیادی ضعیفی اور بے سہارگی کے احساس کا، تنہائی اور بے بسی کا یہ احساس انسان کو عموماً اُسی وقت شدت سے ہوتا ہے جب وہ زندگی میں کسی بحران میں مبتلا ہو جائے یا اُس کو کوئی ایسا دھکا لگے جو اس کی زندگی کے نظام کو درہم برہم کر دے پھر اس دنیا میں بغیر اپنی مرضی کے موجود ہونے اور موت کی حقیقت کے سامنے یہ احساس خصوصی تیکھا پن اختیار کر لیتا ہے۔

انسان کی اس وجودی تنہائی اور لاچارگی کی کیفیت میں مذہبی تجربہ روشنی کے ایک جھماکے کی طرح یہ انکشاف کرتا ہے کہ انسان ہمیشہ سے اَساسی طور پر ایک منزّہ، بے عیب اور مستقل حقیقت سے وابستہ رہا ہے۔ یہ شعور کہ کائنات کی ان بے کراں وسعتوں میں انسان تنہا اور بے سہارا نہیں ہے بلکہ انتہائی بنیادی اور مرکزی اعتبار سے اُس کو ایک ایسی حقیقت کا ''ساتھ'' حاصل ہے جو کہ اُس کے تمام دُکھوں کا مداوا اپنے پاس رکھتی ہے، انسان کے مذہبی تجربہ کی روح اور اُس کا مغز معلوم ہوتا ہے۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ یہی وہ تجربہ ہے جس کو مختلف مذہبی روایات میں الگ الگ صورتوں میں بیان کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

مذہبی تجربہ میں انسان کو جس منزّہ اور غیبی حقیقت کا ادراک حاصل ہوتا ہے وہ اپنی اسی خصوصیت کی بنا پر انسان کے لئے قطعی اور آخری سند کا درجہ بھی رکھتی ہے۔ زمان و مکان کی پابندیوں میں گرفتار انسان اسی دائرے میں محصور کسی چیز کو اپنا اعلیٰ ترین معیار بنا کر قانع نہیں ہو سکتا تھا۔ ایک ایسی حقیقت کا انکشاف جو کہ لامحدود، نقائص سے بَری، اور انسان کی شخصیت کو پورے طور پر مغلوب کر لینے والی ہے اُس کے لئے وہ آخری معیار بھی ہوتی ہے۔ جس کے مطابق وہ تمام کائنات کو پرکھ بھی سکتا ہے اور اُس کے واسطہ سے کائنات اور اپنی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

زندگی کے معنی و مقصد کو متعین بھی کرسکتا ہے۔

چنانچہ ڈنمارک کے ایک اسکالر ہوفڈنگ کے خیال میں جن کا حوالہ پروفیسر سیّد وحید الدین صاحب نے اپنی کتاب ریلیجن ایٹ دی کراس روڈز میں دیا ہے، مذہب تمام روایتوں میں اپنی انتہائی بنیادی صورت میں اعلیٰ قدروں کی بقا پر یقین کا نام ہے، اور یہ قدریں مثلاً انصاف، محبت، ہمدردی، ایثار وغیرہ جو زندگی کو گہرائی اور معنی عطا کرتی ہیں، دنیوی فائدہ یا نقصان، کامیابی یا ناکامیابی اور انسانوں کے ماننے یا نہ ماننے پر منحصر نہیں ہیں بلکہ ان کا وجود اور جواز اُس ماورائی اور غیبی حقیقت کے احساس پر مبنی ہے جو انسان کے مذہبی تجربہ کی دریافت ہے۔ اس بنیاد پر مذہبی احساس انتہائی ناموافق حالات میں بھی جب کہ بظاہر ہر طرف اعلیٰ قدروں کا خاتمہ نظر آتا ہو شکست تسلیم نہیں کرسکتا۔ ان قدروں کی ماورائی بنیاد پر یقین اُس کو سہارا دیتا ہے اور وہ مزید گہرائی میں جا کر اور زیادہ تحقیق کے ساتھ ان قدروں کو زندگی میں تلاش کر لیتا ہے۔

مذہبی زندگی میں مذہب کے باطنی احساس اور مذہبی تجربہ کی مرکزی اور اَساسی حیثیت کے باوجود مذہب کا تاریخی، سماجی، اور تمدنی اظہار اپنی اہمیت رکھتا ہے۔ اس کے علاوہ علوم وفنون اور سیاسی و معاشی زندگی پر بھی مذہب کے اثرات نمایاں طور پر محسوس کئے گئے ہیں۔ اس ضمن میں مذہبی احساس سے قدروں کے تعلق کی بحث خصوصی اہمیت رکھتی ہے۔ اِس نقطۂ نظر سے مذہبی احساس کی بنیاد پر ہی وہ مستقل قدریں قائم رہ سکتی ہیں۔ جو انسانی رشتوں کو باہمی اعتماد اور استقلال عطا کرتی ہیں۔

انسانی زندگی کی سب سے بنیادی اکائی یعنی خاندان کا قائم رہنا بھی مشکل ہے۔ چنانچہ ماہرین عمرانیات کی نظر میں سماجی اعتبار سے مذہب کا سب سے اہم کردار یہی ہے کہ وہ سماج کو ایسی قدریں اور اِدارے دیتا ہے جو سماجی زندگی کے قیام، استحکام اور استمرار کے لئے ضروری ہیں۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

تمدنی اعتبار سے بھی مذہب کی اساسی حیثیت اُن قدروں کو متعین کرنے اور باقی رکھنے کی وجہ سے ہے جو تمدنی ارتقا کو مخصوص رجحانات اور ایک سمت عطا کرتی ہیں۔ تمدنی زندگی کا ایک اہم عنصر یعنی جمالیاتی ذوق اگرچہ بنیادی اعتبار سے مذہبی احساس سے الگ اور اپنی آزادی حیثیت کا حامل محسوس کیا جا سکتا ہے، مگر جمالیاتی احساس اور مذہبی احساس میں اتنا قرب اور ان کے باہم ملنے کے اتنے مقامات ہیں کہ جمالیاتی احساس مذہبی احساس کے اظہار کا بہترین ذریعہ بن جاتا ہے، چنانچہ فنونِ لطیفہ اور جمالیاتی احساس کے مختلف مظاہر ہمیشہ سے مذہبی احساس کی ابلاغ و ترسیل کا ایک قوی ذریعہ رہے ہیں جب کہ دوسری طرف فنونِ لطیفہ کے اکثر شاہکار مذہبی جذبہ کے طفیل ہی وجود میں آئے۔

مذہب اور تمدن و تہذیب کی بحث میں یہ فرق بھی خاصی اہمیت رکھتا ہے کہ بعض تہذیبوں میں مذہب سماجی زندگی کے تمام پہلوؤں میں دخیل اور دورانِ خون کی طرح اُس کے رگ و ریشے میں پیوست ہوتا ہے جب کہ بعض دوسری تہذیبوں میں وہ سماجی اور تمدنی ڈھانچے میں اپنا ایک منظم، واضح اور الگ وجود رکھتا ہے۔

سماجی زندگی کے بعض پہلوؤں میں اُس کا عمل دخل زیادہ ہوتا ہے جب کہ دوسرے پہلو اُس کے اثر سے آزاد ہوتے ہیں۔ اس طرح مختلف مذہبی روایتیں مختلف سطحوں پر اپنے سماج کو متاثر کرتی ہیں۔ بعض صورتوں میں اگر مذہبی زندگی اور سماجی زندگی میں فرق نہیں کیا جا سکتا اور ایک دوسرے کے بالکل ہم معنی اور مترادف ہے، تو دوسری صورتوں میں مذہبی زندگی اور سماجی زندگی ایک دوسرے کی حریف بھی ہو سکتی ہیں۔ جن میں باہم ایک کش مکش جیسی صورت حال قائم رہتی ہے اور دونوں ایک دوسرے پر اثر انداز ہونے کے لئے کوشاں رہتی ہیں۔ پہلی صورت کی مثال اپنی انتہائی شکل میں اُن تہذیبوں میں نظر آتی ہے۔ جو حرف شناسی سے قبل کی سطح سے متعلق ہیں، اور دوسری صورت جدید سیکولر تہذیب میں اپنی تمام تفصیلات کے ساتھ دیکھی جا سکتی ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

سیاسی اور معاشی زندگی میں بھی مذہبی روایتوں کا اپنا الگ الگ کردار رہا ہے۔
لیکن یہ حقیقت کہ مذہبی تصور اور ادارے سیاسی اور معاشی زندگی کو براہِ راست یا بالواسطہ متاثر کرتے ہیں ایک پیش پا افتادہ بات ہے۔ مذہب اور سیاست کے باہمی تعلق کی ایک واضح مثال اگر اسلامی روایت میں تصورِ خلافت یا ماضی میں "السلطان ظلّ اللہ فی الارض" کے تصور یا اُس سے بھی زیادہ شیعوں کے تصورِ امامت میں دیکھی جا سکتی ہے تو مذہبی عقیدہ کے معاشی زندگی پر اثرات کی ایک مثال جینیوں کے اہنسا کو فرضِ عین ماننے کے نتیجہ میں من حیث القوم زراعت یا فوجی زندگی کو چھوڑ کر (جس میں کسی طور چھوٹی یا بڑی جان مارنے کا احتمال تھا) تجارت کو بطور پیشہ اختیار کرنے میں ملتی ہے۔
مشہور ماہرِ عمرانیات میکس ویبر (۱۹۲۰۔۱۸۶۴ء) نے اپنی کتاب دی پروٹسٹنٹ ایتھک اینڈ دی رائز آف کیپٹیلزم میں بڑی بصیرت سے ریفارمیشن (عیسائیت میں مذہبی اصلاح کی تحریک) میں جان کالون کے مسلک کی اشاعت اور مغربی یورپ اور امریکہ میں "سرمایہ داری" کے ارتقا میں ایک براہِ راست رَبط ثابت کیا ہے۔ بہر حال، مذہب کا سیاسی اور معاشی زندگی سے تعلق تحقیق کے ایسے میدان ہیں جن میں بمقابلہ نفسیات اور عمرانیات کے ابھی تک بہت کم کام ہوا ہے۔
مذہب کو یہاں جس نہج پر سمجھنے کی کوشش کی گئی ہے اور جو کہ اس کتاب میں شامل مختلف مذہبی روایتوں کے مطالعہ میں بھی بنیادی رویہ کو متعین کرتی ہے، اُس کی طرف شروع میں ہم نے "غیر جانبدارانہ"، "ہمدردانہ" اور "معروضی" وغیرہ کہہ کر اشارہ کیا ہے۔ یہ خصوصیتیں مذہب کے (بہ نفسِ خود اور مختلف مذہبی روایتوں کی شکل میں) مطالعہ کے ایک باقاعدہ رجحان کے جُزو ہیں جو کہ دوسری جنگِ عظیم کے بعد سے خصوصیت سے اُبھر کر سامنے آیا ہے اور جسے عموماً مذہب کے "مظہریاتی مطالعہ" یعنی فینومینولوجیکل اپروچ سے تعبیر کیا گیا ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اس کی مزید توضیح سے پیشتر یہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ جدید دَور میں مذہب کے مطالعہ کا ایک سرسری پس منظر پیش کر دیا جائے جس سے یہ اندازہ ہو سکے کہ کن مختلف اَدوار سے گزر کر آج مطالعہ مذہب کا علم اس منزل تک پہنچ سکا ہے۔ جہاں یہ توقع کی جاتی ہے کہ مختلف مذہبی روایتوں اور خود نفسِ مذہب کے ساتھ زیادہ انصاف کیا جا سکے گا۔

جدید دور کے آغاز تک یورپ میں، جیسا کہ ترقی پذیر ملکوں میں موجودہ زمانے تک، مذہب کے مطالعہ میں دینیاتی رویہ، ہی غالب ترین رجحان رہا تھا۔ ''دینیاتی رویہ سے ہماری مراد وہ نقطۂ نظر ہے جس میں مطالعہ کرنے والا پہلے سے تسلیم شدہ نظریوں کو اپنا معیار سمجھتا ہے اور اُنہیں کے تحت چیزوں کو دیکھتا ہے۔ اس طرح کے مطالعہ میں انسان کا مقصد بنیادی طور پر چیزوں کے بارے میں صحیح اور غلط کا فیصلہ کرنا ہوتا ہے، چنانچہ وہ چیزیں جو اُس کے پہلے سے تسلیم شدہ نظریوں کے مطابق ہوتی ہیں صحیح اور اُس کے علاوہ تمام چیزیں غلط ثابت کر دی جاتی ہیں۔ چونکہ اس نقطۂ نظر کے ساتھ انسان جب اپنی روایت کے علاوہ دوسری مذہبی روایتوں کا مطالعہ کرتا ہے تو وہ ہمیشہ اپنے مذہب کی برتری اور حقانیت ثابت کرنے اور دوسرے مذہب کے رد اور ابطال کے درپے رہتا ہے اس لئے اس نقطۂ نظر سے دوسرے مذہب کی وہ تصویر جو اُس کے اپنے ماننے والوں کے نزدیک ہوتی ہے، سامنے آنا بہت مشکل ہے۔

اس نقطۂ نظر میں اُس وقت تک تو کوئی کمی یا دُشواری نہیں محسوس کی جائے گی جب تک کہ مختلف مذہبی روایتیں اپنے اپنے ماحول تک محدود اور دوسروں کے وجود سے (کم سے کم ذہنی اعتبار سے) آنکھیں بند رکھنا چاہیں گی، لیکن جب ایسی صورتِ حال پیدا ہو جائے جہاں دوسروں کے وجود کا انکشاف وہ غیر معمولی شدت اور وزن اختیار کر جائے کہ اُس کو نظر انداز کرنا مشکل ہو اُس وقت اُن کے وجود کو تسلیم کرنے میں یہ نقطۂ نظر بڑی حد تک حارج ہو سکتا ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

یہ صورتِ حال کلاسیکی اسلامی دور میں بھی (محدود پیمانے پر ہی سہی) محسوس کی گئی تھی۔ جب مسلمان عالم اور دانشور اس حقیقت سے نبٹنے کے لئے ضروری خود اعتمادی اور وسعتِ نظر رکھتے تھے۔ نتیجہ میں ابنِ قتیبہ، ابنِ حزم اور البیرونی جیسے مطالعہ مذاہب کے ماہرین پیدا ہوئے۔ لیکن جدید دور کے آغاز میں یورپ کی توسیع پسندی اور اُس کے ساتھ نئی نئی دنیاؤں کی دریافت کے نتیجے میں یہ صورتِ حال اور ضرورت ایک بڑے پیمانے پر سامنے آئی۔

اب اس کا دائرۂ تقریباً کرۂ ارض کے مختلف علاقوں میں بسنے والی قوموں کے مذہب اور تمدن کو محیط تھا۔ نو آبادیاتی تسلط کے لئے بھیجی گئی فوج کے سپاہیوں، تاجروں، سیاحوں اور نئی نئی تحقیقات میں دلچسپی رکھنے والے دانشوروں کے ذریعہ رفتہ رفتہ جو معلومات مختلف تمدنوں اور مذہبوں کے تنوع اور اُن کی تفصیلات کے بارے میں یورپ میں اکٹھی ہوئیں اُس نے یورپ کے دانشوروں کو عیسائیت کے علاوہ دوسرے مذاہب کے بارے میں سنجیدگی سے غور کرنے اور ان کی حقیقت کی کوئی معقول توجیہہ کرنے پر مجبور کر دیا۔

اس میں شک نہیں کہ ان دانشوروں کے اس رویہ میں اِس چیز کا بھی دخل تھا کہ اُنیسویں صدی کے یورپ میں عقلیت پرستی کے سبب یورپی سماج پر عیسائی روایت کی گرفت بڑی حد تک ڈھیلی ہوگئی تھی۔ اسی دوران اُنیسویں صدی کے نصف آخر کی ابتدا میں حیاتیات سے متعلق وہ مشہور نظریہ سامنے آیا جس نے ماضی کے فکری ورثہ خصوصاً روایتی تصورِ حیات کی بنیادیں ہلا دیں اور یہ نظریہ قدیم و جدید علمی روایت کے درمیان ایک حدِّ فاصل بن گیا۔ ہماری مراد ڈارون کے نظریۂ نوعی ارتقا سے ہے جس نے اُنیسویں صدی کے یورپ کو تقریباً اُسی طرح متاثر کیا جیسے انسانوں کو الہامی مذاہب کرتے ہیں، اور جس کے اثر سے یورپ کے دانشور اور ماہرینِ علوم کسی حد تک پہلی جنگ عظیم کے بعد ہی آزاد ہو سکے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

دوسرے علوم کی طرح مطالعہ مذہب میں بھی تصورِ ارتقا کو مختلف ماخذوں سے حاصل کی گئی معلومات کو ایک سانچے میں ڈھالنے اور اُس کے ذریعہ اپنے موضوع سے متعلق ایک مربوط نظریہ کی ترکیب و تشکیل میں استعمال کیا گیا۔ چنانچہ اُنیسویں صدی کے نصف آخر میں متعدد ماہرین علم الانسان، ماہرین عمرانیات اور علوم انسانی سے عمومی دلچسپی رکھنے والے دانشوروں نے ایسی کتابیں لکھیں۔ جن میں مذہب کی حقیقت کو ایک ارتقائی خاکہ کے ذریعہ واضح کرنے کی کوشش کی گئی تھی۔ مذہب کے بنیادی ماخذ اور اُس کے ارتقا کے مدارج کی تفصیل میں اگرچہ ان مصنفین میں باہم اختلاف تھا۔ مگر وہ سب کے سب اس بات پر متفق نظر آتے تھے کہ مذہب کی ابتدا انسانی ضروریات کے تحت ہوئی ہے۔

ان کا یہ خیال بھی تھا کہ اس میں ابتدائی پست معیار سے ایک درجہ بدرجہ اعلیٰ سے اعلیٰ تر معیار کی طرف ارتقا ہوا ہے، اور اس ارتقا کا نقطۂ عروج اُن کے نزدیک بیشتر ''روشن خیال پروٹسٹنٹزم'' یا پھر سامی روایت کے موحدانہ مذاہب کی شکل تھی۔ ان میں صرف ولہیلم اِشمٹ (۱۹۵۴ء۔۱۸۶۸ء) اور اُس کا محدود حلقہ اکثریت کے برخلاف اعلیٰ سے ادنیٰ کی طرف تدریجی زوال کا قائل تھا۔ آج یہ محسوس کیا جا سکتا ہے کہ ان مصنفین کے نظریے زیادہ تر اُن کے مفروضات اور دوسرے مذہبوں سے متعلق کمیاب اور محدود معلومات پر مبنی تھے۔

مذہب کی ابتدا اور اُس کے تدریجی ارتقا کی تحقیق میں مشغول دانشورں کے علاوہ ماہرین علم الانسان و عمرانیات کا ایک دوسرا گروہ غیر ترقی یافتہ تمدنوں اور مختلف قوموں کی سماجی زندگی میں مذہب کے کردار کی تحقیق کے ذریعہ اُس کی نوعیت کو متعین کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ نظریۂ ارتقا کا زور کم ہو جانے کے بعد یہ حلقہ اپنے نظریات کا اثر قائم کرنے میں بخوبی کامیاب ہو گیا اور آج تک علم الانسان، عمرانیات اور اُن سے متاثر علوم ان کے اثرات سے صحیح معنوں میں آزاد نہیں ہو سکے ہیں۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

دانشوروں کا یہ سلسلہ جن کے اجداد میں ایمائل ڈرخائیم (۱۹۱۷ء۔۱۸۵۸ء) اور برونسلا مالی نووسکی (۱۹۴۲ء۔۱۸۸۴ء) جیسی بھاری بھر کم شخصیتیں شامل تھیں، درحقیقت بنیادی طور پر اپنے موضوع یعنی انسان کی اجتماعی اور تمدنی زندگی سے وفاداری رکھتا تھا۔ مذہب کی تحقیق وتشریح یہ دانشور اسی اجتماعی زندگی کے نقطۂ نظر سے کرتے تھے۔

چنانچہ ان کی تشریحات میں انسان کی اجتماعی اور تمدنی زندگی کے لئے مذہب کی ضرورت، اس زندگی میں مذہب کا مخصوص کردار، اس کے پیچھے اجتماعی نفسیات کی اپنی منطق اور سماجی وتمدنی زندگی کے تعلق سے مذہب کی اپنی نوعیت سامنے آجاتی تھی۔ لیکن ایک طرف تو تحقیق وتشریح کی یہ پوری عمارت اسی مفروضہ پر قائم تھی اور یہی تاثر دیتی معلوم ہوتی تھی کہ مذہب انسان کی سماجی ضرورتوں کی دین اور سماجی زندگی کی پیداوار ہے، 'اس طرح اُڑنے سے پیشتر ہی مرا رنگ زرد تھا' کے مصداق مذہب کی مابعد الطبیعاتی بنیادوں کا معرضِ بحث میں آنے سے پہلے ہی فیصلہ ہوجاتا تھا۔

اس کے علاوہ اس مکتبِ فکر میں جو مذہب کا ایک یک رخا تصور پیش کرتا تھا۔ مذہب کے دیگر پہلوؤں سے بڑی حد تک صرفِ نظر کیا جاتا تھا۔ اس طور پر محدود ہونے کے باوجود اس میدان کے ماہرین کا یہ اصرار رہا ہے کہ یہی مذہب کی مکمل اور شافی وکافی تشریح ہے اور یہی مذہب کی اصل حقیقت ہے۔

خالص نفسیاتی نقطۂ نظر اور انسان کے باطن پر اپنے اثرات کے لحاظ سے مذہب کا معروضی اور مشاہداتی مطالعہ بھی انیسویں صدی کے اواخر میں شروع ہوچکا تھا۔ اس سلسلے کی ایک اہم تصنیف ولیم جیمس (۱۹۱۰ء۔۱۸۴۲ء) کی ورائٹیز آف ریلیجن ایکسپریس بیسویں صدی کے شروع میں سامنے آئی جو مختلف لوگوں کے مذہبی احساسات کے واقعاتی تجزیے اور اپنے سلیس طرزِ تحریر کی وجہ سے بہت مقبول ہوئی۔

دوسری طرف مشہور ماہرِ نفسیات سگمنڈ فرائڈ (۱۹۳۹ء۔۱۸۵۶ء) کا مکتبِ فکر تھا

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

جو مذہبی تصورات اور رسومات کی تشریح مخصوص نفسیاتی الجھنوں کے پس منظر میں کرتا تھا۔ ماہرین عمرانیت وعلوم انسانی کی طرح یہاں بھی مذہب کا ماخذ انسان کی حالات سے نبرد آزما ہونے کی صلاحیتوں میں دیکھا گیا جو کہ اس مخصوص صورت میں نفسیاتی ضرورتوں کو پورا کرنے کے لئے مذہب کی تخلیق سے متعلق تھیں۔ اس طرح یہاں بھی مذہب کے صرف ایک پہلو یعنی انسان کی نفسیاتی زندگی میں مذہب کی افادیت کو مذہب کی مکمل تشریح اور اس کی تمام تر حقیقت کا آئینہ دار تسلیم کرلیا گیا۔

فرائڈ کے شاگردوں میں سی۔ جی۔ ینگ (۱۹۶۱۔۱۸۷۵ء) نے اپنے استاد سے نمایاں اختلاف کیا اور نفسیات کی دنیا میں ایک غیر معمولی انکشاف کرتے ہوئے نوع انسانی کے ایک "اجتماعی شعور" کی دریافت کی جس کے اندر انسانوں کے بنیادی مذہبی تجربہ کی جھلکیاں دیکھی جاسکتی ہیں۔ اس کے علاوہ عمومی طور پر بھی ینگ کا رویہ مذہب کی طرف ہمدردانہ ہے اور وہ مذہب کو اُس کی اپنی بنیادوں پر سمجھنے کے حق میں معلوم ہوتا ہے۔

جہاں تک مذہب اور مذہبی روایتوں کو ان کی اپنی بنیادوں پر سمجھنے کا سوال ہے مطالعہ مذہب کے مذکورہ بالا رویّوں یا دیگر مناہج میں سے جو اُنیسویں صدی کے اواخر اور بیسویں صدی کے اوائل میں رائج تھے، مثلاً مذہب کا لسانیاتی، ادبی، تاریخی یا فلسفیانہ اسلوبِ مطالعہ وغیرہ، کوئی ایک بھی مذہب کے ساتھ انصاف کرنے اور مذہب کی تشریح خود مذہب بنیادوں پر کرنے میں اُس نہج کا مقابلہ نہیں کرسکتا جس کی طرف ہم نے مذہب کے "مظہریاتی مطالعہ" کے نام سے اشارہ کیا ہے۔ یہ اُسلوب جس کا باوا آدم ایک جرمن فلسفی ایڈمنڈ ہسرل (۱۹۳۸۔۱۸۵۹ء) تھا، مذہب کے مطالعہ میں موضوع کی روح میں بصیرت حاصل کرنے اور اُس کی تشریح میں ذاتی ترجیحات اور عقائد کو مداخلتِ بیجا کی اجازت نہ دینے سے عبارت ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

دینیاتی اسلوب کے بالکل برعکس یہ اسلوب فکر چیزوں کے بارے میں صحیح اور غلط کا فیصلہ کرنے کے بجائے صرف اُن کو سمجھنے اور جیسی کہ وہ اپنی حقیقت میں پائی جاتی ہیں، بلاکم وکاست بیان کر دینے کا حامی ہے۔اس اسلوب کی یہ بھی ایک خصوصیت ہے کہ مذہب سے متعلق مخصوص موضوعات کی نوعیت پورے طور پر سمجھنے کے لئے یہ مختلف مذہبی روایتوں کے پس منظر اور اُن کے متعلقہ حوالوں کی مدد حاصل کرسکتا ہے۔یعنی اس کا دائرۂ کار کسی ایک مذہبی روایت یا تمدّن تک محدود نہیں رہتا بلکہ اپنے موضوع کی تحقیق میں یہ بین اقوامی اور بین مذاہبی سطح پر کام کرتا ہے۔ پھر یہ اسلوب نہ صرف یہ کہ اپنے میدانِ کار کے اعتبار سے بین اقوامی ہے، بلکہ اپنے مقصد یعنی مذہب اور اس سے متعلق مخصوص روایتوں کو جہاں تک ہو سکے۔

مکمل اور صحیح ڈھنگ سے سمجھنے کے لئے ،مختلف علوم مثلاً تاریخ، آثارِ قدیمہ، علم الانسان، سماجیات، معاشیات، لسانیات، ادبیات، نفسیات، جغرافیہ اور سائنس وغیرہ کی دستیاب معلومات کو ضروری سمجھتا ہے۔اس کے علاوہ موضوع کا ''ہمدردانہ'' مطالعہ بھی اس اسلوب کی ایک اور اہم خصوصیت ہے جس پر اب حال میں زیادہ سے زیادہ زور دیا جانے لگا ہے۔

ہمدردانہ سے یہاں ایسا رویہ مراد ہے جس میں مطالعہ کرنے والے کو اپنے موضوع سے متعلق ظاہری یا بیرونی معلومات کے ساتھ ساتھ اُس کی اندرونی حقیقت کا علم بھی خاطر خواہ ہو سکے۔ مذہب کا تعلق چونکہ انسانی احساسات اور وہ بھی انتہائی گہرے احساسات سے ہوتا ہے، اس لئے اس مطالعہ میں معروضیت کا وہ رویہ جو کہ سائنسی مضامین میں رائج ہے، اور جہاں محقق کا اپنے موضوع سے عامل و معمول جیسا سرد اور میکانیکی تعلق ہوتا ہے، کام نہیں دے سکتا۔

یہاں مطالعہ مذہب کے طالب علم اور محقق میں یہ صلاحیت مطلوب ہے کہ وہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اپنے موضوع کو اپنے اوپر طاری کر کے کسی درجہ میں بھی اُس کی اندرونی جہت دیکھنے میں کامیاب ہو سکے۔ اس موقع پر سوال کیا جا سکتا ہے کہ ایک روایت سے تعلق رکھنے والا شخص کسی دوسری مذہبی روایت کے سلسلے میں اس طرح کا رویہ کیوں کر اپنا سکتا ہے، لیکن اگر کوئی طالب علم دورانِ مطالعہ اپنے ذاتی عقائد اور ذہنی تحفظات کو قابو میں رکھ سکے، انہیں اپنے مطالعے میں مداخلت کا موقع نہ دے اور اپنے آپ کو دوسرے کی جگہ رکھ کر محسوس کرنے کی صلاحیت اپنے میں پیدا کر سکے تو وہ دوسری مذہبی روایت کی حقیقت سے نسبتاً زیادہ قریبی اور بہتر فہم پیدا کر لے گا۔

ان الفاظ کے ساتھ اب ہم دنیا کی چند اہم مذہبی روایتوں کے مطالعہ کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔

عمادالحسن آزاد فاروقی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

قُل رَّبِّ زِدْنِي عِلْمًا

اور دُعا کیجئے کہ (اے پروردگار) میرے علم میں اور اضافہ فرما۔

(سورۃ طٰہٰ: آیت 20)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہندومت

(Hinduism)

برہمنی روایت اور اس کا ارتقا

ہندوستان ایک قدیم ملک ہے۔ دنیا کے جن خطوں میں پہلے پہل انسانی تہذیب وتمدن نے اپنی آنکھیں کھولیں، ان میں ہندوستان کو بھی شمار کیا جاتا ہے۔ البتہ یہ ضرور ہے کہ اب تک کی تحقیقات کے مطابق، ہندوستان میں آریوں سے پہلے کی مذہبی روایات کے بارے میں مستند اور تفصیلی معلومات نہیں مہیا ہو سکی ہیں۔ وادیٔ سندھ (موہنجدارو اور ہڑپا) کی کھدائی میں جس قبل از آریہ تمدن کے آثار ملے ہیں، اس کی زبان اب تک پڑھی نہ جاسکنے کی وجہ سے اس کے مذہب کے بارے میں ہماری معلومات بہت محدود ہیں۔ اس صورت حال میں ہم اس مذہبی روایت سے جو کہ آریوں کی آمد کے ساتھ ہندوستان میں متعارف ہوئی ہندوستانی مذاہب کا بیان شروع کرتے ہیں۔

ہندوستان کی اس قدیم مذہبی روایت کو بنیادی اعتبار سے دو حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے، برہمنی مت اور ہندومت، برہمنی مت سے مراد وہ روایت ہے جس کا دور دورہ ہندوستان میں آریوں کی آمد (تقریباً ۱۵۰۰ قبل مسیح) کے بعد سے لے کر بدھ و جین مذاہب

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کی عام اشاعت (تقریباً ۴۰۰ قبل مسیح) تک رہا۔ چونکہ اس مذہبی روایت میں، جس کو ویدک مت کا نام بھی دیا جا سکتا ہے، برہمن طبقہ کو ایک مرکزی حیثیت حاصل تھی، نیز چونکہ اس کی ساخت و پرداخت بالکلیہ برہمن طبقہ کے ہاتھوں ہوئی تھی، اس لئے بھی اس کو برہمنی مت کہنا کچھ نامناسب نہ ہوگا۔

برہمن طبقہ نے آریوں کے مذہبی شعور کی پوری نمائندگی کرتے ہوئے قدیم مذہبی اصولوں کی رہنمائی میں اس روایت پر اپنا گہرا اثر قائم رکھا۔ اگرچہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ برہمنی مت میں نمایاں تبدیلیاں ہوئیں اور یہ روایت ہندوستان میں کافی پھیلی پھولی لیکن بہرصورت یہ قدیم آریائی مذہبی شعور کی نمائندہ بن کر رہی اور اپنا ویدک رنگ کبھی یکسر نہیں اڑنے دیا۔

برہمنی مت کے سنہری دور میں، جس کا زمانہ اوپر مذکور ہے، جو مذہبی ادب اس روایت کے زیر اثر وجود میں آیا وہ سب کا سب ویدک ادب میں شامل ہے اور وید کہلانے کا مستحق ہے۔ برہمنی مت اور اس کے جانشیں ہندومت کے مذہبی ادب میں وید کو ایک مخصوص مقام حاصل ہے اور اس کو شرتی کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ ویدک ادب کو شرتی (الہامی) قرار دینے کی وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ اس میں شامل مذہبی حقائق کو کسی کی تخلیق نہیں سمجھا جاتا۔

وید کے بارے میں یہ خیال کیا جاتا ہے کہ اس میں بیان کردہ سچائیاں ابدی حقائق ہیں جو اپنا ایک الگ لازوال وجود رکھتی ہیں۔ قدیم رشیوں (روحانی شخصیتوں) نے اپنے اعلیٰ روحانیت کی بنا پر ان سچائیوں کو سن لیا تھا اور پھر ان کو الفاظ کا جامہ پہنا دیا۔ اسی لئے تمام ویدک ادب شرتی (سنا ہوا، الہامی) مانا گیا ہے اور یہ خدا یا انسان کسی کا تصنیف کردہ نہیں ہے۔ اگرچہ تمام کا تمام ویدک ادب یکساں طور پر مقدس اور شرتی میں شامل سمجھا جاتا ہے لیکن مختلف بنیادوں پر انہیں مختلف قسموں میں بھی بانٹا گیا ہے۔ ان میں دو طرح کی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

تقسیمیں سب سے زیادہ مشہور ہیں۔ ایک تقسیم جو زیادہ علمی دلچسپی کا باعث ہے، وہ ہے جو ویدک ادب کے مختلف حصوں کے زمانہ تصنیف اور ان کے موضوع کی بنیاد پر کی گئی ہے۔ اس تقسیم کے بموجب ویدک ادب کا قدیم ترین حصہ سمہتا کہلاتا ہے، جو قدیم آریائی دیوی دیوتاؤں کی شان میں کہے گئے بھجنوں اور ان سے متعلق گیتوں کا مجموعہ ہے۔ اس کے بعد جو ویدک ادب تصنیف ہوا وہ برہمن کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

برہمن تصانیف اپنے موضوع کے اعتبار سے زیادہ تر مذہبی رسومات، آدابِ زندگی، یگیہ (قربانی) اور ہون کے قاعدوں اور ضابطوں سے متعلق ہیں۔ برہمن تصانیف کے آخر دور میں ایک تیسری قسم کے ویدک ادب کی ابتدا ملتی ہے، جو اپنے موضوع اور مذہبی فکر کے لحاظ سے پہلی دو قسموں سے مختلف ہے۔ اس کو آرنیکا کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ ان مختلف تصانیف میں موجود مذہبی افکار کے متعلق ہم آگے چل کر گفتگو کریں گے۔ اس وقت تو صرف یہ بتانا مقصود ہے کہ ان میں سے ہر قسم اپنے تاریخی زمانے اور مذہبی رجحانات کے لحاظ سے دوسروں سے الگ ہے۔

مثال کے طور پر بعض مذہبی اور متصوفانہ رجحانات، جس کی محض ابتدا ہم کو آرنیکا حصہ میں ملتی ہے وہ ویدک ادب کی چوتھی قسم اُپنشد میں اپنے پورے کمال کو پہنچ گئے ہیں اور خوب برگ و بار لائے ہیں۔ اپنشد کو ویدانت بھی کہتے ہیں، اس لئے کہ یہ ویدک ادب کا سب سے آخری حصہ ہے اور اس طرح اُپنشد پر آکر وید کا انت (خاتمہ) ہو جاتا ہے۔ اس کو ویدانت اس لحاظ سے بھی کہا جا سکتا ہے کہ اگر سمہتا حصہ میں ہم کو برہمنی مت کے ابتدائی افکار ملتے ہیں تو ویدک ادب کے بعد کے حصوں میں ایک تدریجی ترقی کے بعد اپنشد میں برہمنی مت کی فکر اپنے پورے کمال کو پہنچ گئی ہے۔ اس طرح فکری ارتقا کے اعتبار سے بھی اُپنشد ویدوں کا انت (آخری نقطۂ عروج) کہلائے جانے کے مستحق ہیں۔

اُپنشد کے بعد کی تصانیف جو برہمنی مت کی مقدس کتابوں میں شامل ہیں، جیسے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

رامائن، مہابھارت وغیرہ، ویدک ادب کا حصہ نہیں سمجھی جاتیں اس لئے ان کو شرتی (الہامی) ہونے کا درجہ حاصل نہیں ہے۔ بعد کی یہ تمام مقدس کتابیں سمرتی (رٹ کر یاد کی ہوئی) اور انسانوں کی تصنیف کردہ شمار ہوتی ہیں۔

ویدک ادب کی ایک دوسری تقسیم، جو روایتی اعتبار سے اتنی ہی قدیم ہے۔ یگیہ اور ہون میں ویدک منتروں اور بھجنوں کے موقع استعمال کے لحاظ سے کی گئی ہے۔ اس تقسیم کی رو سے جو کہ عام طور پر زیادہ معروف ہے، پورے ویدک ادب کو چار ویدوں میں بانٹا گیا ہے:

(۱) رگِ وید

(۲) سام وید

(۳) یجر وید

(۴) اتھر وید

ان میں سے ہر وید کا پہلا حصہ سَمہتا، دوسرا برہمن، تیسرا آرنیکا اور چوتھا اُپنشد کہلاتا ہے۔ اس طرح پہلے ذکر کی ہوئی علمی تقسیم کے ہر حصہ کی نمائندگی ان چاروں ویدوں میں بتدریج ہو جاتی ہے۔ مندرجہ ذیل نقشہ اس تقسیم کو واضح کرتا ہے:

رگ وید	سام وید	یجر وید	اتھر وید
پہلا حصہ: سَمہتا	سمہتا	سمہتا	سَمہتا
دوسرا حصہ: برہمن	برہمن	برہمن	برہمن
تیسرا حصہ: آرنیکا	آرنیکا	آرنیکا	آرنیکا
چوتھا حصہ: اُپنشد	اپنشد	اپنشد	اُپنشد

رگ وید کے سمہتا حصہ میں ۱۰۱۷ بھجن شامل ہیں، جن کا تعلق مختلف دیوی دیوتاؤں سے ہے۔ یہ ویدک ادب کا سب سے قدیم حصہ اور ہندوستانی آریوں کے ابتدائی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

مذہب یا برہمنی مت کے لئے اساسی حیثیت رکھتا ہے۔ سام وید ایک الگ مجموعہ ہے جس میں زیادہ تر رگ وید کے ہی بھجن شامل ہیں اور جس کو مخصوص قربانیوں (یگیوں) کے موقعوں پر پڑھنے کے لئے الگ کر لیا گیا تھا۔ اُن قربانیوں کے موقع پر جن میں سوم رس کو خاص اہمیت حاصل تھی۔ ان بھجنوں کو پڑھنے کے لئے ایک پروہت مخصوص ہوتا تھا جس کو اُدگاتر کہتے تھے۔

اسی طرح یجروید میں بھی کچھ اضافوں کے ساتھ رگ وید سے منتخب کردہ بھجن شامل ہیں اور ان کو بھی قربانی یا یگیہ کے موقع پر ایک الگ پروہت ادھواریو پڑھتا رہتا تھا۔ البتہ اتھروید اپنی نوعیت کے لحاظ سے بالکل مختلف ہے۔ یہ سب سے بعد کے زمانے کا جمع کردہ وید ہے اور بہت زمانے تک اس کو وید میں شامل نہیں مانا گیا۔ اس میں زیادہ تر جادو ٹونے اور جھاڑ پھونک کے منتر ہیں اور یہ بہت سے قبل از آریہ عقائد اور خیالات پر مبنی معلوم ہوتا ہے۔ یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ اس میں سماج کے عوامی رجحانات کی نمائندگی ہوتی ہے، جب کہ مندرجہ بالا تینوں وید سماج کے اعلیٰ طبقوں کے مذہبی رجحانات کے آئینہ دار ہیں۔

اگر ہم اتھروید سے قطع نظر کر کے جو کہ سب سے بعد کا مجموعہ ہے، پہلے تینوں ویدوں کے سمہتا حصے کا مطالعہ کریں تو ہم کو ہندوستانی آریوں کے ابتدائی رجحانات کا کسی حد تک اندازہ ہو سکتا ہے۔ اس مذہبی تصور کی سب سے نمایاں خصوصیت یہ معلوم ہوتی ہے کہ اس میں مختلف دیوی دیوتاؤں کو مافوق الفطرت معبود ہستیوں کے طور سے مذہبی جذبہ کا مقصود مانا گیا ہے۔

اس میں قابل غور نکتہ یہ ہے کہ سب سے ابتدائی اور اہم دیوی دیوتا اکثر کائنات کے فطری مظاہر کی تجسیم ہیں اور ان مظاہر کو ان کا ایک روپ یا نشان مانا جاتا تھا۔ ان معبود ہستیوں میں اگنی، اندر اور سوریہ خاص اہمیت کے حامل سمجھے جاتے تھے۔ اگرچہ اور دوسرے دیوتا جیسے ورن، ردر، وایو، اوشا اور دوسرے متعدد دیوی دیوتا بھی مذکور ہیں۔ یہ کہا جا سکتا

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہے کہ اگنی (آگ) زمین کے دیوتاؤں کی سردار تھی، اندر (بجلی اور طوفان کا دیوتا) فضل کے دیوتاؤں میں سب سے اہم تھا اور سوریہ (سورج) آسمانی دیوتاؤں میں سب سے ممتاز حیثیت رکھتا ہے۔ سمہتا حصے کے بھجنوں میں ان دیوی دیوتاؤں کی حمد وثنا ان کی اہم خصوصیات کا تذکرہ اور ان کی خدمت میں انسانوں کی آرزوؤں اور تمناؤں کا اظہار ملتا ہے۔ ان بھجنوں کے مطالعہ سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ اس زمانے کے آریہ اپنی آرزوؤں اور دعاؤں میں صرف اسی موجودہ دنیا تک محدود تھے۔

ان کی ساری درخواستیں اسی دنیائے رنگ و بو میں مختلف طرح کی کامیابیوں اور صحت مند دخوشحالی زندگی سے ہی متعلق ہوتی تھیں۔ ایک خاص موضوع ان دعاؤں میں دشمنوں پر فتح پانے اور دشمنوں کی تباہی و بربادی سے متعلق ہوتا تھا۔ جس سے اس تاریخی حقیقت کی تائید ہوتی ہے کہ آریہ ہندوستان میں اپنے داخلے اور قیام کے دوران ایک مدت تک یہاں پہلے سے آباد قوموں سے برسر پیکار رہے اور دھیرے دھیرے ایک عرصے کے بعد ہی جا کر ان کا حلقہ اثر پنجاب سے بنگال اور کشمیر سے وندھیا چل تک قائم ہوسکا۔ جنوبی ہند میں آریوں کا اثر یقیناً کافی بعد میں اور بالواسطہ ہی قائم ہونا شروع ہوا ہوگا۔

ان بھجنوں کے دائرۂ فکر کے اسی دنیا تک محدود ہونے سے اس خیال کی بھی تائید ہوتی ہے کہ قدیم ویدک زمانہ میں حیات بعد الموت یا دنیاوی زندگی کے علاوہ کسی اور زندگی کا تصور موجود نہیں تھا۔ البتہ ویدک ادب کے آخری حصہ اپنشد میں چند ایسے تصورات سامنے آتے ہیں۔ جو موجودہ زندگی کے علاوہ ایک اور ابدی زندگی کا تصور پیش کرتے ہیں اور اس کے بارے میں ہم آئندہ گفتگو کریں گے۔

مذہبی عقیدت کے اظہار کا بھجنوں کے علاوہ ایک اور ذریعہ جو اس دور میں رائج تھا وہ قربانی یا یگیہ (یاجنا) کا طریقہ تھا۔ یگیہ میں مختلف اجناس، گھی، سوم رس اور کبھی کبھی جانوروں کی نذر، مخصوص رسومات کے ساتھ دیوتاؤں کی خدمت میں پیش کی جاتی تھیں۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

عام طور سے بھینٹ چڑھائی جانے والی چیزوں کو آگ میں ڈال کر دیوتاؤں کی نذر کیا جاتا تھا۔

آگ (اگنی) چونکہ خود ایک دیوی تھی اس لئے دنیا میں اس کا وجود دیوتاؤں کی دنیا (دیوتا لوک) کے سفیر کی حیثیت سے مانا جاتا تھا اور یہ تصور کیا جاتا تھا کہ نذر کی جو چیزیں اس کے سپرد کی گئی ہیں انہیں وہ دیوتاؤں کے سفیر کی حیثیت سے ان دیوتاؤں تک پہنچا دے گی، اس دور میں یہ تصور بھی موجود تھا کہ جن دیوی دیوتاؤں کی خدمت میں نذر پیش کی جا رہی تھی یا جن کے نام قربانی کی جا رہی ہے اور منتروں میں ان سے خطاب کیا جا رہا ہے، وہ نذر و قربانی کے موقع پر موجود ہوتے ہیں یا ان کی توجہ خاص اس طرف مرکوز ہوتی ہے۔

بعض اوقات نذر میں چڑھائے گئے جانور یا کھانے پینے کی چیزوں کی عوامی دعوت بھی ہوتی تھی۔ جس میں پجاری اور عقیدت مند سبھی شریک ہوتے تھے اس موقع پر یہ خیال کیا جاتا تھا کہ دیوتا بھی اس دعوت میں شریک ہیں اور اس طرح کچھ وقفہ کے لئے عقیدت مند اپنے دیوتاؤں کے حضور میں پہنچ جاتے تھے۔

روحانی اعتبار سے یہ موقع ایک گہرا تجربہ اور مذہبی احساس کی تسکین کا سامان رکھتا تھا۔ اس سلسلے میں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ علاوہ ان قربانیوں (یگیوں) کے جو اجتماعی طور پر عمل میں آتی تھیں اور جن کو صرف باقاعدہ پروہت ہی سرانجام دے سکتے تھے۔ کم سے کم ابتدائی دور میں آریوں کے ہر خاندان کا سربراہ گھر میں بھی بہت سی نذر و نیاز کی رسمیں ادا کر سکتا تھا۔ پہلے قسم کی اجتماعی قربانیوں شروتا یا جنا اور دوسری نوع کی گرہار سومات کہلاتی تھیں۔

ویدک ادب کے سمہتا حصے میں ایک عام رجحان کثرت میں وحدت کی تلاش کا بھی ملتا ہے۔ مختلف دیوی دیوتاؤں کو الگ مانتے ہوئے بھی ان کی صفات کو ایک دوسرے میں خلط ملط کرتے رہنا یا جس وقت جس دیوتا سے خطاب ہو رہا ہے اس وقت اس کے اندر

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

تمام صفات کو جمع کر کے اس کو معبودِ اعلیٰ کے مقام پر پہنچا دینا، ابتدائی زمانے سے ہی کثرت میں وحدت کی تلاش کے رجحان کا مظہر تھا۔

دھیرے دھیرے یہ تصور نذر و نیاز اور قربانی کی رسومات پر بھی غالب آنے لگا۔ یہ خیال کیا جانے لگا کہ ایک ابدی غیر مرئی مذہبی حقیقت ہے جو قربانی کی رسومات میں بھی ظاہر ہوتی ہے اور منتروں کے الفاظ میں بھی اور یہی قوت ہے جو قربانی کے وقت پڑھے جانے والے منتروں کی مخصوص آوازوں اور ان کے زیر و بم کے اندر بھی ظاہر ہوتی ہے۔ یہیں پر بس نہ کرتے ہوئے تشبیہات اور تاویلات کے ایک پیچیدہ سلسلے کے ذریعہ کائنات کی تمام چیزوں کا رشتہ قربانی کے مختلف اعمال سے جوڑ دیا گیا اور اس طرح وہ ابدی قوت جو قربانی کے اعمال، منتروں کے الفاظ اور ان کے صوتی آہنگ کے پیچھے کارفرما تھی۔ اسی کو مظاہرِ فطرت اور کائنات کی تمام چیزوں کی بنیاد بھی تسلیم کر لیا گیا۔ لیکن اس قوت اور ابدی حقیقت کا جس کو سمہتا حصے میں برہمن کے نام سے یاد کیا گیا ہے، سب سے بڑا اور اہم اظہار منتروں کے صوتی آہنگ میں ہی مانا گیا، اور اسی لئے جو لوگ ان منتروں کو پڑھتے تھے ان کو براہمن یعنی ''برہمن قوت کو ظاہر کرنے والے'' کے نام سے یاد کیا گیا۔

کثرت میں وحدت کی تلاش کا ایک نمونہ ہم کو رگ وید سمہتا کے ایک مشہور ٹکڑے (رگ وید ا۔۱۶۴) میں بھی ملتا ہے۔ جہاں قوتِ گفتار (واکیہ) کو جس کو پہلے سے ایک الگ دیوتا کی حیثیت حاصل تھی، برہمن قوت کے مترادف مانا گیا ہے کیونکہ گفتار (منتروں کے پڑھنے میں) ہی اس کا سب سے بڑا اظہار ہوتا تھا۔

> ''مقدس گفتار (واکیہ) کے چار حصے ہیں۔ عقلمند براہمن ان کو جانتے ہیں۔ اس کے تین حصے جو مخفی ہیں وہ ظاہر نہیں کرتے۔ اس کا چوتھا (حصہ) وہ ہے جو لوگ استعمال کرتے ہیں۔ وہ اس کو اِندر، مترا، وردنا، اگنی اور آسمانی شمسی پرند (مختلف دیوی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

دیوتاؤں) کے نام سے یاد کرتے۔ وہ جو ایک واحد ہے پنڈت
اس کو مختلف ناموں سے پکارتے ہیں، وہ اس کو اگنی، یم متر شوان
(مختلف دیوتا) کہتے ہیں۔"

مذکورہ بالا بھجن میں اختتام تک "ایک واحد" کی تلاش کا رجحان باقی رہتا ہے اور کائنات کے تمام مظاہر، دن رات، مختلف موسموں اور انسانوں اور دیوتاؤں کے تمام اعمال کے پیچھے اُسی ایک واحد ابدی حقیقت کو مانا گیا ہے جس کا سب سے بڑا مظہر قوت گفتار اور خاص طور سے قربانی کے وقت منتروں کے صوتی آہنگ کو گردانا گیا ہے۔

رگ وید کے بھجن ۱۰۔ ۱۷۔ ۱۔ ۱۷ اور ۱۰۔ ۱۲۵ میں جو سب رگ وید سمہتا کے آخری حصے سے متعلق ہیں، قوت گفتار (واکیہ) کو کائنات کی سب سے بڑی طاقت اور اس کے اصل اصول کے درجے تک پہنچا دیا گیا ہے اور اس طرح قربانی کے وقت پڑھے جانے والے منتر اب صرف دیوتاؤں کی حمد وثنا اور ان کے بارے میں بیانات کا درجہ ہی نہیں رکھتے بلکہ یہ اُس حقیقت کا مظہر بن گئے جو کائنات کی بنیاد ہے اور جس کو دوسری جگہوں پر برہمن کے نام سے یاد کیا گیا ہے۔ اسی وجہ سے قربانی (یگیہ) اب دیوتاؤں کی خدمت میں نذر ونیاز کے درجے تک نہیں محدود رہ گئی بلکہ خود کائنات کی سب سے بڑی حقیقت یا اس کے اظہار کے مرتبہ تک پہنچ گئی یہ تھا وہ رجحان جس نے رفتہ رفتہ قربانی (یگیہ اور ہون) کو آریوں کی مذہبی زندگی کا مرکز بنا دیا۔ یہاں تک کہ وہ بڑے بڑے دیوتا جو سمہتا حصے کے شروع میں نہایت اہمیت کے حامل تھے اور مذہبی زندگی کا مقصود مانے جاتے تھے قربانی کی بڑھتی ہوئی اہمیت کے آگے ماند پڑ گئے۔ اب بجائے ان دیوی دیوتاؤں کے، یگیہ کو کرادینا اور اس کا ٹھیک ڈھنگ سے سرانجام پاجانا ہی مذہبی زندگی کا مقصد بن گیا۔

یگیہ اور ہون (ویدک لفظ: یاجنا) کو مذہبی زندگی کا مرکز مان کر جو ویدک ادب تصنیف ہوا وہ بھی برہمن کے نام سے موسوم ہوا اور یہ ویدک ادب کا دوسرا حصہ ہے، جیسا

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کہ اس سے قبل ذکر کیا جا چکا ہے۔ برہمن تصانیف جس طرح کا مذہبی تصور پیش کرتی ہیں وہ اس سے کافی مختلف ہے جو سمہتا حصے کے شروع میں ہم کو ملتا ہے اور جس میں تبدیلی کے آثار خود سمہتا حصے کے آخری دور میں شروع ہو گئے تھے۔

قربانی اور یگیہ کی اہمیت جو بتدریج بڑھتی جا رہی تھی اس حصے میں اپنے پورے عروج کو پہنچ گئی اور برہمن تصانیف زیادہ تر قربانی کی اہمیت اس کی رسومات، قواعد وقوانین، اس کے فوائد اور اس سے بھی بڑھ کر اس کی فلسفیانہ اور مذہبی تشریحات پر مبنی ہیں۔

ان تصانیف میں یہ بات مسلم طور سے مان لی گئی تھی کہ قربانی ہی سارے کائنات کی بنیاد ہے۔ تمام مظاہرِ فطرت، انسان، یہاں تک کہ دیوتا بھی، سب قربانی ہی کے ذریعہ ظہور میں آئے ہیں۔ قربانی کی بڑھتی ہوئی اہمیت کا اس سے بھی اندازہ ہو سکتا ہے کہ یہ بات تسلیم کر لی گئی تھی کہ دیوتاؤں سے اپنی مرادیں پوری کرانے کے لئے قربانی کا ٹھیک ڈھنگ پورا کریں کیونکہ قربانی دیوتاؤں سے بڑی طاقت ہے اور وہ خود قربانی کے بس میں ہیں۔

مذہبی زندگی میں قربانی کی اہمیت بڑھنے کے ساتھ ساتھ قربانی کرانے والوں یعنی براہمنوں کی اہمیت بھی سماج میں بڑھتی جا رہی تھی۔ یہاں تک کہ مذہبی زندگی پر ان کا مکمل قبضہ ہو گیا تھا۔ کسی شخص کا براہمنوں کو نظر انداز کرتے ہوئے مذہبی زندگی گزارنا ناممکن ہوتا جا رہا تھا، جب کہ شروع میں ایسا نہیں تھا اور لوگ دیوتاؤں سے بھجن پڑھ کر یا گرہا یگیہ کی رسومات اپنے گھر میں کر کے بھی اپنے مذہبی جذبہ کو تسکین دے سکتے تھے۔ لیکن اجتماعی قربانی یا شروتا یگیہ کی بڑھتی ہوئی اہمیت کا گرہا یگیہ پر بھی اثر پڑا اور اس کو بھی براہمنوں کے بغیر سرانجام دینا مشکل ہو گیا۔

دوسری طرف قدیم ویدک دیوتاؤں کی مذہبی زندگی میں پہلے جیسی اہمیت نہیں رہ گئی تھی اس لئے ان کی طرف لوگ متوجہ نہیں ہوتے تھے۔

قربانی کے مذہبی زندگی کا مقصود بن جانے کا ایک اور نتیجہ یہ تھا کہ مذہب صرف

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ظاہری اعمال و رسومات تک محدود ہوتا جا تا رہا تھا۔ باطنی کیفیات، جذباتِ عقیدت اور نیت کے خلوص کی جگہ صرف رسمی اعمال کی ادائیگی نے لے لی تھی۔ قربانی ایک پیچیدہ میکانکی (مشینی) عمل کی طرح تھی جس میں متعین اعمال کے ٹھیک ڈھنگ سے پورا کر دینے سے متعینہ فوائد حاصل ہو جاتے تھے، خواہ قربانی کرانے والا دیوتاؤں سے عقیدت رکھتا ہو یا نہ رکھتا ہو، اس کی ذاتی زندگی خواہ آریوں کے اخلاقی معیار کے مطابق ہو یا اس سے گری ہوئی ہو، صحیح قربانی کے ذریعہ اس کو قربانی کا لازمی فائدہ ضرور حاصل ہونا چاہیے تھا۔ ایک پہلو اس مذہبی تصور کا یہ بھی تھا کہ جو لوگ دولت مند تھے اور قربانی کے اخراجات برداشت کر سکتے تھے ان کے لئے مذہبی زندگی کے تمام فوائد قابل حصول تھے، لیکن جو غریب اور نادار تھے خواہ وہ طبیعتاً کتنے ہی مذہبی ہوں، قربانی کہ نہ کرا سکنے کی بنا پر مذہبی فوائد سے محروم تھے۔

مندرجہ بالا صورتحال میں بہت سے حساس لوگوں نے جو روحانی تشنگی رکھتے تھے اور اس وقت کے مذہبی ماحول سے غیر مطمئن تھے، آبادیوں کو چھوڑ کر جنگل میں رہنا اور وہاں تنہائی میں زندگی کے مسائل اور مذہبی حقائق پر غور و خوض کرنا شروع کیا۔ رفتہ رفتہ ایسے لوگوں نے مذہبی فکر میں کچھ نئی راہیں دریافت کیں اور برہمنی مذہب کے ارتقا کو ایک حد تک آگے بڑھایا۔ نئے لوگ جو آبادیوں کو چھوڑتے تھے وہ جا کر پہلے سے جنگل میں آباد مذہبی مفکروں کی شاگردی اختیار کرتے تھے جو کہ اپنا علم نئے آنے والوں کو سکھاتے تھے اور اس طرح ویدک ادب کے پرانے حصوں کی طرح یہ نئی تعلیمات بھی سینہ بہ سینہ نئی نسل کو منتقل ہوتی گئیں۔

جنگل میں آباد ان مذہبی مفکرین کے غور و خوض کے نتیجہ میں ویدک ادب کا جو حصہ وجود میں آیا وہ آرنیکا (جنگل میں تصنیف کردہ) کہلاتا ہے اور یہ ویدک ادب کا تیسرا حصہ ہے۔ اس حصہ میں قربانی کے ظاہری اعمال و رسوم سے زیادہ ان کے معانی اور مذہبی مقاصد کی طرف توجہ دی گئی ہے۔ اس میں ایک واضح رجحان یہ ملتا ہے کہ ظاہری اعمال کے مقصود

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

روحانی مطالب کو اجاگر کیا جائے اور یہ دیکھا جائے کہ ان اعمال کے انسان کے باطن پر کیا اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ گویا ظاہر سے باطن کی طرف متوجہ ہونے کا رجحان آرنیکا تصانیف کی خصوصیت معلوم ہوتی ہے۔ ایک اور رجحان جس کی وجہ سے اس حصہ میں قربانی کے ظاہری اعمال و رسومات کی اہمیت کم ہوتی ہوئی معلوم ہوتی ہے وہ ان تصانیف میں بکثرت مختلف قربانیوں کی علامتی تشریحات ہیں۔

ان میں مختلف قدیم قربانیوں کو اس طرح بیان کیا گیا ہے کہ قربانی ایک مادی اور ظاہری عمل کے بجائے مختلف ذہنی تصورات اور روحانی کیفیات کا مجموعہ بن جاتی ہے۔ اس طرح جنگل میں رہنے والے ان مفکرین کے لئے یہ ممکن ہو گیا کہ وہ بغیر کسی ساز و سامان اور ظاہری عمل کے محض ذہنی تصورات اور مراقبہ میں قربانی کو سرانجام دے لیں۔ قربانی کے ظاہری عمل سے ایک ذہنی اور تصوراتی عمل میں تبدیل ہو جانے سے فکر اور مراقبہ کی مذہبی اہمیت بڑھتی گئی اور اس کے ساتھ ہی ساتھ فکر اور مراقبہ کرنے والے کی ذات کو بھی اہمیت حاصل ہوتی گئی۔ یہیں سے ہم کو نفسِ انسانی اور انسانی شخصیت کے باطن پر غور و خوض کا وہ رجحان شروع ہوتا دکھائی دیتا ہے جس کی انتہا آتمن (روح) کے انسانی شخصیت کی بنیاد ہونے کے اعلان پر ہوتی ہے۔

نفسِ انسانی کی حقیقت کے آتمن اور کائنات کے پیچھے ایک واحد حقیقت برہمن، کے موجود ہونے کے بارے میں جو نظریات اب تک وجود میں آچکے تھے، ان کے سلسلے کی اگلی کڑیاں ہم کو ویدک ادب کے چوتھے اور سب سے آخری حصہ اُپنشد میں ملتی ہیں۔ اُپنشد اپنے موضوع اور خیالات کی بلند پروازی کے لحاظ سے بجا طور پر ویدک ادب کی معراج سمجھے جاتے ہیں۔ اس نام کے حامل مختلف مجموعے ہیں جن میں تقریباً چودہ بہت اہم سمجھے جاتے ہیں اور جنہیں آٹھویں صدی عیسوی میں شنکر آچاریہ نے اپنی مخصوص فلسفیانہ تشریح کے لئے استعمال کیا۔ ان میں جو سب سے قدیم اُپنشد ہیں جیسے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

برہدرنیکا اُپنشد یا چندوگیا اُپنشد وہ یقیناً گوتم بدھ (چھٹی صدی قبل مسیح) سے پہلے کے ہیں، البتہ کچھ اور اُپنشد جیسے، میتری اُپنشد گوتم بدھ کے بعد تصنیف ہوئے اور ان میں بدھ تعلیمات کے اثرات بھی جھلکتے ہیں۔

اُپنشد میں اگرچہ نہایت دقیق فلسفیانہ خیالات زیر بحث آئے ہیں اور تحقیق و جستجو کے بہت سے معرکے سر کیے گئے ہیں لیکن ان کا انداز بیان اکثر غیر منطقی اور غیر منظم ہے۔ اپنی ترتیب میں اُپنشد فلسفیانہ مقالات سے زیادہ صوفیا اور روحانی بزرگوں کے ملفوظات و اقوال سے مشابہت رکھتے ہیں۔ ایک ہی اُپنشد میں مختلف اندازِ فکر اور بعض اوقات متضاد باتوں کا پایا جانا، ایک موضوع کو شروع کرنے کے بعد بغیر اُس کو ختم کیے دوسری گفتگو کی طرف متوجہ ہو جانا اور پھر کچھ دیر بعد پہلے موضوع کی طرف لوٹ آنا، اُپنشد کا عام انداز بیان ہے۔ اسی طرح بعض اپنشد نثر میں ہیں اور بعض نظم میں اور بعض میں نثر و نظم دونوں ملی جلی ہیں۔

باوجود مختلف نظریات کو پیش کرنے کے یہ کہا جا سکتا ہے کہ اہم اپنشدوں کے اندر غالب رجحان اور جس چیز پر سب سے زیادہ زور دیا گیا ہے وہ وحدۃ الوجود کا نظریہ ہے۔ یہ حقیقت ویدک ادب کے برہمن حصہ میں ہی سامنے آ گئی تھی کہ برہمن ہی ایک حقیقت ہے جو کائنات کی سبھی چیزوں کے پیچھے ہے، اور یہ کہ قربانی میں پڑھے جانے والے منتروں میں ہی اس کا سب سے بڑا اظہار ہوتا ہے۔ لیکن اپنشد کے اندر اس نظریہ میں کچھ مزید ارتقا ہوا اور اس کو ایک اعلیٰ مذہبی حقیقت کے طور سے بڑی شد و مد کے ساتھ بیان کیا گیا۔ اپنشد میں برہمن کے قربانی کے ساتھ تعلق کو یکسر نظر انداز کرتے ہوئے اسے بذات خود کائنات کی بنیادی حقیقت کے طور سے بیان کیا گیا ہے:

> ”ابدیت کے درخت کی جڑیں آسمان میں ہیں اور اس کی شاخیں
> زمین تک پھیلی ہوئی ہیں۔ یہ برہمن ہے، شفاف روح، جس کو

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

درحقیقت ابدی اور ازلی کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ تمام دنیائیں اسی روح کے سہارے قائم ہیں اور اس کے پار جانا ممکن نہیں ہے۔ یہ درحقیقت وہ ہی ہے۔

تمام کائنات اُسی سے وجود میں آئی اور اُسی کی روح ساری کائنات میں جاری وساری ہے۔ اسی کے قبضہ میں بجلی کی کڑک ہے۔ جو اس کی معرفت حاصل کر لیتا ہے وہ لافانی ہو جاتا ہے.........۔

الفاظ اور تصورات کی اس تک پہنچ نہیں ہے، اور نہ ہی آنکھ اس کو دیکھ سکتی ہے، تو پھر بھلا اس کو کون پا سکتا ہے سوائے اس شخص کے جو کہتا ہے کہ "وہ ہے"

(کاتھا اُپنشد)

سویتا شویترا اُپنشد میں اسی حقیقت کو اس طرح بیان کیا گیا ہے:

"برہمن سب سے عظیم ذات ہے، اعلیٰ ترین اور لافانی۔ موجود چیزوں کی فطرت کے اعتبار سے مختلف شکلوں میں وہ خفیہ طور سے موجود ہے۔ جو بھی اُس سب چیزوں کو جاننے والے کو جان لیتا ہے جس کی ذات سارے عالم کو محیط ہے، وہ خود ابدی اور لافانی ہو جاتا ہے۔"

دوسری طرف آرنیکا حصہ میں شروع ہوئے باطنیت کے رجحان نے نفس انسانی کی تحقیق کے سلسلے میں بھی کافی ترقی کی اور غور وفکر کی کئی منزلوں کے بعد یہ طے پایا کہ انسان کی ذات میں بھی ایک ابدی عنصر موجود ہے جو مختلف تبدیلیوں کے ساتھ بدلتا نہیں اور نہ ہی وہ موت کے ساتھ فنا ہو جاتا ہے۔ وہ اپنی اصلیت میں ایک پاکیزہ عنصر ہے، جو انسانی زندگی کی آلودگیوں اور اس کے دُکھ سکھ سے الگ رہتا رہے۔ انسان کے اندر اس ابدی عنصر کو

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اُپنشد میں آتمن کا نام دیا گیا ہے:

''ایک ابدی روح ہے جو پاک ہے اور جو بڑھاپے، موت، بھوک، پیاس اور غم سے بری ہے، یہی آتمن ہے، انسان کے اندر کی روح۔ اس روح کی ہر خواہش حق ہے یہی وہ روح ہے جس کو ہر قیمت پر ہم کو پالینا چاہیے اور جس کی معرفت حاصل کرنی چاہیے۔ انسان کو اپنی روح کو ضرور پالینا چاہیے وہ جس نے اپنی روح کو پالیا، اور اس کی معرفت حاصل کر لی، اس نے تمام دنیاؤں کو پالیا، اس کی تمام خواہشات پوری ہوگئیں۔ اس طرح پرجاپتی نے اپنی بات کہی۔''

(چندوگیا اپنشد)

کائنات کی بنیادی حقیقت کے برہمن اور نفس انسانی کی حقیقت کے آتمن کے طور سے جان لینے کے ساتھ ساتھ اس سلسلے کی اگلی کڑی جو کہ اپنشد کا محبوب ترین موضوع ہے، وہ برہمن اور آتمن دونوں کے ایک واحد حقیقت ہونے کا انکشاف ہے۔ ویدک روحانیت کی انتہا (ویدانت) اپنشد کے فکر کی معراج، اور وہ سب سے عظیم راز جس کی معرفت سے اپنشد کے بقول لافانی زندگی حاصل ہو جاتی ہے، برہمن اور آتمن دونوں کے باہم مترادف ہونے اور ان کی حقیقت کا علم ہے اُپنشد نے اس چیز کو واضح کرنے میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی کہ یہ ایک ہی حقیقت ہے جو کائنات میں بھی جاری وساری ہے اور جو انسانی شخصیت کی بھی بنیاد ہے۔

گویا انسان کے اندر اور باہر ہر طرف ایک پاک اور لافانی عنصر ہی واحد حقیقت ہے۔ جو ہر چیز کی بنیاد ہے، چاہے اس کو برہمن کہو یا آتمن، دونوں ایک ہی حقیقت ہیں۔ برہمن اور آتمن دونوں کے ایک حقیقت ہونے پر اُپنشد میں اس طرح بھی زور دیا گیا ہے کہ کسی ٹکڑے میں کائنات کے پیچھے واحد حقیقت کو آتمن کہہ کر پکارا گیا ہے اور کہیں انسان کے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اندر ابدی حقیقت کو برہمن کہہ دیا گیا ہے۔

ہوسکتا ہے کہ مذہبی ارتقا کے کسی درجہ میں یہ دونوں نام الگ الگ حقیقتوں کے لئے سمجھے جاتے ہوں۔ لیکن پھر اگلا انکشاف یہ ہوا کہ دونوں حقیقتیں ایک ہی ہیں اور اس طرح خالص وحدۃ الوجود ویدک مذہبی ارتقا کا نقطۂ معراج بن گیا ہو۔ بہرحال موجود صورت میں اُپنشد کے اندر یہ تمام تصورات کسی ترتیب کے بغیر ایک دوسرے میں گڈمڈ ہیں:

''ایک روشنی ہے جو دنیا کی تمام چیزوں سے پرے چمک رہی ہے، ہم سب سے پرے آسمانوں سے پرے، بلند ترین آسمان سے بھی پَرے یہی روشنی ہے جو ہمارے دل میں بھی چمک رہی ہے۔''

''یہ تمام کائنات درحقیقت برہمن ہے۔ وہ ہی سب کی ابتدا انتہا اور سب کی زندگی ہے۔ خاموشی سے اس کی عظمت کا اعتراف کرو .... ایک روح ہے جو کہ عقل اور زندگی ہے یہی روح روشنی، سچائی اور کائنات کی وسعت بھی ہے۔ تمام اعمال اور خواہشات، تمام خوشبوئیں اور مزے سب اسی کے اندر ہیں۔ وہ تمام کائنات کو محیط ہے اور چپ چاپ سب پر مہربان ہے۔''

''یہی وہ روح ہے جو میرے دل میں ہے۔ چاول کے دانے، جو کے دانے، سرسوں کے دانے، کنگنی کے دانے، یا کنگنی کے دانے کے گودے سے بھی چھوٹی۔ یہی وہ روح ہے جو میرے دل میں ہے۔ زمین سے بڑی آسمان سے بڑی تمام کائنات اور تمام دنیاؤں سے بڑی۔''

''تمام اعمال اور خواہشات، تمام خوشبوؤں اور مزوں کو محیط، خاموشی سے سب پر مہربان ہے، یہی وہ روح ہے جو میرے دل میں ہے،

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

یہی برہمن ہے۔"

(چندوگیا اپنشد)

اُپنشد میں اس بات پر کافی زور دیا گیا ہے کہ اس واحد حقیقت یعنی برہمن یا آتمن کی معرفت انسان کو ابدی زندگی عطا کرتی ہے جو ہر طرح کے غموں اور پابندیوں سے آزاد ہوتی ہے۔ اس معرفت کو آواگون کے چکر سے نجات دلانے والا بھی کہا گیا ہے:

"اگر کوئی اُس کو (برہمن یا آتمن کو) اسی زندگی میں جسم کی مفارقت سے پہلے جان لیتا ہے تو وہ تمام بندشوں سے آزاد ہو جاتا ہے، اور اگر نہیں، تو وہ دوبارہ نئی دنیاؤں اور نئی مخلوقات میں پیدا ہوتا اور مرتا ہے۔"

(کاتھا اُپنشد)

اگر ہم برہمن، آتمن کے سلسلے میں اُپنشد کے تمام بیانات کو سامنے رکھیں تو ہم کو اس میں تین طرح کے نظریات نمایاں نظر آتے ہیں۔

۱۔ برہمن، آتمن ایک ابدی عنصر ہے جو ہر طرح کے تصور اور الفاظ سے پرے ہے۔ اس کی اپنی حقیقت میں اس کو نہیں جانا جا سکتا کیونکہ خیال اور ذہنی سانچے اس کو اپنی گرفت میں نہیں لے سکتے۔ چاہے کتنی ہی عظیم اور اچھی صفات سے ہم اس کو یاد کریں، وہ صفات چونکہ ہمارے ذہن کی پیداوار ہیں اس لئے محدود ہیں اور برہمن، آتمن لامحدود ہے۔ گویا اس سلسلے میں تنزیہہ کی انتہائی بلندیوں کو چھو لیا گیا ہے، یہاں تک کہ اُپنشد کے بقول اس کا صرف "نیتی نیتی" (وہ ایسا نہیں ہے اور ایسا بھی نہیں ہے) کے ذریعہ بتایا جا سکتا ہے۔ اس صورت میں اُس کو نرگن بر برہمن (غیر صفاتی برہمن) کے طور سے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

یاد کیا گیا۔

۲۔ دوسری صورت میں برہمن، آتمن کو اچھی صفات والی عظیم ترین ذات (سَدگن برہمن) کے طور سے بیان کیا گیا ہے۔ اور اس صورت میں یہ ایشور یا خدا کے مترادف ہے۔

۳۔ برہمن آتمن کے بارے میں تیسرا نظریہ جو اُپنشد میں عام ہے وہ اس ابدی عنصر کے تمام کائنات میں جاری وساری ہونے کا نظریہ ہے۔ یہ خیال متعدد بار اپنشد میں دہرایا گیا ہے کہ کائنات کی تمام چیزوں کی اصل، چھوٹی سے چھوٹی اور بڑی سے بڑی تمام اچھی اور بری چیزوں کی حقیقت، برہمن، آتمن ہی ہے۔ اس طرح وحدت الوجود یا حقیقتِ اعلیٰ کے کائنات کی ہر چیز میں موجود ہونے کا نظریہ بھی اپنشد کا ایک نمایاں رجحان ہے۔

اپنشد کے ساتھ ہی ویدک ادب کا، جس کو کہ برہمنی روایت اور ہندو مذہب میں الہامی مذہبی ہونے کے کا درجہ حاصل ہے۔ خاتمہ ہو جاتا ہے۔ اس کے بعد جو ادبِ تصنیف ہوا وہ سمرتی کہلاتا ہے۔ اس کو انسان کا تصنیف کردہ سمجھا جاتا ہے اور اس کو تقدیس میں وہ درجہ حاصل نہیں ہے جو ویدک ادب کے لئے مخصوص ہے۔

اس طرح برہمنی مت کے اس مختصر جائزے سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اس مذہبی روایت میں ایک تدریجی ارتقا ہوا ہے۔ تقریباً ۱۵۰۰ قبل مسیح سے جب کہ رگ وید سمہتا کے مرتب ہونے کی شروعات ہوئی ہوگی۔ ۵۰۰ قبل مسیح تک جب کہ اہم اپنشد وجود میں آچکے تھے، ایک ہزار سال کا فکری سفر وید روایت نے طے کیا۔ جس کے نتیجے میں ہم کو مخصوص صفات کا حامل ایک مذہبی ادب ملتا ہے جو بعد میں ہندو روایت کے گوناگوں مظاہر کی بنیاد بنا۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اس روایت کے تدریجی ارتقا سے یہ بات بھی واضح ہو جاتی ہے کہ باوجود اس روایت میں ایک طبقے (برہمنوں) کے مکمل اقتدار کے جو کٹر مقلد اور قدیم روایات کا ہر طرح سے مخالفت کرنے والا تھا خود اس میں ہی ایسے مفکرین پیدا ہوتے رہے جو مذہبی تحقیق اور جستجو کے نئے نئے دروازے کھولتے رہے۔ اس سلسلہ میں ان مفکرین کو اس بات کی بھی پروانہیں ہوتی تھی کہ بہت سے نئے خیالات اور نظریات خود ان کے طبقاتی مفاد کے خلاف اور برہمنوں کے اقتدار کو کمزور کرنے والے تھے۔

رامائن اور مہابھارت کا زمانہ

۵۰۰ ق۔م کے لگ بھگ ویدک دور کے ختم ہونے سے لے کر برہمنی مت کی نشاۃ ثانیہ یا پرانوں پر مبنی ہندو مذہب کے ارتقا (۴۰۰ عیسوی) تک کے دور کو رزمیہ نظموں کا یا رامائن اور مہابھارت کا زمانہ کہا جا سکتا ہے۔ رزمیہ نظموں کا یہ دور اپنی گوناگوں سیاسی، معاشرتی اور مذہبی خصوصیات کے لحاظ سے ویدک دور سے کافی مختلف اور ممتاز نظر آتا ہے۔

درحقیقت آریائی سماج اور برہمنی مذہبی روایت میں تبدیلیوں کا جو سلسلہ ویدک دور کے مختلف مدارج میں نظر آتا ہے۔ وہ ویدک دور کے بعد بھی جاری رہا۔ یہاں تک کہ ہم کو رزمیہ نظموں کے دور میں ویدک عہد سے کافی مختلف آریائی سماج اور بدلی ہوئی برہمنی روایت کا وجود ملتا ہے۔

رزمیہ دور کے سماج اور مذہبی رجحانات کا واضح اور صحیح اندازہ ہندوستان کی دو عظیم رزمیہ نظموں رامائن اور مہابھارت سے بخوبی لگایا جا سکتا ہے، جن کا زمانہ تصنیف و ترتیب اس پورے عہد پر محیط ہے۔ یہاں یہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ چونکہ اس دور کے معاشرتی اور مذہبی مطالعہ کے لئے مہابھارت اور رامائن ہی ہمارے اہم ماخذ ہیں اس لئے ان دونوں رزمیوں کا ایک مختصر تعارف پیش کر دیا جائے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

مہابھارت

ہندوستان کے دو رزمیوں میں یہ زیادہ طویل اور مختلف النوع کردار کی حامل تصنیف ہے۔ ویدوں سے مختلف سنسکرت میں لکھی ہوئی یہ طویل نظم اپنے دور کے ہندوستان کی بھرپور عکاسی کرتی ہے۔ اگرچہ یہ کہا جاسکتا ہے۔ کہ اس رزمیہ کا مرکزی قصہ راجا بھرت کے خلاف کوروؤں اور پانڈوؤں کے درمیان جنگ تخت نشینی ہے، لیکن اس کے ساتھ ساتھ اس کتاب میں اسی قدر غیر متعلق روایات اور دوسرے قصے اور واقعات موجود ہیں یہ بجا طور پر قدیم ہندوستان سے متعلق معلومات کا خزانہ کہی جاسکتی ہے۔ مہابھارت کے مرکزی قصہ یعنی کورو اور پانڈو (چچازاد بھائیوں) میں جنگ کو اگر ایک تاریخی واقعہ تسلیم کیا جائے، جس کی معقول وجوہات موجود ہیں، تو یہ اس دور سے متعلق ہوگی جب کہ آریہ پنجاب سے نکل کر گنگا جمنا کے میدان میں آباد ہو چکے تھے اور کم سے کم مغربی یوپی تک ان کی ریاستیں قائم گئی تھیں (تقریباً دسویں صدی قبل مسیح)۔

یہ جنگ یقیناً اتنی بڑی رہی ہوگی کہ اس کی اہمیت ہندوستان آریہ نسل کے شعور پر مرتسم ہوئے بغیر نہ رہ سکی۔ اور صدیوں اس جنگ کے واقعات شاعروں اور قصہ گویوں یا گویوں کے ذریعہ نسل در نسل تازہ ہوتے رہے۔ مہابھارت میں اس واقعہ کی موجودہ ترتیب کا آغاز چھٹی صدی قبل مسیح کے اختتام سے شروع کیا جاسکتا ہے، جس کا مصنف روایتی اعتبار سے دیاس کو بتایا جاتا ہے۔

اس رزمیہ کے مرکزی واقعات میں، وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ، مستقل اضافے ہوتے رہے، نیز قدیم ہندوستان میں رائج بیشتر قصوں اور روایات کو اس میں جگہ دی جاتی رہی۔ یہ کہا جاسکتا ہے کہ صدیوں کے اضافوں اور تبدیلیوں کے بعد مہابھارت اپنی موجودہ شکل میں تقریباً پانچویں صدی عیسوی میں مکمل ہوگئی تھی اور اس وقت یہ ایک لاکھ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اشعار پر مبنی تھی، جو کہ اس کی موجودہ ضخامت ہے۔

اپنی مثیل دوسری رزمی نظم رامائن کے مقابلہ میں مہابھارت زیادہ قدیم ماحول کی عکاسی کرتی ہے۔ کورو پانڈو کی جنگ، اور مہابھارت میں مذکور دوسرے واقعات کے کردار، ایک جنگجو اور کھردرے معاشرے کی تصویر پیش کرتے ہیں جسے ابھی تہذیب و تمدن کی بہت سی منزلیں طے کرنا باقی تھیں۔

رامائن

مہابھارت کے برخلاف رامائن ایک شخصیت رام چندر جی اور ان سے متعلق لوگوں کے بارے میں ایک مستقل اور مربوط قصہ ہے۔ مہابھارت کے مقابلے میں رامائن زیادہ ترقی یافتہ، مہذب، شائستہ اور اخلاقی اصولوں پر عامل معاشرہ کی عکاسی کرتی ہے۔ اس لئے یہ قیاس کیا جا سکتا ہے کہ رامائن کے مرکزی واقعات مہابھارت کے بعد کے دور سے متعلق ہیں، اگرچہ عام طور سے رامائن کو ہی مہابھارت کے مقابلہ میں زیادہ قدیم تصور کیا جاتا ہے اور اُس کی بنیاد مہابھارت میں مذکور رامائن کے حوالے پر رکھی جاتی ہے، جو بعد کا اضافہ بھی ہو سکتا ہے۔

بنیادی اعتبار سے یہ کہا جا سکتا ہے کہ مہابھارت اور رامائن، دونوں آریہ اور غیر آریہ ہندوستانی عناصر کی آمیزش سے ابھرتے ہوئے اور برہمنی مت کے زیرِ سایہ پروان چڑھتے ہوئے ہندو مذہب کے ابتدائی دور کی تصویر پیش کرتے ہیں۔ ماحول، اہم کرداروں کی خصوصیات، مرکزی قصہ اور طرزِ ادا میں اہم اختلافات کے باوجود مہابھارت اور رامائن کے بنیادی مفروضات، مذہبی عقائد، رسومات، سماجی اور سیاسی ادارے، ہندو مذہب کے ارتقا کے ایک ہی دور کی داستان سناتے ہیں یہ دور جس کو ہم نے رزمیہ نظموں کے دور سے تعبیر کیا ہے۔ یعنی ۴۹۹ ق م سے ۵۰۰ عیسوی تک کا زمانہ برہمنی روایت کی آخری اہم

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

تصانیف پُرانوں، اور عہد وسطی کے ہندوستانی معاشرہ میں ہندومت کے بھرپور اظہار سے قبل کا دور ہے۔ مہابھارت اور رامائن ہی اس وقت ہمارے پاس سب سے قدیم ماخذ ہیں جن میں ہندومت کے اہم فرقوں مثلاً:

''وشنومت، شیومت، شکتی مت، نیز ہندومت کے مشہور و معروف دیوی دیوتاؤں کا پہلی بار واضح اور بھرپور تذکرہ ملتا ہے۔''

اگر چہ یقیناً یہ مذہبی رجحانات اس سے پہلے سے ہندوستان میں موجود رہے ہوں گے لیکن برہمنی روایت نے انہیں پورے طور سے اپنایا نہیں ہوگا اس لئے ویدک ادب میں یہ دیوی دیوتا اس روپ میں نہیں ملتے۔ جس میں کہ یہ مہابھارت اور رامائن میں ہمارے سامنے آتے ہیں۔

مہابھارت کا ہی ایک حصہ وہ مشہور و معروف فلسفیانہ وعظ ہے جو بھگوت گیتا کے نام سے مشہور ہے۔ یہ کتاب جو مہابھارت کی چھٹی کتاب کے اٹھارہ ابواب (تیئسویں سے لے کر چالیس باب تک) پر مشتمل ہے، سری کرشن کے ان نصائح کے پیرائے میں ہے۔ جو انہوں نے ارجن (پانڈوں کی فوج کے سردار ایک پانڈو بھائی) کو جنگ کے میدان میں ان کی ہمت بندھانے کے لئے تلقین کئے تھے۔ جس وقت کوروں اور پانڈوں کی فوجیں کورکشیتر کے میدان میں (پانی پت کے پاس) آمنے سامنے جمع ہوئی تو ارجن نے سری کرشن سے جو اس جنگ میں بظاہر ارجن کے رتھ بان کی حیثیت سے شریک تھے رتھ کو اپنی صفوں سے آگے نکال کر بیچ میدان میں لے چلنے کے لئے کہا تاکہ وہاں سے دشمن کی فوج کا معائنہ کیا جا سکے۔ سامنے دشمن کی فوج میں آگے آگے ارجن کو اپنے چچازاد بھائی کورو، بھتیجے، چچا، خاندان کے بہت سے بزرگ جو کوروں کی طرف سے جنگ میں شریک ہو رہے تھے، اپنے استاد اور بچپن کے ساتھی اور دوسرے اعزہ و اقربا نظر آئے۔ اس منظر کو دیکھ کر کہ حکومت اور ریاست کے لے اس کو ان عزیزوں رشتہ داروں محترم ہستیوں سے جنگ کرنا

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

پڑے گی، ارجن کی ہمت جواب دے جاتی ہے۔ وہ پکار اٹھتے ہیں کہ:

"ان عزیز ہستیوں کو مار کر اگر مجھے دونوں جہان کی سلطنت مل جائے تو بھی بے کار ہے اور یہ کہ میرا ہاتھ ان پر نہیں اُٹھ سکتا۔ خواہ یہ مجھے آ کر ختم ہی کیوں نہ کر دیں۔"

اس موقع پر سری کرشن ارجن کو زندگی کی حقیقت سے روشناس کراتے ہیں۔ بے غرض عمل (نش کام کرم) اور فرض کی ادائیگی کے فلسفہ کو سمجھاتے ہیں اور اس ضمن میں حقیقتِ اعلیٰ کائنات اور انسانی زندگی کے رموز کو آشکارا کرتے ہیں۔

درحقیقت بھگوت گیتا جس کو سری کرشن کے بیان کے پیرایہ میں لکھا گیا ہے، دوسری صدی قبل مسیح (بھگوت گیتا کا قرینِ قیاس زمانہ تصنیف) تک ہندوستان میں ترقی پذیر فلسفیانہ اور مذہبی افکار کا نچوڑ کہی جاسکتی ہے۔ اپنی مذہبی اہمیت، مقبولیت اور ہندو مذہب پر اپنے اثرات کے اعتبار سے ہندو روایت کی کوئی اور مقدس کتاب اس کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔

ویدک زمانہ سے بعد کی تصنیف ہونے کی وجہ سے یہ وید یعنی الہامی کتابوں کے زمرے میں تو نہیں شامل ہے، لیکن عملی اعتبار سے گیتا کو ویدوں سے کم اہمیت نہیں حاصل ہے۔ درحقیقت ویدوں سے ہندو روایت کا تعلق حقیقی سے زیادہ رسمی ہے اور عوامی ہندو مذہب کا ارتقا بہت حد تک ویدوں کے اثرات سے آزاد رہا ہے۔ مہابھارت اور رامائن کے زمانہ میں رائج، اور بعد کے ہندومت میں موجود، اہم مذہبی تصورات کی جانکاری کے لئے بھگوت گیتا بہترین دستاویز ہے۔

اگر ہم ان مذہبی اور فکری تصورات پر نظر ڈالیں جو مہابھارت اور رامائن کے زمانے میں ترقی پذیر تھے تو ہم کو مندرجہ ذیل پہلو نمایاں طور سے ویدک زمانے سے مختلف، ایک نئی ابھرتی ہوئی مذہبی روایت (ہندومت) کی نشاندہی کرتے ہوئے معلوم ہوتے ہیں۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

نئے دیوی دیوتاؤں کا ظہور

ویدک دور کے برخلاف جس میں کائنات کی فطری قوتوں سے متعلق دیوی دیوتا جیسے اندر (بجلی اور طوفان کا دیوتا) اگنی (آگ) سوریہ (سورج) سوم (سوم کا پودا) وایو (ہوا) وغیرہ اہمیت رکھتے تھے، مہابھارت اور رامائن میں کچھ نئے دیوی دیوتا مذہبی زندگی پر چھائے ہوئے نظر آتے ہیں۔ ان نئے دیوی دیوتاؤں میں برہما، شیو، وشنو اور ایک دیوی ماں (اپنی مختلف صورتوں میں) بہت اہمیت رکھتے ہیں۔ برہما، وشنو، اور شیو کو اکٹھا تری مورتی کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

ان دیوی دیوتاؤں میں برہما اور وشنو اگرچہ ویدک ادب میں مذکور ہیں لیکن مہابھارت اور رامائن میں ان کی حیثیت میں نمایاں تبدیلی واقع ہو جاتی ہے۔ برہما جو کہ اخیر دور کے ویدک ادب میں اکثر حقیقتِ اعلیٰ کے مترادف ایک واحد اور سب سے عظیم دیوتا کی صورت میں پیش کیا گیا ہے، رزمیہ داستانوں (مہابھارت اور رامائن) میں صرف کائنات کی تخلیق کے ذمہ دار دیوتا کی حیثیت رکھتا ہے، بلکہ برہما، وشنو اور شیو کی روبوبیتی تثلیث میں برہما بدستور اپنا وزن کھوتا رہتا ہے یہاں تک کہ تری مورتی کے تصور میں محض گنتی کے لئے برہما کا نام باقی رہ جاتا ہے ورنہ عوام کی عقیدت کے اصل مرکز اور مذہبی عظمت کے حقیقی وشنو اور شیو ہی مذہبی افق پر زندہ و تابندہ رہ جاتے ہیں۔

وشنو اگرچہ ویدک ادب میں مذکور ہے لیکن دوسرے نمایاں دیوتاؤں کے جھرمٹ میں وہ ایک بہت مدھم ستارے کی طرح ہے۔ ایک عظیم دیوتا کے روپ میں وہ ہم کو پہلی بار رزمیہ داستانوں کے ابتدائی حصوں میں ہی ملتا ہے جہاں بتدریج اس کی اہمیت بڑھتی ہوئی دکھائی پڑتی ہے۔ یہاں تک کہ رزمیہ داستانوں کی موجودہ ترتیب میں بلاشبہ اس کو عظیم ترین دیوتا کا درجہ حاصل ہے۔ تری مورتی کے تصور میں اگر برہما کائنات کی تخلیق کا ذمہ دار ہے تو

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کائنات کی بقا اور پرورش کی ذمہ داری وشنو کے سر ہے۔

اپنی ربوبیت کی اس صفت کی وجہ سے وشنو کی شخصیت کے تصور میں جمال کا پہلو غالب معلوم ہوتا ہے۔ وشنو کا مقام اس کی اپنی جنت بیکنٹھ میں ہے جہاں اس کے پرستار مرنے کے بعد اپنے اچھے اعمال کی بدولت پہنچ جاتے ہیں۔ اس وقت بھی بلاشبہ وشنو اپنی اور اپنے اوتاروں کی صورت میں سب سے زیادہ پوجا جانے والا دیوتا ہے۔

شیو اپنی صفات کے لحاظ سے وشنو سے نمایاں طور پر مختلف دیوتا ہے۔ وشنو کو اگر جمال کا مظہر قرار دیا جائے تو شیو الوہی طاقت کے قہر وجلال کی تجسیم ہے۔ شیو کی شخصیت میں حقیقتِ اعلیٰ کی صفت بے نیازی، ماورائیت، انفرادیت اور پراسراریت بدرجہ اتم موجود ہے۔ وشنو اگر اپنی مانوس اور ہمدردانہ صفات سے دلوں کی تسلی کا باعث بنتا ہے تو شیو اپنی غرابتِ وحشت، بے نیازی اور جلال سے دلوں کو دہلاتا ہے اور لوگوں کے سروں کو اپنے آگے خم کرالیتا ہے۔

شیو کے بارے میں ہندومت کے محققین کا عام خیال یہ ہے کہ اس کی پرستش کا رواج ہندوستان میں نہایت قدیم، قبل از آریہ، زمانے سے تھا۔ ویدک زمانے کے آخری ادوار میں شیو کی شخصیت برہمنی مت کے دیوتا رُدر کے ساتھ (جس کی بعض صفات شیو سے ملتی جلتی تھیں) مدغم ہوتی چلی گئی یہاں تک کہ مہابھارت اور رامائن میں ہم کو ردر شیو نام کے دیوتا کی پرستش جس کو برہمنی روایت کی سرپرستی حاصل ہے، عام ملتی ہے۔ مہابھارت اور رامائن اگرچہ اپنی موجودہ صورت میں وشنو کی طرف دار کتابیں ہیں، لیکن اُن میں جس ماحول کی عکاسی کی گئی ہے اُس میں شیو کی پرستش کا ہر طرف چرچا نظر آتا ہے۔

ایک دیوی ماں کی حیثیت سے حقیقتِ اعلیٰ کی پرستش بھی ہندوستان کا ایک بہت قدیم تصور بتائی جاتی ہے۔ موہنجداڑو اور ہڑپا (سندھ) میں اس صدی کے شروع میں جو کھدائیاں ہوئی اور ان سے برآمد ہوئے آثار نے ہندوستان میں آریوں سے بہت

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

پہلے (تین ہزار قبل مسیح) کی، جس دراوڑ تہذیب کا پتہ دیا ہے، اس میں بھی ایک دیوی کی پوجا عام تھی، جس کی مورتیاں کھدائی کے دوران برآمد ہوئیں۔ مہابھارت اور رامائن کے زمانے میں جب کہ بہت سے غیر آریہ اور غیر برہمنی عقائد و رسومات، برہمنی روایت کے جلو میں آ کر سر اُبھار رہے تھے، دیوی ماں کے تصور کو بھی اپنی نت نئی شکلوں میں معیاری مذہبی تصور کا درجہ حاصل ہوا۔ اس وقت وشنو اور شیو کی طرح اپنی کسی نہ کسی صورت میں دیوی ماں کی پرستش بھی ہندومت کا مقبول ترین تصور ہے۔

دیوی ماں کے مظاہر میں اس کی شیو کی بیوی پاربتی کی حیثیت، شیو کی شکتی کالی کی حیثیت اور تانترک فرقہ کی دیوی بھیراویں کی حیثیتیں کافی اہم ہیں اور ان صورتوں میں وہ متعدد مختلف ناموں کے ساتھ پوجی جاتی ہے۔ بھوانی کی صورت میں یہ دیوی جرائم پیشہ لوگوں، قزاقوں اور ڈاکوؤں کا چنیدہ معبود رہی ہے۔

موحدانہ رجحان

ویدک دور کے برخلاف جہاں مظاہر فطرت کے نمائندہ دیوی دیوتاؤں کو باہم یکساں تقدیس کا حامل سمجھا جاتا تھا اور ان سب کو کائنات میں عمل دخل کا ذمہ دار مانا جاتا تھا۔ مہابھارت اور رامائن میں منظر عام پر آئے ہوئے نئے دیوی دیوتاؤں میں سے ہر ایک اپنے ماننے والوں کی تمام تر توجہ کا حقدار ہوتا ہے۔ شیو وشنو (مع اپنے مختلف اوتارانہ مظاہر کے) اور دیوی ماں، سبھی اپنے اپنے بھگتوں کے لئے خدائے واحد کا درجہ رکھتے ہیں۔ اگرچہ کسی دیوتا کے بھگت کے لئے یہ ضروری معلوم نہیں ہوتا کہ وہ دوسرے دیوتاؤں کا انکار کرے، لیکن یہ ضرور ہے کہ اس کی مذہبی عقیدت کا اصل مرکز اس کا اِشٹ (چنیدہ) دیوتا ہی ہوتا ہے، اور وہ دوسرے دیوتاؤں کو اس کا ماتحت یا اسی کے مختلف مظاہر (روپ) مانتا ہے۔ اپنی نجات (مکتی) اور زندگی کے تمام مرحلوں میں مدد کے لئے وہ اپنے اِشٹ دیوتا ہی سے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

تمام امیدیں وابستہ رکھتا ہے۔ اس طرح ہم کو رامائن اور مہابھارت کے مذہبی ماحول میں کسی درجہ کا موحدانہ رجحان بھی معلوم ہوتا ہے۔ بعد کے ادوار میں جب ان نئے دیوی دیوتاؤں سے منسلک فرقوں میں مزید تنظیم اور ترقی ہوئی تو اس نوع کا موحدانہ رجحان اور نمایاں ہو گیا۔ ان دیوتاؤں کے اپنے اپنے مخصوص ماننے والوں کے طفیل ہی شاید ہم کو ویدک دیوتاؤں کی بنسبت ان نئے دیوی دیوتاؤں کی تصویر بہت واضح اور مکمل نظر آتی ہے۔

ویدک دور کے دیوتا نمایاں طور پر اساطیری رنگ لئے ہوئے ہیں اور جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے وہ فطری قوتوں کے مظاہر یا ان کے نمائندوں کی صورت میں سامنے آتے ہیں۔ لیکن باوجود اس کے کہ ویدوں کا بڑا حصہ ان دیوتاؤں کی حمد وثنا کے گیتوں پر مشتمل ہے۔ ان کی شخصیتیں مبہم اور ان کے کردار کی تصویریں مدہم ہی رہتی ہیں۔

ان دیوتاؤں کی شخصیات کے غیر واضح تصور نے شاید ویدوں کے اس رجحان کی بھی ہمت افزائی کی کہ ایک دیوتا کی خصوصیات موقع بموقع بہت آسانی سے دوسرے دیوتا کے ساتھ منسوب کر دی جائیں، یا یہ کہ مختلف دیوتاؤں کی صفات بیک وقت کسی ممدوح دیوتا کے ذیل میں بیان کر دی جائیں۔ اس کے برخلاف رامائن اور مہابھارت میں ابھرتے ہوئے دیوتا واضح اور مکمل شخصیتوں کے مالک ہیں۔ ان کے کردار کے نقوش گہرے اور منفرد ہیں اور وہ تشبہ اور تشخص کی تمام منزلوں کو طے کئے ہوئے دکھائی پڑتے ہیں۔ ایسی بھرپور شخصیتوں کے ساتھ ان میں سے ہر ایک کا اپنے ماننے والوں کے لئے ربِّ اعلیٰ بن جانا کچھ دشوار نہ تھا۔

فرقہ بندی کا زمانہ

ہندومت کے جن مذہبی رجحانات کا اظہار مہابھارت اور رامائن کی رزمیہ نظموں (۵۰۰ ق م سے ۴۰۰ء) میں ملتا ہے اور وہ پرانوں کے دور (۴۰۰ء سے ۱۲۰۰ء) تک

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

خوب برگ وبار لائے۔عہد وسطی اور دورِ حاضر کے ہندو مذہب کی بنیاد درحقیقت انہی مذہبی رجحانات اور رسومات پر ہے جو رزمیہ نظموں کے زمانے سے اُبھر کر پرانوں کے دور میں اپنے درجہ کمال کو پہنچے۔

پران جو کہ ہندو روایت کی سب سے آخری مقدس تصانیف ہیں، درحقیقت اساطیر روایات کے ذریعہ نئی ہندو دینیات کے لئے مستحکم بنیادیں فراہم کرنے کی کوشش ہے۔قدیم اور جدید دونوں طرح کے ہندو دانشور اس بات پر متفق ہیں کہ روایتی اعتبار سے کسی بھی پُران کے لئے پانچ عناصر بنیادی قرار دیئے گئے ہیں:

(۱) ابتدائے آفرینش اور تخلیق عالم کا بیان

(۲) (طوفان نوح کے مماثل) عالمی تباہی، کائنات کی دوبارہ آبادی اور ادوار زمانہ کا بیان

(۳) دیوتاؤں اور بزرگوں کے شجرے

(۴) ادوارِ منو یا منونتر اؤں کی تفصیل اور

(۵) سورج بنسی اور چندر بنسی خاندانوں کے حالات اور ان کے اخلاف کا بیان۔

لیکن موجودہ پرانوں میں ان اصولوں کی بہت کم پابندی نظر آتی ہے اور ان کا غالب رجحان مخصوص فرقوں کے عقائد کی ترجمانی معلوم ہوتا ہے۔

رزمیہ نظموں کے دور میں جو اہم دیوتا منظر عام پر اُبھرے تھے اُن میں برہما، وشنو اور شیو کے ساتھ ساتھ، جو اکٹھا تری مورتی کے نام سے پکارے جاتے ہیں، ایک دیوی ماں مخصوص اہمیت کی حامل تھی۔ وقت گزرنے کے ساتھ برہما کے علاوہ تری مورتی میں شامل دونوں دیوتاؤں وشنو اور شیو اور ان کے ساتھ دیوی ماں نے، نئے ہندومت کے عظیم ترین دیوتاؤں کی حیثیت حاصل کر لی، بلکہ ان میں سے ہر ایک کے نام پر ہندومت میں زبردست فرقے بن گئے۔ برہما البتہ کبھی عوام کے ذہنوں کو شیو اور وشنو کی طرح نہیں مسخر کر سکا اور اس لئے دھیرے دھیرے پس منظر میں چلا گیا۔ پرانوں کے دور اور عہد وسطیٰ کے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہندومت کی تاریخ درحقیقت انہیں دیوتاؤں سے وابستہ فرقوں کی نشوونما کی داستان ہے، اور اسی لئے رزمیہ نظموں کے بعد برہمنی مت کے سلسلے سے ابھرنے والے مذہب کو نیا برہمنی مت یا ہندومت یا فرقہ بندیوں کا ہندومت کہا جاسکتا ہے۔

نئے ہندومت میں جس کے بنیادی رجحانات رزمیہ نظموں میں ہی ابھر رہے تھے اور قدیم برہمنی مت یا ویدک دھرم میں جو بیّن فرق تھا اس کی طرف ہم پہلے بھی اشارہ کر چکے ہیں، اس سلسلے میں یہاں اتنا اور عرض کر دیں کہ ویدک رسومات میں قربانی یا یگیہ کو جو مرکزی حیثیت حاصل تھی، وہ نئے ہندومت میں بالکل ختم ہوگئی، بلکہ نئے ہندومت اور خاص طور سے وشنومت میں ایک مذہبی رسم کی حیثیت سے قربانی کی مخالفت کا رجحان پایا جاتا ہے اور اس کی جگہ پوجا کو مرکزی مذہبی رسم کا درجہ حاصل ہوگیا۔ قربانی اور پوجا میں رسومات کے ظاہری اعمال کے ساتھ مذہبی تصورات، نیت اور رویہ کا بھی زبردست فرق تھا۔

ویدک دھرم میں قربانی نے ایک میکانیکی عمل کی حیثیت اختیار کر لی تھی جو اعلیٰ ترین مذہبی درجات کے حصول کی کنجی تھی۔ مذہب کے میدان میں قربانی سے اہم دوسری کوئی حقیقت نہیں رہ گئی تھی۔ دیوتا بھی قربانی کے بس میں یا دوسرے الفاظ میں قربانی کرنے والے کے بس میں سمجھے جاتے تھے۔ قربانی ایک ایسے مشینی عمل کی طرح تھی جس کو (برہمنوں کے ذریعہ) صحیح ڈھنگ سے انجام دلوا کر کوئی بھی شخص، خواہ وہ نیک ہو یا بد، دیوتاؤں پر عقیدہ رکھتا ہو یا ان سے بیزار ہو، اپنا مقصد حاصل کر سکتا تھا۔

اس کے برخلاف پوجا کی بنیاد دیوتا سے ذاتی عقیدت اور محبت پر تھی۔ پوجا ایک شخص کی دیوتاؤں سے عقیدت (شردھا) اور تعلق کا مخصوص اعمال کے ذریعہ اظہار کا نام تھا۔ پوجا میں کسی بھی دیوتا کی مورتی یا اس کی کسی اور علامت کے آگے نذر ونیاز اور مروجہ اعمال کے ذریعہ اس دیوتا کی عزت افزائی اور اپنی قدر ومحبت کا اظہار شامل تھا۔ پوجا اپنے جذبات اور ذاتی ہونے میں قربانی کے معروضی اور میکانیکی عمل سے یکسر مختلف تھی۔ اس

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

طرح نئے ہندومت میں دیوتاؤں سے براہ راست شخصی تعلق رکھنے کی خصوصیت کا اثر، مذہبی تصورات کے ساتھ ساتھ، طریق عبادات اور مذہبی رسومات پر بھی بہت گہرا پڑا تھا۔

اس ابھرتے ہوئے ہندومت کی ایک بہت بڑی خصوصیت، جو کہ درحقیقت اس کی مقبولیت اور نشوونما کا بڑا سبب بھی ثابت ہوئی، اس کی وسیع المشربی اور افکار و رسومات میں مختلف روایتوں کو اپنے اندر سمو لینے کی صلاحیت تھی۔ قدیم برہمنی مت حتی الامکان ویدک روایات کا وفادار رہا تھا۔ اس میں جو تبدیلیاں ہوئیں وہ بھی کسی حد تک خود برہمنی طبقہ کی اجارہ داری تھی اور اس میں واقع ہونے والی تبدیلیوں کے لئے برہمن طبقہ براہ راست ذمہ دار تھا۔ برہمنی مت کی یہ بھی خصوصیت تھی کہ اس کا دائرۂ عمل صرف سماج کے اعلیٰ طبقہ تک محدود تھا۔ سماج کے درمیانی اور نچلے طبقے نہ تو اس سے براہ راست استفادہ کر سکتے تھے اور نہ برہمنی مت کو ان کی مذہبی ضرورتوں سے کوئی دلچسپی تھی۔

دراصل برہمنی مت جیسا کہ اس کے نام سے ظاہر ہے اپنے ابتدائی مدارج میں ہی صرف برہمن طبقہ کا مذہب بن کر رہ گیا تھا۔ رہ گیا سماج کا دوسرا اعلا طبقہ یعنی چھتریوں یا حکمرانوں کا طبقہ، تو وہ اس مذہب سے بالواسطہ (برہمنوں کے ذریعہ) کسی حد تک مستفید ہو سکتا تھا۔ البتہ ملک کی اکثریت (غریب چھتری، ویش، شودر اور اچھوت) اس مذہبی روایت سے ناآشنا ہی رہتے تھے۔

ہندومت اس کے برخلاف ایک عوامی مذہب تھا۔ ہندو مذہب کے عقائد و رسومات سب اس طرح کے تھے جو عوام کی مذہبی ضرورتوں کو پورا کرتے تھے۔ درحقیقت اگر برہمنی روایت کے پس منظر میں دیکھا جائے تو ایک عرصہ (۳۰۰ ق م سے ۳۰۰ عیسوی) تک ہندوستان میں بدھ مت اور جین مت کے غلبہ کے بعد ہندومت کا ارتقا برہمنی مت کے عوامی رنگ اختیار کرنے کی کوشش تھی۔ یہ کہا جا سکتا ہے کہ ایک طویل عرصے تک بدھ مت اور جین مت کے غلبہ سے محصور رہنے اور عوام میں ان کی مقبولیت کے پیش نظر، برہمنی مت یہ سوچنے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

پر مجبور ہو گیا تھا کہ ہندوستان میں اس کی بقا اور نشو و نما ایک عوامی شکل اختیار کرنے پر ہی منحصر ہے۔

اس رجحان کے پیش نظر رامائن اور مہابھارت میں ابھرتے ہوئے عوامی عقائد و رسومات کی خود برہمن عالموں نے ہمت افزائی کی اور جہاں ایک طرف ان کو برہمنی مت کی تائید مہیا کر کے سند قبولیت عطا کی وہاں ان کی مزید نشو و نما اور ترقی میں بھرپور حصہ بھی لیا اس طرح ہندومت برہمنی مت سے بڑی حد تک مختلف ہونے کے باوجود برہمنی مت کے وارث کی حیثیت سے ہی پھلا پھولا۔

ہندومت کے عوامی رجحان کی وجہ سے اس روایت میں اپنے احیا کی ابتدا سے ہی ہندوستان میں موجود مختلف روایتوں کے عقائد و رسومات شامل ہوتے رہے۔ اس ابھرتی ہوئی تحریک میں اتنی لچک تھی کہ جس علاقہ یا نسل کے لوگ اس کے دائرۂ اثر میں آتے تھے ان کے مقامی اور نسلی عقائد و رسومات کو اس میں جگہ مل جاتی تھی۔ اس طرح ہندومت میں شروع ہی سے مختلف النوع اور اکثر متضاد مذہبی خیالات و عقائد کو بغیر کسی ردوقدح کے اپنے جلو میں رکھنے کی صلاحیت موجود تھی۔

ہندومت کی اس خصوصیت نے مذہبی رواداری اور عقائد و رسومات میں مکمل آزادی کو اس تحریک کی اہم خصوصیت بنا دیا۔ چنانچہ ہندومت کی تاریخ میں باوجود اس کے کہ اہم دیوتاؤں کے گرد اِن کے ماننے والے اپنے چنیدہ دیوتا (اشٹ دیوتا) کے علاوہ دوسرے دیوتاؤں کا انکار کریں۔ حالانکہ عملی طور سے اپنی تمام مذہبی ضرورتوں کے لئے لوگ اپنے چنیدہ دیوتا ہی کی طرف رجوع کرتے تھے اور اسی کو خالق کائنات اور ربوبیت کے درجے پر فائز مانتے تھے۔ اس طرح سمنولے (سب دیوتاؤں کی تعظیم) کا عقیدہ ہندو مذہبیت کی اہم خصوصیت قرار پایا۔ اس عقیدہ کے پیش نظر ایک ہندو سبھی دیوتاؤں کو قابل تعظیم مانتا ہے اور موقع موقع سے وہ مختلف دیوی دیوتاؤں کو نذر عقیدت بھی پیش کرتا رہتا

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہے۔ لیکن درحقیقت، کسی ایک دیوتا کے مخصوص فرقے سے تعلق رکھنے والوں، یا کسی بھی دیوتا کو اپنا چنیدہ دیوتا سمجھنے والوں کے لئے، ان کا مخصوص دیوتا ہی معبود حقیقی کے درجہ پر فائز ہوتا ہے اور بقیہ دوسرے دیوی دیوتا اس معبود حقیقی کے مختلف روپ سمجھے جاتے ہیں۔

شیو کے بھگتوں کے لئے وشنو یا اس کے مختلف اوتار دیوی ماں، شیو کی ہی مختلف صفات کا ظہور ہیں۔ اسی طرح وشنو کے بھگت شوا اور دیوی ماں یا ان کے مختلف مظاہر کو عظیم وشنو کے ماتحت اور اسی کی طاقتوں کی جلوہ گری مانتے ہیں۔ اس طرح ہندومت کے مختلف دیوی دیوتا، جو مختلف نسلی اور تہذیبی روایتوں کی دین ہیں، ہندومت میں ایک ساتھ اپنا اپنا مقام پا سکتے ہیں، اگرچہ ان کی اہمیت ہر ہندو کے لئے، اپنے خاندانی یا علاقائی مذہبی رجحانات کے لحاظ سے مختلف ہو سکتی ہے۔

مختلف روایتوں سے ماخوذ دیوی دیوتاؤں کو اپنے اندر سمونے کے سلسلے میں ہندومت کی تاریخ میں ایک اور عمل سے بہت کام لیا گیا۔ وہ تھا مختلف دیوتاؤں کے کسی ایک دیوتا کی شخصیت میں اتحاد کا عمل۔ بعض اوقات کسی ایک دیوتا کی مختلف صفات یا اس کے مختلف مظاہر میں ہم کو ان دیوتاؤں کا کچھ سراغ مل جاتا ہے جن کے باہم اتحاد سے موجودہ دیوتا کی شخصیت ترکیب پائی ہے۔ لیکن اکثر اوقات یہ اتحاد اتنا مکمل ہے، اور ہندو مذہب کے اتنے ابتدائی دور سے تعلق رکھتا ہے، کہ موجودہ صورت میں کسی دیوتا کی شخصیت میں جذب دوسرے دیوتاؤں کا سراغ لگانا دشوار ہو جاتا ہے۔ لیکن یہ ضرور ہے کہ اس عمل کے ذریعہ ہندوستان میں موجود برہمنی تہذیب کے دائرۂ سے باہر کے قبائل، مقامی آبادی کے دیوی دیوتاؤں اور ان کے مذہبی عقائد کو برہمنی روایت سے ماخوذ دیوتاؤں کی شخصیت میں جگہ مل جاتی تھی اور اس طرح ہندو روایت کے جلو میں وہ قومیں اور غیر آرین قبائل بھی شامل ہو جاتے تھے جو اب تک برہمنی ثقافت کے دائرۂ سے باہر سمجھے جاتے تھے۔ اس سلسلے میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ برہمنی روایت، دراوڑ تمدن کے باقیات اور مقامی قبائل کے مذہبی عقائد اور

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

رسومات۔ وہ تین اہم ماخذ ہیں جنہوں نے ہندو روایت کی تشکیل میں حصہ لیا، اگرچہ ان کے علاوہ ہندوستان میں وقتاً فوقتاً باہر سے آنے والی قوموں کے اثرات بھی ہندو روایت میں جذب ہوتے رہے۔ ان تمام روایات میں چونکہ برہمنی روایت کو سب سے زیادہ استناد اور غلبہ حاصل رہا اس لئے ہندومت کو برہمنی مت کا ہی جانشین تسلیم کیا گیا۔ بلکہ خود ہندو روایت کے اپنے عقیدہ میں وہ ویدک اور برہمنی روایت کے تسلسل کا ہی نام ہے اور ہر ہندو عقیدے اور رسم کی سند ویدک ادب سے حاصل کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ ویدوں کا تعلق ہندومت سے حقیقی سے زیادہ رسمی ہے اور ہندو روایت کا ارتقا ویدوں کے تسلط سے آزاد رہ کر ہوا ہے۔

ہندومت کی عمومی خصوصیات کے اس مختصر تعارف کے بعد ہم ذیل میں ان اہم فرقوں کا ذکر کرتے ہیں جن پر کہ عہد وسطیٰ کے پورے دور میں (یعنی ۵۰۰ عیسوی سے دور جدید تک) ہندومت کی بنیادی رہی ہے اور جو ہندومت کے اندر ذیلی روایتوں کی حیثیت سے اس دور میں خوب پھلے پھولے۔ اس سلسلے میں ہم صرف تین فرقوں (۱) شیومت، (۲) وشنومت اور (۳) دیوی ماں، کے پرستاروں کا ذکر کریں گے جو کہ ہندومت کے غالب ترین فرقے رہے ہیں اور جن کا دائرۂ اثر ہندوؤں کی بھاری اکثریت پر محیط رہا ہے۔

شیومت

شیو کے بارے میں خیال کیا جاتا ہے کہ یہ ہندوستان کے قدیم ترین دیوتاؤں میں سے ہے، وادی سندھ کی تہذیب (۳۵۰۰......۱۷۰۰ ق م) سے متعلق جن آثار قدیمہ کی دریافت ہوئی ہے ان میں ایسی مہریں ملی ہیں جن پر شیو کی خصوصیات رکھنے والے ایک دیوتا کی شبیہ نقش ہے اور اس کی بنا پر یہ فیصلہ کیا گیا ہے کہ شیو یا اس سے ملتے جلتے ایک دیوتا کی پرستش آج سے ساڑھے پانچ ہزار سال قبل بھی ہندوستان میں ہوتی تھی۔ ابتدائی عہد کے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ویدک ادب کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ آریہ بھی اپنے ساتھ ہندوستان میں ایک ایسے دیوتا کا تصور لے کر آئے تھے جس کی خصوصیت بہت کچھ قدیم ہندوستانی دیوتا شیو سے ملتی جلتی تھی۔ آریوں کا یہ دیوتا ابتدائی ویدک ادب میں ردر کے نام سے موسوم ہے۔ وقت گزرنے کے ساتھ آریوں اور ہندوستان کے قدیم غیر آریہ باشندوں کے درمیان باہم اختلاط کے نتیجے میں یہ محسوس کیا گیا کہ آریوں کا دیوتا ردر اور ہندوستان کا قدیم شیو دراصل ایک ہی شخصیت کے دو نام ہیں۔ اس احساس کے نتیجے میں ویدک دور کے آخری زمانہ میں ردر شیو نام کا ایک دیوتا منظر عام پر ابھرتا ہے جس میں کہ قدیم شیو اور آرین ردر کی شخصیتیں جذب ہوگئی ہیں اور جو دونوں کی خصوصیات کا حامل ہے۔ اس صورت میں قدیم شیو کو ویدک برہمنی مت کی مہر استناد بھی حاصل ہوگئی ہے۔ بہر حال اس دور تک ردر شیو کے تصور میں تجریدی عنصر غالب ہے اور اس کی شخصیت کی تجسیم بڑی حد تک نامکمل ہے۔ ویدک ادب کے آخری حصہ میں سے متعلق سویتا شویترا اپنشد میں ردر شیو کو ربّ اعلیٰ اور آقائے کل کی حیثیت سے ضرور یاد کیا گیا ہے۔ لیکن اس کی شخصیت کا کوئی واضح اور شخصی تصور نہیں پیش کیا گیا ہے۔ ویدک عہد سے گزر کر جب ہم رزمیہ نظموں کے دور (۴۰۰ق م سے ۵۰۰ عیسوی) میں پہنچتے ہیں تو ہم کو مہا بھارت میں پہلی مرتبہ شیو اپنی منفرد خصوصیات کے ساتھ ایک مکمل شخصی دیوتا کی صورت میں نظر آتا ہے۔

مہا بھارت میں اگرچہ عام طور پر شیو کو ایک عظیم دیوتا کی صورت میں پیش کیا گیا ہے۔ اور اس کی مخصوص صفات کی مظہر مختلف دیو مالائی کہانیاں بھی بیان کی گئی ہیں، لیکن اس کی بڑھتی ہوئی مقبولیت کا سب سے بڑا ثبوت پشوپتا نامی کے ایک فرقہ کے ذکر میں ملتا ہے جو شیو کو پشوپتی کی شکل میں ماننے والے اس کے مخصوص بھگتوں کا ایک فرقہ تھا۔ شیو کی شخصیت کے گرد ابھرتے ہوئے مخصوص فرقوں اور اس کی عوامی مقبولیت کو مزید ترقی اس وقت ملی جب رزمیہ نظموں کے دور کے بعد پرانوں کی تصنیف کا سلسلہ شروع ہوا۔ ہندومت

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کے دوسرے فرقوں کی طرح شیو کے مخصوص پرستاروں نے بھی ایسے پُران تصنیف کیے جن کا محور ان کا اپنا چنیدہ دیوتا شیو تھا اور جن میں شیومت کے مخصوص نظریات کی تبلیغ تھی۔ شیومت کے علم برادران پرانوں میں مت سیا، کرما، لنگ، والیو، سکندا، اور اگنی پران خاص اہمیت رکھتے ہیں۔

شیو کی جو تصویر مہابھارت اور پرانوں میں بیان کیے گئے قصوں اور تذکروں سے اُبھرتی ہے وہ تضادات کا ایک مجموعہ ہے۔ ہندومت کا کوئی اور دیوتا باہم متضاد صفات کا حامل اور مختلف النوع احوال کا تابع ہونے میں شیو کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ ایک طرف وہ ہندو تری مورتی میں کائنات کی فنا اور بربادی کے ذمہ دار دیوتا کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس صورت میں وہ انسانی کھوپڑیوں کی مالائیں اور سانپوں کو گلے میں ڈالے راتوں کو شمشان گھاٹ میں عفریتوں اور عجیب الخلقت مخلوقات کی فوج کے ساتھ گھومتا ہے اور ان کا سردار مانا جاتا ہے۔ لیکن دوسری طرف متعدد تذکروں اور گیتوں میں شیو کی پاکیزگی، تقدس اور ذاتی حسن و جمال کی قسم بھی کھائی گئی ہے اور اس کو شیو (مبارک) اور اپنے بھگتوں کی مرادیں پوری کرنے والا گردانا گیا ہے۔

ایک طرف اس کو جلال و غضب سے بھرا ہوا دیوتا مانا جاتا ہے جو بھیرا واں اور دیر بھدرا کی حیثیت میں گستاخوں اور نافرمانوں سے سخت ترین انتقام لیتا ہے، تو دوسری طرف اس کو ایک نرم مزاج دیوتا بھی سمجھا گیا ہے جس کو خوش کرنے کے لئے محض تلسی کی پتیوں کا نذرانہ کافی ہے۔ شیو کی ایک حیثیت مہایوگی کی بھی ہے، اس صورت میں اس کو دنیا سے کنارہ کش ایک سنیاسی اور یوگ کے ماہر کی حیثیت سے پہاڑوں میں تربیتِ نفس میں مشغول دکھایا جاتا ہے، اس کے ساتھ ایک ترشول اور سنیاسیوں کا کمنڈل ہوتا ہے اور وہ کسی چٹان پر شیر کی کھال بچھائے یوگا کے آسن میں بیٹھا مراقبہ میں غرق ہوتا ہے۔

شیو کا یہ تصور بہت مقبول ہے اور تصویروں اور مورتیوں میں اکثر شیو کو اسی صورت

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

میں پیش کیا جاتا ہے۔ لیکن یہ مہاسنیاسی اور مہایوگی بالکل متضاد طور سے ایک مثالی شوہر اور ایک پرسکون خاندان کے ذمہ دار کی حیثیت سے بھی معروف ہے، جو اپنی بیوی پاروتی اور دو لڑکوں سکندا اور گنیش کے ساتھ ایک مثالی خاندانی زندگی گزارتا ہے۔ شیو کے بھگتوں کے نزدیک شیو کی ایک صورت وہ بھی ہے جہاں وہ حقیقتِ اعلیٰ کی حیثیت سے پیش کیا گیا ہے۔ اس صورت میں وہ صرف فنا کا دیوتا نہیں رہ جاتا بلکہ خالقیت، ربوبیت اور فنا کا جامع ذمہ دار اور کائنات کا واحد حکمراں ہو جاتا ہے۔ اس کی مرضی کے بغیر پتا بھی نہیں ہلتا اور وہ ہر بات سے آگاہ، سمیع اور بصیر ہر جگہ حاضر اور ناظر مانا جاتا ہے۔

برہما اور وشنو جیسے دیوتا اس صورت میں شیو کے ہی مخصوص مظاہر مانے جاتے ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ شیو کی شخصیت کا ایک رُخ یہ بھی ہے جہاں وہ ایک آوارہ گرد، بلانوش، رقص و موسیقی کے دلدادہ، جنگلوں میں بھٹکنے والے شکاری اور من موجی کی شکل میں پیش کیا گیا ہے۔

شیو کی شخصیت کے تصور میں تنوع، اور اس کی مختلف الجہات شخصیت کا اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ ہندو مت میں شیو کی آٹھ صورتیں مستند مانی جاتی ہیں اور ان آٹھ مختلف صورتوں میں وہ مختلف اوقات یا مختلف حلقوں میں پوجا جاتا ہے۔ شیو کی آٹھ مستند و مشہور صورتوں میں اس کے نام حسب ذیل ہیں:

۱۔ سرو

۲۔ بھاو

۳۔ پشوپتی

۴۔ ایشنا

۵۔ بھیم

۶۔ رُدر

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

۷۔ مہادیو

۸۔ اُرگا

شیو کی یہ مختلف صورتیں اور اس کے بارے میں ہندومت کے متنوع تصورات اس بات کو بالکل واضح کر دیتے ہیں کہ شیو کی شخصیت کے تصور میں آریہ، غیر آریہ، مقامی قبائلی اور دوسری کئی روایتوں کے دیوتاؤں کی صفات ضم ہو گئی ہیں۔ اس طرح ایک ایسا دیوتا منظرِ عام پر اُبھرتا چلا گیا جو اپنی مختلف الجہات شخصیت کی وجہ سے مختلف نسلوں اور قوموں کے مختلف ذوق کی تسکین کر سکتا تھا، ساتھ ہی ساتھ یہ تصور کہ وہ سب اسی ایک دیوتا شیو کے پجاری ہیں ان سب میں ایک رشتۂ وحدت بھی پیدا کرتا دیتا تھا۔ یہ تھا پُرانوں کے دور میں ابھرتے ہوئے نئے ہندومت کا وہ روادارانہ رجحان جس کے ذریعہ وہ ایک زبردست عوامی تحریک بن سکا اور ہندوستان کے مختلف النسل اور مختلف النوع باشندوں کو اپنے اندر سمو سکا۔ اس دور میں اُبھرتے ہوئے دوسرے ہندو فرقے ویشنو میں جو بالآخر ہندو اکثریت کا مسلک قرار پایا، اس رجحان نے ایک دوسری شکل اختیار کی اور شیو کی مختلف صورتوں سے زیادہ مقبولِ عام دیوتا وشنو کے مختلف اوتاروں کی صورت میں سامنے لے آیا۔

ویشنومت

وشنو ابتدائی ویدک ادب میں ایک کم اہم دیوتا کی حیثیت سے مذکور ہے۔ یعنی اپنی اصلیت کے لحاظ سے وشنو ایک آرین دیوتا ہے، اگرچہ وہ ان "نام نہاد" دیوتاؤں کی صف میں نہیں آتا جو ویدک دور کے شروع میں مذہبی افق پر چھائے ہوئے تھے۔ ویدک دور کے وسطی اور آخری دور میں بتدریج وشنو کی اہمیت بڑھتی ہوئی نظر آتی ہے اور بہت جلد، ویدک دور میں ہی وشنو کو خدائے مطلق کا درجہ حاصل ہو جاتا ہے۔

برہمنی روایت میں وشنو کی اہمیت اور وقار کو مزید تقویت اس رجحان سے حاصل

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہوئی جس کی رو سے ۵۰۰ قبل مسیح سے پہلے ہی وشنو اور ویدک عہد کے ایک دوسرے اہم دیوتا نارائن کی شخصیتوں کو ایک دوسرے میں ضم کر دیا گیا تھا۔ اس طرح ہم ویدک ادب کے بعض آخری حصوں، مثلاً تیتریا آرنیکا یا اور بعد کی تصنیفات جیسے بودھیانا گرھیا سوتر میں وشنو نارائن جیسے ایک عظیم ترین دیوتا کا تذکرہ پاتے ہیں۔

وشنو کی مقبولیت کی تاریخ میں دوسرا اہم موڑ اس وقت آیا جب کہ وشنو نارائن کو ایک تیسرے عوامی دیوتا کرشن واسودیو کی شخصیت سے ملا دیا گیا۔ مہابھارت کے مختلف حصے، نپینی کی کتاب النحو پر پتانجلی کی تفسیر (دوسری صدی قبل مسیح) اور مختلف آثار قدیمہ کی شہادتیں بتاتی ہیں کہ کم سے کم تیسری صدی قبل مسیح تک وشنو نارائن اور کرشن واسودیو کو (جو خود دو شخصیتوں کرشن اور واسودیو کا مجموعہ تھا) ایک دیوتا تسلیم کر لیا گیا تھا۔

کرشن واسودیو درحقیقت برہمنی روایت سے باہر ایک غیر آریہ قوم یادو کا قبائلی دیوتا تھا جس کی پرستش میں توحید اور والہانہ عقیدت کے اجزا خاص اہمیت رکھتے تھے۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ یادوؤں کے علاوہ دوسرے ہندوستانی عوام بھی کرشن واسودیو کے حلقۂ اثر میں آتے جا رہے تھے۔ برہمنی روایت سے متعلق وشنو نارائن اور غیر آریہ کرشن واسودیو کا باہمد گر انضمام، دونوں فریقوں کے لئے حد درجہ سودمند ثابت ہوا۔ برہمنی مت کو جو بدھ مت اور جین مت کی عوامی مقبولیت سے متاثر ہو کر عوام میں رسوخ حاصل کرنے کے لئے بے چین تھا۔

کرشن واسودیو میں ایک ایسا عوامی دیوتا مل گیا جس کو وشنو کے اوتار کی صورت میں اپنا کر ہندوستانی عوام اور غیر آریہ عناصر کو بھی برہمنی حلقۂ اثر میں شامل کر لیا گیا۔ دوسری طرف کرشن واسودیو کے پرستار بہت سے غیر آریہ قبائل اور عوامی طبقات کے مذہبی رجحان کو برہمنی مت کا عطا کردہ درجۂ استناد حاصل ہو گیا۔ وشنو نارائن اور کرشن واسودیو کے انضمام کے بعد وشنومت، بحیثیت کرشن کی پرستش پر مبنی مذہبی فکر کے، پھلا پھولا۔ مہابھارت کے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

مختلف حصوں کا مطالعہ ویشنومت کے بتدریج بڑھتے ہوئے غلبہ کو بخوبی واضح کرتا ہے۔ مہابھارت، جو کہ ابتدا میں ایک غیر جانبدار تصنیف تھی، وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ویشنو عقائد اور نظریات سے بھردی گئی۔ چنانچہ اپنی موجودہ صورت میں یہ بلاشبہ ویشنومت کی طرفدار تصنیف ہے۔

اس سلسلے میں مہابھارت کا اہم ترین حصہ جس میں کہ مخصوص ویشنو عقائد اور سری کرشن کے کردار کو پوری طرح نمایاں کیا گیا ہے۔ وہ تصنیف ہے جو کہ بھگوت گیتا کے نام سے موسوم ہے۔ محققین کا خیال ہے کہ مہابھارت کے قصہ میں ایک نازک مقام پر بعد کے وشنو علما کا اضافہ ہے، جس نے کہ ویشنومت کے ارتقا میں ایک کلیدی کردار ادا کیا ہے۔

بھگوت گیتا نہ صرف واضح طور سے سری کرشن کو وشنو کے اوتار کی حیثیت سے پیش کیا گیا ہے بلکہ وشنو کی حیثیت میں ان کو حقیقتِ اعلیٰ کے مترادف قرار دیا گیا ہے۔ دوسری طرف اعلیٰ ترین روحانی مدارج کو برہمنی مت کی طرح صرف سماج کے اعلیٰ طبقوں تک محدود نہ رکھتے ہوئے عوام الناس بلکہ عورتوں، غلاموں، شودروں اور اچھوتوں تک کے لئے ممکن الحصول قرار دیا گیا ہے۔

> ''میری پناہ لینے والے، اے پارتھ (سری ارجن) چاہے وہ نیچ ذات کے ہوں یا عورتیں، ویش اور شودر ہی کیوں نہ ہوں وہ بھی اعلیٰ ترین (روحانی) مقصود کو حاصل کر سکتے ہیں۔''

اسکے ساتھ ساتھ بھگوت گیتا میں برہمنی مت کی قربانیوں (یگیہ) پر مبنی رسومات کے بجائے کرشن کی عبادت کے لئے عشق حقیقی (بھگتی) اور سچی عقیدت کی اہمیت پر زور دیا گیا ہے۔ بھگوت گیتا کی تصنیف اور مہابھارت کے وشنو رنگ میں رنگے جانے کے ساتھ ہی ویشنومت نے ہندوستانی مذاہب کی صف میں اپنا ممتاز مقام متعین کر لیا تھا۔ اس کے بعد صرف وقت گزرنے کی دیر تھی کہ عوامی حلقوں میں ویشنومت کے اثرات بڑھنے لگے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ویشنو تحریک کی مقبولیت اور ترقی میں اگلا اہم مرحلہ ساتویں اور آٹھویں صدی عیسوی میں پیش آتا ہے۔ اس دور میں شمالی ہندوستان کے بجائے جنوبی ہندوستان مذہبی احیا کی سرگرمیوں کا مرکز بن گیا تھا۔ اس زمانہ میں جنوبی ہندوستان، خاص طور سے مدراس کے علاقہ میں سنت شاعروں کا ایک سلسلہ پیدا ہوا جو کہ الور سنتوں کے نام سے مشہور ہے۔ عشق حقیقی کے نشہ سے سرشاران شعرا نے مقامی زبان میں وہ شعری ادب پیش کیا جس نے عوام کو اپنا گرویدہ بنالیا اور جس کے اثرات بعد کی صدیوں میں نسلاً بعد نسل منتقل ہوتے رہے۔ اس صوفیانہ شاعری میں وشنو اور اس کے اوتار کرشن کو معبود حقیقی مان کر ان کے لئے والہانہ محبت کا اظہار کیا گیا ہے۔ جذبۂ محبت کی شدت اور محبوب حقیقی کے لئے عشقِ مجازی کا پیرایۂ بیان، یہ دونوں خصوصیات الور سنتوں کی بھگتی کو بھگوت گیتا کی محتاط بندی سے مختلف بنا دیتی ہیں اور ویشنو مت کی تاریخ میں ایک نئے موڑ کی نشاندہی کرتی ہیں۔ الور سنتوں کی جذباتی محبت اور ان کے مجازی استعارے عوام کے لئے زیادہ پرکشش اور پُر تاثیر ثابت ہوئے۔

چنانچہ آٹھویں صدی عیسوی کے بعد یہی رجحان ویشنو مت کا مخصوص شعار بن گیا۔ ویشنو مت کی دوسری اہم ترین مقدس کتاب بھگوت پران اسی دور میں (آٹھویں صدی عیسوی) اور غالباً جنوبی ہندوستان ہی میں تصنیف ہوئی۔ اس کتاب میں سری کرشن کی داستان حیات نہایت تفصیل سے بیان کی گئی ہے، لیکن اس کا اہم ترین حصہ وہ ہے جہاں پہلی مرتبہ مجازی تعبیرات کے بھرپور استعمال کے ساتھ سری کرشن سے گوپیوں کی والہانہ محبت کی تفصیلات مذکور ہیں۔

یہ تصنیف، سرتاسر، کرشن سے جذباتی قسم کی بھگتی کے رنگ میں ڈوبی ہوئی ہے اور عشقِ حقیقی کے اسی رجحان کو تقویت دیتی ہے۔ جس کی داغ بیل الور سنتوں کے ہاتھوں پڑ رہی تھی۔ بعد کی صدیوں میں خصوصاً دسویں صدی عیسوی سے بارہویں صدی عیسوی کے دوران جنوبی ہندوستان میں بھگتی کے فلسفیانہ اور نظریاتی پہلو کو خاص اہمیت حاصل ہوگئی۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اس دوران وہاں ویشنومت کے کئی ایسے مفکر پیدا ہوئے جنہوں نے بھگتی کی فلسفیانہ اساس کو اپنا موضوع فکر بنایا اور اس سلسلے میں یادگار خدمات انجام دیں۔ ان مفکرین میں رامانج اچاریہ (گیارہویں صدی عیسوی) اور مادھواچاریہ (بارہویں صدی عیسوی) سب سے زیادہ مشہور ہیں۔

تقریباً اسی زمانے میں جبکہ جنوبی ہندوستان میں بھگتی کا فلسفیانہ اور نظریاتی پہلو موضوع بحث تھا جذباتی قسم کی والہانہ بھگتی کے رجحان نے شمالی ہندوستان کا رخ کیا جہاں مسلمان صوفیا کی زندہ مثالیں ہندوستانی عوام کے سامنے عشق حقیقی کا اسلامی نمونہ پیش کر رہی تھیں۔ شمالی ہندوستان کے عوام نے والہانہ بھگتی کے رجحان کو ہاتھوں ہاتھ لیا اور بہت جلد اس کے نمائندہ سنتوں کے ہاتھوں ویشنومت کی یہ شکل شمالی ہندوستان کے کونے کونے میں پھیل گئی۔ بارہویں صدی عیسوی میں نمبارک اور جے دیوا سے لے کر جنہوں نے بھگتی میں کرشن اور رادھا کے رشتۂ محبت کو اپنا مثالی مسلک قرار دیا تھا۔ چودہویں صدی میں رامانند اور ان کے ممتاز شاگرد اور شاگردوں کے شاگرد، جیسے روی داس، کبیر، دھنا، سینا، پیپا، بھاوانندا، دھرم داس، ملوک داس، ڈاڈو، نیز مہاراشٹر میں، نام دیو، ایکاناتھ، تکارام بنگال میں سری چتینیہ، راجستھان میں میرابائی اور اودھ میں تلسی داس نے، سولہویں صدی تک والہانہ جذبۂ محبت پر مبنی جذباتی قسم کی بھگتی کو ویشنومت کی سب سے نمایاں صفت بنا دیا۔ ان سنتوں اور ان جیسے ہزاروں سنتوں نے اپنے اثرات سے ویشنومت کو وہ مقبولیت عطا کی جس کی وجہ سے آج تک وہ ہندومت کا غالب ترین فرقہ ہے۔

دیوی مت

شیو کی پرستش کی طرح حقیقتِ الٰہیہ کا ایک دیوی کی صورت میں تصور بھی ہندوستان کے قدیم ترین مذہبی عقائد میں سے ہے۔ ساڑھے پانچ ہزار سالہ قدیم

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہندوستانی تہذیب کے جن آثار کی کھدائی موہنجداڑو اور ہڑپا میں ہوئی ہے۔ ان میں شیو جیسے ایک دیوتا کی تصویروں کے علاوہ ایک دیوی کی مورتیاں بھی برآمد ہوئی ہیں۔ جو غالباً زرخیزی اور خوشحالی کی دیوی کی حیثیت سے بھی پوجی جاتی تھی۔ یہ بھی گمان کیا جاتا ہے کہ یہ دیوی، ایک دیوی ماں کی صورت میں حقیقتِ الٰہیہ کے تصور کا مظہر تھی۔

سامی النسل قوموں کے علاوہ دنیا کی دوسری قوموں میں یہ تصور کافی عام رہا ہے اور قدیم زمانے میں دنیا کے مختلف حصوں میں اس کی مثالیں ملتی ہیں۔ بعض ہندو دانشوروں کا خیال ہے کہ باپ یا آقا کی حیثیت سے حقیقتِ الٰہیہ کے تصور کے مقابلے میں اس کا ماں کی حیثیت میں تصور بندے کے ساتھ زیادہ قریبی اور پر اعتماد رشتہ استوار کرتا ہے۔ بہرحال کوئی بھی وجہ ہو یہ حقیقت ہے کہ ہندوستان میں ایک دیوی ماں کی حیثیت سے کائنات کی حقیقتِ اعلیٰ کا تصور، ایک قدیم تصور تھا۔

آریوں سے پہلے ہندوستان میں دیوی پوجا کی روایت سے قطع نظر، خود آریوں کے مذہبی فکر میں کائنات کی مختلف طاقتوں کو دیویوں کی حیثیت سے مانا گیا تھا۔ اس سلسلے میں رگ وید کی دسویں کتاب کا بھجن نمبر ۱۲۵ قابل غور ہے۔ جس میں دیوی واکیہ (قوت گفتار کی دیوی) کو نہ صرف دوسرے تمام دیوتاؤں بلکہ ساری کائنات کا سرچشمہ حیات اور اس کی قوتوں کا ماخذ قرار دیا گیا ہے۔

بعد کے ویدک ادب میں تیتریہ آرنیکا میں دُرگا، کینا اپنشد میں اُما اور منڈکا اُپنشد میں اگنی کی تین زبانوں کی حیثیت سے کالی، کرالی اور دھوموتی کا تذکرہ ملتا ہے جو کہ سب کے سب دیوی کی ہی مختلف صورتوں کے نام ہیں[1]۔ مہابھارت کے شروع کے حصے میں دیوی کا تذکرہ دُرگا کی حیثیت سے ملتا ہے لیکن اس وقت اس کو سری کرشن کی بہن کی حیثیت سے متعارف کرایا گیا ہے۔ البتہ اسی کتاب کے آخری حصے میں اگرچہ وہ سری کرشن سے متعلق رہتی ہے لیکن پھر بھی اس کو اس کی زیادہ معروف حیثیت یعنی شیو کی بیوی اُما کے طور سے پیش

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کیا گیا ہے[۲۸]۔ مہابھارت میں مذکوران حوالوں میں دُرگا اور اُما کو اسی روایتی ہیبت ناک تصور کے ساتھ پیش کیا گیا ہے جو دیوی کی کالی کی حیثیت کے ساتھ مخصوص سمجھا جاتا ہے[۲۹]۔

ویدک اور رزمیہ نظموں کے دور کے بعد جب ہم پُرانوں کے دور میں داخل ہوتے ہیں تو ہمیں ہندومت کی مذہبی کتابوں میں دیوی ماں اور اس کی شخصیت کی تفصیلات زیادہ بڑے پیمانہ پر ملتی ہیں۔ ہری وِمسا اور مارکنڈے پُران کے ایک حصہ المعروف بہ چنڈی مہتمیا میں دیوی کو واضح طور سے تری مورتی کے تینوں دیوتاؤں برہما، وشنو اور شیو کی صلاحیتوں کے عطر اور ان کی قوت (شکتی) کے طور سے پیش کیا گیا ہے[۳۰]۔

ان تصنیفات میں دیوی کے کالی کی صورت میں ظہور کی بھی تفصیلات بیان کی گئی ہیں۔ کالی کی صورت میں دیوی شیو کی پوشیدہ قوت ہے، جو مجسم طور سے ایک دیوی کی صورت میں ظاہر ہوئی ہے تاکہ راکھشسوں کا صفایا کر سکے۔ اپنے ظہور کے بعد کالی بذات خود ایک منفرد حیثیت کی حامل ہے اور دیوی ماں کی دوسری حیثیتوں کی طرح اسی کا ایک مخصوص روپ مانی جاتی ہے۔ یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ دیوی ماں، حقیقتِ اعلیٰ کے مظہر کی حیثیت سے، اپنی کالی اور دُرگا کی حیثیتوں میں زیادہ پوجی جاتی ہے، بہ نسبت پاروتی اور اُما کی حیثیت کے، جن میں اس کا شیو سے تعلق زیادہ نمایاں ہے۔

دیوی ماں اپنے سب سے مقبول عام تصور میں، جس میں وہ کالی، دُرگا، کمندا یا چنڈی جیسے ناموں سے مشہور ہے، شیر پر سوار اپنے ترشول سے بھینسا راکھشس، کو مارتی ہوئی دکھائی جاتی ہے۔ اس کے گلے میں انسانی کھوپڑیوں کی مالا ہوتی ہے اور لٹکتی ہوئی لال زبان سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ وہ ابھی ابھی خون پی کر آرہی ہے۔ اس کے ایک ہاتھ میں خونخوار تلوار ہوتی ہے اور دوسرا ہاتھ اپنے بھگتوں کو تسلی کا اشارہ دیتا معلوم ہوتا ہے۔ اس طرح جہاں ایک طرف وہ خونخواری اور ہیبت کا مجسمہ معلوم ہوتی ہے۔ وہاں دوسری طرف وہ اپنے بھگتوں کی حفاظت کی ذمہ دار اور اُن کو خوشحالی کی بشارت بھی دیتی ہوئی نظر آتی ہے۔ خوف

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اور کشش کی یہ متضاد صفات اس کی سرّیت اور ماورائیت میں اضافہ کرتی ہیں۔

دیوی ماں کے مخصوص بھگتوں میں ایک فرقہ شکتوں کا بھی ہے۔ یہ لوگ دیوی ماں کو شیو کی شکتی مان کر اس کی بحیثیت حقیقتِ اعلیٰ پرستش کرتے ہیں۔ انہی میں وہ لوگ بھی شامل ہیں جو تانترک رسومات پر عمل کرتے ہیں اور ہندومت میں، باطنی، رجحانات کے علمبردار ہیں۔ ان کے عقائد اور رسومات چونکہ اکثر عام سماجی اور اخلاقی معیاروں سے مختلف ہوتے ہیں اس لئے یہ اپنے کو پوشیدہ رکھتے ہیں اور اپنی رسومات کو خفیہ طور سے ادا کرتے ہیں۔

قانون اور سماجی زندگی

یہ کہا جا سکتا ہے کہ بنیادی اعتبار سے ہندومت میں مذہب کا مقصود، ابتدائی زمانہ میں فرد کی اپنی بھلائی اور بعد کے دور میں فرد کی اپنی نجات (موکش) رہا ہے۔ غالباً اسی اعتبار سے یہ کہا جاتا ہے کہ ہندومت ایک انفرادیت پسند مذہبی روایت ہے۔ جس میں سماجی زندگی کی اصلاح اور بہتری کو مذہب کے اہم مقاصد میں شامل نہیں سمجھا گیا ہے[۲]۔ لیکن بہر حال انسان ایک ''سماجی جانور'' ہے اور پُر امن اجتماعی زندگی اور تمدن کی بقا کے لئے ضروری تھا کہ سماجی زندگی کے کچھ اصول متعین کیے جائیں۔ اس لئے ہم دیکھیں گے کہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ہندومت میں سماجی زندگی کا ایک ایسا باقاعدہ نظام وجود میں آ گیا جس کو مذہب کی پوری حمایت حاصل تھی۔

اجتماعی زندگی کی تنظیم کی سماجی ضرورت سے الگ، ہندوستان میں اپنے قیام کے ابتدائی زمانے سے ہی آریہ مفکرین نے مشاہدۂ فطرت کے نتیجے میں کائنات میں جاری و ساری بنیادی، فطری قوانین کی آفاقیت اور باقاعدگی کو محسوس کر لیا تھا۔ وہ فطری قوانین جو ہمیشہ باقاعدگی اور بغیر کسی تبدیلی کے اپنے اثرات ظاہر کرتے رہے ہیں اور جن پر کائنات کا

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

نظام منحصر ہے ویدک ادب میں ''رِت'' کے اجتماعی نام سے یاد کیے گئے ہیں۔ کائنات میں رِت کی کارفرمائی کے کچھ عام مظاہر، دن اور رات کے بننے، موسموں کے آنے جانے، چاند کے گھٹنے بڑھنے، آگ کے بہرصورت جلانے، پودوں اور جانداروں کی بتدریج نمو اور بتدریج زوال، کی صورت میں محسوس کیے گئے۔

اس طرح ویدوں میں کائنات کے مستقل نظام اور باقاعدہ وجود کا ذمہ دار رِت کے ازلی، ابدی اور عالمی اصول کو ٹھہرایا گیا ہے[۳۲]۔ بعد کی صدیوں میں ویدک روایت کے ہندومت کی صورت میں تبدیل ہونے کے ساتھ رِت کے تصور میں بھی ترقی ہوئی اور رِت کی جگہ دھرم کی وسیع تر مفہوم پر حاوی اصطلاح وجود میں آئی۔

دَھرم ہندو روایت کی ایک ایسی جامع اصطلاح ہے جس کا ترجمہ کسی اور زبان میں کرنا بہت مشکل ہے۔ دھرم کے مفہوم میں رِت کی رعایت سے کسی چیز یا جاندار کی فطری خصوصیات، مذہبی عقائد و اعمال ویدک رسومات، اخلاقی اقدار اعمال، ذات پات اور شخصی زندگی کے تمام اصول، عائلی زندگی اور دیوانی و فوجداری سے متعلق قوانین، نیکی، موزونیت، رفاہِ عام، عدم تشدد اور خاص طور سے فرائض منصبی کے تصورات شامل ہیں[۳۳]۔

اس طرح ہم دیکھ سکتے ہیں کہ دھرم کی اصطلاح انفرادی اور اجتماعی زندگی کے تمام شعبوں پر محیط ہے، اور یہ بحیثیت مجموعی، انسانی زندگی کے ہر شعبے میں مناسب اور بہترین طریق عمل کا معیار متعین کرتا ہے۔

ویدک عہد میں برہمنی روایت کے اندر انفرادیت پسندی اور اجتماعیت کے رجحانات کی ایک طویل کشمکش کے بعد بالآخران میں سمجھوتہ کی ایک صورت حاصل ہوگئی تھی، جو ہندومت میں زندگی کے چار اہم مقاصد کی شکل میں متعین ہوئی۔ ہندو مفکرین اور مذہبی علما کے ایک طویل مدت میں قرار شدہ اجماع کے ذریعہ یہ تسلیم کرلیا گیا کہ انسانی زندگی کے یہ چار مقاصد:

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

۱۔ دھرم (اصولوں پر مبنی انفرادی اور اجتماعی زندگی)

۲۔ ارتھ (دولت اور طاقت کا حصول)

۳۔ کام (زندگی کی نعمتوں سے لطف اندوزی)

۴۔ موکش (کرم اور آواگون کے پھندے سے نجات، ابدی مسرت کا حصول)

اپنی اپنی جگہ انسانی زندگی میں اہمیت رکھتے ہیں۔ اگرچہ ان میں سے آخری یعنی موکش کو زندگی کے اعلیٰ ترین نصب العین ہونے کا درجہ حاصل ہے[۳۴]۔

کائنات میں رِت کی کارفرمائی کے کچھ عام مظاہر، دن اور رات کے بننے، موسموں کے آنے جانے، چاند کے گھٹنے بڑھنے، آگ کے بہر صورت جلانے، پودوں اور جانداروں کی بتدریج نمو اور بتدریج زوال، کی صورت میں محسوس کئے گئے۔ اسی طرح ویدوں میں کائنات کے مستقل نظام اور باقاعدہ وجود کا ذمہ دار رِت کے ازلی، ابدی اور عالمی اصول کو ٹھہرایا گیا ہے۔

مقاصد کی اس تقسیم میں دھرم کے اُس وسیع ترین مفہوم کی رعایت نہ کرتے ہوئے جس کی طرف اوپر اشارہ کیا ہے، اس کو مذہبی عقائد و اعمال اور انفرادی اور اجتماعی زندگی کے بنیادی اصولوں کے مفہوم میں محدود کر دیا گیا ہے۔ ہندو قانون کی کتابوں میں دھرم کے اس مفہوم کی مزید تحدید ہوئی اور اس کو بنیادی طور سے وَرَن اشرم دھرم، یعنی ذات پات کے نظام (وَرَن) اور انفرادی زندگی کی مختلف مدارج (آشرم) کے معنوں میں استعمال کیا گیا ہے۔ ہندو فقہ (مذہبی قوانین) درحقیقت اسی وَرَن آشرم دھرم کے قوانین اور ضوابط کی تدوین و ترتیب کا نام ہے[۳۵]۔

تمام قدیم تہذیبوں کی طرح ہندو روایت میں بھی مذہب پوری زندگی کو محیط تھا۔ برہمنی مت اور پھر ہندو روایت میں مذہب کا سرچشمہ اور بنیادی ماخذ ویدوں کو تسلیم کیا گیا ہے۔ اگرچہ ہندو مت کا ارتقا بڑی حد تک ویدک روایت سے آزاد رہ کر ہوا ہے، لیکن ایک

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

عقیدہ کے طور سے ویدوں کی بالا دستی اور مرکزیت ہمیشہ ہندو روایت کا لازمی جز رہی۔ ہندو قانون میں بھی تمام بنیادی اصولوں اور ضوابط کے لئے ویدوں کی سند کو ضروری سمجھا گیا۔ چنانچہ ہندو فقہا نے بعد کے دور میں ترقی پذیر فقہی ضوابط کے لئے بھی کوشش کر کے ویدوں ہی سے سند حاصل کرنے کی سعی کی۔ اس کے باوجود ہندو قانون کا ایک بڑا حصہ ایسا ہے جو براہ راست ویدوں سے ماخوذ نہیں ہے بلکہ اس کا تعلق ویدوں کے علاوہ ہندو قانون کے دوسرے ماخذ سے ہے۔

ہندو قانون کے ماخذ میں ویدک ادب (شرتی) کے علاوہ: دھرم سوتر (۶۰۰ سے ۱۰۰ ق۔م کے دوران تصنیف شدہ ویدوں سے ماخوذ بنیادی فقہی تصانیف) دھرم شاستر یا سمرتی (۱۰۰ ق۔م سے ۵۰۰ عیسوی کے دوران تصنیف شدہ تفصیلی منظّم فقہی کتابیں جیسے منوسمرتی یا جناولکیہ سمرتی وغیرہ)

آچار (عرف، موروثی روایات و رسومات)۔

پریشد (چار یا اس سے زیادہ ہم عصر عالموں کا اجماع)

ششٹا (کسی عالم کا ذاتی اجتہاد یا عمل)

اور آخر میں آتم تشٹی (ذاتی اطمینان تشفی ضمیر) شامل ہیں[5]۔

اس فہرست میں دھرم شاستر یا سمرتیاں وہ تصانیف ہیں جن میں تمام ماخذوں کی مدد سے سب سے زیادہ منظّم طریقہ سے فقہی مسائل کو مرتب کیا گیا ہے اس لئے ہندو قانون میں سمرتیوں کو سب سے زیادہ اور مستند حیثیت حاصل ہے۔ سمرتیوں میں منوسمرتی سب سے قدیم اور سب سے زیادہ اہمیت کی حامل ہے۔ اس کا زمانہ تدوین ۲۰۰ قبل مسیح سے ۲۰۰ عیسوی تک پھیلا ہوا ہے۔ اس سے کچھ ہی کم درجہ کی تصنیف یاجناولکیہ سمرتی ہے جو عیسوی سنہ کی ابتدائی دو تین صدیوں کے دوران مرتب ہوئی۔ سبھی سمرتیاں عام طور سے تین حصوں میں منقسم ہوتی ہیں:

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

پہلا حصہ آچار، اخلاقیات اور معاملات سے متعلق ہوتا ہے۔ دوسرا حصہ دیوہار، سماجی زندگی اور جرم و سزا سے متعلق قوانین پر مشتمل ہوتا ہے اور تیسرے حصہ پرائشچت میں گناہوں کے کفارے، ہرجانوں اور سزاؤں کا بیان ملتا ہے۔

ہندو قانون کا انفرادی اور اجتماعی زندگی کا یہ پورا نظام ورن آشرم دھرم کی بنیاد پر تعمیر ہوا ہے اس لئے ہندو قانون کے بنیادی ڈھانچہ سے تعارف حاصل کرنے کے لئے ورن آشرم دھرم کو سمجھنا ضروری ہے۔

ورن جس کے لفظی معنی ''رنگ'' کے آتے ہیں، ہندو روایت میں اصطلاحاً چار بڑی ذاتوں میں سماج کی طبقاتی تقسیم کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ اس بنیاد پر بعض مصنفین کا خیال ہے کہ چار طبقات میں سماج کی تقسیم بنیادی اعتبار سے آریہ اور غیر آریہ کے رنگ روپ یعنی نسل کی تفریق پر مبنی ہے۔ ورن کے نظام میں تین اعلیٰ ذاتیں یعنی برہمن، چھتری اور ویش، آریہ نسل سے تعلق رکھتی تھیں جو کہ شمال وسطی ایشیا سے آنے کے باعث گورے رنگ، لمبے قد اور کھڑے ناک نقشے کے لوگ تھے۔ جب کہ چوتھی ذات شودر سے تعلق رکھنے والے ہندوستان کے قدیمی باشندے، کالے رنگ، چپٹی ناک والے اور پستہ قد تھے۔

ہندوستان میں سکونت اختیار کرنے کے بعد آریہ نسل کے لئے ہندوستان کے قدیم غیر آریہ باشندوں کے ساتھ مخلوط ہو جانے کا قوی اندیشہ تھا۔ چنانچہ آریہ سماج نے مختلف طبقات کے درمیان ورن کے تصور پر مبنی ذات پات کی ایسی دیواریں کھڑی کر دیں کہ ان میں باہمی اختلاط بہت مشکل ہو گیا۔ اس نظام کا یہ بھی خاصہ تھا کہ اس میں ہندوستان کے غیر آریہ قدیمی باشندوں کو شودر کی حیثیت سے سماج میں سب سے پست مرتبہ دیا گیا اور ان کا دھرم صرف آریہ نسل کی تین اعلیٰ ذاتوں کی خدمت قرار دیا گیا۔

اس رائے کو اس حقیقت سے مزید تقویت ملتی ہے کہ ہندو سماج کی تین اعلیٰ ذاتوں یعنی برہمن، چھتری اور ویش میں اگرچہ طبقاتی فرق موجود ہے لیکن پھر بھی شودر کے مقابلے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

میں ان کو بہت سے مشترکہ حقوق حاصل ہیں جو صرف شودر ذات کے لئے ممنوع قرار دیئے گئے ہیں۔ آریہ نسل کی تینوں اعلیٰ ذاتوں کے لوگ جنیو پہننے کے حقدار میں ہیں اور اسی لئے تینوں اعلیٰ ذاتوں کے لوگ دودیجا یعنی دو پیدائش والے کہلاتے ہیں۔ ایک پیدائش تو جب کہ وہ جسمانی اعتبار سے پیدا ہوئے، اور دوسری استعاراتی پیدائش وہ جب کہ سن بلوغ کو پہنچے پر اپانیانا رسم کے بعد وہ کسی گرو کی شاگردی اختیار کرتے ہیں۔ اور اس کے ہاتھوں جنیو پہنتے ہیں۔

شودر کا اس رسم یا اس سے متعلق فوائد میں کوئی حصہ نہیں ہے۔ ویدوں کی تعلیم اور ان کا پڑھنا بھی صرف تینوں اعلیٰ ذاتوں کے لئے مخصوص ہے۔ شودر کے لئے وید کے کسی لفظ کا سننا بھی حرام ہے۔ درحقیقت ویدک قانون کے مطابق ایسے شودر کے کانوں میں جو ویدوں کا کوئی لفظ سن لے پگھلا ہوا سیسہ اور لاکھ ڈال دینی چاہیئے[۳۷]۔

اسی طرح ویدک رسومات کی ادائیگی اور ویدوں میں مذکور صدقات وعطیات کا دینا بھی صرف تینوں اعلیٰ ذاتوں کے لئے مخصوص ہے۔ زندگی کی آشرموں کے مطابق مختلف ادوار میں تقسیم، جس کی تفصیل ہم آگے چل کر بیان کریں گے۔ وہ بھی صرف اعلیٰ ترین ذاتوں کے لئے ہے۔ اس طرح اس نظریہ میں کہ ورن کے نظام میں آریہ وغیر آریہ کے درمیان رنگ ونسل کے امتیاز کا کچھ وزن دیکھا جا سکتا ہے۔ لیکن حقیقت یہی ہے کہ آریہ سماج میں ورن یعنی ذات پات کے نظام کی ابتدا کا کوئی قابل تشفی سراغ نہیں ملتا۔ یہ البتہ کہا جا سکتا ہے کہ ویدک عہد میں ورن کا نظام موجود تھا اور ویدوں نے اس طبقاتی تقسیم کو ایک مذہبی بنیاد بھی عطا کر دی تھی۔ اس سلسلے میں رگ وید کا پر شا سکتا بھجن خاص اہمیت رکھتا ہے جو کہ ہندو روایت کے اعتبار سے ذات پات کی ابتدا کی تشریح اور اس کا مذہبی جواز مہیا کرتا ہے[۳۸]۔

اس بھجن میں یہ دکھایا گیا ہے کہ کس طرح سب سے پہلا انسان دیوتاؤں اور

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کائنات کے ساتھ ایک اٹوٹ اندرونی رشتہ میں پرویا ہوا تھا۔ برہمنی مت میں قربانی کی مرکزی اہمیت کے پیش نظر اس میں یہ بھی دکھایا گیا ہے کہ دیوتاؤں کے ذریعہ اس اساطیری انسان کی قربانی سے ہی مادّی کائنات کی تمام چیزوں کا ظہور ہوا۔ یہ اساطیری انسان درحقیقت وجودِ مطلق کی تجسیم معلوم ہوتا ہے جس کے قربان شدہ جسم کے مختلف حصوں سے منجملہ کائنات کی بے جان اور جاندار دوسری اشیا کے آریہ سماج کے چاروں ورن بھی پیدا ہوئے۔ اس بھجن کے متعلقہ حصوں کا ترجمہ کچھ اس طرح ہے:

''اس (اساطیر) آدمی کے ہزار سر ہیں۔
ہزار آنکھیں اور ہزار پاؤں۔
زمین کو ہر طرف سے محیط۔
اُس کے رقبہ سے بھی دس انگشت نکلا ہوا۔''

''اُس آدمی کو نذرانہ کے طور سے استعمال کرتے ہوئے، دیوتاؤں
نے قربانی کی رسم ادا کی۔''
(اس قربانی کی رسم میں دیوتاؤں کے لئے) بہار نے گھی کا کام دیا،
موسم گرما ایندھن بنا اور خزاں اس کا چڑھاوا تھی۔

....

''جب انہوں نے اس آدمی کے ٹکڑے کیے، تو کتنے ٹکڑوں میں
انہوں نے اس کو بانٹا؟
اس کا منہ کیا بنا؟ اور ہاتھ کا کیا ہوا؟
اس کی ٹانگوں کو کیا کہہ کر پکارتے ہیں؟ اور اس کے پیروں کو؟''

....

''اس کے منہ سے برہمن (جاتی) پیدا ہوئی، ہاتھوں سے چھتری

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

راجا، اس کی ٹانگوں سے
عام آدمی (ویش) پیدا ہوا جو کاروبار میں مشغول رہتا ہے کم حیثیت
غلام نے اس کے پیروں سے جنم لیا۔"

(رگ وید، دسواں باب، بھجن نمبر ۹۰ صفحہ ۳۸)

اس طرح اس بھجن، یا ویدک ادب میں موجود دوسرے حوالوں کی بنیاد پر، یہ کہا جا سکتا ہے کہ ہندوستان میں آریوں کی آباد کاری کے ابتدائی دور سے ہی آریہ سماج میں ورن کی بنا پر سماج کی طبقاتی تقسیم موجود تھی۔ لیکن اس سلسلے میں کثیر شواہد موجود ہیں کہ ویدک دور میں اور اس کے بعد ہندو فقہا کی نظر میں ورن کی طبقاتی تقسیم نہ تو اس قدر بے لچک تھی، اور نہ ہی ان طبقات کے درمیان ایسی اٹوٹ دیواریں حائل تھیں جیسا کہ قرون وسطیٰ کی ہندو معاشرہ میں ذات پات کے نظام میں ملتی ہیں[۳۹]۔

ویدک دور میں وَرَن کا نظام طبقاتی درجہ بندی اور سماجی تفریق سے زیادہ پیشوں اور سماجی ذمہ داریوں کی تقسیم پر مبنی معلوم ہوتا ہے، جس میں اَدَل بَدَل ناممکن نہیں تھا۔ کسی فرد کا وَرَن، اس کے کسی مخصوص خاندان میں پیدا ہونے سے زیادہ بعد کی زندگی میں اس کے اختیار کردہ پیشے سے متعلق معلوم ہوتا ہے۔ اگر چہ یہ صحیح ہے کہ جوں جوں ہم ابتدائی ویدک دور کے مذہبی ادب سے بعد کی ویدک تصنیفات مثلاً براہمن، آرنیکا اور اپنشد کی طرف بڑھتے ہیں، ہم کو بتدریج مختلف ورنوں کی طبقاتی خصوصیات اور ان کے ایک دوسرے سے علاحدہ اپنے آپ میں ایک مخصوص گرہ ہونے پر زور ملتا جاتا ہے۔ لیکن اس کے باوجود ان ورنوں کے درمیان سماجی تعلقات اور شادی بیاہ کے رشتوں کی موجودگی میں بڑی حد تک باہمی مساوات کا احساس پایا جاتا ہے[۴۰]۔

یہاں پر یہ یاد رکھنا چاہیے کہ قرون وسطیٰ کی ذات پات کے مقابلے میں ویدک دور کی طبقاتی تقسیم کی لچک اور نرمی آریہ سماج کی تین اعلیٰ ورنوں، یعنی برہمن، چھتری اور

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ویش تک ہی محدود تھی۔ چوتھا ورن، شودر، ابتدا میں تو موجود ہی نہیں تھا۔ لیکن ناگزیر حالات کی بنا پر مقامی باشندوں کو آریہ سماج میں شودر کے چوتھے ورن کے طور پر قبول کرلیا گیا، تو بھی تینوں اعلیٰ ورنوں اور شودروں کے درمیان ہمیشہ ایک ایسی ناقابل عبور خلیج رہی جس کی وجہ سے شودر ایک الگ ہی خانہ میں رکھے جاتے رہے۔ دویجا ورن والوں (تینوں اعلیٰ آریہ ورنوں) کے لئے شودروں سے ایک مخصوص سطح پر یہ تعلقات رکھنا ممکن تھا۔ جس کے پیمانے آریہ ورنوں کے آپسی تعلقات کے پیمانوں سے بالکل مختلف تھے اور جن میں شودروں کی محکومیت وپستی اور نسلی عصبیت کا پورا پورا خیال رکھا گیا تھا۔[41]

شودروں کو علاحدہ رکھتے ہوئے آریہ سماج کے تینوں اعلیٰ ورنوں کے درمیان ایک اندرونی رشتہ اور یگانگت کا یہ احساس صرف وید دور تک ہی نہیں محدود رہا بلکہ ہندو قانون کے ارتقا کے بعد کے ادوار میں بھی جب کہ عمومی اعتبار سے گروہ بندی اور ورنوں کے تشخص میں اضافہ ہوتا چلا گیا، کسی نہ کسی حد تک یہ احساسات بدستور قائم رہے۔ چنانچہ ہندو قانون کی ترتیب وتدوین کی شاہکار اور اس کے ارتقا کے معیاری دور سے تعلق رکھنے والی تصانیف، منوسمرتی یا جناوَلکیہ سمرتی اور ناردا سمرتیوں میں بھی ہم کو بنیادی اعتبار سے یہی صورت حال ملتی ہے۔ اگرچہ وقت گزرنے کے ساتھ اب ہم کو آریہ ورنوں کے مابین باہمی اختلاط اور اپنے پیدائشی ورن کی تبدیلی کے امکانات کے سلسلہ میں مزید پابندیوں سے دو چار ہونا پڑتا ہے۔[42]

ہندو قانون کی ان معیاری اور مستند کتابوں یعنی سمرتیوں مین تفصیل سے مذکور ورن کے اس نسبتاً کشادہ نظام اور قرون وسطیٰ بلکہ موجودہ دور میں بھی رائج، ذات پات کی سخت پابندیوں پر مبنی نظام میں، طبقاتی اختلاط کے سلسلے میں ایک بیّن فرق محسوس کیا جا سکتا ہے۔

مثال کے طور پر ذات پات کے رائج نظام کے برخلاف تقریباً سبھی سمرتیوں میں

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

مختلف شرائط اور نتائج کے ساتھ اپنے ورن کے علاوہ جو یقیناً سب سے بہتر صورت ہے، چاروں ورنوں کے مابین شادی بیاہ ممکن ہے[43]۔

اس سلسلے میں یہ فرق ضرور ملحوظ رکھا گیا ہے کہ اعلیٰ ورن کے مرد کی، نیچے کے ورنوں کی عورتوں سے شادی زیادہ قابل قبول، اور نیچے ورن کے مردوں کی، اعلی ورن کی عورتوں سے شادی سخت نامناسب قرار دی گئی ہے۔ اس میں بھی اعلیٰ ورنوں کے مابین شادی بیاہ کے مقابلے میں شودر ورن کی عورت یا مرد سے کسی اعلیٰ ورن کے فرد کے ازدواجی تعلق کو ایک الگ پیمانے سے جانچا گیا ہے اور اس کو پہلی صورت حال کے مقابلے میں زیادہ سنگین نتائج کا حامل قرار دیا گیا ہے۔ ویسشٹا سمرتی تو کسی اعلیٰ ورن کے فرد کی شودر ورن میں شادی کو قطعاً ممنوع قرار دیتی ہے، جب کہ بعض دوسری سمرتیاں جن میں سب سے بااثر منوسمرتی بھی شامل ہے۔ اس کے ایسے ناقابل قبول نتائج بتاتی ہیں کہ اس طرح کی شادی عملاً ممنوع ہو جاتی ہے[44]۔

بہرحال ورنوں کے مابین شادی بیاہ کے سلسلے میں تقریباً سبھی سمرتیاں ان دو اصولوں پر کاربند نظر آتی ہیں، ایک تو یہ کہ اعلیٰ ورن کے مرد کی، نیچے کے ورنوں کی عورتوں سے شادی کے سلسلے میں ان سبھوں کا رویہ زیادہ نرم اور آزادانہ ہے، جب کہ نیچے کے ورنوں کے مردوں کی، اوپر کے ورنوں کی عورتوں سے شادی کے معاملے میں سبھی بہت سخت ہیں۔ وہ اس طرح کی شادی کے امکان کو تو تسلیم کرتے ہیں، چنانچہ ان کے ورن کے نظام میں اس طرح کی شادی سے پیدا شدہ اولاد کے لئے بھی ایک جگہ مقرر ہے، لیکن تقریباً سبھی سمرتیاں اس کو ایک بڑا گناہ خیال کرتی ہیں۔

دوسرا اصول جو اس سلسلے میں تقریباً سبھی سمرتیوں نے اپنایا ہے، وہ یہ ہے کہ ورنوں کی درجہ بندی کے لحاظ سے اپنے سے جتنا کم نیچے والے ورن مین شادی کی جائے اتنا ہی زیادہ قابل قبول ہے۔ چنانچہ گوتما اور بودھیانا سمرتیوں کے مطابق اپنے سے صرف ایک

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ورن نیچے سے متعلق بیوی سے پیدا شدہ اولاد سماجی رتبہ اور حقوق کے لحاظ سے اسی حیثیت کی حامل ہوگی جو اپنے ہی ورن کی بیوی سے پیدا شدہ اولاد کو حاصل ہوگی۔ لیکن ایک سے زیادہ نیچے کے ورن میں شادی کرنے کی صورت میں اس شادی سے پیدا شدہ اولاد کی سماجی حیثیت میں فرق پڑ جائے گا[45]۔

سمرتیوں میں مختلف ورنوں کے مابین رشتہ ازدواج جائز ہونے کے اصول سے ایک اور کام یہ لیا گیا ہے کہ اس کے ذریعہ ہندو سماج میں موجود جاتیوں کی کثیر تعداد کے ماخذ کی توجیہہ کی گئی ہے۔ نظری اعتبار سے اور ویدوں کے مطابق سماج میں صرف چار ورن برہمن، چھتری، ویش، اور شودر ہونے چاہئیں۔ لیکن حقیقت میں ہندو سماج کے اندر بے شمار جاتیاں تھیں۔ جن میں سے ہر ایک اپنی جگہ سماج کا ایک مستقل اور محدود طبقہ تھی۔ جس کے لئے سماج کی طبقاتی درجہ بندی میں ایک مخصوص جگہ متعین تھی۔ چاروں ورنوں کے وجود میں آنے کی تشریح تو ویدوں میں موجود پر شا سکتا بھجن کی توجیہہ اس ذریعہ سے ممکن نہیں تھی۔ چنانچہ سمرتیوں کے مصنفین نے اس مسئلے کو ورنوں کے مابین رشتہ ازدواج کے ذریعہ حل کیا۔ انہوں نے اس کی تشریح اس طرح کی کہ اپنے سے ایک ورن نیچے سے زیادہ دور کے ورن میں شادی کرنے کی صورت میں جو اولاد ہوگی وہ نہ تو باپ کے ورن میں شمار ہوگی اور نہ ہی ماں کے ورن میں گنی جائے گی، بلکہ وہ اپنی جگہ ایک مستقل الگ جاتی سے متعلق ہوگی جو چاروں ورنوں کے علاوہ ہوگی۔

اس طرح مختلف ورنوں کے مابین مختلف صورتوں کی شادیوں کے نتیجے میں مختلف نئی نئی جاتیاں جنم لیتی ہیں۔ پھر نئی جاتیوں کے مابین مختلف شادیوں کے نتیجے میں مزید نئی جاتیاں وجود میں آتی ہیں[46]۔

مثال کے طور سے برہمن باپ اور چھتری ماں کی جو اولاد ہوگی وہ تو برہمن میں ہی شمار ہوگی کیونکہ چھتری ماں، برہمن باپ سے صرف ایک ورن نیچے کی ہے۔ لیکن برہمن

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

باپ اور ویش ماں کی اولاد ایک الگ مستقل جاتی امبشتھا سے متعلق مانی جائے گی۔ اسی طرح برہمن باپ اور شودر ماں کی اولاد دنشادا کہلائے گی۔

ایک دوسرا سلسلہ اس طرح کی جاتیوں کا ہے جس میں اونچے ورن کی عورت نیچے ورن کے مرد سے شادی کرتی ہے، جو کہ سخت قابل اعتراض ہے۔ اس طرح کی شادیوں سے پیدا شدہ اولادوں پر مبنی جاتیاں سماجی درجہ بندی میں بہت نیچا درجہ رکھتی ہیں۔ اسی طرح کے اصول ان نئی جاتیوں کے مابین شادیوں کے ذریعہ پیدا شدہ مزید جاتیون کے درمیان بھی کارفرما ہیں۔ اس سلسلے میں یہ بات قابل توجہ ہے کہ ویدک بنیاد پر قائم چار ورنوں کو تو سمرتیوں نے ورن کے نام سے یاد کیا ہے لیکن ان کے باہمی اختلاط سے پیدا شدہ نئے طبقات کو انہوں نے جاتیوں کا نام دیا ہے اور یہی لفظ آج ذات پات کے نظام میں موجود مختلف طبقات کے لئے استعمال ہوتا ہے۔

منو نے اپنی سمرتی میں اگرچہ وہی روایتی چار ورن بتائے ہیں لیکن ان کے خلط ملط سے پیدا شدہ ستاون جاتیوں کی تفصیل دی ہے جس کے بعد یہ سلسلہ شاید اتنا پیچیدہ ہو گیا ہوگا کہ اس کو یہ موضوع ہی چھوڑ دینا پڑا[28]۔

یہاں پر ہم اتنا اور عرض کرنا چاہیں گے کہ سماج میں موجود مختلف جاتیوں کے وجود کی توجیہہ کرنے کی یہ کوشش، دوسری اور علامات کی طرح، یہ ثابت کرتی ہے۔ کہ سمرتیوں کے مصنفین محض نظری قانون داں نہیں تھے جنہیں سماج کی حقیقی صورت حال سے کوئی غرض نہیں تھی، بلکہ انہوں نے ہندو قانون کی ترتیب وتدوین کے سلسلے میں حقیقی زندگی کی صورت حال کو بھی اپنے پیش نظر رکھا تھا۔

سمرتیوں میں مذکور طبقاتی تقسیم کے قرونِ وسطٰی میں رائج ذات پات کے نظام سے زیادہ لچکدار اور حرکی ہونے کا ثبوت ورن اور اس سے متعلق ذمہ داریوں میں تبدیلیوں کے امکانات سے بھی ملتا ہے۔ چنانچہ جہاں قرونِ وسطٰی کے ذات پات کے نظام میں مختلف

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

جاتیاں اپنے مخصوص پیشے اور سماجی ذمہ داریاں یقینی طور سے متعین رکھتی ہیں، جن میں کوئی تبدیلی ممکن نہیں ہے، وہاں تقریباً تمام سمرتیاں ہنگامی حالات میں مخصوص شرائط کے ساتھ ہر وَرَن کے آدمی کو اپنے سے نیچے والے وَرنوں کے پیشوں کو اختیار کرنے کی اجازت دیتی ہیں [۴۸]۔

البتہ منوسمرتی کے مطابق شودروں سے متعلق پیشے ہنگامی حالات میں بھی صرف ویش وَرَن کے لوگ اختیار کر سکتے ہیں، اوپر کے دونوں وَرنوں برہمن اور چھتری کو کسی حالت میں شودروں سے متعلق پیشے اختیار کرنے کی اجازت نہیں ہے [۴۹]۔

اس کے ساتھ ساتھ منودس ایسے مختلف پیشوں کا بھی ذکر کرتے ہیں جو پریشانی اور تنگی کے وقت میں ہر وَرَن کے آدمی کے لئے جائز ہو جاتے ہیں [۵۰]۔

لیکن ان تمام رعایتوں میں یہ اصول بہر حال مدِ نظر رکھا گیا ہے کہ اوپر کے وَرَن سے متعلق آدمی سخت حالات میں یا ضرورت سے مجبور ہو کر اپنے سے نیچے کے ورنوں کے پیشے تو اختیار کر سکتا ہے۔ لیکن نیچے کے ورن کے لوگ اپنے سے اوپر کے کسی ورن کا پیشہ کسی حالت میں اختیار نہیں کر سکتے [۵۱]۔

سمرتیوں میں مذکور ایک اور اصول جو کسی حد تک وَرنوں کے محدود دائروں کو توڑتا ہوا نظر آتا ہے، اور اس لحاظ سے قرونِ وسطیٰ کے ذات پات کے اٹوٹ نظام سے مختلف ہے، شادی بیاہ کے ذریعہ وَرَن کی تبدیلی کا امکان ہے۔ جیسا کہ ہم ذکر کر چکے ہیں، ایک درجہ سے زیادہ نیچے کے فرق والے دوسرے وَرَن کے ساتھ شادی کے نتیجے میں ایک نئی ذات سے متعلق اولاد پیدا ہوتی ہے۔ اب اگر اس نئی ذات سے متعلق اولاد کی شادیاں مستقل باپ کے اونچے وَرن میں ہوتی رہیں، تو متعینہ چند نسلوں کے بعد اس اولاد کا وَرَن ابتدائی ماں کا وَرَن مان لیا جائے گا۔

سمرتیوں میں یہ اصول جاتی کرشا (ذات کی ترقی) اور جاتی پکرشا (ذات کا

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

زوال) کے ناموں سے یاد کیا گیا ہے[52]۔ بودھیانا سمرتی یہ تسلیم کرتی ہے کہ ایک برہمن باپ اور شودر عورت سے پیدا شدہ اولاد بھی اس طریقہ سے چھٹی نسل میں برہمن وَرَن میں شامل ہوسکتی ہے[53]۔

اس طریقے سے یہ کہا جا سکتا ہے کہ موجودہ ذات پات کے نظام کے برخلاف، جس میں صرف کسی ذات میں پیدا ہوکر ہی آدمی اس ذات سے متعلق ہوسکتا ہے، سمرتیوں کے پیش کردہ ورن کے نظام میں پیدائش کے علاوہ شادی بیاہ کے ذریعہ بھی ایک متعینہ مدت کے بعد نئے لوگ کسی وَرَن کا حصہ بن سکتے تھے۔

جہاں تک مختلف وَرَنوں کی سماجی ذمہ داریوں اور ہر وَرَن سے متعلق مخصوص پیشوں کا سوال ہے، اس سلسلے میں ہم ذیل میں منوسمرتی سے ایک اقتباس نقل کرتے ہیں جس سے مختصراً مختلف ورنوں کے مابین سماجی ذمہ داریوں کی تقسیم کا ایک اندازہ ہو جائے گا۔

> ''اس پوری کائنات کی حفاظت اور استحکام کے لئے صاحبِ شان و شوکت ''پرش'' (ابتدائی دیوتا نما اساطیری انسان) نے اُن ورنوں کو جو اُس کے چہرے ہاتھوں، رانوں اور پیروں سے پیدا ہوئے تھے الگ الگ ذمہ داریاں سونپیں[54]۔''
>
> ''دوسروں کو تعلیم دینا، خود تعلیم حاصل کرنا، مذہبی ریت رسموں کو سرانجام دینا اور دوسروں کی اس سلسلے میں رہنمائی کرنا، صدقات اور عطیات دینا اور وصول کرنا، یہ ذمہ داریاں اُس نے برہمنوں کو سونپیں۔''
>
> ''لوگوں کی حفاظت کرنا، صدقہ خیرات کرنا، مذہبی رسومات کو سرانجام دینا تعلیم حاصل کرنا اور خواہشات پر قابو رکھنا، یہ مختصراً ایک چھتری کی ذمہ داریاں ہیں۔''

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

''تعلیم حاصل کرنا، تجارت اور سوداگری کرنا، سود کا کاروبار کرنا، کھیتی کرنا، مویشی پالنا، مذہبی رسومات ادا کرنا اور صدقہ و خیرات کرنا، یہ ایک دیش کی ذمہ داریاں ہیں۔''

''شودر کے لئے مالک نے صرف ایک ہی کام تجویز کیا ہے اور وہ یہ کہ وہ پورے خلوص سے تینوں (اعلیٰ) ذاتوں کی خدمت کرتا رہے[۵۵]۔''

اس کے بعد منوسمرتی میں مندرجہ بالا اقتباس سے آگے کی عبارت کافی دور تک برہمنوں کی تعریف، اُن کی اہمیت اور سماج میں اُن کے اعلیٰ مقام پر روشنی ڈالتی رہتی ہے۔

وَرن کے نظام میں مختلف طبقات کی سماجی حیثیت اور ان کے صحیح مقام کو متعین کرنے کے لئے محض مختلف ورنوں سے متعلق مختلف ذمہ داریوں کو جان لینا ہی کافی نہیں ہے، بلکہ اس سلسلے میں مختلف ورنوں کو جو مخصوص سماجی حقوق حاصل تھے، یا (شودروں کی صورت میں) جن حقوق سے وہ محروم تھے، ان کا جاننا بھی اشد ضروری ہے۔ یہاں پر ہم مختلف ورنوں کے مخصوص حقوق کی تفصیلات میں نہ جاتے ہوئے مثال کے طور سے سمرتیوں میں صرف برہمنوں کو جو مخصوص مراعات دی گئی ہیں ان کا ذکر کرتے ہیں:

۱۔ ''برہمن دوسرے تمام ورنوں کے لئے (پورے سماج کے لئے) گرو (استاد، مذہبی رہنما) کا کام کریں گے۔''

۲۔ برہمن سماج کے مختلف طبقات کو اُن کی ذمہ داریاں اور فرائض بتائیں گے۔''

۳۔ ''برہمنوں کو کوئی جسمانی سزا نہیں دی جاسکتی۔''

۴۔ ''برہمن نذر و نیاز اور قربانی کا کھانا کھا سکتے ہیں۔''

۵۔ ''برہمنوں پر کوئی ٹیکس نہیں لگایا جاسکتا۔''

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

۶۔ ’’اگر کسی برہمن کو کوئی خزانہ ملے تو وہ اس کو اپنے پاس رکھ سکتا ہے جبکہ اور کسی ورن کے آدمی کو وہ خزانہ حکومت کے حوالے کرنا پڑے گا۔‘‘

۷۔ ’’کوئی برہمن اگر بغیر کسی اولاد نرینہ کے مر جائے تو اس پر کچھ گناہ نہیں ہوگا، جبکہ دوسرے ورن کے لوگ اس صورت میں ایک گناہ کے مرتکب ٹھہرائے جائیں گے۔‘‘

۸۔ ’’سڑکوں اور شاہراہوں پر ان کو خصوصی مراعات حاصل ہوں گی۔‘‘

۹۔ ’’کسی برہمن کی جان لینا سب سے بڑا گناہ مانا گیا ہے۔‘‘

۱۰۔ ’’کسی برہمن کو دھمکانا یا مارنا گناہ کبیرہ میں شامل کیا گیا ہے۔‘‘

۱۱۔ ’’بعض جرائم کی صورت میں برہمنوں کے لئے دوسرے ورنوں کے مقابلے میں ہلکی سزا تجویز کی گئی ہے۔‘‘

۱۲۔ ’’کوئی کمتر ورن کا آدمی کسی برہمن پر دعویٰ نہیں دائر کر سکتا۔‘‘

۱۳۔ ’’شرادھ (بزرگوں کا فاتحہ) کی رسم میں برہمن مدعو کئے جائیں گے۔‘‘

۱۴۔ ’’بعض قربانیاں اور رسومات ایسی ہیں جو برہمن ہی سرانجام دے سکتے ہیں۔‘‘

۱۵۔ ’’دوسرے وَرنوں کے مقابلے میں برہموں کے لئے ’’سوگ‘‘ کی مدت کم رکھی گئی ہے[۵۶]۔‘‘

جس طریقہ سے ہندو قانون میں سماج کی تنظیم اور اُس میں استحکام پیدا کرنے کے لئے وَرن کا نظام متعین کیا گیا، اُسی طرح ہر فرد کی اپنی ذاتی زندگی کو منظّم کرنے کے لئے بھی ایک مثالی ڈھانچہ مختلف آشرموں (مدارِج زندگی) کی صورت میں طے کیا گیا۔ جہاں

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

ایک طرف کسی فرد کا سماجی مقام، اس کی ذمہ داریاں اور اس کا پیشہ بڑی حد تک اُس کے ایک مخصوص وَرَن (یا جاتی) میں پیدا ہونے سے طے ہو جاتا ہے، وہاں آشرموں کے نظام کے ذریعہ یہ متعین کیا گیا کہ اپنے وَرَن میں رہتے ہوئے زندگی کے مختلف حصوں (آشرموں) میں اس کی کیا ذمہ داریاں ہوں گی۔ اس طرح ہندو قانون کے مطابق ایک انسان کے فرائض اور ذمہ داریاں ایک طرف تو اس کے ورن سے متعین ہوتی ہیں، اور دوسری طرف یہ فرائض اس کے اپنی عمر کے مختلف مخصوص مدارج (آشرم) میں ہونے سے طے پاتے ہیں۔

آشرموں کے اس نظام کے ماتحت انسان کی پوری زندگی کو چار حصوں میں بانٹ دیا گیا ہے:

عمر کا پہلا حصہ برہمچریہ آشرم کہلاتا ہے۔ یہ تعلیم و تربیت کا زمانہ ہوتا ہے۔

عمر کا دوسرا حصہ گرہست آشرم ہوتا ہے، جس میں انسان شادی کرتا ہے، گھر بساتا ہے اور اپنی سماجی و معاشی ذمہ داریاں پوری کرتا ہے۔

عمر کا تیسرا حصہ پرستھ آشرم قرار دیا گیا ہے۔ اس آشرم میں انسان اپنی سماجی ذمہ داریوں سے سبکدوش ہو جاتا ہے۔ آبادی سے باہر جنگل میں کٹیا بنا کر رہتا ہے اور اپنے آپ کو مذہبی کاموں میں مصروف رکھتا ہے۔

عمر کا چوتھا اور آخری آشرم سنیاس ہے۔ اس آشرم میں انسان مکمل ترک علائق کر کے اور بے خانماں و بے نشان ہو کر ہر طرف گھومتا پھرتا ہے اور اپنے کو موکش (نجات) حاصل کرنے کے لئے وقف کر دیتا ہے۔

اس سلسلے میں کہ مختلف آشرمیوں کی شروعات کس عمر سے ہوں گی اور کتنا عرصہ ایک آشرم میں گزارنا ہوگا، ہندو عالموں میں اختلاف پایا جاتا ہے اور اسی طرح وَرَنوں کے اختلاف کی بنیاد پر بھی کسی ایک آشرم میں وقت گزارنے کی مدت میں کچھ کمی بیشی پائی جاتی ہے، لیکن ایک عام اندازے کے مطابق بعض مصنّفین نے انسان کی معیاری عمر سو سال قرار

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

دے کر اس کو مساویانہ حیثیت سے چاروں آشرموں میں بانٹ دیا ہے[۵۶]۔

یعنی عمر کے پہلے پچیس سال برہمچریہ آشرم کا زمانہ ہے، پچیس سے پچاس سال کی عمر تک گرہست آشرم کا زمانہ ہے۔ پچاس سے پچھتر سال کی عمر تک وَن پرستھ آشرم ہوگا اور پچھتر سے سو سال کی عمر یا موت تک سنیاس آشرم کا زمانہ ہے[۵۷]۔

انسان کی فانی زندگی اور حالات کی رعایت سے ان آشرموں کی مدت میں کمی بیشی اور تھوڑی بہت تبدیلی کا خیال رکھا گیا ہے، لیکن ان چاروں آشرموں کے الگ الگ مخصوص فرائض اور ذمہ داریوں، نیز ان کی ترتیب کے سلسلے میں سبھی مراجع متفق ہیں۔ یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ ویدک ادب میں ہمیں آشرموں کا واضح تذکرہ نہیں ملتا، البتہ مختلف حوالوں کے ذریعہ سے یہ ضرور پتہ چلتا ہے کہ ویدک دور میں خصوصاً اس کے آخری حصہ میں، مختلف آشرم کسی نہ کسی صورت میں موجود تھے، خواہ ان پر عمل پیرا ہونے کے لئے کسی لازمی ترتیب کی ضرورت نہ رہی ہو، یا ان پر عمل ایک اختیاری معاملہ رہا ہو[۵۸]۔

برہمچریہ آشرم کی ابتدا ہندو سماج کی ایک نہایت اہم رسم اپانیانا سے ہوتی ہے۔ ہندو سماج کے تینوں اعلیٰ وَرنوں کے لئے اس رسم کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے سمرتیوں کے مطابق اُپانیانا کی رسم کے بعد ہی ان اعلیٰ ذاتوں کا کوئی لڑکا اپنے ورن میں شامل مانا جا سکتا ہے اور جنیو پہننے کا حقدار ہو سکتا ہے۔ اسی رسم کی وجہ سے تینوں اعلیٰ ذاتوں کو دویجا کہہ کر بھی پکارا جاتا ہے کیونکہ یہ گمان کیا جاتا ہے کہ آدمی کی ایک پیدائش تو ماں کے پیٹ سے ہوئی اور دوسری دفعہ جب اس نے اپانیانا رسم کے بعد جنیو پہنا تو اُس نے ایک دوسرا نیا جنم لیا ہے اور چونکہ یہ رسم تینوں اعلیٰ ذاتوں کے لئے ضروری ہے اس لئے یہ لوگ دویجا یعنی دوبار پیدا شدہ کہلاتے ہیں۔

جیسا کہ ہم پہلے عرض کر چکے ہیں یہ واضح رہے کہ آشرموں کا نظام ہندو سماج کی صرف تینوں اعلیٰ ذاتوں کے لئے مخصوص ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

شودروں کا اس نظام میں کوئی حصہ نہیں ہے، اور ان کے لئے ساری عمر صرف ایک ہی آشرم گرہست آشرم تجویز کیا گیا ہے [۵۹]۔ شاید ایسا اس لئے ہو کہ یہ تسلیم کر لیا گیا ہے کہ شودر اس جنم میں شودر رہتے ہوئے موکش نہیں حاصل کر سکتے اور نہ ہی ان کو کسی طرح کی مذہبی رسومات ادا کرنے کی اجازت تھی۔ تینوں اعلیٰ ذاتوں کی پرخلوص خدمت ہی ان کے لئے بہترین مذہب سمجھا گیا تھا۔ جس پر عمل کرتے ہوئے وہ اگلے جنم میں کسی اعلیٰ ذات میں پیدا ہو سکتے تھے اور پھر موکش کے لئے کوشش کر سکتے تھے۔

تقریباً یہی صورتحال عورتوں کے سلسلے میں بھی تھی۔ آشرموں کا نظام صرف تینوں اعلیٰ ورنوں کے مردوں ہی کے لئے تھا، عورتوں کا اس میں براہِ راست کوئی حصہ نہیں تھا، البتہ بعض مصنفین نے اس طرف اشارے کئے ہیں کہ شادی عورتوں کے لئے اپانیانا رسم کا درجہ رکھتی ہے، اور شادی شدہ زندگی میں وہ اپنے شوہروں کے ساتھ گرہست آشرم میں شریک رہتی ہیں لیکن آخری دم آشرم ون پرستھ اور سنیاس جن کا براہ راست تعلق موکش حاصل کرنے سے ہے، عورتوں کے لئے نہیں تھے [۶۰]۔

اس سلسلے میں سمرتیوں کا متفقہ فیصلہ ہے کہ عورتوں کو عمر کے کسی حصہ میں خودمختار نہیں کیا جا سکتا، اور وہ ہر حال میں مردوں کی مطیع ہو کر زندگی گزاریں [۶۱]۔

سمرتیوں کے مطابق اُپانیانا کی رسم برہمنوں کے لئے آٹھ سے سولہ سال کی عمر چھتریوں کے لئے گیارہ سے بائیس سال کی عمر اور ویشیوں کی صورت میں بارہ سے چوبیس سال کی عمر کے بیچ میں ضرور ادا ہو جانی چاہیے، ورنہ اس کے بعد نوجوان اپنا ورن کھو بیٹھتا ہے [۶۲]۔

اُپانیانا رسم ایک ایسے عالم برہمن کے ذریعے ادا ہوتی ہے، جو دستور کے مطابق، جس نوجوان کے لئے یہ رسم ادا ہوئی ہے اس کا استاد (گرو) قرار پاتا ہے۔ سمرتیوں کے مطابق اب اس نوجوان کو اپنا کنبہ چھوڑ کر اپنے استاد کے ساتھ رہنا چاہیے، جو عام طور سے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

آبادی سے باہر جنگل میں اپنا آشرم (ڈیرا) رکھتا تھا۔ ایسے تمام نوجوان جو ایک استاد کی شاگردی میں آگئے ہوں اس کے ساتھ جنگل میں رہتے تھے اور صرف خیرات کا کھانا مانگنے یا اپنے استاد کے کسی کام سے آبادی میں آسکتے تھے۔

تعلیم کے دوران تمام نوجوانوں کو اپنے استاد کا مکمل فرمانبردار اور مطیع بن کر رہنا ہوتا تھا جو ان کی تعلیم کے ساتھ ساتھ ان کے اخلاق و کردار کی تربیت کا بھی ذمہ دار ہوتا تھا۔ تعلیم کا مطلب عموماً ویدوں اور ان سے متعلقہ علوم کو حاصل کرنا، برہمن نوجوان کے لئے قربانی اور دوسری مذہبی رسوم کو سیکھنا، چھتریوں کی صورت میں فنون سپہ گری حاصل کرنا اور ویشیوں کے لئے ریاضی اور ان کے پیشوں سے متعلق دوسرے علوم حاصل کرنا سمجھا جاتا تھا۔ لیکن درحقیقت ان سب میں بنیادی چیز ویدوں اور مذہبی رسومات کی تعلیم تھی۔

برہمچریہ آشرم کی ایک خصوصیت یہ تھی کہ اس میں نقلی علوم سے زیادہ تربیتِ نفس اور کردار سازی پر زور دیا جاتا تھا۔ آشرم (ڈیرے) میں رہنے والے نوجوانوں کو بہت سخت ڈسپلن کا پابند رہنا ہوتا تھا، جس میں جسمانی آرام کا کم سے کم خیال رکھا جاتا تھا۔ ان کو بہت سادہ اور لہو ولعب سے دور زندگی گزارنی ہوتی تھی جس میں ضبطِ نفس پر بہت زور دیا جاتا تھا۔ اس طرح سمرتیوں کا منشا یہ معلوم ہوتا ہے کہ تینوں اعلیٰ ذاتوں کے آریہ نوجوان اپنے لڑکپن اور نوجوانی کا زمانہ جو مختلف افراد کی صورت میں کم و بیش ہوسکتا تھا، شہروں اور آبادیوں کی پراگندگی سے دور، ایک مثالی ماحول میں گزاریں، جس کی چھاپ ان کے دل ودماغ پر تاعمر باقی رہ سکے۔

برہمچریہ آشرم کے ماحول میں بے نفسی اور اعلیٰ اخلاقی قدروں کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے بھی ہوسکتا ہے کہ استاد اس تمام تعلیم و تربیت کا کسی سے کوئی معاوضہ نہیں لیتا تھا۔ البتہ اپنی تعلیم کے اختتام پر شاگرد استاد کو نذرانہ عقیدت (گرودکشنا) کے طور پر کچھ رقم یا

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

تحفہ پیش کر سکتا تھا[63]۔

اپنی تعلیم کے اختتام پر ہی جس کی مدت کم سے کم بارہ سال اور اس سے زیادہ بھی ہو سکتی تھی، نوجوان اپنے گھر لوٹتے تھے اور کچھ مذہبی رسومات کے بعد زندگی کے دوسرے دور گرہست آشرم کے لئے تیار ہو جاتے تھے۔

اس بات پر تمام سمرتیاں متفق ہیں کہ تمام آشرموں میں گرہست آشرم کو ایک مرکزی حیثیت حاصل ہے۔ نہ صرف یہ کہ سماج کا پورا دارومدار گرہست آشرم کے اوپر ہے اور دوسرے آشرموں میں مشغول افراد کی مادّی ضروریات کی فراہمی بھی اسی آشرم سے متعلق افراد کی ذمہ داری ہے، بلکہ درحقیقت گرہست آشرم برہمنی مت کے مزاج کے عین مطابق ہے۔ ابتدائی ویدک مذہب جیسا کہ سمہتا اور برہمن تصانیف میں ظاہر ہوتا ہے، سرتاسر گرہست آشرم سے متعلق تھا اور ابتدائی آریوں کے لئے گرہست زندگی ایک مرکزی حیثیت رکھتی تھی۔

سنیاس، ترکِ دنیا اور انفرادی نجات (موکش) کے تصورات ابتدائی ویدک ادب میں مفقود ہیں۔ یہ خیال کیا گیا ہے کہ بعد کے ویدک ادب میں جو راہبانہ اور انفرادیت پسند مذہبی رجحانات بشمول آواگون اور موکش کے تصورات کے ظاہر ہوئے ہیں، وہ ہندوستان کی مقامی غیر آریہ، اور قبل از آریہ مذہبی اور فکری روایت کی دین ہیں۔ اس کے بعد چھٹی صدی عیسوی میں برہمنی مت کی مخالف جو طاقتور مذہبی تحریکیں مثلاً بدھ مت اور جین مت وغیرہ ہندوستان میں اٹھیں ان میں بھی ترکِ دنیا، رہبانیت، تجرد اور انفرادیت پر زور دیا گیا تھا۔ اس پس منظر کے پیش نظر بعض مصنّفین نے یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ برہمنی مت کے بنیادی مزاج کے خلاف آشرموں کے نظام میں آخر کے دو دن پرستھ اور سنیاس، آشرموں کی شمولیت، ایک سمجھوتے کا نتیجہ ہے۔ جو برہمنی مت کے مخالف رہبانیت پرست مذہبی فکر کے چیلنج کے ساتھ برہمنی مت کے مفکرین نے کیا[64]۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

لیکن اس کے باوجود برہمنی مت روایت کے تقاضوں کے مطابق سمرتیوں کے مصنفین گرہست آشرم کی مرکزیت اور اہمیت پر زور دیئے بغیر نہیں رہ سکے۔ ان میں سے اکثر کے نزدیک آخری دو آشرم محض اختیاری ہیں اور ان کے بغیر بھی گرہست آشرم کے فرائض بحسن وخوبی انجام دیتے ہوئے آدمی نجات پاسکتا ہے[۶۵]۔

گرہست آشرم کی اہمیت کے پیشِ نظر ہندو قانون کی بنیادی کتابوں یعنی سمرتیوں میں اس موضوع پر خاصی ہدایات دی گئی ہیں۔ شادی کے متعلق ضروری قوانین، پیش بندیوں اور رسومات کی تفصیل سے لے کر شوہر اور بیوی کے فرائض وحقوق، گھریلو زندگی کی ذمہ داریوں اور ایک گرہست (خاندان کے ذمہ دار) کے سماجی، معاشی، مذہبی اور تہذیبی فرائض کے ساتھ ساتھ وراثت تک کے قوانین اس آشرم کے ذیل میں بیان ہوئے ہیں۔ ایک گرہست کی روزمرّہ زندگی کے فرائض کو بخوبی پانچ بڑی لازمی قربانیوں (یاجناؤں یا یگیوں) کی صورت میں ذکر کیا گیا ہے۔ ہر گرہست یہاں تک کہ شودروں کے لئے بھی[۶۶]۔ ان پانچ قربانیوں کو بحسن وخوبی ادا کرتے رہنا گرہست آشرم کے فرائض منصبی میں سے سمجھا گیا ہے۔

''پانچ عظیم قربانیاں'' سمرتیوں کے مطابق حسب ذیل ہیں:

۱۔ برہم یاجنا، یہ روحانی پیشواؤں اور رشیوں کے لئے ہوتی ہے اور یہ گرہست کے مقدس کتابوں کے پڑھنے اور پڑھانے کے عمل کے ذریعہ ادا ہوتی رہتی ہے۔

۲۔ پتر یاجنا، یہ اپنے اسلاف کے لئے ہوتی ہے اور شرادھ کی رسم کے ذریعہ روزانہ کھانے پینے کی چیزوں کی نیاز کرتے رہنے سے ادا ہوتی رہتی ہے۔

۳۔ دیو یاجنا، یہ قربانی دیوتاؤں کے حضور میں ہوتی ہے اور گھر کی مقدس

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

آگ پر نذر چڑھاتے رہنے سے ادا ہوتی ہے۔

۴۔ بھوت یاجنا، یہ قربانی اُن مختلف اچھی اور بُری ارواح کے لیئے ہے جو انسانی زندگی پر اثر انداز ہو سکتی ہیں۔ یہ اُن ارواح کے لیئے کھانے کی چیزوں کی نیاز کرنے سے ادا ہوتی ہے۔

۵۔ نریاجنا، یہ قربانی اپنے ہم جنس انسانوں کے لیئے ہوتی ہے اور اجنبیوں اور مہمانوں کو کھلانے پلانے اور ان کی خاطر و مدارات کے ذریعہ ادا ہوتی ہے[۲۷]۔

سمرتیوں کے مطابق روزانہ ان قربانیوں کی ادائیگی کے بعد ہی ایک گرہست اور اس کی شریکِ حیات کے لیئے خود کھانا کھانا مناسب ہے[۲۸]۔

ان قربانیوں کو صحیح طور پر سرانجام دیتے رہنے، اور گرہست زندگی سے متعلق دوسرے تمام فرائض اور ریت رسموں کو بحسن وخوبی ادا کرتے رہنے کے بعد، جب انسان تقریباً اپنی عمر کے پچاس سال پورے کر لے، یا منوسمرتی کے مطابق جب اس کے جھریاں پڑنے لگیں، بال سفید ہونے لگیں اور وہ اپنے بیٹوں کے بیٹوں کو دیکھ لے، تو اُس کو گرہست آشرم کو خیرباد کہہ کر ون پرستھ آشرم اختیار کر لینا چاہیے[۲۹]۔

ون پرستھ آشرم کے لیئے انسان کو اپنے گھر اور زندگی کے کاروبار سے متعلق تمام ذمہ داریوں کو اپنے بیٹوں کے سپرد کر کے اپنی بیوی کو ساتھ لے کر یا اُس کو بھی بیٹوں کی ذمہ داری پر چھوڑ کر، آبادی سے باہر جنگل میں کٹیا بنا کر رہنا ہوگا۔ تمام سماجی تعلقات سے کنارہ کشی اختیار کر کے اب اس کو جنگل میں بہت سادہ زندگی گزارنی ہوگی۔ اس کی گزر اوقات خود جنگل میں پیدا ہونے والے پھلوں اور جڑی بوٹیوں یا دوسروں کے مخصوص صدقات اور عطیات پر ہوگی۔ اس کے بیٹے، رشتے دار اور دوسرے لوگ اس سے مشورہ لینے یا ملاقات کی غرض سے جنگل میں آ سکتے ہیں لیکن وہ خود اب بستی سے کوئی تعلق نہیں رکھے گا۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ون پرستھ آشرم میں انسان کو اپنا تمام تر وقت مقدس کتابوں کے پڑھنے، مذہبی اعمال اور مراقبہ وغیرہ میں گزارنا چاہیے۔ اس آشرم میں اس کو اپنی پوری توجہ اپنی روحانی ترقی کی طرف مرکوز کر دینی ہوگی تا کہ وقت آنے پر وہ تمام تعلقات دنیوی کو کاٹ کر مکمل سنیاس لے سکے۔ منوسمرتی کے شارح کلک بھٹ کے خیال میں اگر انسان ون پرستھ آرام کے تمام آداب کا خیال رکھتے ہوئے زندگی گزار رہا ہے اور اس دوران اس کو موت آجائے تو وہ موکش (نجات) پا جائے گا۔[۷]

اپنی عمر کے پچیس سال ون پرستھ آشرم میں گزارنے کے بعد اگر کوئی آدمی زندہ ہے تو اس کو سنیاس آشرم اختیار کر لینا چاہیے۔ سنیاس آشرم کے لئے انسان کو تمام دنیوی تعلقات، رشتوں ناتوں اور ہر دنیوی چیز سے مکمل قطع تعلق کر لینا ہوگا۔ ایسے انسان (سنیاسی) کو مکمل بے سروسامانی کی حالت میں بغیر کسی سہارے اور کسی بھروسے کے مستقل حالت سفر میں رہنا ہوگا۔ اپنی بھوک مٹانے کے لئے وہ چوبیس گھنٹوں میں ایک بار کھانے کی بھیک مانگ سکتا ہے۔ لیکن جو کچھ بھی اچھا یا برا اس کو بھیک میں ملے اُسے اس پر راضی رہنا چاہیے۔

کسی انسان سے اُس کا نفرت یا محبت کا کوئی تعلق باقی نہیں رہے گا، البتہ اس کو تمام مخلوقات کے ساتھ ہمدردی سے پیش آنا چاہیے۔ اس صورت سے گھومتے پھرتے رہنے، نفس کشی کرنے اور روحانی ترقی پر اپنی تمام توجہ مرکوز رکھنے سے سنیاسی کے تمام گناہ زائل ہو جاتے ہیں اور وہ موکش کا حقدار ہو جاتا ہے۔[۱]

مختلف آشرموں سے متعلق مخصوص فرائض کے علاوہ سمرتیوں کے مطابق دس ایسی نیکیاں ہیں جن پر ہر آدمی کو خواہ وہ کسی آشرم میں ہو، سچی مذہبی زندگی گزارنے کے لئے عمل کرنا چاہیے۔ یہ نیکیاں، استقامت، عفوودرگزر، ضبطِ نفس، دیانتداری، عصمت وعفّت، حواس پر قابو رکھنا، صحیح قوت فیصلہ علم دوستی، راست گفتاری اور حلم ہیں۔[۲]

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہندو قانون میں ورن آشرم دھرم سے متعلق ضابطوں کے علاوہ، جو کہ ہندو قانون کا بنیادی موضوع ہیں، مذہبی ریت رسموں (سنسکاروں) گناہوں، ان کے کفارے اور جرم وسزا سے متعلق تفصیلات کا بھی احاطہ کیا گیا ہے، لیکن یہاں ان سب سے بحث کرنا ممکن نہیں ہے۔ اتنا ضرور کہا جا سکتا ہے کہ سمرتیوں میں محفوظ ان تمام قوانین اور ہدایات نے ہندو سماج کی تشکیل اور اس کی مخصوص صورت متعین کرنے میں زبردست حصہ لیا ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

حوالہ جات اور حواشی

۱ آریوں کی ہندوستان میں آمد کے زمانے کے سلسلے میں دیکھئے، ایڈوارد واشبرن ہوپکنس، دی ریلیجنس آف انڈیا، نئی دہلی ۱۹۷۷ء صفحات ۸۔۳۔
۲ سوامی پر بھاوانند، دی اسپریچول ہیریٹیج آف انڈیا، لندن ۱۹۶۲ء صفحہ ۲۷۔
۳ تھامس۔ جے۔ ہاپکنس، دی ہندو ریلیجس ٹریڈیشن، انیسو (کیلی فورنیا) ۱۹۷۱ء صفحہ ۲۰
۴ رگ وید، ۱۔۱۶۴، بحوالہ مندرجہ بالا۔
۵ پریتھما بولیس، دی ہندو ریلیجس ٹریڈیشن، الائڈ پبلشرس، نئی دہلی، ۱۹۷۸ء صفحہ ۱۳۸۔
۶ جان مسکارو، دی اپنشدس، مڈل سکس، ۱۹۶۵ء صفحہ ۶۵۔
۷ ایضاً صفحہ ۸۹۔
۸ ایضاً صفحہ ۱۲۱۔
۹ جان مسکارو، دی اپنشدس، مڈل سکس، ۱۹۶۵ء صفحہ ۱۱۴۔
۱۰ ایضاً صفحہ ۶۵۔
۱۱ رمیش چندر دت، اے ہسٹری آف سویلیزیشن ان اینشنٹ انڈیا، دہلی، ۱۹۷۲ء صفحات ۱۸۸۔۱۸۹۔
۱۲ تھامس۔ جے۔ ہاپکنس، حوالہ مذکورہ، صفحہ ۱۱۰۔
۱۳ پریتما بولیس، حوالہ مذکورہ صفحات ۲۲۔۱۹۔
۱۴ اے بارتھ، دی ریلیجنس آف انڈیا، نئی دہلی ۱۹۶۹ء صفحہ ۱۵۴۔
۱۵ پریتما بولیس، حوالہ مذکورہ صفحات ۲۴۴۔۲۴۳۔
۱۶ رمیش چندر دت حوالہ مذکورہ، صفحہ ۲۰۴۔
۱۷ اوتار ہندو عقیدے کے مطابق حقیقت الٰہیہ کے جسمانی شکل میں اظہار کا نام ہے۔ یہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اظہار کسی بھی جاندار، جانور یا انسان کی شکل میں ہو سکتا ہے۔ انسانی شکل میں سب سے مشہور اوتار رام چندر جی اور سری کرشن جی مانے جاتے ہیں۔ گیتا کے چوتھے باب میں سری کرشن جی کہتے ہیں: ''میں پیدائش سے بالاتر، لافانی، سب جانداروں کا پروردگار ہوتے ہوئے بھی اپنی فطرت کے مطابق خود اپنی مایا سے پیدا ہوا۔ اے بھارت (سری ارجن) جب کبھی حق کو زوال آتا ہے اور باطل کو فروغ ہوتا ہے تو میں نمایاں ہو جاتا ہوں۔'' (شریمد بھگوت گیتا مترجمہ اردو حسن الدین احمد نئی دہلی، ۱۹۷۵ء صفحات ۳۹۔۳۸)

۱۸۔ جی۔ ایس۔ گھورے، گوڈس اینڈ مین، بمبئی، ۱۹۶۲ء صفحہ ۱۴۱۔

۱۹۔ ایضاً صفحہ ۱۴۲۔

۲۰۔ ایضاً صفحہ ۱۴۱ اور تھامس۔ جے۔ ہاپکنس، حوالہ مذکورہ صفحہ ۸۹۔

۲۱۔ ایضاً صفحہ ۱۴۲ اور صفحہ ۸۹۔

۲۲۔ دنیش چندر سرکار، ارلی ہسٹری آف ویشنوازم، مضمون مشمولہ دی کلچرل ہیریٹیج آف انڈیا، کلکتہ ۱۹۵۶ء صفحہ ۱۱۲۔

۲۳۔ اے۔ بارتھ حوالہ مذکورہ صفحہ ۱۶۳۔

۲۴۔ تھامس۔ جے۔ ہاپکنس، حوالہ مذکورہ، صفحہ ۱۱۰۔

۲۵۔ سداچیت بھاوانند، دی بھگوت گیتا (ترجمہ انگریزی) ۱۹۶۹ء صفحہ ۵۲۰۔

۲۶۔ پر۔ تما بولیس، حوالہ مذکورہ صفحات ۲۵۲۔۱۵۱۔

۲۷۔ پر۔ تما بولیس، حوالہ مذکورہ صفحہ ۲۵۲۔

۲۸۔ تھامس۔ جے۔ ہاپکنس، حوالہ مذکورہ، صفحہ ۱۲۶۔

۲۹۔ ایضاً۔

۳۰۔ ایضاً۔

۳۱۔ ٹرائے وِلسن آرگن، دی ہندو کولسٹ فاردی پرفکشن آف مین، ایتھنز (اوہایو) ۱۹۷۰ء صفحات ۱۶۲۔۱۵۷۔

۳۲۔ رگ وید، باب دہم، بھجن ۱۲۴۵، بحوالہ مارگریٹ اینڈ جیمس اسٹطلے، اے ڈکشنری آف اہندوازم، لندن، ۱۹۷۷ء، صفحہ ۲۵۲۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

۳۳۔ ٹرائے ولسن آرگن، حوالہ مذکورہ صفحات ۲۱۲۔۲۱۱، اور تھیوڈور ڈی بیری، سورسز آف انڈین ٹریڈیشن، نیویارک، ۱۹۶۰ء صفحہ ۲۱۱۔

۳۴۔ ٹرائے ولسن آرگن حوالہ مذکورہ، صفحات ۱۳۲۔۱۳۱۔

۳۵۔ تھیوڈور ڈی بیری، حوالہ مذکورہ، صفحہ ۲۱۸۔

۳۶۔ یاجناولکیہ سمرتی (۹،۶،۳،۱۰۱۰۱) بحوالہ تھیوڈور ڈی بیری، حوالہ مذکورہ، صفحات ۲۲۲۔۲۲۱ اور ٹرائے ولسن آرگن، حوالہ مذکورہ، صفحات ۲۱۴۔۲۱۳۔

۳۷۔ ویدانت سوتر ودھ دی کمنٹری بائی شنکرا آچاریہ، سیکریڈ بک آف دی ایسٹ، جلد ۳۴، صفحہ ۲۲۸، بحوالہ ٹرائے ولسن آرگن، حوالہ مذکورہ صفحہ ۲۲۶۔

۳۸۔ بحوالہ رائے منڈو پانیکر، دی ویدک ایکسپیرینس، لندن، ۱۹۷۷ء صفحہ ۷۵۔

۳۹۔ پنداری ناتھ پربھو، ہندو سوچل آرگنائزیشن، بمبئی ۱۹۵۴ء صفحہ ۲۹۴ اور رابرٹ لنگت، دی کلاسیکل آف انڈیا، دہلی ۱۹۷۳ء صفحہ ۴۴۔

۴۰۔ پنداری ناتھ پربھو حوالہ مذکورہ صفحات ۲۹۸۔۲۹۴۔

۴۱۔ ایضاً صفحات ۲۹۷۔۲۹۶۔

۴۲۔ رابرٹ لنگت، حوالہ مذکورہ صفحات ۴۴۔۴۰۔

۴۳۔ پنداری ناتھ پربھو حوالہ مذکورہ صفحہ ۳۰۳۔

۴۴۔ رابرٹ لنگت، حوالہ مذکورہ صفحہ ۴۲۔

۴۵۔ پنداری ناتھ پربھو حوالہ مذکورہ صفحہ ۳۰۳، اور رابرٹ لنگت، حوالہ مذکورہ صفحہ ۴۳۔

۴۶۔ پنداری ناتھ پربھو حوالہ مذکورہ صفحہ ۳۰۳۔

۴۷۔ ایضاً۔

۴۸۔ پنداری ناتھ پربھو حوالہ مذکورہ صفحہ ۳۰۳۔

۴۹۔ ایضاً، صفحہ ۳۰۹۔

۵۰۔ منوسمرتی، باب دہم اشلوک ۱۰۶ اور یاجناولکیہ سمرتی، باب سوئم اشلوک ۴۲ بحوالہ مذکورہ بالا صفحہ ۳۰۹۔

۵۱۔ ایضاً صفحہ ۳۰۹، اور رابرٹ لنگت، حوالہ مذکورہ صفحہ ۳۹۔

۵۲۔ منوسمرتی، باب دہم اشلوک ۶۵۔۶۴ اور یاجنا ولکیہ سمرتی، پہلا باب اشلوک ۹۶ بحوالہ رابرٹ لنگت، حوالہ مذکورہ صفحہ ۴۳۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

۵۳۔ بودھیانا سمرتی، پہلا باب اشلوک ۱۶۔۱۴۔۱۳ بحوالہ بالا صفحہ ۴۳۔

۵۴۔ اشارہ ہے رگ وید کے بھجن پر شاسکتا (رگ وید باب دہم، بھجن نمبر ۹۰) کی طرف جس کا اقتباس پہلے گزر چکا ہے، دیکھئے متن متعلق بحوالہ نمبر (۳۸)۔

۵۵۔ منوسمرتی، پہلا باب اشلوک ۹۸۔۸۷ بحوالہ تھیوڈور ڈی بیری، حوالہ مذکورہ صفحہ ۲۲۵۔

۵۶۔ پندورانگ ومن کانے، ہسٹری آف دھرم شاستر (۵ جلدیں) پونا، ۱۹۳۲۔۱۹۵۸ء، جلد ا، صفحات ۱۵۴۔۱۳۸ بحوالہ ٹرائے ولسن آرگن حوالہ مذکورہ، صفحہ ۲۲۷۔

۵۷۔ پنداری ناتھ پربھو حوالہ مذکورہ صفحات ۸۸۔۸۷۔

۵۸۔ ایضاً، صفحات ۸۸۔۸۷۔

۵۹۔ ایضاً، صفحات ۱۱۰۔۱۱۲۔

۶۰۔ ایضاً، صفحات ۲۸۳۔۲۸۲۔

۶۱۔ منوسمرتی، باب پنجم، اشلوک ۱۴۸۔۱۴۷ بحوالہ سابقہ صفحہ ۲۷۵۔

۶۲۔ ایضاً صفحہ ۱۲۵۔

۶۳۔ ایضاً صفحہ ۱۱۳۔

۶۴۔ دیکھئے رابرٹ لنگت، حوالہ مذکورہ صفحہ ۵۱۔

۶۵۔ ایضاً صفحہ ۴۹۔

۶۶۔ پنداری ناتھ پربھو حوالہ مذکورہ صفحہ ۲۱۹۔

۶۷۔ منوسمرتی، باب سوئم اشلوک ۷۰۔۶۸ اور یاجنا ولکیہ سمرتی، باب اوّل اشلوک ۱۰۲ بحوالہ سابقہ صفحہ ۲۱۶۔

۶۸۔ منوسمرتی، باب سوئم اشلوک ۱۱۷۔۱۱۶ اور یاجنا ولکیہ سمرتی، باب اوّل اشلوک ۱۰۵ بحوالہ بالا صفحہ ۲۱۷۔

۶۹۔ منوسمرتی، باب ششم اشلوک ۳۔۱ بحوالہ سابقہ صفحہ ۸۸۔

۷۰۔ ایضاً۔ صفحہ ۹۰۔

۷۱۔ منوسمرتی، باب ششم اشلوک ۶۰، ۷۵ اور ۹۶ بحوالہ سابقہ صفحات ۹۲۔۹۱۔

۷۲۔ حوالہ مذکورہ بالا، اشلوک ۹۱ اور یاجنا ولکیہ سمرتی، باب اسوئم اشلوک ۶۶ بحوالہ سابقہ صفحات ۹۳۔۹۲۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بدھ مت

(Buddhism)

گوتم بدھ کی زندگی اور تعلیمات

دنیا کی مذہبی تاریخ میں چھٹی صدی قبل مسیح کا زمانہ ایک خاص اہمیت کا حامل ہے۔ اس دور میں کئی ایسی عظیم شخصیتیں پیدا ہوئیں۔ جنھوں نے دنیا کی مذہبی تاریخ میں انقلاب پیدا کر دیا۔ اگر ایران میں زرتشت نے ایک نئے مذہب کی داغ بیل رکھی، تو چین میں لاؤتزو اور کنفیوشس نے نئی مذہبی تحریکات شروع کیں۔ ہندوستان میں یہ صدی ایک قومی سطح اور ایک عالمی پیمانے کے دو بڑے مذاہب، جین مت اور بدھ مت کی ابتدا کا زمانہ ہے۔

بدھ مت جو اس وقت بھی ایشیا کے متعدد ممالک میں اکثریت کا مذہب ہے، تاریخ کے ایک طویل دور میں اپنے ماننے والوں کی تعداد کے لحاظ سے دنیا کا سب سے بڑا مذہب رہ چکا ہے، جس کے دائرۂ اثر میں مغربی ایشیا کو چھوڑ کر ایشیا کا پورا براعظم شامل تھا۔ اس وقت جاپان، کوریا، منچوریا، منگولیا، چین، ویت نام، تھائی لینڈ، برما، تبت، نیپال اور سری لنکا میں بُدھ مت ایک زندہ مذہب ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

البتہ تاریخ کی ستم ظریفیوں کی بعض دوسری مثالوں میں یہ حقیقت بھی شامل کی جاسکتی ہے کہ بدھ مت جو ہندوستان میں پیدا ہوا اور اپنی ابتدائی نشو ونما کے بعد ہندوستان سے نکل کر ایشیا کے دوسرے ممالک میں پھیلا، اس وقت خود اپنے مادرِ وطن میں ایک زندہ مذہب کی حیثیت سے تقریباً ناپید ہے۔ بہرحال یہ بات ہندوستان کے لئے قابل فخر ہے کہ اس عظیم مذہب کا بانی تاریخ ہندوستان کی عظیم ترین شخصیتوں میں سے تھا اور اپنے وطن سے نکل کر بدھ مذہب جہاں جہاں گیا وہاں لازمی طور سے ہندوستانی تہذیب کے بعض عناصر اور مصطلحات اپنے ساتھ لے گیا۔ اس طرح آج بھی ہم کو ہندوستان کی قدیم کلاسیکی تہذیب وتمدن کے جواہر ریزے مشرق بعید، جنوبی ایشیا اور جنوب مشرقی ایشیا کے مقامی تمدن میں الگ چمکتے ہوئے نظر آجاتے ہیں۔

گوتم بدھ کی پیدائش کے وقت تک ہندوستان میں آریہ تمدن کسی ایک بڑی اور وسیع علاقے پر مشتمل حکومت کو جنم نہیں دے سکا تھا۔ البتہ یہ ضرور ہے کہ اس سے بہت پہلے سے آریہ قوم کے افراد قبائلی نظام کو کسی حد تک ترقی دے کر، ملک میں چھوٹی بڑی مختلف ریاستیں قائم کر چکے تھے۔ ان ریاستوں میں تقریباً نصف بادشاہتیں اور نصف جمہوریتیں تھیں۔ شمالی ہندوستان میں موجودہ نیپال اور اتر پردیش کی سرحد پر واقع شاکیہ ریاست بھی ایک جمہوریت تھی جو اپنی محدود طاقت کے باعث کوشالا کی بادشاہت کی باجگزار تھی۔ شاکیہ جمہوریت میں اسی شاکیہ نام کا سورج بنسی چھتری خاندان برسر اقتدار تھا جس کی سرداری سدودھن کے ہاتھ میں تھی اور یہی شاکیہ قبیلے کے سربراہ سدودھن گوتم بدھ کے والد تھے۔

۵۶۳ قبل مسیح میں جب کہ سدودھن کی رانی مہامایا شاکیوں کی راجدھانی کپل دستو سے اپنے میکہ دیودہا جا رہی تھیں، راستے میں لنبنی باغ میں گوتم بدھ کی ولادت ہوئی۔ اس واقعہ کے ۳۱۶ سال بعد اشوک نے اس جگہ ایک پتھر کا ستون نصب کرا کے (جو آج تک موجود ہے) اس کی تاریخی حیثیت کو مستند اور مسلم بنا دیا۔ البتہ بعض کرامتیں اور معجزات جو

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بدھ مت کی روایات میں گوتم بدھ کی پیدائش کے ساتھ منسوب کیے جاتے ہیں، وہ بدھ مت کی مذہبی روایت کا حصہ ہیں اور ان کی تاریخی حیثیت کے بارے میں ہم اس وقت کچھ نہیں کہہ سکتے۔ اسی نوع کی یہ روایت ہے کہ گوتم بدھ کی پیدائش کے بعد جن کا اصلی نام گوتم سدھارتھ رکھا گیا تھا، ان کے والد کے دربار میں ایک جوتشی پنڈت آیا اور اس نے بچہ کا زائچہ دیکھ کر یہ پیشین گوئی کی کہ بڑا ہو کر یہ بچہ یا تو ایک بہت مشہور سنیاسی، یا ایک بہت بڑا بادشاہ بنے گا۔ اس پیشین گوئی سے متاثر ہو کر گوتم بدھ کے والد، راجا سدودھن نے جو قدرتی طور پر گوتم بدھ کو ایک بہت بڑا بادشاہ دیکھنا چاہتے تھے، ایک بہت محفوظ محل میں بیٹے کی تعلیم و تربیت کا انتظام کیا۔

ان کا مقصد یہ تھا کہ چونکہ دنیا میں رائج مختلف خیالات اور اثرات میں سے بعض سنیاس اور ترک دنیا کی طرف بھی رہنمائی کر سکتے تھے، جس کا کہ ان دنوں ہندوستان میں کافی چرچا ہو چلا تھا۔ اس لئے ان سے محفوظ رکھ کر اگر محل کے ماحول میں گوتم بدھ کی پرورش کی جائے تو ان کے سنیاسی بننے کے خطرے کو ہمیشہ کے لئے ٹالا جا سکے گا۔ چنانچہ اس مقصد کے لئے راجا سدودھن نے الگ ایک محل بنوایا، جس میں سیر و تفریح اور دل بہلانے کے تمام مشغلے فراہم تھے۔ اس طرح اس محل میں کنیزوں، باندیوں اور خدمتگاروں کی ایک فوج کے درمیان شاہزادہ گوتم سدھارتھ کی پرورش شروع ہوئی۔

راجا سدودھن کی پوری کوشش یہ تھی کہ کسی طرح راجکمار کو رنگ رلیوں، سیر و تفریح اور مختلف مشاغل میں الجھائے رکھا جائے، یہاں تک کہ وہ حکومت کا کاروبار سنبھالنے کی عمر تک پہنچ جائیں۔ اس وقت حکومت کی ذمہ داریاں ان کے سر ڈال دی جائیں جو ساری عمر کے لئے ان کو مشغول کر لیں گی۔ لیکن روایات کے مطابق شہزادہ گوتم کو بہلا نے رکھنے کی یہ تمام کارروائیاں ان کی طبیعت کو بدلنے میں کامیاب نہ ہو سکیں۔

عمر کے ساتھ ساتھ شہزادے کے اندر غور و فکر، سنجیدگی اور احساس کی تیزی جیسی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

خصوصیات بڑھتی جا رہی تھیں۔ جو راجا سدودھن کو مستقل تشویش میں مبتلا رکھتی تھیں۔ چنانچہ شہزادہ گوتم کو مزید پابندیوں میں الجھانے کے خیال سے ۱۶ سال کی عمر میں ہی ان کی شادی ان کے ننہیال کی ایک تقریباً ہمعمر راجکماری یشودھرا سے کر دی گئی۔ لیکن ان تمام انتظامات کے باوجود شہزادہ گوتم کو زندگی کی سطحی دلچسپیاں اپنی طرف نہ کھینچ سکیں۔ ان کے دل میں حقیقت کو جاننے اور زندگی کے رازِ سربستہ کو کھولنے کی ایک آرزو تھی۔ جو وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ایک مستقل خلش میں تبدیل ہو گئی۔ اپنی اسی تلاش و جستجو کی خلش سے مجبور ہو کر نوجوان شہزادہ گوتم نے ایک رات اپنے رتھ بان کو مجبور کیا کہ راجا سدودھن کے حکم کے خلاف وہ ان کو اپنے رتھ پر بٹھا کر محل سے باہر شہر میں لے چلے۔

درحقیقت زندگی کے حقائق سے دور، محل کی بناوٹی اور پرتکلف زندگی میں مقید رہنا، اب شہزادہ گوتم کے لئے ناقابل برداشت ہو چکا تھا۔ اس کے بعد جو واقعات پیش آئے ان کو بدھ مت کی روایات میں مختلف انداز سے پیش کیا گیا ہے اور مختلف بودھ مصنفین نے ان کی مختلف تعبیرات کی ہیں۔ ان واقعات میں حقیقت اور افسانے میں امتیاز کرنا سردست ہمارے لئے مشکل ہے۔

بہرحال اتنا ضرور کہا جا سکتا ہے کہ زندگی کو اس کے حقیقی رنگ میں دیکھ لینے کے بعد شہزادہ گوتم جو کہ ایک تیز ذہن اور گہرے احساس کے مالک تھے، کسی غلط فہمی میں نہیں رہے۔

روایت کے مطابق اُن کی ایک سے زائد شب نوردیوں کے دوران ایک بوڑھے، ایک بیمار اور ایک جنازے کے مشاہدے نے شہزادہ گوتم پر زندگی کی بے ثباتی اور اس کا غیر محفوظ اور غیر اطمینان بخش ہونا واضح کر دیا۔ ان مایوس کن انکشافات کے بعد ایک سنیاسی کی زیارت نے، جس کا پرسکون اور مطمئن چہرہ اس کے کسی اندرونی دولت سے مالا مال ہونے کی شہادت دے رہا تھا۔ شہزادہ گوتم کو زندگی کے اس گورکھ دھندے سے نجات

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کی جدو جہد کا راستہ بھی بتا دیا۔

ان مشاہدات کے بعد محل میں شہزادہ گوتم کی زندگی گہرے غور وفکر اور ایک مستقل داخلی کشمکش سے عبارت تھی۔ کچھ عرصہ بعد ان کے پہلے لڑکے راہل کی پیدائش نے اس کشمکش کا خاتمہ کر دیا۔ انہوں نے یکلخت یہ طے کر لیا کہ اپنے ارادوں کو عملی جامہ پہنانے میں مزید تاخیر کرنا ان کے لئے مزید بندھنوں میں پھنستے جانے کا سبب بنتا جائے گا۔ چنانچہ جس دن ان کے بیٹا پیدا ہوا اسی رات، جب کہ سارا محل نیند کی آغوش میں تھا اپنے نومولود بیٹے اور بیوی پر آخری نظر ڈالتے ہوئے اپنے رتھ بان کے ساتھ رتھ پر سوار ہو کر شہزادہ گوتم شہر کے باہر جنگل کی سرحد تک پہنچ گئے۔

جنگل کے کنارے پہنچ کر شہزادہ گوتم نے اپنا شاہی لباس اور دوسرے شاہی لوازمات اپنے رتھ بان کے سپرد کئے، خود ایک چرواہے سے اُس کا لباس مانگ کر پہنا اور زندگی کے ہر تعلق اور آسائش کو الوداع کہہ کر جنگل کی تاریکیوں میں کھو گئے۔ اس عظیم سنیاس کیوقت شہزادہ گوتم کی عمر ۲۹ سال کی تھی۔

سنیاس اختیار کرنے کے بعد پہلے گوتم سدھارتھ نے اپنی روحانی تشنگی کا علاج رائج الوقت علوم کے ذریعہ کرنے کی کوشش کی۔ اس مقصد کے لئے وہ اس وقت کے ایک مشہور عالم الارا کلاما کے پاس پہنچے اور اس سے رائج علوم کی تحصیل کی۔ جب اس مشہور عالم کا تمام علم بھی ان کی تشفی کے لئے کافی نہیں ہوا تو وہ اس وقت کے ایک اور بڑے عالم اُدارکا رام پتر کے پاس گئے اور اس کے علم سے بھی پورا استفادہ کیا۔ لیکن جب اس عالم کی تمام معلومات بھی ان کے مسئلے کو حل نہیں کر سکیں تو گوتم سدھارتھ نے سمجھ لیا کہ اُن کی جستجو کا حل کتابی علم کے ذریعہ ممکن نہیں ہے۔

چنانچہ انہوں نے عالموں سے رجوع کرنے کا سلسلہ ختم کر دیا اور اپنے گوہر مقصود کو پانے کے لئے کسی اور طریقے کی تلاش میں ادھر ادھر گھومنا شروع کر دیا۔ اُس زمانے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

میں ہندوستان میں یہ خیال بہت عام تھا کہ روحانی ترقی کے لئے جسم کو تکلیفیں پہنچانا نہایت مجرب نسخہ ہے، اس لئے گوتم سدھارتھ نے بھی اس طریقہ کو آزمانے کی سوچی اور اس طرح ان کی زندگی میں شدید جسمانی ریاضتوں کا دور شروع ہوا جس کو انہوں نے انتہا تک پہنچا دیا۔ اُس وقت گوتم بدھ گھومتے گھومتے مشرقی ہندوستان میں موجودہ گیا کے پاس اُراویلا نامی مقام پر پہنچ چکے تھے۔ وہاں انہوں نے اس قدر شدید ریاضتیں کیں کہ ان کا بدن سوکھ کر ہڈیوں کا پنجر رہ گیا اور وہ مرنے کے قریب ہو گئے۔

اس مرحلہ پر انہیں خیال آیا کہ جسمانی ریاضت کا یہ طریقہ بھی ان کے مسئلے کو حل کرنے میں کچھ سودمند نہیں ثابت ہوا۔ انہوں نے سوچنا شروع کیا کہ باوجود اس کے کہ انہوں اس طریقہ کو انتہا تک پہنچا دیا ہے اور موت ان کے سامنے کھڑی ہے لیکن ان کی منزل کا ابھی کہیں دور تک پتہ نہیں ہے۔ ابھی تک زندگی کا راز سربستہ ان کے لئے ایک معمہ ہی ہے اور وہ ابھی تک ''ابدی مسرت'' کے حصول میں ناکام رہے ہیں۔ یہ سوچ کر کہ اگر انہوں نے اس طریقہ کو مزید طول دیا تو موت ان کا خاتمہ کر دے گی اور وہ اسی طرح اپنے مقصد میں کامیاب ہوئے بغیر دنیا سے رخصت ہو جائیں گے، گوتم سدھارتھ نے ایک چرواہن کی نذر کی ہوئی کھیر قبول کر کے اپنا برت توڑ دیا اور گویا اس طرح گوتم سدھارتھ نے یہ فیصلہ کر دیا کہ نجات کا راستہ جسم کو گلا دینے والی شدید جسمانی ریاضت سے نہیں بلکہ ایک معتدل زندگی کے ذریعہ ہی مل سکتا ہے۔ اس وقت گوتم سدھارتھ کو سنیاس اختیار کئے ہوئے چھ سال ہو چکے تھے اور وہ ابھی تک اپنا مقصد حاصل کرنے میں ناکام رہے تھے۔

اُسی شام جب گوتم بدھ نے اپنا برت توڑا اور جسم کی کم از کم ضروریات کا خیال رکھتے ہوئے ایک معتدل زندگی گزارنے کا فیصلہ کیا، وہ ایک پیپل کے پیڑ کے نیچے گھاس کا آسن بنا کر اپنے مخصوص مراقبہ کے انداز میں بیٹھ گئے، اور انہوں نے یہ عہد کیا کہ اس وقت تک وہ اُسی جگہ بیٹھے رہیں گے جب تک کہ وہ ''ابدی مسرت'' کے راز کو نہ پالیں یا موت

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اُن کو اپنی آغوش میں نہ لے لے۔ یہ عہد کر کے گوتم سدھارتھ اپنے مراقبہ میں غرق ہو گئے۔

بدھ روایت کے مطابق رات کے پہلے پہر گوتم سدھارتھ نے اپنے مراقبہ کے دوران وہ علم حاصل کیا جو قدیم ہندوستان میں اعلیٰ روحانیت کا خاصہ سمجھا جاتا تھا، یعنی انہیں اپنے پچھلے تما جنموں کا علم جن میں کہ مختلف صورتوں میں وہ اس دنیا میں رہ چکے تھے، حاصل ہو گیا۔ آدھی رات کے قریب اُن پر چار عظیم حقائق کا انکشاف ہوا جن میں بدھ مت کا بنیادی فلسفہ مضمر ہے اور جس کا ایک حصہ سلسلہ علت و معلول زندگی کی حقیقت کو عیاں کر دیتا ہے۔ رات کے آخری حصہ میں گوتم سدھارتھ نے اپنے مراقبہ ہی کے اندر نروان (نجات) حاصل کر لیا اور اس طرح اپنے مقصود کو پہنچ کر وہ گوتم سدھارتھ سے گوتم بدھ ہو گئے۔ نروان میں گوتم بدھ کو زندگی کے مسئلے کا حل مل گیا، ان کی ہر خلش دور ہو گئی اور وہ ''ابدی مسرت'' کے حصول میں کامیاب ہو گئے۔

نروان حاصل کرنے کے کچھ عرصے بعد تک گوتم بدھ اسی جگہ گیا کے پاس اراویلا کے مقام پر رُکے رہے۔ اس جگہ جہاں ایک طرف وہ مراقبہ اور غور و فکر کے ذریعہ اپنے اعلیٰ روحانی مقام کو مستحکم کر رہے تھے۔ وہاں اُن کے سامنے یہ مسئلہ بھی تھا کہ آیا اب جب کہ وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہو چکے ہیں اور ان کو ''ابدی مسرت'' حاصل ہو چکی ہے۔ وہ دنیا سے بے نیاز ہو کر اپنی اعلیٰ کیفیت سے لطف اندوز ہوتے رہیں یا دنیا میں واپس جا کر جنم مرن کے ازلی و ابدی چکر میں گرفتار، مصیبت کے مارے، دنیا کے لوگوں کو بھی اس نجات کے راستے کی خبر کریں جس کو پا کر وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے زندگی و موت کے پھندے سے آزاد ہو سکتے ہیں۔

ایک طویل کشمکش کے بعد، جس میں مارا (شیطان) اور اس کے لشکر نے گوتم بدھ کو ورغلانے اور دنیا کے لوگوں کی بھلائی کے لئے تبلیغ کرنے سے روکنے کی انتہائی کوشش کی، گوتم بدھ اس عظیم ہمدردی اور رحم (کرنا) کے ناتے جو گوتم بدھ کی شخصیت اور تعلیمات میں

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ایک اساسی حیثیت رکھتی ہے، دنیا میں اپنے خیالات کی تبلیغ کے لئے نکل کھڑے ہوئے۔ انہوں نے لوگوں کو بتایا کہ:

''لوگو! ایک ازلی، غیر مخلوق، مستقل، لازوال، غیر متغیر [(حقیقت) یعنی نروان] موجود ہے۔''

''لوگو! اگر یہ ازلی، غیر مخلوق، مستقل، لازوال، غیر متغیر (حقیقت) نہ موجود ہوتی تو فانی، بے ثبات، مخلوق اور متغیر (دنیا) سے نجات ممکن نہیں تھی۔ لیکن چونکہ ایک ازلی، غیر مخلوق، مستقل، لازوال، غیر متغیر (حقیقت) موجود ہے اس لئے فانی، بے ثبات، مخلوق اور متغیر سے نجات ممکن ہے[1]۔''

انہوں نے پہلے تین ''عظیم حقائق'' کے ذریعہ زندگی کی حقیقت واضح کی اور چوتھی ''عظیم حقیقت'' میں زندگی سے نجات کا اشٹانگ مارگ (ہشت پہلو طریقہ) بتایا۔ اس تعلیم کی سندھ کے کی تقسیم اپنی مکمل صورت میں کارفرما تھی۔ اس نظام میں جہاں کہ ہندوستانی سماج میں دوسرا اور تیسرا درجہ رکھنے والے چھتری اور ویش ذات کے لوگوں کے لئے بھی صرف برہمنوں کے واسطہ سے ہی مذہب سے کوئی استفادہ ممکن تھا۔ شودروں، اچھوتوں اور عورت ذات کے لئے عام مذہبی زندگی کے دروازے بالکل بند تھے۔ گوتم بدھ نے اپنی تعلیمات کی تبلیغ کے سلسلے میں اپنے شاگردوں کے مابین کسی طرح کا امتیاز روا نہیں رکھا۔ ان کی تعلیمات کو قبول کرنے والوں میں سماج کے ہر طبقے، ہر ذات، ہر پیشے اور ہر صنف کے لوگ شامل تھے۔ ان کی تعلیم کی رو سے روحانیت کے اعلیٰ ترین مدارج، برہمن، شودر، اچھوت، امیر، غریب، شریف، رذیل، عورت اور مرد سب کے لئے یکساں طور سے کھلے ہوئے تھے اور کسی کو کسی لحاظ سے، امتیاز حاصل نہیں تھا۔

مذہبی معاملات میں مکمل مساوات اور جمہوریت کے اس انقلابی رویہ کے ساتھ

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

ساتھ گوتم بدھ نے ویدوں کو حتمی سند ماننے سے بھی انکار کر دیا اور اپنے آپ کو کسی لحاظ سے ان کی تعلیمات اور اصولوں کا پابند نہیں سمجھا۔ انہوں نے ویدوں کی بعض تعلیمات کو رد کر کے اس کے بالکل برعکس تعلیمات پیش کیں، اور اس طرح اپنے آپ کو برہمنی مت کے دائرۂ اثر سے باہر کر لیا۔ برہمنی مت کی طرف سے ان کی مذہبی تحریک پر کفر کا فتویٰ لگ گیا اور اس کا ''ناستک'' (ملحدانہ) فرقہ قرار دیا گیا۔ کہا جا سکتا ہے کہ گوتم بدھ کی تعلیمات کی مقبولیت میں علاوہ اس کی معنویت کے، اُن کے اس انقلابی رویہ کا بھی بڑا حصہ تھا۔

۳۵ سال کی عمر میں نروان حاصل کرنے کے بعد اپنی بقیہ عمر کے تقریباً ۴۵ سال گوتم بدھ نے زندگی کے مسئلے اور اس کے متعلق اپنے دریافت کردہ حل کی تبلیغ میں، شمالی ہندوستان اور خاص طور پر اس کے مشرقی حصہ میں گھوم کر گزارے۔ اس دوران علاوہ ہزاروں اُپاسک (گھر بار والے) شاگردوں کے، مرد اور عورت بھکشوؤں اور بھکشنیوں کی ایک بڑی تعداد ان کے قائم کردہ سنگھ میں شریک ہو چکی تھی۔ جس میں خود ان کا بیٹا، بیوی اور سوتیلی ماں، جنھوں نے گوتم بدھ کی پرورش کی تھی، شامل تھیں۔ بالآخر ۸۰ سال کی عمر میں جب کہ گوتم بدھ کسی نارا کے مقام پر (موجودہ یوپی میں بنارس سے ۱۲۰ میل شمالی مشرق میں) ٹھہرے ہوئے تھے۔ ان کا آخری وقت آ پہنچا اور ان الفاظ کے ساتھ کہ:

> ''بھکشوؤ اب اس کے علاوہ مجھے تم سے اور کچھ نہیں کہنا ہے کہ جو کچھ عناصر طور پر گوتم بدھ خود اپنے آپ کو پیش کرتے تھے کہ دیکھو میں نے اس طریقہ کے ذریعہ نروان حاصل کیا ہے تم بھی اے لوگو! اس طریقہ کو اپنا کر اسے حاصل کر سکتے ہو۔ گوتم بدھ کی اپنی شخصیت میں اعلیٰ روحانیت کا وہ جادو اور ان کی تقریر میں سچائی کی وہ کھنک موجود تھی جو لوگوں کو کسی اور ثبوت سے بے نیاز کر دیتی ہے۔ چنانچہ ان کی تبلیغ کے زیرِ اثر بہت جلد ہر پیشے اور ہر طبقے کے لوگوں نے ان کی تعلیمات کو

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

قبول کرنا شروع کر دیا۔ گوتم بدھ کے شاگردوں میں ابتدا سے ہی دو طرح کے لوگ شامل تھے۔ ایک طرف تو وہ لوگ تھے جو گوتم بدھ کی تعلیمات کو سچ سمجھ کر قبول کرتے تھے۔ لیکن اپنے اندر اتنی ہمت اور طاقت نہیں پاتے تھے کہ دنیا کے دھندوں سے بالکل منہ موڑ کر اپنے آپ کو مکمل طور سے نروان حاصل کرنے کے لئے وقف کر سکیں۔ ایسے لوگوں کو اُپاسک کہتے تھے۔ گوتم بدھ کے نزدیک اس کی رعایت موجود تھی کہ یہ لوگ اپنی گھر گرہستی اور کاروبار میں مشغول رہتے ہوئے نروان حاصل کرنے کی کوشش کریں۔

دوسری طرف وہ شاگرد تھے جو گوتم بدھ کی مثال پر عمل کرتے ہوئے دنیا سے ناتا توڑ کر سنیاس لے لیتے تھے اور اپنی پوری زندگی نروان حاصل کرنے کے لئے وقف کر دیتے تھے۔ ایسے شاگرد بدھ مت کی اصطلاح میں بھکشو کہلاتے تھے اور ان کی جماعت سنگھ کے نام سے موسوم تھی۔ گوتم بدھ کے بھکشو شاگرد ہر وقت ان کے ساتھ رہتے تھے اور جہاں جہاں وہ تبلیغ کے سلسلے میں جاتے تھے یہ لوگ ان کے ہمراہ ہوتے تھے۔ گوتم بدھ کی تعلیمات عوام میں جس سُرعت سے پھیل رہی تھیں اور ان کے ماننے والوں کی تعداد میں جو دن دونی رات چوگنی ترقی ہو رہی تھی، اس کے کئی اسباب تھے۔ ان تعلیمات کی اپنی خصوصیات سے قطع نظر، جو ہم بعد میں بیان کریں گے۔ گوتم بدھ کا طرز تعلیم اور عوام کی طرف ان کا رویہ بھی اس دور کے عام مذہبی رہنماؤں سے الگ تھا۔ ہندوستان میں اس دور کی عام مذہبی زبان سنسکرت تھی۔ چنانچہ برہمنی مت سے متعلق تمام تر مذہبی ادب اور اس

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

> کی تعلیم و تدریس سنسکرت زبان میں ہی تھی، جب کہ عوام کی زبان وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ بہت بدل چکی تھی۔ اس لئے ہندوستان کے عوام کے لئے برہمنی مت کے افکار و خیالات سے براہ راست کوئی استفادہ ممکن نہیں رہ گیا تھا گوتم بدھ نے عام رواج کے برخلاف اپنے مذہب کی تبلیغ کے لئے عوامی زبان کو استعمال کیا اور اس طرح عوام سے براہ راست رابطہ قائم کرنے اور ان کو پوری طرح اپنی طرف متوجہ کرنے میں کامیاب رہے۔ اس کے علاوہ اس وقت کے ہندوستان میں ذات پات کی ترتیب سے ظہور میں آیا ہے، اس کے لئے فنا مقدر ہے۔ جی جان سے نردان (نجات) کے لئے کوشش کرلو۔"

گوتم بدھ اس دنیا سے رخصت ہو گئے اور بدھ عقیدے کے مطابق مہاپری نروان حاصل کرلیا۔

تعلیمات

گوتم بدھ کی تعلیمات، دنیا کے دوسرے مذاہب کی طرح، بعض منفرد خصوصیات رکھتی ہیں اور بعض خصوصیات میں دوسروں کے ساتھ شریک ہیں۔ بعض پہلوؤں کے اعتبار سے وہ کچھ مذاہب سے زیادہ قریب ہیں، جب کہ دوسرے مذاہب سے بہت کم چیزوں میں اشتراک رکھتی ہیں۔ مثال کے طور پر ان تمام مذاہب کی طرح جنہوں نے ہندوستان کی سرزمین میں جنم لیا اور جن میں اس وقت ہندومت کے مختلف فرقے، جین مت اور سکھ مت شامل ہیں، بدھ مت بھی کرم اور آواگون کے عقیدہ کو ایک مسلم الثبوت حقیقت مانتا ہے۔ ہندوستانی مذاہب (بشمول بدھ مت) کے نزدیک آواگون کوئی ایسا مسئلہ نہیں ہے جس کو

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ثابت کرنے کی ضرورت ہو، بلکہ اسے وہ ایک تسلیم شدہ حقیقت سمجھ کر اس سے آگے کی بات کرتے ہیں۔

اس عقیدے کے مطابق، انسان چھوٹے سے چھوٹا یا بڑے سے بڑا، نیک یا بد، جو عمل بھی کرتا ہے اس کا ایک اثر مرتب ہوتا ہے۔ اس طرح تمام عمر انسان سے جو اعمال سرزد ہوتے ہیں ان کے اثرات مرتب ہو ہو کر محفوظ ہوتے رہتے ہیں۔ مرنے کے بعد انسان فنا نہیں ہوتا، نہ کسی اور دنیا میں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے چلا جاتا ہے، بلکہ دوبارہ اسی دنیا میں کسی اور شکل میں پیدا ہوتا ہے۔ انسان کی اس دوسری زندگی کی نوعیت اور کیفیت اُس کی پچھلی زندگی کے اعمال کے اثرات سے متعین ہوتی ہے۔ پھر اس دوسری زندگی کے اعمال اپنے اثرات مرتب کرتے ہیں، اور دوبارہ مرنے کے بعد پھر انسان ان اثرات کے لحاظ سے اچھی یا بری صورت حال میں، برہمن یا اچھوت، انسان یا جانور، یا کسی اور شکل میں پیدا ہوتا ہے، اور یہ سلسلہ کبھی نہ ختم ہوتے ہوئے ازل سے ابد تک جاری و ساری رہے گا، نہ اس سلسلے کی کوئی ابتدا ہے نہ انتہا، اور نہ ہی اس سلسلے سے متعلق رہتے ہوئے انسان کے لئے کبھی چین اور قرار ممکن ہے۔

اس عقیدہ میں یہ نکتہ قابل غور ہے کہ صرف بُرے اعمال کرنے والا ہی حیات و ممات کے اس ازلی چکر (آواگون) میں نہیں گرفتار ہے، بلکہ نیک سے نیک کام کرنے والا بھی اُسی طرح اس پھندے میں گرفتار رہتا ہے۔ جس طرح بُرے عمل کرنیوالا، فرق صرف اتنا ہے کہ بُرے عمل کرنے والے کی اگلی زندگی اُس کے خراب اعمال کے اثرات کے لحاظ سے تکلیف دہ اور بُری ہوگی جب کہ نیک عمل کرنے والے کی اگلی زندگی آرام دِہ اور اچھی صورت حال میں ہوگی۔

اس عقیدہ کے لوازمات میں جنت اور جہنم کے تصورات بھی شامل ہیں۔ لیکن یہ جنت اور جہنم سامی مذاہب اور زرتشتیت کی طرح ہمیشہ ہمیشہ کے لئے نہیں ہوں گے۔ بلکہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بہت اچھے اعمال کرنے والا ایک معینہ مدت تک، جب تک کہ اس کے نیک اعمال کے اثرات کا زور باقی رہے گا، بہشت میں قیام پذیر رہے گا۔ ان نیک اعمال کے اثرات کا خزانہ ختم ہوتے ہی وہ دوبارہ پھر کسی شکل میں اس دنیا میں پیدا ہو جائے گا۔ اسی طرح دوزخ میں جانے والا بھی اپنے بُرے اعمال کے اثرات ختم ہونے تک وہاں پڑا رہے گا اور اُس کے بعد پھر اس دنیا میں پیدا ہو جائے گا۔ اس طرح نیک و بد سبھی، ہمیشہ ہمیشہ کے لئے جنم مرن کے اس لامتناہی سلسلے میں گرفتار ہیں۔

زندگی کا یہ تصور جو ہندوستانیوں کے لئے ایک فطری حقیقت رکھتا تھا، وہ بنیادی مسئلہ تھا جس کا حل مختلف ہندوستانی مذاہب نے اپنے اپنے طور سے پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔ تمام ہندوستانی مذاہب کے نزدیک زندگی کے ابدی چکر سے نجات ہی وہ مقصود ہے جو انسان کی سب سے بڑی تمنا ہو سکتی ہے۔ اور اسی نجات میں، جس کو مختلف ہندوستانی مذاہب مختلف ناموں (کہیں موکش، کہیں مکتی، کہیں کیولیہ، کہیں نروان، اور کہیں وصالِ الٰہی کی مختلف تعبیروں سے) یاد کرتے ہیں۔

انسان کی زندگی کے تمام مسائل کا حل اور اس کے لئے ابدی لازوال اور بے عیب مسرت کو موجود مانا گیا ہے۔ اس طرح زندگی کے بنیادی مسئلے کی تعبیر اور اس کے حل کی تشخیص کی حد تک تمام ہندوستانی مذاہب ایک دوسرے سے متفق ہیں اور اس سلسلے میں ہندوستانی تمدن کے بنیادی مذہبی تجربے کی ترجمانی کرتے ہیں۔ البتہ جو چیز ان کو ایک دوسرے سے الگ کرتی ہے، وہ نجات کی کیفیت کا تصور اور اُس تک پہنچنے کا طریقہ ہے۔ اس لحاظ سے اگرچہ ہر ہندوستانی مذہب میں نجات، کرم اور آواگون کے چکر سے آزادی کا سبب ہے، لیکن اس کی نوعیت کے تصور میں ان مذاہب میں باہم دگر اختلاف پایا جاتا ہے۔ اسی طرح یہ مذاہب اپنے اپنے تجویز کردہ تصور نجات کو حاصل کرنے کے لئے الگ الگ طریقے بتلاتے ہیں۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بدھ مذہب کی تعلیمات اور گوتم بدھ کے پیغام کو بھی کرم اور آواگون کے انہیں ہندوستانی تصورات کے پس منظر میں دیکھنا ہوگا۔ اس سلسلے میں سب سے پہلے ہم ان ''چار عظیم سچائیوں'' کی تشریح کریں گے جو بدھ مت کے لئے اساسی حیثیت رکھتی ہیں اور جن میں بدھ مت کا بنیادی فلسفہ سمٹ کر آ گیا ہے۔

یہ ''چار عظیم سچائیاں'' گوتم بدھ نے اپنے نروان حاصل کرنے کی رات، نروان سے کچھ پہلے، دریافت کی تھیں اور ان کے انکشاف سے اُن پر زندگی کی حقیقت اور اس سے نجات کا راستہ واضح ہو گیا تھا۔ بدھ مت کی اپنی اصطلاح میں ان ''عظیم سچائیوں'' کو آرین ستیہ کے نام سے یاد کیا گیا ہے۔ گوتم بدھ نے اس جگہ اور متعدد دیگر موقعوں پر لفظ آریہ کو اس کے رواجی مفہوم بمعنی ایک مخصوص قوم کے جو اس نام سے معروف ہے، نہ استعمال کرتے ہوئے اس کو اس لفظ کے لغوی معنی ''شریف'' ''اچھا'' اور ''عظیم'' کے معنوں میں استعمال کیا ہے۔ اس لحاظ سے چار آرین ستیہ کا ترجمہ ''چار عظیم سچائیاں'' یہاں مناسب معلوم ہوتا ہے۔

''چار عظیم سچائیوں'' کی تشریح کے لئے گوتم بدھ کی تعلیمات میں جو حصہ ہمیشہ سے سند سمجھا جاتا رہا ہے وہ ان کی پہلی تقریر ہے جو انہوں نے نروان حاصل کرنے کے بعد اپنی تعلیمات کی تبلیغ شروع کرتے ہوئے سارناتھ کے مقام پر کی، جہاں بعد میں اشوک نے پتھر کی ایک لاٹ نصب کرا کے اس جگہ کی تاریخی حیثیت کو مستند بنا دیا۔ گوتم بدھ کی یہ پہلی تقریر اپنے پالی متن میں دھما چکا پوتا سوتا (کتاب گردشِ چرخِ مذہب) میں ملتی ہے۔ اس کے مطابق ''چار عظیم سچائیاں'' مندرجہ ذیل ہیں:

پہلی عظیم سچائی

''پہلی عظیم حقیقت ''دُکھ'' ہے۔ یعنی زندگی کی اصل حقیقت دُکھ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہے۔ جو چیزیں عام طور سے دکھ کا سبب ہوتی ہیں جیسے جسمانی تکلیف، بیماری، ذہنی پریشانی، حالات کی مجبوری، اپنے عزیزوں سے دور ہونا یا ناپسندیدہ لوگوں کے ساتھ رہنے پر مجبور ہونا، وغیرہ۔ وہ تو بظاہر ہیں ہی دُکھ کا سبب، لیکن گوتم بدھ کے خیال میں زندگی کی عارضی مسرتیں اور خوشیاں بھی آخر کار دُکھ کا ہی سبب بنتی ہیں۔ چونکہ یہ خوشیاں اور مسرتیں مستقل نہیں ہوتیں اس لئے جب وہ رخصت ہوتی ہیں تو اپنے پیچھے دُکھ چھوڑ جاتی ہیں۔ اس کے علاوہ خود زندگی کا کھوکھلا اور کسی مستقل عنصر کے بغیر ہونا (بدھ مت روح کے وجود کو نہیں مانتا) اور ہمیشہ تغیر پذیر رہنا، بذات خود سب سے بڑھ کر دُکھ کا سبب اور انسان کے لئے غیر اطمینان بخش صورت حال ہے۔ اس طرح بدھ مت میں دُکھ کی تین قسمیں بتائی گئی ہیں۔

(الف): دُکھ دکھاتا، یعنی دکھ اپنے عمومی مظاہر میں جس کو ہر شخص محسوس کرتا ہے۔

(ب): سمکھارا دکھاتا، یعنی زندگی میں کسی مستقل عنصر کے بغیر ایک سلسلۂ علت و معلول کے پابند نمود کے سبب سے جو دکھ محسوس کیا جائے اور

(ج) ویپارینامادکھاتا، یعنی زندگی کی تغیر پذیری اور بے ثباتی کے سبب سے جو دکھ جھیلا جائے[؎]۔

آخری دونوں قسمیں دُکھ کی ایک فلسفیانہ بنیاد سے متعلق ہیں جس کی حقیقت عام انسان کی نظروں سے اوجھل رہتی ہے لیکن جس کے مظاہر، پہلی نوع کے دکھوں کی صورت میں، ہر شخص محسوس کرتا ہے۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ گوتم بدھ کے نزدیک کائنات کی تمام اشیا پانچ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

مرکبات (پنچ کھنڈا) پر مبنی ہیں۔ یہ پانچ مرکبات:

۱۔ مادہ (روپ کھنڈا) جو قدیم طبعیات کے چاروں عناصر مٹی، پانی، آگ اور ہوا کے علاوہ ۲۴ دوسری اشیا پر مشتمل ہے۔

۲۔ قوت احساس (ویدنا کھنڈا)

۳۔ قوت تمیز (سانا کھنڈا)

۴۔ قوت فکر اور تصور (سمکھارا کھنڈا)

۵۔ اور قوتِ شعور (دنانا کھنڈا)

ان میں سے ہر مرکب، بذاتِ خود، مختلف اجزا پر مشتمل ریت کی ڈھیریوں کی طرح رہ جاتی ہیں۔ اس کی مزید تفصیل میں نہ جاتے ہوئے ہم یہاں گوتم بدھ کی اس تعلیم کو واضح کرتے ہیں کہ چونکہ کائنات کی تمام اشیا انہیں غیر مربوط مرکبات یا ان کی آمیزش سے وجود میں آتی ہیں، (بے جان اشیا صرف پہلے مرکب مادہ کا ظہور ہیں) اس لئے کائنات کی کسی چیز، یا انسان کی شخصیت میں کوئی عنصر، مستقل بالذات، جیسے روح یا آتما یا کوئی اور مستقل حقیقت نہیں موجود ہے۔ تمام اشیا اور انسان محض مختلف اجزا کا مجموعہ ہیں جن کو سطحی نظر، مجموعی اعتبار سے، ایک مستقل شے تصور کرتی ہے۔

اس حقیقت کا دوسرا پہلو یہ ہے کہ یہ کائنات کی تمام اشیا اور انسان جن مرکبات کا مجموعہ ہیں۔ وہ خود اپنی جگہ مختلف قسم کے خارجی اسباب کی بنا پر وقتی طور پر ایک مخصوص شکل اختیار کئے ہوئے ہیں۔ ان اسباب کے ہر لحظہ بدلتے رہنے کے باعث یہ اشیا بھی ہر وقت متحرک اور تغیر پذیر ہیں۔ اس نقطۂ نظر سے کائنات اور اس میں موجود تمام اشیا چشم

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بینا کے لئے کسی مستقل عنصر سے عاری، ہر لحظہ متغیر، ان گنت ذرات کا ایک سیل رواں ہیں جو ازل سے ابد کی طرف بہا جا رہا ہے۔ اس سیل رواں میں کائنات کی مختلف اشیا اور انسان، ذرّات کے عارضی مجموعوں سے وجود میں آئے ہوئے مختلف ہیولے ہیں جو اپنے اجزا کی تغیر پذیری کے سبب فانی اور بے ثبات ہیں؀۔

گوتم بدھ کا زندگی کے بارے میں یہی بنیادی مکاشفہ تھا جس کے سبب انہوں نے ہر وجود کی مین لازمی خصوصیات (ترسی لچھنا) بتائی تھیں۔ ان کی تعلیم کے مطابق ہر وجود لازمی طور پر (۱) دُکھ (۲) بے ثباتی اور (۳) کسی مستقل عنصر سے عاری ہونے (یعنی نتیجتاً تغیر پذیری) کی صفات سے متصف ہوتا ہے۔ ان میں پہلی خصوصیت تو ہے ہی تکلیف دہ، لیکن دوسری اور تیسری خصوصیات بھی بالواسطہ دکھ ہی کا سبب بنتی ہیں۔ اس طرح زندگی، (جیسا کہ عام آدمی اسے گزارتا ہے) سرتا پا دُکھ، غیر اطمینان بخش اور ناقص ہے۔

دوسری عظیم سچائی

"دوسرا عظیم سچ یہ ہے کہ دُکھ کے اس ازلی اور ابدی کارواں کی کہیں نہ کہیں کوئی بنیاد اور اصلی سبب ضرور ہے۔ یہ بنیاد اور دُکھ کے سلسلے کا اصلی سبب، گوتم بدھ کے مکاشفہ کے مطابق، خواہش، آرزو، طلب (سنسکرت، ترشنا، پالی: تنہا) ہے۔ یہ خواہش اور طلب کی ہی جلوہ گری ہے جو گوتم بدھ کے خیال میں انسان کو اس دنیا میں جنم لینے پر

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

مجبور کرتی ہے اور پھر زندگی بھر اس کو مختلف صورتوں میں اپنی آسودگی کے لئے سرگرداں رکھتی ہے، یہاں تک کہ انسان جس طرح نا آسودہ اس دنیا میں آیا تھا اسی طرح غیر مطمئن یہاں سے رخصت ہوتا ہے مگر پھر اُسی طلب کے جال میں گرفتار دوبارہ کسی اور صورت میں اس دنیا میں جنم لیتا ہے۔ اسی طرح یہ سلسلہ ازل سے ابد تک قائم ہے۔ نہ انسان کے پہلے جنم کی ابتدا کسی کو معلوم ہے اور نہ اس کی کوئی انتہا نظر آتی ہے۔ اس طلسم نیرنگ کے پیچھے گوتم بدھ کے مطابق، طلب یا خواہش کا ہی بھوت کارفرما ہے۔ گوتم بدھ کہتے ہیں:

''بھکشوؤ! میری نظر میں خواہش اور طلب جیسی کوئی اور زنجیر نہیں ہے جس سے بندھی ہوئی مخلوقات ایک جنم کے بعد دوسرے جنم میں ایک طویل عرصے سے طلسم وجود کے چکر لگا رہی ہیں۔ یقین جانو بھکشوؤ! اسی خواہش کی زنجیر میں گرفتار مخلوقات طلسم وجود میں سرگرداں اُس کے چکر لگاتی رہتی ہیں[5]۔''

بہر حال بدھ مت کے نقطۂ نظر کو صحیح طور سے سمجھنے کے لئے یہ ضروری ہے کہ ہم جان لیں کہ خواہش یا طلب کا دُکھوں کا بنیادی سبب ہونا بھی ایک اضافی اعتبار سے ہی صحیح ہے۔ کیونکہ گوتم بدھ کے عمومی مکاشفہ کے مطابق کائنات میں کوئی چیز بھی مستقل بالذات اور ''سلسلۂ علت ومعلول'' سے باہر نہیں ہے، جیسا کہ آئندہ اس تصور کی تشریح کے سلسلہ میں زیر بحث آئے گا۔ یہاں صرف یہ ذکر کرنا مقصود ہے کہ اس تصور کے مطابق خواہش یا طلب بھی کچھ اسباب کے نتیجہ میں وجود میں آتی ہے۔ جو اپنی جگہ دوسرے اسباب کے محتاج

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہیں۔لیکن سلسلہ اسباب و نتائج کی اس تشریح کے مطابق خواہش یا طلب سے پہلے جو اسباب کارفرما ہیں ان کا تعلق پچھلی زندگی سے ہے جب کہ خواہش یا طلب سے جو نتائج ظہور میں آتے ہیں اور پھر اُن نتائج سے جو نتائج نکلتے ہیں، ان کا تعلق موجودہ زندگی کے ہنگاموں سے ہے اور پھر انہیں سے اگلے جنم کے لئے بھی جال تیار ہوتا ہے گویا اس زندگی کی حد تک اور آئندہ آنے والی زندگی کے لئے مصائب و آلام کی ذمہ دار سر دست یہ خواہش اور طلب ہی ہے۔''

تیسری عظیم سچائی

''تیسرا عظیم سچ یہ ہے کہ اگر دُکھوں کے اس سلسلہ کا کوئی بنیادی سبب ہے (جیسا کہ ثابت ہو گیا) تو اس سلسلہ کا استیصال بھی ممکن ہے۔ (خواہش یا طلب کو صرف اِسی زندگی اور آئندہ زندگیوں کو نظر میں رکھتے ہوئے دُکھ کا بنیادی سبب قرار دینا اس لئے بھی مناسب ہوسکتا ہے کہ اسی زندگی میں اس بنیادی سبب کا استیصال بھی ممکن ہے۔اس سے پہلے کے اسباب پچھلی زندگی سے متعین ہو چکے اور اس سلسلے میں کچھ نہیں کیا جا سکتا) جیسا کہ دوسرے عظیم سچ کے ضمن میں ذکر آ چکا ہے کہ گوتم بدھ کے خیال میں خواہش یا طلب دُکھوں کے اس سلسلہ کی جڑ ہے تو تیسرے عظیم سچ کے مطابق خواہش یا طلب کے استیصال سے دُکھ کا یہ ازلی اور ابدی جال توڑا جا سکتا ہے اور انسان جنم مرن کے چکر سے ہمیشہ کے لئے چھٹکارا پا کر نروان حاصل کر سکتا ہے۔''

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

سلسلۂ علّت و معلول

درحقیقت دوسرے اور تیسرے عظیم سچ کو اس وقت تک پوری طرح نہیں سمجھا جا سکتا جب تک کہ ان کے ذیلی حصے ''سلسلۂ علت و معلول'' کو درمیان میں نہ لایا جائے۔ اگرچہ بدھ مت سے متعلق اکثر کتابوں میں اس کو ایک الگ باب میں بیان کیا جاتا ہے لیکن درحقیقت یہ اسی دوسرے اور تیسرے عظیم سچ کی کڑی ہے اور گوتم بدھ کے متعدد بیانات میں اس سلسلہ کی اسی نوع سے تشریح ملتی ہے[1]۔ یہ سلسلۂ علت و معلول، جس سے ایک انسان کے بار بار اس دنیا میں جنم لینے اور دُکھوں کے جال میں پھنسے رہنے کے اسباب کی درجہ بدرجہ تشریح ہوتی ہے، وجود کے سلسلے میں گوتم بدھ کی اسی بصیرت کا ترجمان ہے جس کے مطابق کائنات کی تمام اشیا کسی مستقل وجود سے عاری، سبب اور مسبّب کے ایک آفاقی سلسلہ کے نتیجہ میں پیدا ہوتی ہیں، اور ہر لحظہ متغیر ہیں۔ اس لحاظ سے سلسلۂ علت و معلول میں گوتم بدھ نے وجودِ انسانی کے ارتقا کے سلسلہ میں جو بارہ مدارج بتائے ہیں وہ ہر درجہ میں صرف غالب عنصر کے تذکرہ پر مشتمل ہیں، ورنہ اگر غور سے دیکھا جائے تو خود بدھ نظریہ کے مطابق ہر درجہ میں متعدد اسباب کارفرما مانے جائیں گے۔ بہرحال روایتی اعتبار سے بدھ مت کے تمام فرقوں کے نزدیک ''سلسلۂ علت و معلول'' (پراتتیا سمتپاد) کے بارہ مدارج گوتم بدھ کی مستند تعلیمات میں سے ہیں۔ اس تعلیم کی رو سے یہ سلسلۂ علّت و معلول ایک دائرہ میں گردش کرتا ہے جس کے بارہ مدارج ایک دوسرے سے سبب اور مسبب کے رشتہ میں جڑے ہوئے ہوتے ہیں۔ اگرچہ دائرہ کہیں سے شروع نہیں ہوتا اور کہیں پر ختم نہیں ہوتا، لیکن چونکہ عرفانِ حقیقی (بودھی) ہی کی بنا پر انسان اس طلسم کو توڑ سکتا ہے۔ اس لئے عرفان حقیقی کی حریف مقابل جہالت (اودّیا) کو اس دائرہ کا ابتدائی درجہ متصور کرلیا گیا ہے اور اس طرح یہ مدوّر ''سلسلۂ علّت و معلول'' حسب ذیل سلسلہ وار مدارج پر مشتمل ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

۱۔ اَوِدّیا (پالی: اوجا، ''جہالت'')

''جہالت'' بُدھ مت کے نزدیک سب سے پہلے زندگی کے بارے میں صحیح نقطۂ نظر سے محروم رہنے کا نام ہے، اور زیادہ وضاحت سے یہ گوتم بدھ کی بتائی ہوئی چار عظیم سچائیوں، سلسلۂ علت و معلول، نروان اور بدھ مت کے دوسرے تصورات کو تسلیم نہ کرنے کا نام ہے لیکن ''جہالت'' صرف بدھ مت کے نقطۂ نظر پر یقین رکھنے کا بھی نام ہے۔ یعنی بدھ مت کے دنیا کو سُکھ اور چین کی جگہ سمجھنے والے، روح اور خدا کے وجود کو ماننے والے اور دوسری مذہبی روایات کی رسومات اور عبادات کو کسی درجہ سود مند سمجھنے والے بھی ''جہالت'' کے شکار ہیں [7]۔''

۲۔ سمسکارہ (پالی: سنکھارا ''شعوری اعمال'')

''جہالت'' کے نتیجہ میں کرم کے قانون کے مطابق، وہ مخصوص شعوری کیفیات پیدا ہوتی ہیں جو اچھے یا بُرے اعمال سے متعلق ہوتی ہیں اور اس طرح ''شعوری اعمال'' ظہور میں آتے ہیں۔ ''جہالت'' اور ''شعوری اعمال'' کے درمیان ایسا ہی تعلق بتایا گیا ہے جیسا کہ شراب کے نشہ اور اس کے نتیجہ میں مدہوشی کے افعال کے اندر ہوتا ہے [8]۔''

۳۔ وِجّانا (پالی: وِنّانا، ''شعور'')

''یہ سلسلۂ علت و معلول کا تیسرا درجہ ہے اور ''شعوری اعمال'' کے

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

نتیجے میں وجود میں آتا ہے۔ اب تک مذکورہ دونوں مدارج ''جہالت'' اور ''شعوری اعمال'' کا تعلق پچھلی زندگی سے تھا۔ اب یہاں سے جو مدارج شروع ہوتے ہیں وہ موجودہ زندگی سے تعلق رکھتے ہیں، اگرچہ یہ بھی پچھلی زندگی کی کرموں سے متعین ہو چکے ہیں، یعنی پچھلی زندگی کے ''شعوری اعمال'' کے نتیجہ میں ''شعور'' پیدا ہوا ہے اور یہی ''شعور'' موجودہ زندگی کا سب سے پہلا درجہ بن جاتا ہے۔ پچھلی زندگی میں ''شعور'' کے آخری لمحے اور موجودہ زندگی میں ''شعور'' کے پہلے لمحے کے درمیان ہنایان فرقے کے مطابق کوئی فصل نہیں ہے۔ لیکن بدھ مت کے بعض دوسرے فرقے ان کے درمیان مختلف وجوہات کی بنا پر وقفہ بھی تسلیم کرتے ہیں۔ بدھ کے مطابق یہ ''شعور'' حمل کے قرار پاتے ہی کام شروع کر دیتا ہے۔''

۴۔ نام روپ (پالی، سنسکرت: ''جسم وذہن'')

''روپ'' پالی اور سنسکرت دونوں میں یہی لفظ استعمال ہوتا ہے مراد ''جسم وذہن''۔ رحم مادر میں ہی ''شعور'' کے نتیجہ میں رُوپ یعنی مادّی جسم اور نام یعنی تین ذہنی قوتیں، پیدا ہوتی ہیں جو ''شعور'' سے بہت گہرا ربط رکھتی ہیں۔ یہ تین ذہنی قوتیں قوتِ احساس، (ویدنا)، قوت تمیز (سمجیاں، پالی سانا) اور کیفیات متعلق بہ عمل (سمسکارہ) ہیں۔''

۵۔ سَدُ یاتنا (پالی: سَلیاتنا، ''حواسِ خمسہ اور عقل'')

نام روپ کے نتیجے میں حواس خمسہ (بصارت، سماعت، شامہ، ذائقہ

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

اور لامسہ) اور عقل، جو کہ ان احساسات کو معنی پہنانے اور یادداشت کے لئے ضروری ہے، پیدا ہوتی ہے۔

۶۔ سپرشا (پالی: بھاسا، "احساسات ستہ"):

حواس خمسہ اور عقل کے نتیجے میں "احساسات ستہ" یعنی چھ قسم کے احساسات پیدا ہوتے ہیں۔ (بدھ فلسفہ کے مطابق عقل کو بھی حواس میں شمار کیا جاتا ہے، اس طریقہ سے بدھ تعلیمات میں حواسِ خمسہ کی جگہ حواسِ ستہ کا حوالہ ملتا ہے) "احساسات ستہ" ہر ایک نوع کی حِس اس کی مناسبت سے محسوس کی جانے والی شئے اور عمل احساس کا مجموعہ ہوتے ہیں، یعنی بصارت کی شِق میں قوت بصارت، کوئی چیز جس کو دیکھا جائے اور دیکھے جانے کا عمل یہ سب شامل مانے جائیں گے اور یہی التزام ہر احساس کے سلسلے میں رکھا جائے گا۔ اس طریقہ سے "حواس خمسہ اور عقل" "احساساتِ ستہ" کی بنیاد اور سبب ہیں، گویا مذکورِ ثانی مذکورِ اوّل پر منحصر اور اس کا نتیجہ ہے۔"

۷۔ ویدنا (سنسکرت، پالی: مراد "تاثر")

"احساساتِ ستہ" کے نتیجہ میں ہر چھ نوع کے احساسات سے متعلق "تاثراتِ ستہ" پیدا ہوتے ہیں۔ یعنی بصارت کے نتیجہ میں الگ طریقہ کا تاثر ہوگا اور سماعت کے نتیجہ میں الگ طریقے کا تاثر اور اسی طرح شامہ، ذائقہ، لامسہ اور عقل کے نتیجے میں الگ الگ نوع کے تاثرات پیدا ہوں گے۔"

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

۸۔ تِرِشنا (پالی: تنہا، ''خواہش یا طلب'')

''اب تک جو مدارج مذکور ہوئے وہ اگرچہ دوسرے درجہ کے بعد، موجودہ زندگی سے ہی متعلق ہیں لیکن وہ پچھلی زندگی کے کرموں سے متعین ہو چکے تھے، یعنی پچھلی زندگی سے ہی متعلق ہیں لیکن وہ پچھلی زندگی کے کرموں سے متعین ہو چکے تھے یعنی پچھلی زندگی کے کرموں کے نتیجہ میں ان کا پیدا ہونا لازمی تھا۔ اب اس ''خواہش یا طلب'' کے درجہ سے اس زندگی کے وہ کرم شروع ہوتے ہیں جو انسان کی موجودہ اور اگلی زندگی پر اثر ڈالتے ہیں۔ اسی وجہ سے جیسا کہ ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں، (موجودہ زندگی کو نظر میں رکھتے ہوئے) ''خواہش یا طلب'' کو دُکھ کے سلسلہ کی بنیاد قرار دیا گیا ہے۔''

۹۔ اُپادنا (الفت، چاہ، طمع)

''خواہش یا طلب'' کے نتیجہ میں مختلف جسمانی یا ذہنی محسوسات کی اُنسیت اور ''طمع'' پیدا ہوتی ہے اور آدمی ہر حال میں ان سے وابستہ رہنا چاہتا ہے۔ بُدھ مت نے یہاں باریک بینی سے کام لیتے ہوئے صرف جسمانی، لذات و خوشگوار محسوسات کو ہی انسان کی طمع اور وابستگی کا مقصود نہیں بتایا ہے، بلکہ ذہنی معتقدات، لاطائل خیالی بحثوں، ظاہری رسومات اور اخلاقیات کے اصولوں سے انسانوں کی اندھی وابستگی کو بھی جنم مرن کے ازلی چکر کی ایک کڑی اور ''خواہش یا طلب'' کا نتیجہ قرار دیا ہے[9]۔ اس درجہ سے موجودہ زندگی سے متعلق مدارج ختم ہو جاتے ہیں اور اگلا درجہ مستقبل کے جنم سے متعلق ہے۔''

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

۱۰۔ بھاوا (سنسکرت اور پالی: ''وجود میں آنا'')

''سنسکرت اور پالی میں تقریباً یکساں ''وجود میں آنا'' زندگی اور اس کے مختلف محسوسات سے ''لگاؤ اور طمع'' کے نتیجہ میں مرنے کے بعد اگلے جنم کے لئے انسان کہیں نہ کہیں، کسی نہ کسی ماں کے پیٹ میں ''دوبارہ'' وجود میں آتا'' ہے۔''

۱۱۔ جاتی (پیدائش)

''کسی ماں کے پیٹ میں دوبارہ ''وجود میں آنے'' کے نتیجہ میں (دوبارہ) ''پیدائش'' ظہور میں آتی ہے۔''

۱۲۔ جَرامَرَن (''بڑھاپا اور موت'')

''پیدائش'' کے نتیجہ میں ''بڑھاپا اور موت ظہور میں آتی ہیں۔ لیکن ''بڑھاپا اور موت'' یہاں استعارہ ہیں دُکھ اور غم کے اُس عظیم کارواں کے لئے جس سے کہ بدھ مت زندگی کو عبادت سمجھتا ہے، یعنی دُکھوں کا یہ انبوہ، جس کا ایک حصہ ''بڑھاپا اور موت'' بھی ہیں، وجود کا ایک لازمی خاصہ ہے اور اپنے پیچھے اسباب در اسباب کا وہ سلسلہ رکھتا ہے جو مختلف مدارج کی صورت میں اوپر بیان ہو چکے ہیں۔ اب یہ غم انگیز وجود چونکہ ''جہالت'' سے متصف ہے، (کیونکہ جب تک انسان جنم مرن کے اس چکر میں گرفتار ہے وہ جہالت کا بھی شکار ہے۔ اس لئے پھر ''جہالت'' کے نتیجہ میں دوسرا درجہ ''شعوری اعمال'' کا آئے گا، اور پھر اُس کے نتیجہ میں اُس سے اگلا درجہ ظہور میں آئے گا اور اس طرح ایک کے بعد ایک جنم کا اور ان مختلف مدارِج سے گزرنے کا سلسلہ ہمیشہ قائم رہے گا۔

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

بدھ مت کے عقائد میں ایک اساسی حیثیت رکھنے والے اس ''سلسلۂ علّت و معلول'' کو واضح کرنے کے لئے، جس کی ایک مختصر تشریح ہم نے اوپر پیش کی ہے، بعض بدھ فرقوں میں اس کو ایک ایک تصویری شکل میں ظاہر کیا جاتا ہے۔ خصوصاً تبّتی بدھ مت میں تو اس کو ایک بہت ہی ڈرامائی نقشے کے ذریعہ پیش کیا گیا ہے جس میں وجود کے مختلف طبقات اور ''سلسلۂ علت ومعلول'' کے مختلف مدارج استعاراتی تصویروں کے ذریعہ ظاہر کئے گئے ہیں اور یہ پورا نظام ایک عفریت کے جبڑوں میں دبا ہوا ہے جو کہ فنا اور بے ثباتی کا عفریت ہے۔ بدھ مت میں رائج اس طرح کے نقشوں کی بنیاد پر ذیل میں ہم ''سلسلۂ علّت ومعلول'' کا ایک سادہ سا خاکہ پیش کرتے ہیں، جس سے کہ اس سلسلہ کے مختلف مَدارِج کے باہمی ربط اور اس کی دائمی گردش کو سمجھنے میں مدد ملتی ہے۔

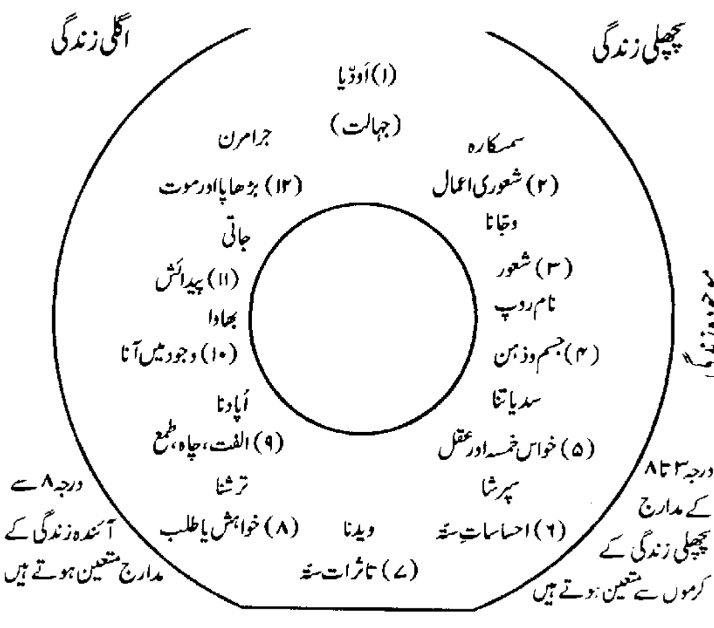

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اس طرح جہاں ''سلسلہ علّت و معلول'' کی تشریح سے دوسرے عظیم سچ یعنی دُکھ کے سبب کی وضاحت ہو جاتی ہے، وہاں تیسرا عظیم سچ، یعنی دُکھ کا اگر کوئی بنیادی سبب ہے تو اس کا خاتمہ بھی ممکن ہے، اسی تشریح سے واضح ہوتا ہے۔ اگر سبب اور مسبب کے فطری قانون کے تحت وجود (جو کہ دُکھ کے مترادف ہے) کا کارواں درجہ بدرجہ گھومتا رہتا ہے تو اِسی منطق کی رُو سے ایک سبب کے غائب ہونے سے اس کا مُسبّب بھی غائب ہو جائے گا۔ (مندرجہ بالا خاکے کے مطابق) ''جہالت'' کو ختم کرنے سے ''شعوری اعمال'' بھی ختم ہو جائیں گے، ''شعوری اعمال'' کے ختم ہونے سے ''شعور'' ختم ہو جائے گا۔ ''شعور'' کے ختم ہونے سے ''جسم و ذہن'' ختم ہو جائے گا وغیرہ وغیرہ، یہاں تک کہ گیارہویں درجہ میں ''پیدائش'' کے ختم ہو جانے سے ''بڑھاپا اور موت'' یعنی دُکھ کا یہ پورا کارواں نیست و نابود ہو جائے گا[1]۔ یہ ہے تیسرا عظیم سچ، یعنی دُکھ کے سبب کے خاتمہ سے سلسلۂ دُکھ کا مکمل خاتمہ۔

چوتھا عظیم سچ وہ اشٹانگ مارگ (ہشت پہلو راستہ) ہے جس پر چل کر دکھوں کے اس سلسلہ کو ختم کیا جا سکتا ہے۔ یعنی پہلے تینوں عظیم سچ اگر بُدھ مت کے نظریاتی اصولوں سے متعلق تھے تو چوتھا عظیم سچ وہ عملی طریقہ بتاتا ہے جس کو اختیار کر کے دُکھ سے (اور بار بار کے جنم مرن سے) نجات حاصل کی جا سکتی ہے۔ چونکہ بدھ مت کے اس عملی طریقہ کی آٹھ شقیں ہیں اس لئے یہ اَشٹانگ مارگ یا ''ہشت پہلو راستہ'' کہلاتا ہے۔ دُکھوں کو ختم کرنے والے ''ہشت پہلو راستہ'' کے آٹھ ارکان مندرجہ ذیل ہیں:

ا۔ سمیک دِرِشٹی

''(سمیک دِرِشٹی پالی: سمادِتھی، ''صحیح نقطۂ نظر''، ''صحیح نظریات'')

عمومی اعتبار سے اس کا مطلب زندگی کے بارے میں بدھ مت کے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

نقطۂ نظر اور خاص طور سے اس کی تعلیم کردہ چار عظیم سچائیوں کو غیر مشروط طریقے سے مان لینا ہے۔ دوسرے مذاہب کے تعلیم کردہ عقائد، یا بدھ مت کے اپنے نظریات کے علاوہ دوسرے نظریات، اس رکن کے پیش نظر صحیح نقطۂ نظر کے ضمن میں نہیں آتے، اس لئے ان کو ترک کئے بغیر بدھ مت کے مطابق نجات کے راستہ پر پہلا قدم بھی نہیں اٹھایا جا سکتا۔ (اس سے پہلے ''سلسلۂ علّت ومعلول'' کی پہلی کڑی ''جہالت'' کے ضمن میں بھی اس سلسلہ میں بدھ مت کا نقطۂ نظر سامنے آچکا ہے۔) بدھ مت کے اپنے روایتی انداز میں یہ ''چیزوں کو اُسی نقطۂ نظر سے دیکھنا جیسی کہ وہ ہیں''[11]۔ کہلاتا ہے۔

۲۔ سمیک سنکلپ

''سمیک سنکلپ (پالی: سماسنکپا ''صحیح نیّت''، ''صحیح ارادہ''، ''صحیح خیال'') جبکہ پہلے رکن ''صحیح نظریات'' کا مطلب یہ تھا کہ آدمی زندگی کے بارے میں بدھ مت کے نقطۂ نظر (زندگی تمام کی تمام دُکھ ہے، کائنات میں ہر چیز فانی اور کھوکھلی ہے وغیرہ وغیرہ) کو اپنائے، اس دوسرے رکن کا مطلب ہے کہ آدمی اپنے اندر ایسے خیالات اور جذبات کو پرورش دے جو تمام اخلاقی برائیوں مثلاً غصہ، نفرت، لذت پرستی، خودغرضی، تشدد وغیرہ سے پاک اور تمام مخلوقات کے لئے ہمدردی، محبت اور ایثار کے حامل ہوں، یعنی انسان اپنے خیال اور ذہن سے تمام برائیوں کو نکال کر اپنے خیالات کو پاک وصاف کرے کیونکہ یہ انسان کے خیالات و جذبات ہی ہیں جو اس کے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اعمال کی بنیاد بنتے ہیں۔ جیسے کسی کے خیالات ہوں گے ویسے ہی اس کے اعمال ہوں گے۔ اس سلسلے میں بندھ مت میں تمام مخلوقات سے محبت (میترا) عام ہمدردی (کرنا) اور عدمِ تشدد (اہنسا) کو خصوصی اہمیت دی گئی ہے۔''

۳۔ سَمیک واک

''سَمیک واک (پالی: ساماداک، ''صحیح قول''، ''صحیح گفتار'') اس رُکن میں ہر ایسی گفتگو سے بچنا شامل ہے جو کسی طرح بھی شر اور برائی کا سبب ہے۔ چنانچہ جھوٹ کی ہر قسم تو پہلے ہی ''صحیح گفتار'' کے زمرے سے خارج ہو گئی، اس کے علاوہ غیبت، چغل خوری، فضول گوئی، اور ایسی گفتگو جس سے کسی کی دل آزاری ہو وہ بھی ''صحیح گفتار'' کے خلاف سمجھی جائے گی۔ اس کی جگہ نرم گفتاری، راست گوئی، صلحِ کل کا انداز اور موقع ومحل کے لحاظ سے موزوں اور کام کی بات ''صحیح گفتگو'' کے اندر شامل سمجھی جاتی ہے۔''

۴۔ سَمیک کرمانتا

''سمیک کرمانتا (پالی: سماکمانتا، ''صحیح عمل'') اس رکن میں اُن تمام باتوں سے بچنا جو بدھ مت کی اخلاقیات میں منع کی گئی ہیں اور اُن تمام اعمال کو سرانجام دینا جن کا حکم دیا ہے، شامل ہیں۔ اس ضمن میں بدھ مت کے ان پانچ اخلاقی اصولوں (پنچ شیل) کا ذکر مناسب ہے جس کا عہد بدھ مت کے ہر پیرو کو کرنا ہوتا ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

یہ پانچ اصول اس طرح ہیں:

۱۔ کسی جاندار کو نہ مارنا

۲۔ چوری نہ کرنا

۳۔ جنسی بے راہ روی سے بچنا

۴۔ جھوٹ نہ بولنا

۵۔ اور نشہ آور چیزوں کا استعمال نہ کرنا۔

ان میں سے جھوٹ نہ بولنے کا اصول تو ''صحیح گفتار'' سے متعلق ہے۔ لیکن بقیہ چار اصولوں کی سختی سے پابندی ''صحیح عمل'' کا لازمی حصہ ہے۔ اس کے علاوہ ایسے اعمال بھی جو بدھ مت کی پسندیدہ صفات (برہم دہار) سے متعلق ہوں جیسے جانوروں سے ہمدردی کا اسلوب، فیاضی اور خدمتِ خلق کے کام وغیرہ، ''صحیح عمل'' کی ضمن میں شامل سمجھے جائیں گے۔''

۵۔ سَمیک اجیوا

''سَمیک اجیوا (پالی: سما اجیوا، ''صحیح رزق''، ''حلال روزی'') اس رکن میں اپنی محنت سے اور جائز طریقے سے حاصل کی ہوئی روزی سے گزارہ کرنا شامل ہے۔ ظلم و زیادتی، دھوکہ، اور بے ایمانی سے کمائے ہوئے رزق میں اس رکن کی خلاف ورزی ہوگی۔ اسی طرح کوئی ایسا پیشہ جو بدھ مت کی ممنوعہ چیزوں کے فروغ پر قائم ہو ''صحیح روزی'' کے زمرے سے خارج ہوگا۔ اس چیز کو مدِ نظر رکھتے ہوئے گوتم بدھ نے، اپنے زمانے کے مطابق، ان پانچ قسم کے پیشوں سے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کمائی ہوئی روزی کو ناجائز قرار دے دیا تھا۔

۱۔ اسلحہ سازی یا اسلحوں کی خرید وفروخت سے متعلق پیشے

۲۔ جانوروں کی جان لینے اوران کے گوشت اور کھال سے متعلق کاروبار

۳۔ نشہ آور چیزوں سے متعلق کاروبار

۴۔ غلاموں کی خرید وفروخت

۵۔ اورزہریات سے متعلق کاروبار[۱۲]

اس سلسلے میں ایک قابلِ ذکر بات یہ ہے کہ مختلف ذرائع آمدنی اور جائز وناجائز پیشوں کی بحث صرف اُپاسک (دنیا کے کاموں میں شریک) بودھ (بدھ مت کا ماننے والا) کی حد تک ہی محدود ہے۔ بدھ مت کے سادھوؤں (بھکشو) کے لئے تو کسی طرح کا کاروبار اور روزی کمانے کا کوئی طریقہ بھی اختیار کرنا ممنوع ہے۔ بھکشوؤں کو صرف بھیک (بھکشو اور بھیک کی مشابہت قابل غور ہے) پر ہی گزارا کرنا ضروری ہے۔ البتہ بدھ مت کے قوانین نے ایک بھکشو کی ضروریات کو کم سے کم تک محدود کر دیا ہے، یعنی ایک بھکشو کو ۲۴ گھنٹے میں ایک دفعہ دوپہر سے پہلے کھانا، دو جوڑے کپڑے، ایک سر چھپانے کی جگہ اور کچھ دوائیوں کے علاوہ اور کچھ سامان رکھنے کی اجازت نہیں ہے۔ ان چیزوں کی فراہمی عام سماج کے ذمہ ہے اور بھکشو سماج سے مانگ کر اپنی یہ ضرورتیں پوری کرے گا، لیکن اس کے لئے بھیک یا خیرات کے علاوہ کوئی اور کمانے کا ذریعہ اختیار کرنا، ''صحیح روزی'' کے زمرے سے خارج ہو جائے گا۔''

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

۶۔ سَمیک دِیام

"سَمیک دِیام (پالی: سَمادیام، "صحیح کوشش") پسندیدہ جذبات و خیالات کو پیدا کرنے اور ان کو مستقل طور سے اختیار کرنے، نیز ناپسندیدہ جذبات و خیالات کو ابھرنے سے روکنے اور دل ودماغ سے بالکل نکال پھینکنے کے سلسلے میں جو کوشش درکار ہے، وہ "صحیح کوشش" کے نام سے موسوم ہے۔ بدھ مت کے نزدیک پسندیدہ جذبات و خیالات کے سلسلے میں کچھ اشارے اوپر "صحیح خیال" اور "صحیح ارادہ" کے ضمن میں بیان ہو چکے ہیں، مثلاً ہمدردی، محبت، بے غرضی وغیرہ، یہاں مطلوب وہ کوشش ہے جو ان چیزوں کو اپنے اندر پیدا کرنے کے سلسلے میں درکار ہوگی۔ اسی طرح ناپسندیدہ جذبات وخیالات کے ضمن میں بدھ مت کے نزدیک نفسانی خواہشات، نفرت اور دنیاوی چیزوں کے بارے میں دھوکہ میں پڑے رہنے، سرفہرست آتے ہیں۔ ان چیزوں کا دل ودماغ سے بالکل نکل جانا، بدھ مت کی اخلاقی تربیت کا مقصود ہے اس لئے "صحیح کوشش" پر اصرار کرنے سے مطلب یہ ہے کہ ان جذبات کو مستقل طور سے ختم کرنے کی کوشش ہونی چاہیے، اور جب تک اس میں کامیابی نہیں ہورہی ہے اس وقت تک ان کو ابھرنے سے روکنا یا اگر اُبھریں تو ان کو زائل کرنے کی کوشش ہونی چاہیے۔"

۷۔ سَمیک سِمرِتی

"سَمیک سِمرِتی (پالی: سَماستی، "صحیح ہوشیاری") "ہشت پہلو راستہ"

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کے اس ساتویں رکن کا مطلب ہے غفلت اور لا پرواہی سے بچنا، یعنی انسان کو ہر وقت اور ہر حالت میں اپنے خیالات، جذبات، حرکات و سکنات، نشست و برخاست، گفتگو اور مختلف اعمال میں، اپنے ہوش و حواس کو یکسو اور اپنے اعمال و خیالات کی طرف متوجہ رکھنا چاہیے۔ اس مسلسل نگرانی اور غفلت و لا پرواہی سے محفوظ رہتے ہوئے ہی انسان دوسرے مذکورہ بالا اخلاقی اصولوں کی پابندی کر سکتا ہے، ورنہ بے سوچے سمجھے اور اضطراری افعال کے نتیجہ میں وہ غلطیوں کا شکار ہوتا رہے گا۔ انسان کے تمام افعال، گفتگو اور خیالات کا سوچ سمجھ کر اور پورے ہوش اور توجہ کے ساتھ سرانجام پانا ہی ''صحیح ہوشیاری'' پر عمل کرنا شمار ہوگا۔''

۸۔ سَمیک سمادھی

''سمیک سمادھی (پالی: سما سادھی، ''مراقبہ'') مراقبہ یا سمادھی، بدھ مت کی سب سے اہم عبادت ہے۔ گوتم بدھ کو نروان مراقبہ میں ہی حاصل ہوا اور ان کے پیروؤں کے لئے بھی بغیر ''صحیح مراقبہ'' کے نروان تک پہنچنا ممکن نہیں ہے۔ اگرچہ ''ہشت پہلو راستہ'' میں اس سے پہلے سات ارکان کا ذکر کیا جا چکا ہے اور بدھ مت میں اخلاقیات کے مزید تفصیلی احکام موجود ہیں، لیکن ان کی حیثیت معاونِ اسباب کی ہے کہ ان کی غیر موجودگی میں ''صحیح مراقبہ'' کسی طرح ممکن نہیں ہوسکتا۔ یعنی ''صحیح مراقبہ'' کو بخوبی حاصل کرنے کے لئے انسان کو پہلے اخلاقی لحاظ سے بالکل درست اور پاک

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہونا ہوگا، لیکن ''صحیح مراقبہ'' وہ براہِ راست سبب ہے جو نروان کے حصول کو ممکن بناتا ہے اور جب بھی کسی کو نروان حاصل ہوگا ''صحیح مراقبہ'' کی ہی کیفیت میں حاصل ہوگا۔''

مراقبہ

مراقبہ جس کے لئے ہندوستانی مذاہب سمادھی کی اصطلاح استعمال کرتے ہیں، عبارت ہے تمام ذہنی قوتوں کی یکسوئی اور کسی ایک نقطہ یا موضوع پر اُن کی مرکوزیت سے، جس طرح سورج کی کرنیں جب آتشی شیشہ سے گزر کر ایک نقطہ پر سمٹ جاتی ہیں تو ان کی ملی جلی قوت عام کرنوں سے بدرجہا بڑھ جاتی ہے اور وہ کاغذ کے ٹکڑے یا کپڑے کو جلا سکتی ہیں، اسی طرح جب انسان کی ذہنی قوتیں، قوت فکر و تصور کسی ایک موضوع یا نکتہ پر مرکوز ہو جاتی ہیں تو ان کی صلاحیتوں میں کئی گناہ اضافہ ہو جاتا ہے، اور وہ حقائق کی ان تہوں کو اپنی چشم بصیرت سے دیکھ سکتی ہیں جو عام حالات میں انسان کے ذہن و فکر کی گرفت میں نہیں آتیں۔

مراقبہ یا سمادھی میں خیال و فکر کی مرکوزیت میں جتنا اضافہ اور استقلال پیدا ہوتا جائے گا اس کی بصیرت اور رسائی اتنی ہی بڑھتی جائے گی۔ ہندوستانی روایات میں عام حالات میں انسان کے خیال اور فکر کی بے قراری کی مثال ایک پاگل بندر کی مضطربانہ حرکات سے دی گئی ہے جس کو کسی بچھو نے کاٹ کھایا ہو۔ اس طرح کی پریشان خیالی سے صرف حقائق کی سطحی گرفت ہی ممکن ہو سکتی ہے۔ جب کہ مراقبہ یا سمادھی کی انتہائی صورت میں قوت خیالی و فکر کی مثال تیل کی اس مسلسل دھار سے دی گئی ہے جو کہ ایک برتن سے دوسرے برتن میں ڈالا جا رہا ہو، یہی وجہ ہے کہ دنیا کے تمام مذاہب میں کسی نہ کسی صورت میں اور کسی نہ کسی درجہ میں، توجہ اور فکر کی یکسوئی یا مراقبہ اور سمادھی کا التزام رکھا گیا ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بدھ مت میں مراقبہ یا سمادھی دکھوں سے نجات دلانے اور نروان تک پہنچانے والے ''ہشت پہلو راستہ'' کے آخری رُکن کی حیثیت سے مذکور ہے۔ البتہ بدھ مت میں اس کی اہمیت کے پیش نظر بدھ روایت میں مراقبہ کی مختلف اقسام، اس کے مختلف مدارج اور ''صحیح مراقبہ'' میں معاون یا حائل چیزوں، نیز اُن کے نتائج سے متعلق خاصی تفصیلات ملتی ہیں اس سلسلے میں ایک قدیم مصنف بدھ گھوش کی تصنیف وشدھی ماگا کو کلاسیکی اہمیت حاصل ہے۔ اس مصنف کے مطابق ''صحیح مراقبہ'' کے لئے ایسے چالیس موضوعات ہیں، جو کہ خود مہاتما بدھ نے مختلف اوقات میں مختلف لوگوں کے طبائع کا خیال رکھتے ہوئے بتائے ہیں اور یہ بدھ مت کی مقدس کتابوں میں بکھرے ہوئے ملتے ہیں[۳۱]۔

ہر شخص اپنے مزاج اور طبیعت کے مطابق ان میں سے کوئی ایک یا مختلف اوقات میں مختلف موضوعات اپنے مراقبہ کے لئے چن سکتا ہے۔ بہر حال کسی موضوع پر بھی ''صحیح مراقبہ'' شروع کرنے سے قبل ہر شخص کو اس راہ میں حائل پانچ رکاوٹوں کو (کم از کم عارضی طور سے) دور کرنا اور ان کی متضاد پانچ کیفیات کو اپنے اندر پیدا کرنا ہوگا۔ ''صحیح مراقبہ'' کی راہ میں حائل پانچ رکاوٹیں (پوارنا) یہ ہیں:

۱۔ نفسانی خواہش

۲۔ عداوت اور بُغض

۳۔ سستی اور کاہلی

۴۔ فکر اور دماغی پریشانی

۵۔ شک اور بے یقینی

ان کی جگہ انسان کو ان کی متضاد کیفیات:

۱۔ قلبی اطمینان

۲۔ محبت آمیز مسرّت

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

۳۔ چستی اور ہوشیاری

۴۔ ذہنی سکون اور خوشی

۵۔ ایمان اور یکسوئی پیدا کرنی ہوں گی [14]

ان صفات سے متصف ہو کر سالک اب "صحیح مراقبہ" کے لئے تیار ہے اور وہ کوئی ایک موضوع اپنے لئے چن کر جس کے لئے وہ ابتدا میں کوئی ظاہری شے مدد کے لئے منتخب کر سکتا ہے، اپنا مراقبہ شروع کر دے گا روایتی اعتبار سے "صحیح مراقبہ" کی مکمل کیفیت تک پہنچنے میں تین مدارج سے گزرنا ہوگا جن کی اپنی اپنی صفات اور کیفیات ہیں۔ ان تینوں مدارج سے گزر کر سالک "صحیح مراقبہ" کی مکمل کیفیت تک پہنچے گا۔ جو پہلا "دھیان" (پالی: جھان) کہلاتی ہے۔ پہلے دھیان کے بعد دوسرے تیسرے اور پھر چوتھے دھیان کی منزلیں ہیں۔ جن کی اپنی اپنی خصوصیات ہیں۔

مراقبہ یا سمادھی میں چوتھے دھیان کی منزل تک پہنچنے کے بعد وہ بصیرت پیدا ہو جاتی ہے جو حقائق کو ان کی اصلی نوعیت میں دیکھ سکتی ہے اور جس کو بدھ مت کی اصطلاح میں وپاسنا بھاونا یا "چشم حقیقت بیں" کہا جاتا ہے۔ اس صورت میں فکر کو وجود کی حقیقت کی طرف متوجہ کرنے سے بدھ مت کی بتائی ہوئی "وجود" کی تین بنیادی صفات یعنی یہ کہ:

۱۔ تمام وجود فانی ہے۔

۲۔ تمام وجود دُکھ ہے۔

۳۔ اور تمام وجود کسی مستقل عنصر سے عاری (کھوکھلا) ہے۔

ایک حقیقت بن کر سالک کے سامنے عیاں ہو جاتی ہیں۔ طلسم وجود کی حقیقت پورے طور پر اس طرح عیاں ہو جانے سے وہ تمام بیڑیاں جو وجود کے سلسلے میں غلط فہمیوں کی وجہ سے پیدا ہوتی ہیں اور جو انسان کو جنم مرن کے اس ازلی و ابدی چکر میں گرفتار کئے ہوئے ہیں، ہمیشہ ختم ہو جاتی ہیں اور انسان نروان حاصل کر لیتا ہے [15]۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

یہاں اس طرف اشارہ کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اگر چہ مراقبہ یا سمادھی کے مندرجہ بالا مدارج ان کی ترتیب اور اس کے نتیجے میں پیدا ہونے والی ''چشم حقیقت بیں'' بدھ مت کے تمام ماننے والوں کے نزدیک مستند طور پر گوتم بدھ سے ثابت اور متفق علیہ ہے۔لیکن بعد میں بدھ مت کے بعض ایسے فرقے پیدا ہوئے جو ''چشم حقیقت بیں'' کے حصول کے لئے مندرجہ بالا ترتیب کی لازمی پابندی کو ضروری نہیں مانتے۔اس سلسلے میں مہایان فرقے کی بعض شاخوں مثلاً زین بدھ مت نے کسی صدمہ یا کسی شدید لمحاتی تاثر کے نتیجے میں ''چشم حقیقت بیں'' کے اچانک اور غیر متوقع حصول کا نظریہ پیش کیا ہے۔عموی اعتبار سے بھی مہایان فرقے میں گوتم بدھ کے بتائے ہوئے اصولوں کی سرِ مو اور لفظی پابندی سے آزادی کا رجحان ملتا ہے، اور اصولوں کی ظاہری شکل سے زیادہ ان کی روح سے وفاداری کا خیال رکھا جاتا ہے۔

نروان

بدھ مت میں نروان مذہبی زندگی کا مقصود ہے۔گوتم بدھ زندگی کے مسئلہ کا جو شافی وکافی حل تلاش کر رہے تھے وہ انہیں پیپل کے پیڑ کے نیچے مراقبہ کی حالت میں نروان کی صورت میں ملا۔گوتم بدھ کے جو بیانات اور بعد کے بودھ مصنفین کی جو تشریحات اس سلسلے میں ملتی ہیں ان سب میں اس چیز پر خاص زور دیا گیا ہے کہ نروان ایک ایسی حالت ہے جو عام ذہنی سانچوں سے بالاتر ہے اور چونکہ وہ ذہن کی گرفت سے آزاد ہے اس لئے اس کی حقیقت کا بیان ناممکن ہے۔[16]

اس کے باوجود چونکہ گوتم بدھ کو اپنا پیغام عوام تک پہنچانا اور ان کو یہ بتانا تھا کہ نروان ہی میں انسان کو دُکھوں سے مکمل چھٹکارا اور ابدی مسرت حاصل ہوسکتی ہے، اور وہی انسان کا حقیقی مطلوب ہوسکتا ہے، اس لئے عام ذہنی سانچوں سے مستعار مختلف تعبیرات کا

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

استعمال ناگزیر ہو گیا۔ البتہ اس حقیقت کے پیشِ نظر کہ نروان کی تشریح کے لئے جو استعارات اور تشبیہیں مستعمل ہیں وہ زیادہ تر منفی نوعیت کی ہیں، یعنی بجائے یہ بتانے کے کہ نروان خود کیا ہے، اور اس طرح اس کو محدود ذہنی سانچوں میں مقید کرنے کے یہ بتانے کی کوشش کی گئی ہے کہ نروان کیا نہیں ہے، اور اس طرح معلوم حقیقتوں کی نفی کر کے نروان کی اپنی ماورائی حقیقت کو واضح کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ چنانچہ ایک جگہ نروان کی حقیقت گوتم بدھ کے الفاظ میں اس طرح ظاہر کی گئی ہے:

> ''بھکشوؤ! ایسی ایک کیفیت موجود ہے جہاں نہ تو خاک ہے نہ پانی، نہ آگ ہے نہ ہوا، نہ لا مکانیت ہے نہ شعور کی لامحدودیت، نہ تو عدمِ شعور ہے وہاں اور نہ غیر عدمِ شعور، نہ تو یہ دنیا ہے اور نہ دوسری دنیا، نہ سورج ہے وہاں اور نہ چاند، اور ہاں بھکشوؤ! میں کہتا ہوں وہاں نہ آنا ہے اور نہ جانا، نہ ٹھہرنا ہے نہ گزر جانا اور نہ وہاں پیدا کرنا ہے۔ بغیر کسی سہارے، کسی حرکت یا کسی بنیاد کے ہے یہ۔ بے شک یہی دُکھوں کا خاتمہ (نروان) ہے [47]''

نروان کی تشریح کے لئے یہی منفی رویہ جس سے کہ نروان کا تنزیہی اور اس دنیا سے الگ ایک حقیقت ہونے کا پہلو واضح ہوتا ہے، بدھ مت کا غالب رجحان رہا ہے۔ چنانچہ بدھ مت کی ادبیات میں نروان کے لئے بیشتر منفی تعبیرات کا استعمال ہی عام رہا ہے، جیسے ''غیر مخلوق''، ''غیر مرکب''، ''دوسرا کنارہ''، ''لافانی''، ''غیر متعلق''، ''لامحدود''، ''عظیم چھٹکارا''، ''رہائی''، ''عدم جذباتیت [48]'' وغیرہ لیکن اس سے یہ سمجھنا کہ نروان مثبت خصوصیات سے عاری عدمِ محض کا نام ہے، ایک بہت بڑی غلط فہمی ہو گی۔ اس حقیقت سے قطع نظر کہ گوتم بدھ کے مختلف بیانات میں اس امر کی وضاحت کی کوشش ملتی ہے کہ عدم اور وجود کے ذہنی سانچے بھی ہمارے دنیاوی تجربوں کی دین ہیں، اس لئے ہم نروان کو جو کہ

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

ایک بالاتر حقیقت ہے، ان پیمانوں سے ناپ سکتے، بدھ مت کی ادبیات میں نروان کی مثبتِ صفات کا تذکرہ بھی کہیں کہیں مل جاتا ہے۔

مثال کے طور سے ستانپاتا میں مذکور ایک برہمن کپا کے جواب میں کہ دُکھ اور موت کے اس سیلاب میں کہیں کوئی محفوظ مقام بھی ہے؟ گوتم بدھ کا مندرجہ ذیل بیان نروان کی مثبت تشریح کے ضمن میں سمجھا جانا چاہیے:

''خوفناک سیلاب میں ندی کے بیچوں بیچ،
موت اور بے ثباتی کے مارے ہوؤں کے لئے،
میں تمہیں ایک جزیرہ کا پتہ دیتا ہوں، کپا!
(مہاتما نے کہا) میں ایک جزیرہ کے بارے میں تمہیں بتاتا ہوں،
جہاں ان میں سے کوئی چیز موجود نہ ہوگی۔
اپنے پاس کچھ بھی نہ رکھنا (مکمل فقر) اور ہر چیز سے بے تعلق ہو جانا۔
یہی ہے وہ جزیرہ، وہ لاثانی جزیرہ،
یہی ہے موت اور بے ثباتی کا خاتمہ۔
میں اسے نروان کے نام سے پکارتا ہوں، کپا! (مہا آتما نے کہا) یہی وہ جزیرہ ہے[19]''

گوتم بدھ کی اس طرح کی تمثیلات کے علاوہ بُدھ روایت میں نروان کے لئے مختلف مثبت استعارے جیسے ''محفوظ کنارہ''، ''مسرت کا ٹھکانہ''، ''آسانی کا گھر''، ''شہرِ مقدس''، ''ہر دُکھ کا علاج''، ''حقیقت کبریٰ''، ''مسرت اعلیٰ''، ''قدوس''، ''مستقل باللذات''، ''ازلی و ابدی''، بھی پالی تری پیٹیکا (ہنایان بُدھ مت کی مقدس کتابیں) میں بکھرے ہوئے مل جاتے ہیں[20]۔

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

بہر حال نِروان کی تشریح کے لئے مثبت تمثیلات ہوں یا منفی رویہ، دونوں طریقوں سے بدھ مت میں اس حقیقت کو واضح کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ نِروان میں ہی انسان کے تمام دُکھوں اور زندگی کے مسئلہ کا مکمل اور کافی وشافی حل مل سکتا ہے۔ اس کے لئے مجھم نکائے میں مذکور گوتم بدھ کے مندرجہ ذیل الفاظ بدھ مت کے ماننے والوں کے لئے قطعی سند رکھتے ہیں:

''پیدائش، بڑھاپا، بیماری، دُکھ اور عیبوں کا مجموعہ ہوتے ہوئے، اور ان چیزوں کا شکار جو بھی اشیا ہیں ان کا خطرہ محسوس کرتے ہوئے، میں نے اُس کی تلاش شروع کی جو کہ غیر مخلوق، غیر تغیر پذیر، نِروگ، بے غم، بے عیب اور ہر پابندی سے آزاد اور محفوظ ہے۔ یعنی نِروان اور میں نے اس کو پالیا[1]۔''

بدھ مت کی اشاعت اور نشو ونما

اپنی عمر کے پینتیسویں سال میں نِروان حاصل کرنے کے بعد گوتم بدھ نے اپنی بقیہ زندگی اپنے دریافت کردہ نجات کے راستے، اور زندگی کے بارے میں اپنے نظریات کی تبلیغ و اشاعت میں گزار دی، اس دوران انہوں نے شمالی ہندوستان اور خاص طور پر اس کے مشرقی حصہ میں، اپنے ماننے والوں کا ایک بڑا حلقہ پیدا کر لیا تھا۔ ان کے ماننے والوں میں اکثریت ایسے لوگوں کی تھی جنہوں نے اُپاسک کی حیثیت سے، یعنی زندگی کے کاروبار میں حصہ لیتے ہوئے، گوتم بدھ کی تعلیمات پر چلنے کا عہد کیا تھا۔ لیکن ایک بڑی تعداد ایسے افراد کی بھی تھی جنہوں نے گوتم بدھ کے اتباع میں دنیا سے اپنا ناتہ بالکل توڑ کر اپنے آپ کو مکمل طور سے نِروان حاصل کرنے کے لئے وقف کر دیا تھا۔

بدھ مت کی اصطلاح میں اس دوسری قسم کے لوگ بھکشو کہلائے، اور ان کی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

جماعت کو، بحیثیت مجموعی، سنگھ کے نام سے یاد کیا گیا۔ پینتالیس سال تبلیغ اور رُشد و ہدایت کی زندگی گزارنے کے بعد، جب ۴۸۳ ق۔م میں گوتم بدھ کا انتقال (پری نروان) ہوا تو بدھ مت کی آئندہ تبلیغ اور اشاعت کا کام بھکشوؤں کی اسی جماعت، 'سنگھ' کی ذمہ داری قرار پائی۔

گوتم بدھ کی تعلیمات کو محفوظ رکھنے اور بدھ مت کی آئندہ نشو و نما کو متعین کرنے کے سلسلے میں سب سے پہلا کام جو سنگھ نے کیا وہ گوتم بدھ کے انتقال کے فوراً بعد پہلے بدھ ''اجماع'' کا انعقاد تھا۔ اس ''اجماع'' کا مقصد گوتم بدھ کے تمام بزرگ بھکشو شاگردوں کی موجودگی میں گوتم بدھ کی تعلیمات کو یکجا کر لینا اور اس پر سبھی کے اتفاق رائے کو حاصل کر لینا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے اور اس کی طرف بعض بدھ کتابوں میں اشارے بھی ملتے ہیں، کہ گوتم بدھ کے انتقال کے بعد ان کے بعض شاگردوں نے ان کی تعلیمات کے سلسلے میں ذاتی آرا اور بدھ مت کی آئندہ بقا کے سلسلے میں اپنے شکوک کا اظہار شروع کر دیا تھا[۲۲]۔

بہر حال، قدیم ہندوستان کے ماحول میں، جہاں مختلف مکاتیب فکر اور مختلف مذہبی فرقوں کی منظم روایات موجود تھیں، گوتم بدھ کے شاگردوں کے ذہن میں اپنے استاد کی تعلیمات کو یکجا اور محفوظ کر لینے کا خیال کچھ ایسا دور از کار نہ تھا۔ چنانچہ گوتم بدھ کے ایک پرانے اور باعزت شاگرد مہا کشپا کی زیرِ صدارت، اور ریاست مگدھ کے راجہ اجات شترو کی زیر سرپرستی مگدھ کی راجدھانی راج گرہا میں بدھ مت کا یہ ''پہلا اجماع'' منعقد ہونا طے پایا۔

بدھ روایات کے مطابق اس میں پانچ سو منتخب بھکشوؤں نے حصہ لیا، اور مہا کشپا کے علاوہ اُپالی اور آنند نامی گوتم بدھ کے بہت مقرب شاگردوں نے ''اجماع'' کی کارروائی میں نمایاں کردار ادا کیا۔ اس ''اجماع'' کے نتیجہ میں جہاں ایک طرف گوتم بدھ کی تعلیمات میں وِنایا (شرعی قوانین) اور دھما (دینیات) کے حصے مرتب کر دیئے گئے، وہاں سنگھ نے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

مذہبی معاملات میں اپنے مختار اعلیٰ ہونے کا ثبوت دیتے ہوئے بعض بھکشوؤں پر لگائے گئے الزامات سے متعلق فیصلہ بھی کیا۔ اس طرح گوتم بدھ کے انتقال کے فوراً بعد ان کی تعلیمات کے مرتب ہو جانے اور ان کی جگہ اجتماعی حیثیت سے سنگھ کے ہاتھ میں بدھ مت کی مذہبی رہنمائی آ جانے سے بدھ مت کا آئندہ مستقبل محفوظ ہو گیا۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس کے بعد سنگھ کی رہنمائی میں بدھ مت ہندوستان میں موجود دوسری مذہبی روایات، مثلاً برہمنی مت، جین مت اور اجیوکا کی طرح ایک مخصوص مذہبی فرقے کی حیثیت سے پھلتا پھولتا رہا اور ان روایات کے درمیان عوام میں اپنی مقبولیت کو زیادہ سے زیادہ بڑھانے کے لئے جو مقابلہ چل رہا تھا، اس میں برابر کا شریک رہا۔ بہرحال گوتم بدھ کے پری نروان (انتقال) کے سو سال بعد ویشالی (بنارس) میں منعقد ہونے والے بدھ مت کے دوسرے ''اجتماع'' میں، ملک کے دور دراز مقامات سے بڑی تعداد میں بھکشوؤں کی شرکت یہ ظاہر کرتی ہے کہ اس مدت میں بدھ مت نے اپنے دائرۂ اثر کو کافی وسیع کر لیا تھا۔

بدھ مت کے حلقۂ اثر کے وسیع ہونے اور اس کی مقبولیت میں اضافہ ہونے کے ساتھ ساتھ سنگھ میں اختلافات کے آثار ظاہر ہونے لگے۔ بھکشوؤں کے ایک طبقے میں تو روایت پرستی، کٹرپن اور شرعی قوانین کی لفظی پابندی پر زور تھا۔ لیکن انہیں میں ایک دوسرا طبقہ ایسا تھا جو گوتم بدھ کے نافذ کئے ہوئے ان مذہبی قوانین کی روح کو زیادہ اہمیت دیتا تھا، اور حالات کے تقاضے کے تحت بعض قوانین میں جزوی ترمیم و تبدیلی میں کوئی حرج نہیں سمجھتا تھا۔ دوسرے لفظوں میں یہ کہ یہ دوسرا طبقہ ''اجتہاد'' کا قائل تھا۔ درحقیقت بدھ سنگھ میں انہیں دو طبقات، ایک روایت پسند اور دوسرے آزاد خیال، کی باہمی کشمکش اور دونوں کا اپنے اپنے نقطہ نظر کو اصلی بدھ مت کہنے پر اصرار ہی بدھ مت کے دوسرے ''اجتماع'' کے انعقاد کا سبب ہوا۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اس دوسرے "اجتماع" کے نتیجہ میں جہاں روایت پرستوں نے اپنے نقطۂ نظر کی بالا دستی کو تسلیم کرالیا اور آزاد خیال بھکشوؤں پر الحاد کا فتویٰ صادر کرانے میں کامیابی حاصل کر لی، وہاں آزاد خیالوں نے اپنا الگ ایک بہت بڑا "اجتماع" کر کے بدھ مت میں ایک نئے فرقہ کی بنیاد ڈال دی۔ بُدھ مت کی تاریخ میں پہلا یعنی روایت پرستوں کا طبقہ، استھاویرا وادِن اور دوسرا، یعنی آزاد خیال طبقہ، مہاسنگھکا کہلایا۔ بعد کی تاریخ میں اگرچہ ہر دو طبقات متعدد مزید نئے فرقوں میں بٹ گئے، لیکن ان میں جو فرقے اپنے مکتب فکر کے حقیقی ترجمان کی حیثیت سے پھلے پھولے اور اس وقت تک زندہ مذہبی روایات کی حیثیت سے موجود ہیں، وہ روایت پسندوں میں تھیراوادیا ہنایان اور آزاد خیالوں میں مہایان فرقے ہیں۔

۳۸۳ق۔م کے لگ بھگ منعقد ہونے والے بدھ مت کے دوسرے "اجتماع" کے بعد تقریباً سو سال تک کے حالات نسبتاً تاریکی میں ہیں، البتہ یہ قیاس کیا جا سکتا ہے کہ دوسرے "اجتماع" کے بعد ہندوستان میں بدھ مت کی نشوونما مذکورہ بالا دونوں فرقوں کی الگ الگ کوششوں کے نتیجہ میں، دو الگ نہجوں پر شروع ہوگئی ہوگی۔ اس کے بعد جب بدھ مت کی تاریخ پر سے پردہ ہٹتا ہے تو ہندوستان ایک سلطنت کی حیثیت سے مستحکم ہو چکا ہوتا ہے اور اس کے تخت پر ہندوستان کا عظیم بادشاہ اشوک براجمان ہوتا ہے۔ بدھ مت کی ترقی اور اس کی اشاعت میں اشوک نے ایک مرکزی کردار ادا کیا ہے اور اس کی کوششوں کے نتیجہ میں بدھ مت ہندوستان میں رائج ایک مذہبی فرقہ کی حیثیت سے ترقی کر کے ایک بین الاقوامی مذہب بن گیا۔

اشوک جو موریہ خاندان کا تیسرا بادشاہ تھا، ۲۷۰ق۔م میں تخت نشین ہوا۔ وہ اپنے ابتدائی دورِ حکومت میں موریہ خاندان کی پرانی جنگجوئی اور توسیعِ حکومت کی پالیسی پر قائم رہا۔ اپنی حکومت کے آٹھویں سال میں ہندوستان کی ایک دوسری ریاست سے ایک خون

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ریز جنگ کے نتیجہ میں اس کا دل جنگجوئی کی پالیسی سے پھر گیا اور وہ قلبی طمانیت کی تلاش میں مذہب کی طرف راجع ہوا، کچھ عرصہ بعد اشوک نے تشدد کے خلاف اپنے ردّعمل کے نتیجے میں بدھ مذہب اختیار کر لیا جو کہ اس وقت ہندوستان میں ایک ابھرتا ہوا مذہب تھا اور اپنے اندر اہنسا (عدم تشدد) کا ایک با قاعدہ نظریہ رکھتا تھا۔ بدھ مت اختیار کر لینے کے بعد جہاں اشوک نے عمومی اعتبار سے ہندوستان کے عوام میں مذہبی اور اخلاقی اقدار اور رواداری کے اس جذبہ کے فروغ کے لئے کوششیں کیں، وہاں اس نے بدھ مذہب کی ترقی اور اشاعت کے لئے خصوصی طور سے اقدامات کیے، اشوک کی زیر سرپرستی بدھ مت کو حکومت کی طرف سے بہت سی ایسی مراعات حاصل ہوئیں جن سے وہ اب تک محروم تھا۔ اشوک کے عطا کردہ انعامات اور جاگیروں کے نتیجہ میں بدھ سنگھ بہت خوش حال ہو گیا۔ بھکشوؤں کے لئے متعدد نئی خانقاہیں (دیار) قائم ہو گئیں۔

ممتاز بھکشوؤں کو شاہی تقرب اور دربار میں رسوخ حاصل ہوا اور بدھ سنگھ میں بھکشوؤں کی تعداد میں غیر معمولی اضافہ ہوا۔ اشوک نے جگہ جگہ بدھ مت کی تاریخ سے وابستہ مقدس مقامات پر عمارتیں بنوائیں اور کتبے نصب کرائے اور اس طرح ہندوستان میں بدھ مت کی ظاہری حالت کو بہت مستحکم کر دیا۔ اس کے ساتھ ساتھ معنوی اعتبار سے بھی بدھ مت کی خدمت کے لئے اس نے ممتاز بھکشوؤں کے مشورے سے اپنی راجدھانی پاٹلی پتر (پٹنہ) میں بدھ مت کے تیسرے ''اجتماع'' کا اہتمام کیا۔ اس ''اجتماع'' کا مقصد جہاں بدھ سنگھ میں دَر آئی ہوئی .... بدعات کا قلع قمع کرنا تھا۔ وہاں اس کا یہ مقصد بھی تھا کہ ایک بار پھر بدھ مت کی تعلیمات کو اُن کی خالص شکل میں مرتب کر کے محفوظ کر لیا جائے۔

چنانچہ اس وقت کے ممتاز ترین بھکشو تیسا موگالی پتا کی زیر صدارت یہ تیسرا ''اجتماع'' منعقد ہوا جس میں تقریباً ایک ہزار بھکشوؤں نے حصہ لیا۔ اس کے نتیجہ میں تمام بدعات اور ان پر عمل پیرا بھکشوؤں کو بدھ سنگھ سے خارج کر دیا گیا۔ اور متفق علیہ خالص

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

تعلیمات کو تین مجموعوں میں مرتب کرلیا گیا۔ یہی مجموعے آج تیری پٹیکا کے نام سے ہنایان یا تھیراداد بدھ مت کی مقدس کتابیں ہیں۔ ایک اور مقصد جو اس ''اجتماع'' کے نتیجے میں حاصل ہوا اور جو بدھ مت کے ایک بین الاقوامی مذہب بننے کی طرف ایک اہم اقدام ثابت ہوا، یہ تھا کہ اس ''اجتماع'' کے بعد ہندوستان کے اندر اور بیرونی ممالک میں بدھ مت کی تبلیغ کے لئے مختلف جماعتیں روانہ کی گئیں۔ شمالی ہندوستان میں کشمیر، گندھار (افغانستان) اور ہمالیہ کی پہاڑی ریاستوں کے علاوہ مغربی ہندوستان اور جنوبی ہندوستان کی مختلف ریاستوں میں بھی مبلغین کی جماعتیں بھیجی گئیں۔

بیرونی ممالک میں جنوب میں لنکا اور جنوب مشرق میں ہندچین، ملایا اور سماترا کے علاوہ یونان، مصر، شام اور شمالی افریقہ تک کی بستیوں کے نام اشوک کے کتبوں میں ملتے ہیں جہاں کہ اس نے مبلغین کی جماعتیں روانہ کیں۔ لنکا کی تبلیغی جماعت میں خود اشوک کا لڑکا مہیندر اور بیٹی سنگھ مترا شامل تھی[۲۳]۔ بدھ مت کی تبلیغ کے سلسلے میں اشوک کی کوششوں سے اس مذہب کے جو ترقی حاصل ہوئی اس کا اندازہ اس بات سے ہوسکتا ہے کہ اشوک کے بعد کے متعدد بدھ آثار اس کی شہادت دیتے ہیں کہ اس دور میں ہندوستان کے مختلف علاقوں میں بدھ مت عوام کا مذہب بن گیا تھا، اور اس کی حیثیت اب ہندوستان میں ایک محدود فرقہ سے بڑھ کر ایک بااثر اور طاقتور مذہبی روایت کی ہوگئی تھی۔

بیرونی ممالک میں اشوک کی تبلیغی کوششوں کا سب سے نمایاں اثر سری لنکا اور افغانستان میں ہوا۔ لنکا تو آج ایک اہم بودھ ملک ہے، لیکن افغانستان صدیوں بدھ مت کے زیر اثر رہ کر اور بدھ مت کی مذہبی روایت کو وسطِ ایشیا اور پھر وہاں سے چین تک پہنچا کر بعد میں دوسری مذہبی روایات، یعنی پہلے ہندو مت اور پھر اسلام کے زیر اثر آ گیا۔

بدھ مت کے حلقہ اثر کے مزید وسیع ہونے اور اس کے ایشیا کے ایک بڑے حصہ پر چھا جانے کی داستان سے پہلے، مناسب ہوگا اگر ہم اس کے مذہبی اور فکری ارتقا پر ایک نظر

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ڈال لیں۔ بدھ سنگھ میں روایت پسندوں اور آزاد خیالوں کی باہمی کش مکش نے جن دو بڑے فرقوں یعنی استھاویراوادن اور مہاسنگھکا کو جنم دیا تھا اس کے بارے میں ہم اوپر ذکر کر چکے ہیں۔ ان میں سے پہلے فرقہ کی ایک شاخ ہنایان، جو کہ اپنے مکتب فکر کی واحد ترجمان کی حیثیت سے زندہ رہی، آج بھی سری لنکا، برما، ہندچین، ویتنام، تھائی لینڈ اور کمبوڈیا میں بدھ مت کی صحیح تعبیر کے طور پر پھل پھول رہی ہے۔

اس مکتب فکر کی تعلیمات وہی ہیں جو اس سے پہلے ہم بدھ مت کی بنیادی تعلیمات کے ذیل میں بیان کر چکے ہیں، اس لئے یہاں ان کو دہرانے کی ضرورت نہیں ہے، البتہ آزاد خیالوں کے ترجمان مہایان فرقہ نے بعد کی صدیوں میں مذہبی اور فکری دونوں اعتبار سے غیر معمولی ترقی کی۔ اس سلسلے میں یہ پہلو ملحوظِ خاطر رہنا چاہیے کہ مہایان ہنایان فرقہ کی تسلیم کردہ، یا یوں کہنا چاہیے کہ بدھ مت کی بنیادی تعلیمات اور تصورات کی تردید نہیں کی، بلکہ ان بنیادی تعلیمات کو تسلیم کرتے ہوئے ان کی ایسی نئی نئی تشریحات اور تعبیرات کیں، اور ہنایان سے الگ، بدھ تعلیمات کے دوسرے پہلوؤں پر اس طرح زور دے کر اُن کو اُن کے منطقی نتائج تک پہنچایا، کہ تھوڑے عرصے ہی میں ہنایان اور مہایان میں نمایاں فرق پیدا ہو گیا۔ ہنایان اور مہایان کا یہ فرق، وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اس لئے اور بڑھتا چلا گیا کہ ہنایان اپنے مقلدانہ اور جامد نقطۂ نظر کی بنا پر ہر طرح کی فکری اور مذہبی نشو ونما سے عاری رہا، جب کہ مہایان نے اپنے فکری اور مذہبی ارتقا پر کسی طرح کی پابندیاں نہیں گوارا کیں۔

فلسفیانہ اعتبار سے گوتم بدھ کی تعلیمات کی نت نئی تفسیروں اور اُن کی بنیاد پر مختلف مکتب فکر کے قیام میں اپنے آپ کو آزاد سمجھنے کے علاوہ، مہایان کی نشو ونما میں، اس کی مذہبی لچک اور حالات کے ساتھ سمجھوتہ کے رویہ نے بھی بہت اہم کردار ادا کیا۔ بدھ مذہب کی عوام میں بڑھتی ہوئی مقبولیت کے ساتھ ساتھ عوامی روایات اور رجحانات کا خود بدھ مذہب

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

پر اثر پڑنا ناگزیر تھا، بلکہ یوں کہنا زیادہ صحیح ہوگا کہ مہایان کا عوامی طبائع کے مدنظر، بدھ مت میں نئے تصورات اور رجحانات کو ترقی دینا اور عوام میں بدھ مت کی مقبولیت، ایک ہی تصویر کے دو رُخ اور ایک ہی عملِ ارتقا کے دو مختلف پہلو تھے۔ اب آیئے اُن چند اہم تعلیمات کو دیکھیں جن میں مہایان نے ہنایان سے الگ ہٹ کر نئی منزلیں طے کیں۔

بھگتی کا رجحان

بنیادی اعتبار سے بدھ مت ایک فلسفیانہ مذہب تھا جس میں عقلیت اور تجزیاتی اندازِ فکر کو بہت اہمیت حاصل تھی۔ اس اعتبار سے گوتم بدھ کا بنیادی مذہبی تجربہ نروان، معرفت یا ''گیان'' کی شق میں آتا ہے اور اسی (حقیقت زندگی کی) ''معرفت'' کے حصول کو انہوں نے مذہبی زندگی کا مقصود بتاتے ہوئے اس کی طرف لوگوں کو دعوت دی۔ ہنایان فرقہ نے ابتدائی بدھ مت کی اس روایت کو سچی اور غیر متزلزل وفاداری کے ساتھ زندہ رکھا اور اگرچہ بسا اوقات یہ وفاداری محض قوانین کی لفظی پابندی اور مذہب کی ظاہری صورتوں کے اہتمام تک محدود ہو کر رہ گئی، پھر بھی انہوں نے اس روایت سے بہر صورت اپنا رشتہ قائم رکھا۔ لیکن مذہب کا عقلی اور ''معرفتانہ'' رجحان جس میں حقائق کے تجزیاتی مطالعہ کو مرکزی حیثیت حاصل ہو، بھکشوؤں کے ایک مخصوص طبقہ کے لئے تو نہایت موزوں ہو سکتا ہے، جنہوں نے اپنی پوری زندگی پڑھنے لکھنے، مراقبہ اور غور وفکر کے لئے وقف کر دی ہو، مگر یہ عین ممکن ہے کہ ایسا مذہب عوام کے سیدھے سادے مذہبی جذبات اور احساسات کی پورے طور پر تشفی کرنے میں ناکام رہے۔

چنانچہ بدھ مت کو عوام میں مقبولیت دلانے کے جذبے نے مہایان کو بدھ مت کی ایسی تعبیرات کرنے پر ابھارا جس میں فلسفیانہ عناصر سے زیادہ مذہبی جذبہ کی تسکین کا سامان موجود تھا۔ اس کے ساتھ ساتھ ہم کو یہ حقیقت بھی سامنے رکھنی چاہیے کہ مہایان کی ابتدائی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

نشوونما کے زمانے، یعنی دوسری تیسری صدی قبل مسیح میں ہندوستان میں بھگتی (عقیدت اور محبت پر مبنی پرستش اِلٰہ) اور اس سے متعلق مذہبی رسومات کافی بااثر ہو چلی تھیں، اور خود برہمنی مت ان کے دباؤ میں ایسی تبدیلیاں قبول کر رہا تھا جو بعد میں ہندومت کی شکل میں ظاہر ہونے والی تھیں۔ چنانچہ یہ گمان کیا جاسکتا ہے کہ مہایان نے اپنی نشوونما کے ابتدائی دور میں اگر گوتم بدھ کو ایک استاد اور گرو کے درجہ سے بڑھا کر ایک دیوتا کے رتبہ تک پہنچا دیا اور ان کی پرستش کو بدھ مت کا ایک جز بنا دیا۔ تو اس میں مندرجہ بالا وجوہات کا بھی اثر شامل ہو سکتا ہے۔

بہرحال، یہ حقیقت ہے کہ دوسری صدی قبل مسیح تک مہایان کی تعلیمات میں گوتم بدھ اور ان سے پہلے ظہور میں آئی ہوئی مقدس بدھ ہستیوں کی پرستش کو ذریعہ نجات سمجھا جانے لگا۔ عقیدت اور محبت پر مبنی اس جذباتی انداز کی مذہبیت نے جو ابتدائی بدھ مت میں بالکل مفقود تھی، بہت جلد محض تصورات اور الفاظ پر اکتفا نہ کرتے ہوئے گوتم بدھ اور دوسری مذہبی ہستیوں کے مجسموں اور مورتیوں سے بدھ مت کے تمام مقدس مقامات، خانقاہوں اور عوام کے گھروں کو بھر دیا جہاں اس وقت کے ابھرتے ہوئے ہندومت کے زیر اثر اپنی عقیدت کے اظہار کے لئے ان مجسموں کے سامنے پوجا کی تمام رسومات، مثلاً مورتیوں کو سجانا بنانا، ان کے سامنے خوشبوئیں سلگانا، ان کی آرتی اتارنا، ان کے سامنے اظہار عبودیت کے لئے ہاتھ جوڑ کر ماتھا ٹیکنا اور اُن سے اپنی مرادیں مانگنا وغیرہ رائج ہو گئیں[۲۳]۔

ترِی کایا کا عقیدہ

بھگتی اور جذباتیت کے اس عمل دخل کے علاوہ مہایان نے مذہبی تصورات اور عقائد میں بھی ہنایان سے الگ نئی جہتیں تلاش کیں۔ اس سلسلے میں دونوں کے رجحانات کا بنیادی فرق یہ ظاہر ہوا کہ جب ہنایان نے ابتدائی بدھ مت کی نہج پر مذہب میں اخلاقیات کو

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

مرکزی جگہ دے رکھی تھی۔ مہایان نے شخصیت بدھ کو اپنی توجہ کا مرکز بنایا اور اس طرح کے عقائد کو رواج دیا کہ گوتم بدھ شاکیہ منی جو ۵۶۳ قبل مسیح میں کپل وستو میں پیدا ہوئے کوئی اکیلے بدھ نہیں ہوئے ہیں، بلکہ مختلف ادوار (کلپوں) میں متعدد بدھ ان سے پہلے ہو چکے ہیں۔ نیز ان کے علاوہ متعدد بدھ اور ان سے متعلق مذہبی ہستیاں ملکوتی دنیاؤں میں بھی موجود ہیں۔ یہ عقیدہ اپنے ارتقا کے کچھ مدارج طے کر لینے کے بعد تری کایا (اشکال ثلاثہ) کی صورت میں اپنی معراج کو پہنچ گیا۔ اس تصور کے مطابق بدھ کی تین صورتیں ہیں۔ اپنی پہلی صورت میں تو وہ ''روح بدھ'' (دھرم کایا) کی حیثیت اعلیٰ کے مترادف ہے اور مختلف صورتوں میں تمام بدھ اسی ''جوہر بدھ'' کے مختلف ظہور ہیں۔

اس صورت میں بدھ سے کوئی شخصیت نہیں بلکہ خصوصیت بدھ مراد ہے اور اس کی حیثیت قریب قریب وہی ہے جو خدا پرست مذاہب میں الوہیت یا حقیقت خداوندی کی ہے۔ بدھ کی دوسری صورت سمبوکھ کایا ہے اس میں ''روح بدھ'' ملکوتی دنیا کی ہدایت کے لئے مخصوص نورانی بدھاؤں کی صورت میں ظاہر ہوتی ہے جو مختلف جنتوں میں آسمانی ہستیوں کی ہدایت کے لئے براجمان رہتے ہیں۔ مہایان بدھ مت کی اصل دلچسپی درحقیقت انہی آسمانی اور نورانی بدھاؤں اور ان سے متعلق مقدس ہستیوں سے ہے، اور انہی کی پوجا مہایان میں عام طور سے رائج ہے۔ بدھ کی تیسری صورت ان آسمانی و نورانی بدھوں کا اس مادی دنیا میں ظہور ہے۔ جو بظاہر ایک مادی جسم (نروان کایا) کی صورت میں ہوتا ہے جیسے کہ شاکیہ منی گوتم بدھ اور ان جیسے اور دنیاوی بدھ جو ان سے پہلے ادوار میں گزرے ہیں، لیکن درحقیقت یہ بھی محض دنیا والوں کے لئے ٹھوس جسمانی صورت میں نظر آتے ہیں ورنہ ان کا یہ ظہور بھی نورانی جسم کے ساتھ ہوتا ہے[۲۵]۔

بدھاؤں کے اس تارا منڈل میں نہ صرف یہ کہ گوتم بدھ کی تاریخی شخصیت بہت معمولی اہمیت کی حامل رہ گئی، بلکہ ہنایان اور ابتدائی بدھ مت کے ایک انسانی گرو کی جگہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

مہایان فرقہ میں بدھ ایک مقدس ملکوتی ہستی بن گیا، جو کہ عقیدت اور پرستش پر مبنی مذہب کے لئے تاریخی گوتم بدھ سے زیادہ موزوں تھا۔ چنانچہ ہمارے اپنے دور کے ساتھ مخصوص ہونے کی وجہ سے اگرچہ گوتم بدھ کا بظاہر مادی ظہور ایک اہمیت رکھتا ہے۔ لیکن پرستش کے لئے ان کی نورانی اور ماورائی اصل ایتابھابدھ (چینی اور جاپانی میں امیدا بدھ) کو ہی مقبولیت حاصل ہوئی۔

بودھی ستوا کا تصور

متعدد آسمانی بدھاؤں اور ان کے دنیاوی ظہوروں پر ہی قناعت نہ کرتے ہوئے، مہایان نے ایسی مقدس ہستیوں کے تصور کو بھی فروغ دیا جو بدھاؤں کے ولی عہد اور روحانی فرزندوں کی حیثیت سے مخلوقات کی رہنمائی اور دست گیری کے لئے کوشاں رہتی ہیں۔ یہ وہ ہستیاں ہیں جنہوں نے روحانیت کے اعلیٰ مدارج طے کر لئے ہیں اور نروان حاصل کرنے کے پوری طرح مستحق ہو چکے ہیں، لیکن مخلوقات سے اپنی بے پناہ ہمدردی اور خدمت خلق کے جذبے کے تئیں وہ یہ عہد کر چکے ہوتے ہیں کہ جب تک تمام مخلوقات کو نروان حاصل نہیں ہوگا وہ خود بھی نروان حاصل کر کے مکمل بدھ نہیں بنیں گے، بلکہ مستقل مخلوقات کی رہنمائی اور اعانت میں سرگرداں رہیں گے۔ ایسی ہستیاں مہایان بدھ مت میں بودھی ستوا کے نام سے یاد کی جاتی ہیں اور اپنے اعلیٰ روحانی مقام کے باعث ملکوتی حیثیت کی مالک ہوتی ہیں۔ مختلف آسمانی بدھاؤں کے ساتھ ان ملکوتی بودھی ستواؤں کی پرستش بھی مہایان میں بہت مقبول ہے۔

برکت اور کسبِ فیض کا تصور

اگرچہ ابتدائی بدھ مت نے واضح طور سے نروان کو ہر انسان کی ذاتی کوشش اور

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

سعی کا نتیجہ قرار دیا تھا، جس کو بغیر کسی کی مدد کے اُسے خود حاصل کرنا تھا اور ہنایان فرقہ آج تک اس اصول کا سختی سے پابند ہے لیکن مہایان نے اس سلسلے میں بھی انقلابی قدم اٹھایا اور بدھاؤں اور بودھی ستواؤں کے بے حساب روحانی ذخیرے سے عوام کے استفادہ کا دروازہ کھول دیا۔ مہایان نے یہ تصور پیش کیا کہ بدھاؤں اور بودھی ستواؤں نے اپنے روحانی کیریئر (متعدد زندگیوں) کے دوران نیکیوں کا اتنا لامحدود خزانہ جمع کر لیا ہے کہ وہ تمام مخلوقات کو اس کی مدد سے نروان دلا سکتے ہیں اور اس طرح ان (مقدس) ہستیوں کی عقیدت اور پرستش سے جو برکت اور فیض حاصل ہوگا، وہ عقیدت مندوں کی نجات کے لئے کفایت کرتے گا[26]۔ اس تصور نے جہاں مہایان میں عقیدت اور پوجا کے رواج کو مزید مستحکم کر دیا، وہاں یہ بھی طے کر دیا کہ ان مقدس ہستیوں کے طفیل بالآخر تمام مخلوقات اور ایک ایک متنفس اعلیٰ ترین بدھ کے مقام کو پہنچ جائے گا۔ چونکہ اعلیٰ روحانی مقامات کے مالک لاتعداد بودھی ستوا جنہوں نے یہ عہد کر رکھا ہے کہ وہ تمام عالم کو ''مقام بدھ'' تک پہنچانے کے بعد ہی اس میں قدم رکھیں گے، اپنی کوششوں میں مستقل سرگرداں ہیں، اس لئے ہر متنفس، خواہ اس کے روحانی ارتقا کے دوران اَن گنت جنم اور قرنہا قرن کا زمانہ کیوں نہ گزر جائے، بالآخر نروان حاصل کر کے ''مقام بدھ'' تک ضرور پہنچ جائے گا[27]۔

مہایان کی فلسفیانہ ترقی

فلسفیانہ اعتبار سے بھی مہایان نے ابتدائی بدھ مت اور ہنایان کی فکری حدود سے بہت آگے تک پرواز کی، اور اپنے ارتقا کے دوران بدھ فلسفہ کے مختلف مکاتبِ فکر قائم کئے۔ ان سب کی تفصیلات میں نہ جاتے ہوئے ہم صرف ان میں سب سے زیادہ با اثر اور وہ مکتب فکر جس کے تصورات مہایان کا بنیادی فلسفہ بن گئے، یعنی مدھیامکا مکاتبِ فکر کے نظریات سے بحث کریں گے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ابتدائی بدھ مت اور اس کی فلسفیانہ بصیرت موجودات کے ایک ایسے تجزیہ پر مشتمل تھی جس نے ایک طرف تو ہر وجود کو اپنے آپ میں کسی مستقل عنصر سے عاری، کھوکھلا اور مختلف اجزاء (دھرموں[۲۸]) کا مرکب ثابت کیا تھا، اور دوسری طرف اشیا کا مخصوص ظہور، اسباب وعلل کے تبدیل ہوتے رہنے والے ایک پیچیدہ سلسلہ کا نتیجہ قرار دیا تھا۔ ان نظریات کی تفصیل ہم اس سے پہلے بدھ تعلیمات کے ضمن میں بیان کر چکے ہیں، یہاں صرف یہ بتانا مقصود ہے کہ ابتدائی بدھ مت اور ہنایان میں تجزیہ کا عمل ایک حد پر آ کر رک گیا تھا اور اس سطح پر جو حقائق سامنے آ گئے تھے ان کو مستقل حیثیت کا حامل مان لیا گیا تھا۔ مثلاً ابتدائی بدھ مت اور ہنایان نے اشیا کی ظاہری صورت کو بطور مستقل اکائیوں کے حقیقی نہ مانتے ہوئے تجزیاتی عمل کے ذریعہ ہر شئے کو مختلف اجزاء (دھرموں) کو (جن کا کہ اشیا مرکب ہیں) مستقل حقیقتیں مان لیا۔

اسی طرح انہوں نے وجود کی بے ثباتی اور تغیر پذیری پر زور دیتے ہوئے اس کو بدلتے ہوئے اسباب وعلل کے ایک سلسلہ کا نتیجہ بھی قرار دیا۔ لیکن اس نظریہ کو محض ایک عموی کلیہ کے طور سے تسلیم کرتے ہوئے ابتدائی بدھ مت اور ہنایان نے صرف انسانی وجود کے ضمن میں اس کے درجہ بدرجہ ظہور کے اسباب کی تشریح پر اکتفا کی، اور اس میں بھی اس ''سلسلہ علت ومعلول'' کے مختلف مدارج کو اپنی جگہ مستقل علتوں کی حیثیت سے تسلیم کر لیا۔

مہایان سے متعلق مدھیامکا مکتب فکر نے اس سلسلے میں تجزیاتی عمل کو مزید آگے بڑھاتے ہوئے پہلی صورت میں اجزاء (دھرموں) کو بھی مستقل اکائیاں ماننے سے انکار کر دیا اور ان کو مزید اجزا کا مرکب قرار دیا اور پھر ان مزید اجزا کو بھی مرکب قرار دیتے ہوئے یہ کلیہ پیش کر دیا کہ خواہ تجزیہ کی کسی سطح تک بھی پہنچ جایا جائے کسی مستقل وجود کو (جو کہ مختلف اجزا کا مرکب نہ ہو) نہیں پایا جا سکتا۔ کیونکہ کائنات میں کسی سطح پر بھی کوئی مستقل وجود (جو کہ اپنے آپ میں ایک مستقل اکائی ہو اور محض مختلف اجزا کا مجموعہ نہ ہو) ہے ہی نہیں۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

دوسری طرف مدھیامکا مکتب فکر نے ''اسباب وعلل'' کے عمومی نظریہ کو بھی پورے جوش و خروش کے ساتھ حقائق کی تمام سطحوں پر منطبق کرتے ہوئے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی کہ اول تو اسباب وعلل کا سلسلہ صرف انسانی وجود کے مختلف مدارج کی حد تک ہی نہیں محدود ہے بلکہ پوری کائنات میں جاری وساری ہے اور دوسرے اس سلسلے کا عمل دخل صرف کسی اوپری سطح تک ہی کارفرما رہتے ہوئے وجود کی اعلیٰ ترین اور عمیق ترین سطحوں کو محیط ہے۔ اس طرح گویا مثال کے طور سے ابتدائی بدھ مت اور ہنایان نے جو ''سلسلہ علّت و معلول'' کی ضمن میں انسانی وجود کے مختلف مدارج کی مستقل علتیں مان لیا تھا تو یہ صحیح نہیں ہے، بلکہ خود ان مدارج کے پیچھے متعدد اسباب اور علتیں کارفرما ہیں، اور پھر ان کے پیچھے مزید اسباب وعلل ہیں۔ گویا کسی سطح پر بھی اتر جائیں وجود کے مختلف مرکب اجزاء (مجموعے) اسباب و علل کے ماتحت مخصوص صورتیں اختیار کیے ہوئے ہیں اور اسباب کی تبدیلی کے ساتھ اپنی صورتیں بدل رہے ہیں[۲۹]۔

اس طرح تجزیاتی عمل کے اس انقلابی اور ہمہ گیر استعمال سے اُن حقائق کو بھی تحلیل کرتے ہوئے جو ابتدائی بدھ مت اور ہنایان نے مستقل حیثیت کے حامل مان لیے تھے، مدھیامکا مکتب فکر ایک ایسے چونکا دینے والے نتیجہ تک پہنچ گیا۔ جو تصور کی انتہائی بلند پرواز سے بھی آگے کی چیز معلوم ہوتی ہے، اپنے بے روک تجزیاتی عمل کے نتیجے میں مدھیامکا نے یہ فیصلہ کر دیا کہ صرف ''خلائے محض'' (شونیتا) ہی ایک ایسی حقیقت ہے جس کو مستقل حیثیت حاصل ہے۔ کائنات کی تمام اشیا مذہبی مسلمات، نروان، ہر چیز کی ماہیت اس ''خلائے محض'' کے علاوہ اور کچھ نہیں ہے۔ ''تمام اشیا خالی ہیں'' (سرودھرم شونیتا) مدھیامکا مکتب فکر کا نعرہ بن گیا[۳۰]۔

یہاں سے مدھیامکا نے ایک اور قدم آگے بڑھاتے ہوئے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ جب یہ دنیا (سنسار) اور مذہبی زندگی کا مقصود نروان، دونوں یکساں طور پر ''خالی'' ہیں تو

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

سنسار اور نروان میں کوئی فرق نہیں ہے، نیز تمام مخلوقات بنیادی طور سے نجات یافتہ اور "بدھ" ہیں[1]۔

مدھیامکا مکتب فکر کے ان نظریات کو مہایان فرقہ نے مکمل طور سے اپنا لیا جس کی وجہ سے مہایان کی مذہبی زندگی میں نہایت دور رس اثرات ظاہر ہوئے۔ عام زندگی (سنسار) اور نروان کو یکساں ماہیت کا حامل قرار دینے اور تمام مخلوقات کو بنیادی طور سے نجات یافتہ سمجھنے کی وجہ سے جہاں ایک طرف سنسار اور نروان کی دوئی مٹ گئی اور ان کا وہ بُعد ختم ہو گیا جو ابتدائی بدھ مت اور ہنایان کی تعلیمات کے ساتھ مخصوص ہے، وہاں ان کا تعلیم کردہ اعلیٰ اخلاقی معیار اور سخت ریاضت کی زندگی جو نروان حاصل کرنے کے لئے ضروری تھی، بے معنی ہو کر رہ گئی۔ اسی لئے مہایان میں محض بدھاؤں پر ایمان اور اعتقاد کے سہارے نجات کے تصورات خوب پھلے پھولے۔ دوسری طرف سخت ریاضت اور روحانی ترقی کے لئے وقف زندگی کے غیر ضروری ہو جانے سے راہبانہ زندگی کی اہمیت اور اس کا دنیاوی زندگی سے مختلف متقشفانہ انداز بھی ماند پڑ گیا۔ چنانچہ مہایان فرقہ میں نہ تو بھکشوؤں کی وہ اہمیت ہے جو ہنایان کے ساتھ مخصوص ہے اور نہ ہی اس فرقہ کے بھکشو ہنایان کی طرح مجرّدانہ اور عام آدمیوں سے یکسر مختلف زندگی گزارتے ہیں[2]۔

ایک حد تک مہایان کی فکری اور مذہبی ترقی پر سرسری نظر ڈال لینے کے بعد اب ہم پھر بدھ مت کی اشاعت کی طرف متوجہ ہوتے ہیں کیونکہ بدھ مت کی یہی صورت (مہایان فرقہ کی شکل میں) تھی جو ہندوستان کے شمال میں واقع ایشیا کے دوسرے ممالک میں پھلی پھولی۔

وسطِ ایشیا اور مشرق بعید میں بدھ مت کی اشاعت

وسطِ ایشیا اور مشرق بعید، خصوصاً چین اور جاپان میں بدھ مت کی اشاعت ایشیا

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کی تمدنی تاریخ کا ایک بہت دلفریب باب ہے جہاں ایک طرف اس سے خیالات اور افکار کی دور رس پہنچ کا پتا چلتا ہے تو وہاں بدھ روایت کی شکل میں ہندوستانی فکر اور مذہبی ورثہ کی گراں قدری کا بھی اندازہ ہوتا ہے، جس نے چین جیسے متمدن ملک میں مقامی مذاہب کی مخالفت کے باوجود ایسی مضبوطی سے اپنے قدم جمائے کہ چین تو چین مشرق بعید کے تمام ملکوں (کوریا، منگولیا، جاپان) کے تہذیب و تمدن پر اپنے گہرے نقش چھوڑے۔ وسطِ ایشیا اور چین میں بدھ مت ۔کے ابتدائی تعارف کے حالات نسبتاً تاریکی میں ہیں کہا جا سکتا ہے کہ تیسرے بدھ ''اجتماع'' کے بعد اشوک نے جو تبلیغی جماعتیں مختلف ملکوں میں روانہ کی تھیں ان میں سے کچھ جماعتیں وسطِ ایشیا کی بعض قبائلی ریاستوں میں بدھ مت کو متعارف کرانے میں کامیاب ہوگئی تھیں۔ خُتن کی ایک قدیم روایت کے مطابق یہ ریاست ۲۴۰ قبل مسیح میں، اشوک کے ایک لڑکے کُستنا نے قائم کی تھی اور یہ کہ اس کُستنا کے پوتے وِجے سمبھا دانے خُتن میں بدھ مت کو متعارف کرایا[۳۳]۔

خُتن میں پہلی بدھ خانقاہ ۲۱۱ قبل مسیح میں قائم ہوئی تھی اور اس کے بعد اس ریاست میں بدھ مت صدیوں پھلتا پھولتا رہا[۳۴]۔

وسطِ ایشیا کی دوسری ریاستوں مثلاً طرفان، کوچ، نیا، کاشغر، نیز خانہ بدوش قبائل میں بدھ مت کی اشاعت کے سلسلے میں بھی خُتن کے مرکزی کردار پر زور دیا جاتا ہے[۳۵]۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ وسطِ ایشیا میں بدھ مت کی اشاعت کے سلسلے میں متعدد عناصر کارفرما رہے۔ جہاں تک ابتدائی تعارف کا سوال ہے وسطِ ایشیا کی ریاستوں میں ہندوستانی تاجروں کی ان مستقل بستیوں کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا جو کہ چین سے مغربی ایشیا کی طرف جانے والی (ریشمی) شاہراہ پر دشتِ تکلا مکان کے دونوں طرف اہم آبادیوں میں قائم تھیں۔ ان میں شمال میں ٹن ہونگ، لولان حامی، طرفان، کوچ اور کاشغر اور جنوب میں میران، نیا اور خُتن بہت اہم ہیں۔ گمان غالب ہے کہ اس علاقے میں دوسری اور تیسری صدی قبل مسیح میں بدھ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

مت کو متعارف کرانے میں ان گمنام ہندوستانی تاجروں کا بہت بڑا ہاتھ رہا ہوگا[۲۶]۔

بہرحال پہلی صدی قبل مسیح اور عیسوی سنہ کی ابتدائی صدیوں میں بدھ مذہبی روایت اور ہندوستانی تمدن کے قابل ذکر سرمایہ کو وسطِ ایشیا تک پہنچانے میں شمال مغربی ہندوستان اور افغانستان کی یونانی ریاستوں اور کشان سلطنت نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ ان یونانی ریاستوں میں جن کے افغانستان اور پنجاب میں قائم ہونے کی تاریخ سے متعلق ہم سردست کچھ نہیں کہنا چاہتے[۲۷]۔ اکثر مہایان بدھ مت کی پیروکار تھیں اور ان میں سے خاص طور پر گندھار (قندھار) اور ٹکششلا کی ریاستیں مہایان بدھ مت کی تمدنی ترقی میں اپنا اعلیٰ مقام رکھتی ہیں۔ آثار قدیمہ کی شہادت سے یہ ثابت ہے کہ اس علاقے کے بدھ پیروکاروں کا وسطِ ایشیا کی آبادیوں سے گہرا تعلق قائم تھا[۲۸]۔

دوسری طرف ان ریاستوں کے آثار پر پہلی صدی عیسوی کے آخر میں کشان سلطنت قائم ہوئی جس کے عظیم بادشاہ کنشک کی حکومت مشرق میں بنارس اور مغرب اور شمال مغرب میں افغانستان، کشمیر اور وسطِ ایشیا کے جنوبی علاقوں تک پھیلی ہوئی تھی۔ دوسری طرف مذکورہ بالا عہد، یعنی دوسری صدی قبل مسیح سے دوسری صدی عیسوی تک کا زمانہ ہی وہ عہد ہے جب کہ چین کی عظیم الشان ہان سلطنت نے وسطِ ایشیا کی دریافت کی اور مغرب میں بخارا اور سمرقند تک کے منگول اور ترک قبائل کو اپنے دائرۂ اثر میں لے لیا[۲۹]۔

اس طرح کشان عہدِ حکومت (پہلی اور دوسری صدی عیسوی) میں ہندوستان حکومت اور چینی سلطنت کی سرحدیں ایک دوسرے سے بہت قریب آ گئی تھیں اور اس عہد میں دونوں سلطنتوں کے باہمی مصالحانہ یا مخاصمانہ تعلقات کے کئی واقعات ملتے ہیں[۳۰]۔

یہی وہ عہد بھی ہے جس میں بدھ مذہب اور تمدن کا وافر سرمایہ مغربی ہندوستان، کشمیر اور پنجاب سے وسطِ ایشیا کو منتقل ہوا۔ وسطِ ایشیا کی ان بستیوں میں جن کا ذکر ہم پہلے کر چکے ہیں جدید دور میں متعدد بدھ آثار دریافت ہوئے ہیں، جو عیسوی سنہ کی ابتدائی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

صدیوں میں اس علاقے میں بدھ مذہب کے عروج اور ترقی کی داستان سناتے ہیں۔

چین میں بدھ مت کے داخلہ کا آغاز بھی درحقیقت چینی تُرکستان کے بدھ مذہب ماننے والے قبائل کے ذریعہ ہی ہوا۔ اس سلسلے میں سب سے پہلی روایت دوسری صدی قبل مسیح کے آخری ربع (۱۱۶۔۱۲۲ق۔م) سے متعلق ہے جب کہ چین کی ہان سلطنت اپنے شمال اور شمال مغرب میں ہُن خانہ بدوشوں سے ایک طویل جنگی سلسلہ میں الجھی ہوئی تھی۔ اسی دوران شہنشاہ ووٹی کی فوجیں ایک ہُن سردار کو مع اس کے پچاس ہزار متبعین کے مطیع و فرمانبردار بنانے میں کامیاب ہوگئیں۔ انہی قبائیلیوں سے جو غالباً کسی حد تک بدھ مت کو قبول کر چکے تھے چینیوں کو دس فٹ اونچا سونے کا ایک مجسمہ ملا (غالباً گوتم بدھ یا کسی اور بدھ کا) جس کو ہان خاندان کی طبعی رواداری کے سبب ایک مندر میں رکھوایا دیا گیا اور وہاں لوگوں کو، اگر وہ چاہیں، اس کی پوجا کی اجازت دے دی گئی۔ یہیں سے چین میں بدھ مت کی ابتدا کہی جا سکتی ہے[۱]۔

کچھ عرصہ بعد جب ہان شہنشاہ نے ہُنوں کو زیر کرنے کے لئے مغربی ترکستان کے قبائل میں اپنے سفرا بھیجنے شروع کئے تو ان کو ہندوستان اور یہاں کے تمدن (جو کہ اس وقت بدھ مت سے متاثر تھا) کے بارے میں مزید معلومات حاصل ہوئیں۔ عیسوی سنہ کے بالکل ابتدائی برسوں میں شہنشاہ ہیسیاؤ منگ ٹی نے بدھ مذہب کے بارے میں صحیح معلومات حاصل کرنے کے لئے ایک سفارت براہ راست ہندوستان بھیجی جس نے نہ صرف یہ کہ بدھ مذہب کی کئی مقدس کتابیں اور ایک بدھ مجسمے کی نقل حاصل کی، بلکہ دو بدھ بھکشوؤں کو اپنے ساتھ چین جانے پر راضی کر لیا[۲]۔

شہنشاہ ہیساؤ منگ ٹی نے بدھ مذہب قبول کر لیا اور مقدس تبرکات کے اعزاز میں دارالسلطنت لویانگ کے پاس ایک شاندار بدھ مندر بنوایا جو ''سفید گھوڑوں کے مندر'' کے نام سے مشہور ہوا کیونکہ یہ تبرکات چین میں سفید گھوڑوں پر لے جائے گئے تھے۔ دونوں

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہندوستانی بھکشو بقیہ زندگی اسی مندر میں مقیم رہ کر بدھ مذہب کی کتابوں کے سنسکرت سے چینی زبان میں ترجمہ کے کام میں لگے رہے [۲۳]۔ اس کے بعد سے ہندوستانی بھکشوؤں اور وسطِ ایشیا کے بدھ عالموں کے چین جانے کا سلسلہ وقتاً فوقتاً قائم رہا، یہاں تک کہ بدھ مذہب کا علمی سرمایہ وافر مقدار میں چینی زبان میں تراجم کے ذریعہ منتقل کر دیا گیا۔ اس سلسلے میں چینی سیاحوں فاہیان ہیونگ سانگ اور آئی سانگ کی خدمات ایک مستقل حیثیت رکھتی ہیں۔ ایک عرصہ تک چین میں بدھ مذہب صرف درباری حلقوں اور اعلیٰ طبقہ تک محدود رہا جہاں اس کو کنفیوشسی اور تاؤ مذہب نے حیرت انگیز سرعت کے ساتھ ترقی کرنی شروع کی اور پانچویں صدی عیسوی تک چین کی غالب اکثریت بدھ مذہب کی پیرو بن چکی تھی [۲۴]۔

بہر حال یہ کہنا صحیح نہیں ہوگا کہ چینیوں کا بدھ مذہب کو اس بڑے پیانے پر قبول کر لینا، خالص، بے میل اور اپنے قدیم مذاہب کے ساتھ بغیر کسی سمجھوتے کے تھا۔ درحقیقت یہ عمل چینیوں کی فطری رواداری کے باعث کچھ اس طرح ہوا کہ بدھ مت کو قبول کرنے کے ساتھ ساتھ چینیوں نے اپنے روایتی مذاہب کنفیوشسیت اور تاؤ مذہب کو بھی بالکل نہیں چھوڑا۔ ایک انگریز سی۔ پی۔ فٹس جیرالڈ کے بقول، جو کہ چین کی تاریخ و تہذیب پر ایک بہت اچھی کتاب کے مصنف ہیں، کمیونسٹ انقلاب سے پہلے تک چین میں یہ صورت تھی کہ بغیر تضاد محسوس کئے ہوئے چینیوں کی غالب اکثریت کنفیوشس کا احترام کرتی ہے امیتابھا بدھ کی پوجا کرتی ہے اور تاؤ مذہب کی رسومات ادا کرتی ہے [۲۵]۔

چوتھی صدی عیسوی کے اواخر میں چین سے بدھ مذہب کوریا میں پہنچا اور چینی تمدن کے دوسرے پہلوؤں کے ساتھ کوریا کے ترقی پسند حلقوں میں اپنے قدم جمانے لگا۔ کوریا جو کہ اس زمانے میں تین بادشاہتوں میں بٹا ہوا تھا۔ تہذیبی ترقی اور تبدیلیوں کی طرف مائل تھا۔ اس سلسلے میں چینی تمدن کی برتری نے کوریا کے برسر اقتدار طبقہ کو متاثر کر رکھا تھا اور بڑے پیانے پر چینی علوم و فنون، ادارے اور سیاسی و تہذیبی سانچے چین سے مستعار لئے جا

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

رہے تھے۔ کوریا میں بدھ مت کی اشاعت بھی اسی تمدنی اثر پذیری کا ایک پہلو تھی۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ کوریا میں بدھ مت ایک عوامی مذہب بن گیا اور اس طرح چین اور کوریا میں ایک مضبوط تہذیبی رابطے کا سبب بنا۔ البتہ یہ ضرور ہے کہ چونکہ سوائے چینی تمدن سے متاثر ہونے اور چین میں ہونے والی بدھ مت کی ترقیوں کو جوں کا توں قبول کر لینے کے، خود کوریا کا بدھ مت کی نشو ونما میں اپنا کوئی نمایاں حصہ نہیں ہے، اس لئے بدھ مت کی تاریخ میں کوریا کی اہمیت ایک بدھ ملک ہونے کے علاوہ صرف اس درمیانی واسطہ کی حیثیت سے ہے جس کے ذریعہ بدھ مت چین سے جاپان کو منتقل ہو سکا۔

جاپان البتہ اس لحاظ سے بدھ دنیا میں خاصی اہمیت رکھتا ہے کہ اگرچہ اس نے بھی بدھ مت کو چینی ماخذ سے ہی کوریا کے توسّط سے حاصل کیا، لیکن بعد کی تاریخ میں مقامی طور پر بدھ فکر کی ترقی اور خاص طور سے بدھ مت کے تمدنی اور تہذیبی ذخیرے سے فائدہ اٹھانے میں اس نے ایک منفرد مقام حاصل کیا۔ اس صورتحال کے پیدا ہونے، اور جاپان میں بدھ مت کی نشو ونما کے زیر اثر تہذیب و تمدن اور فنون لطیفہ میں نئے معرکے سر کرنے میں جاپانیوں کی قوم پرستی اور قومی غیرت کے احساس کو بھی بڑا دخل رہا۔ اس لئے گو جاپان میں بدھ مت کا تعارف کوریا سے تقریباً دو سو سال بعد ۵۵۲ سے ۵۷۵ عیسوی کے درمیان ہوا، لیکن ابتدا سے ہی جاپانیوں نے چینی ماخذ پر مکمل طور سے منحصر ہونے کو اپنے لئے عار سمجھا، اور جو کچھ بھی بدھ تعلیمات تراجم کے ذریعہ ان کو میسر آتی گئیں ان پر خود غور و خوض اور اپنی تشریحات لکھنے کا سلسلہ شروع کر دیا[۶]۔

دوسری طرف جاپانی بدھ مت کی ایک خصوصیت، کم از کم عوامی زندگی میں، اس کا مقامی مذہب شنتو مت کے ساتھ مفاہمانہ رویہ تھا۔ جس کے نتیجہ میں بدھ مت عوام کے ہر طبقہ میں مقبولیت حاصل کر سکا۔ چنانچہ جہاں آٹھویں صدی عیسوی تک بدھ بھکشو اور ننیں شنتو رسومات میں حصہ لینے لگی تھیں وہاں شنتو مذہب کے دیوتا بدھ کے مختلف اوتاروں کی صورت

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

میں تسلیم کر لئے گئے۔[47]

تبت میں بدھ مت کی شروعات کوریا اور جاپان میں بدھ مت کی ابتدا سے کچھ زیادہ مختلف نہیں ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ کوریا اور جاپان نے تہذیبی اور تمدنی اعتبار سے اپنی کمتری کو محسوس کرتے ہوئے چینی رسم الخط اور دوسرے علوم وفنون کے ساتھ بدھ مت کو بھی چین سے درآمد کیا، اور تبت کے باہمت اور اولوالعزم بادشاہ سرون تبسان سگام پو نے ساتویں صدی عیسوی کے ابتدائی حصہ میں اپنے ملک تبت کی تمدنی اور علمی پستی کو محسوس کرتے ہوئے ہندوستان سے علمی اور تہذیبی روابط قائم کئے، اور دیوناگری کی بنیاد پر ایک تبتی رسم الخط رائج کرنے کے علاوہ سولہ تبتیوں کی ایک جماعت ہندوستان میں رائج علوم و فنون سیکھنے کے لئے ایک قابل شخصیت تھون می سام بھوتا کی قیادت میں روانہ کی۔ اس شخص نے نہ صرف تبتی زبان اور گرائمر پر آٹھ کتابیں تصنیف کیں بلکہ کئی اہم بدھ کتابوں کا سنسکرت سے تبتی میں ترجمہ کیا۔

سرون بتسان نہ صرف اپنے ملک کی تہذیبی اور تمدنی ترقی کا خواہاں تھا بلکہ سیاسی اعتبار سے بھی ایک طاقتور حکمران تھا۔ اس نے اپنے سیاسی دبدبے کی بنا پر چین اور نیپال کے شاہی خاندانوں سے ازدواجی رشتہ قائم کیا۔ اس کی دو بیگمات جن میں سے ایک چین اور ایک نیپال کی شہزادی تھی، اپنے اپنے ملک سے مختلف بدھاؤں کی مورتیاں اور دوسرے بدھ تبرکات لے کر آئی تھیں۔ ان بیگمات کے اثرات نے بھی سرون تبسان کو تبت میں بدھ مت کی اشاعت کی طرف آمادہ کیا۔ بہرحال باوجود اس بادشاہ کی سرپرستی اور وقتاً فوقتاً اس کے بعض جانشینوں کی حمایت کے تبت میں بدھ مت کو ایک مدت تک وہاں کے مقامی قبائلی مذہب بون سے سخت مقابلہ کرنا پڑا، اور بالآخر ایک ہندوستانی عالم کے مشورے سے آٹھویں صدی عیسوی کے اختتام پر تبت کے بدھ بادشاہ نے ہندوستان سے تانترک بدھ مت کے مشہور عالم پدم سمبھاوا کو بلوایا تا کہ وہ بون مذہب کے پیشواؤں سے روحانی طاقت

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کے عجیب وغریب مظاہروں، جھاڑ پھونک اور ڈرامائی کیفیات کے میدان میں برابر کا مقابلہ کر سکے۔ تبت کی بدھ تاریخ میں پدم سمبھاوا کو جو عزت حاصل ہے اور آج تک اس کا جو احترام تبت میں کیا جاتا ہے وہ اس کی بون پیشواؤں سے مقابلے میں کامیابی پر دلالت کرتا ہے۔ پدم سمبھاوا کی کوششوں سے جہاں تبت میں بدھ مت کو قدم جمانے میں مدد ملی وہاں یہ حقیقت بھی مستحکم ہوگئی کہ آئندہ کے لئے تبت میں بدھ مت کی روایت تانترک تصورات و رسومات کے دائرۂ اثر میں رہے گی۔ چنانچہ اپنی نشوونما کے مختلف مراحل سے گزرنے کے بعد جو تبتی بدھ مت سولہویں صدی کے اواخر میں لامائیت کی شکل میں مستحکم ہوا، وہ تانترک بدھ مت کی ہی ایک شکل ہے۔ تیرہویں صدی عیسوی میں چنگیز خاں کے اخلاف کی وسیع ہوتی ہوئی سلطنت اُن کو تبتی بدھ مت کے پرجوش مبلغین کے دائرۂ اثر میں لے آئی اور چین کا پہلا منگول حکمران قبلائی خاں تبتی بدھ مت کا حلقہ بگوش ہوگیا۔

اس کے بعد سے تبتی بدھ مت کے رہنماؤں نے منگولیا اور سائبیریا کے علاقوں میں اپنی اشاعتی سرگرمیاں جاری رکھیں اور اس طرح یہ نسبتاً عجیب صورت حال سامنے آئی کہ لامائیت کی شکل میں ترقی شدہ تانترک بدھ مت نے تبت کے بعد شمال کی طرف، بیچ میں چین اور چینی ترکستان کو چھوڑتے ہوئے، جہاں مہایان کے قدم پہلے سے جمے ہوئے تھے اور مؤخر الذکر بعد میں اسلام کے زیر اثر آ گیا تھا، منگولیا اور سائبیریا میں جا کر قبول عام کی سند حاصل کی۔

جنوبی اور جنوب مشرقی ایشیا میں بدھ مت کی اشاعت

ایشیا کے جنوبی اور جنوب مشرقی علاقے سے ہندوستان کا گہرا تہذیبی اور ثقافتی تعلق رہا ہے۔ بلکہ ان میں سے اکثر ممالک میں ہندوستان کے لوگوں نے وقتاً فوقتاً اپنی نو آبادیاں بھی قائم کیں۔ اس کی وجہ یہ ہوسکتی ہے کہ شمال اور شمال مشرق میں ہندوستانیوں کا

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

نکلنا، اونچے اونچے پہاڑوں اور دشوار گزار راستوں کی وجہ سے مشکل تھا۔

چنانچہ ہندوستان سے باہر بدھ مت کی اشاعت اور استحکام جس ملک میں تاریخی اعتبار سے سب سے پہلے ثابت ہے وہ جنوب میں ہندوستان سے تقریباً ملا ہوا ملک سری لنکا ہے۔ سری لنکا میں مستحکم بدھ روایت اپنے قدیم ترین ماخذوں سے یہ ثابت کرتی ہے کہ ہندوستان کے عظیم بادشاہ اشوک نے بدھ مت کی تبلیغ کے لئے جو جماعتیں مختلف ملکوں میں روانہ کی تھیں ان میں سے ایک خود اشوک کے لڑکے یا بھائی تھیرامہیندر کی زیر سرکردگی لنکا کو روانہ کی گئی تھی، جہاں اس زمانے میں دیوانام پیاتیسا (۲۴۷۔۲۰۷ ق۔م) نامی بادشاہ کی حکومت تھی۔ اس بادشاہ اور اس کے درباریوں نے اشوک کی بھیجی ہوئی اس بدھ تبلیغی جماعت کا مثالی خیر مقدم کیا اور بشمول بادشاہ شاہی گھرانے اور طبقۂ امرا کے بیشتر لوگوں نے بدھ مت کو قبول کر لیا۔ کچھ ہی برسوں بعد اشوک کی لڑکی سنگھ مترا، جو ایک بدھ راہبہ بن چکی تھی، اشوک کی طرف سے اُس پیپل کے پیڑ (بودھی درخت) کی، جس کے نیچے گوتم بدھ، جس کے نیچے گوتم بدھ کو نروان حاصل ہوا تھا، ایک قلم بطور تحفہ لے کر لنکا میں وارد ہوئی۔

اس تحفہ کو بہت شہرت حاصل ہوئی، اور اس کا حسبِ حیثیت احترام کیا گیا۔ اس قلم سے لگا ہوا پیپل کا درخت آج بھی انورادھاپور (لنکا کا قدیم پایۂ تخت) میں موجود ہے اور شاید تاریخی اعتبار سے دنیا کا سب سے قدیم (دو ہزار سال سے زیادہ پرانا) درخت ہے۔ اسی نوعیت کا ایک اور تحفہ اس کے تقریباً ۵۰۰ سو سال بعد ہندوستان سے لنکا لے جایا گیا جس کی بودھی درخت سے بھی زیادہ پذیرائی ہوئی۔ یہ گوتم بدھ کا ایک دانت تھا جس کو لنکا میں ایک عظیم تبرک سمجھ کر قبول کیا گیا اور ایک شاندار مندر بنوا کر اسمیں رکھوایا گیا۔ آج یہ تبرک لنکا کے قومی خزانے کی حیثیت رکھتا ہے۔

اشوک کے زمانے میں لنکا میں بدھ مت کے پہنچنے سے لے کر آج تک سری لنکا بدھ مت کی غالب اکثریت رکھنے والا ملک رہا ہے، جس نے بدھ مت کی ہنیان روایت کو

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

زندہ رکھنے، ترقی دینے اور جنوب مشرقی ایشیا کے دوسرے ممالک میں اس کی ترویج و اشاعت میں نمایاں حصہ لیا ہے۔ بدھ مت کی بنیادی تعلیمات جو پالی زبان میں شہزادہ تھیرا مہیندر کے ساتھ سری لنکا پہنچی تھیں، پہلی صدی عیسوی کے آخری دور میں ہندوستان ہی سے مستعار ایک رسم الخط میں پہلی بار کتابی صورت میں لکھی گئیں اور یہی پالی تری پٹکا ہے۔ جو ہنایان فرقہ کی مقدس کتابیں ہیں۔ ہندوستان میں اس تری پٹکا کا اصل متن تاریخ کے کسی دور میں ایسا غائب ہوا کہ اب اس کا کوئی سراغ نہیں ملتا۔

ہندچین، ملایا اور جزائر انڈونیشیا میں بدھ مت کی اشاعت

ہندچین، ملایا اور جزیرہ ہائے انڈونیشیا، ایشیا کے جنوب مشرق کا وہ علاقہ ہے جو نہایت قدیم زمانے سے ہندوستانی تمدن وتہذیب سے متاثر رہا ہے۔ ماہرین لسانیات کے خیال میں یہاں کے قدیم باشندوں اور ہندوستان کی بعض آدی باسی قوموں، مثلاً مدّھیہ پردیش کے منڈا اور شمال مشرق کے کھاسی قبائل میں لسانی ونسلی وحدت کے شواہد موجود ہیں[۴۸]۔ اس طرح ہندوستان سے، کسی زمانہ قبل از تاریخ میں، ان علاقوں میں نقل آبادی کے امکانات پائے جاتے ہیں، اگرچہ کافی ثبوت نہ ہونے کی بنا پر اس بارے میں کوئی یقینی دعویٰ نہیں کیا جا سکتا۔ بہرحال آثارِ قدیمہ اور سماجیاتی مطالعات کی بنیاد پر یہ بات قطعی طور سے کہی جا سکتی ہے، کہ علاوہ تجارتی تعلقات کے جو تقریباً ہر دور میں رہے، سنہ عیسوی کی ابتدا سے کچھ پہلے اور کچھ بعد کی صدیوں میں ہندوستانیوں نے اس علاقے میں اپنی متعدد نوآبادیاں قائم کیں جن میں سے بعض بہت طاقتور اور دیرپا حکومتیں ثابت ہوئی۔

جنوب مشرقی ایشیا میں ہندوستانیوں کی ان نوآبادیات نے ہندوستانی تہذیب، مذاہب اور تمدن کی ایسی قلمیں ان ممالک میں لگائیں کہ اس کے اثرات آج بھی اس علاقے کے تمدن میں نمایاں ہیں۔ ہندوستان میں بدھ مت کے فروغ کے بعد مقامی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

تاجروں اور نوآبادیاتی قسمت آزماؤں کے ساتھ بدھ مت بھی اس علاقے میں متعارف ہوا، اور اگرچہ چوتھی صدی عیسوی کے بعد خود ہندوستان میں بدھ مت روبہ زوال ہوگیا، لیکن جنوب مشرقی ایشیا میں اس کے بعد کئی صدیوں تک بدھ مت ترقی پذیر رہا اور آج ملایا و جزائر انڈونیشیا کو چھوڑ کر، جہاں دسویں صدی عیسوی سے اسلام کی اشاعت شروع ہو چکی تھی، ہندچین کے دیگر ممالک مثلاً برما، تھائی لینڈ (سیام) الاؤس ویت نام اور کمبوڈیا میں بدھ مت ہی اکثریت کا مذہب ہے، مندرجہ بالا اکثر ممالک میں، اگرچہ بدھ مت کے ابتدائی تعارف کے حالات تاریکی میں ہیں، لیکن آثار قدیمہ کی دریافتوں سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ پانچویں اور چھٹی صدی عیسوی میں اس پورے علاقے میں بدھ مت کو بہت تیزی سے فروغ حاصل ہوا۔ اس علاقے میں بدھ مت کی تاریخ میں دوسرا سنہری دور دسویں صدی عیسوی کے بعد شروع ہوتا ہے۔ جب برما کے راجا انیرودھا نے بدھ مت کو سرکاری مذہب بنالیا اور اس کی نشر واشاعت کے لئے اپنے آپ کو وقف کر دیا۔ اس کے تقریباً سو سال بعد برما نے سری لنکا سے متعدد بھکشو درآمد کر کے سنہالی مکتب فکر کو باقاعدہ طور سے قبول کرلیا۔ تھائی لینڈ اور کمبوڈیا میں بدھ مت کے سرکاری مذہب بننے کا دور نسبتاً بعد میں یعنی چودھویں صدی عیسوی میں آیا، جب کہ غالباً چینی سرحد پر رہنے والی تھائی قوم نے جو کہ بہت کٹر بودھ تھے، اس پورے علاقے پر اپنا تسلط جمالیا۔

سری لنکا کو چھوڑ کر ہندوستان کے جنوب مشرق کے تمام ممالک میں بدھ مت ہنایان اور مہایان کے ملے جلے اثرات کا نتیجہ معلوم ہوتا ہے۔ اگرچہ برما میں سری لنکا سے مذہبی سلسلہ کی درآمد نے ہنایان کے اثرات کو بہت نمایاں کر رکھا ہے، لیکن چونکہ اس سے قبل برما کی تاریخ میں مہایان بدھ مت کے غلبہ کا بھی ایک دور رہ چکا ہے، اس لئے وہاں مہایان کے اثرات بھی بالکل ناپید نہیں ہیں۔

تھائی لینڈ، کمبوڈیا، لاؤس اور ویت نام میں البتہ ہنایان سے وفاداری کے ساتھ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ساتھ مہایان کے اثرات بہت واضح ہیں، بلکہ ان علاقوں میں ہندوستان کے دوسرے مذاہب، مثلاً شیومت اور ہندو تہذیب کے دوسرے عناصر بھی بدھ تمدن میں شامل ہیں۔ پورے ہند چینی میں جو کہ بنیادی طور سے ہنایان کا علاقہ تصور کیا جاتا ہے، مہایان کے اثرات کی ایک وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ علاوہ خود ہندوستان سے مہایان کے بعض مبلغین کے اس علاقے میں پہنچتے رہنے کے، اس علاقے کے شمالی اور شمالی مغربی حصے چین اور تبت سے ملتے ہیں جو کہ ہمیشہ مہایان کے زیر اثر رہے ہیں اور اس طرح جنوبی چین اور مشرقی تبت سے جو مذہبی اثرات اس علاقے میں پھیلتے رہے وہ مہایان فرقہ سے متعلق تھے۔

مندرجہ بالا صفحات میں نہایت مختصر طور پر بدھ مت کی نشو و نما اور اشاعت سے متعلق جو کچھ درج کیا گیا وہ بدھ مت کی ڈھائی ہزار سالہ تاریخ کی ہلکی سی جھلک کہلانے کا بھی مستحق قرار نہیں دیا جا سکتا۔ درحقیقت بدھ مت اور بدھ مت کے ساتھ قدیم ہندوستانی تمدن اور فکر کے مختلف عناصر نے مغربی ایشیا کو چھوڑ کر بقیہ پورے ایشیا پر اپنی گہری چھاپ لگائی ہے۔ ان میں سے بہت سے علاقوں، مثلاً وسطِ ایشیا، تبت، منگولیا، ہند چینی، ملیشیا اور انڈونیشیا میں تو تہذیب کی ابجد بھی بدھ اور اکثر ہندوستانی اثرات کے ساتھ ہی شروع ہوئی۔ اس کے علاوہ جن ممالک میں پہلے سے ایک تمدنی روایت موجود تھی۔ مثلاً سری لنکا یا چین، یا جن ممالک میں چینی تمدن کے ذریعہ تہذیب کی ابتدا ہوئی، مثلاً کوریا یا جاپان، وہاں بدھ مذہب نے تہذیب و ثقافت پر ایسے گہرے اثرات ڈالے کہ ان ممالک میں بدھ مذہب کے متعارف ہونے کے بعد کا تمدن و تہذیب بغیر بدھ مت کے حوالے کو سمجھا ہی نہیں جا سکتا۔ پھر ان میں سے ہر علاقے میں مقامی رجحانات اور تاریخی عوامل کے نتیجہ میں بدھ مت کی ایک الگ نوع پر ترقی و نشو و نما ہوئی ہے۔ ان میں سے ہر علاقے کے ثقافت، تمدن، فنونِ لطیفہ، ادب اور مذہبیات میں اپنے اپنے کارنامے ہیں جو ایشیا کی عظیم تمدنی تاریخ کا ایک اہم باب اور نوعِ انسانی کے تہذیبی سرمایہ کا ایک گراں قدر حصہ ہیں۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

حوالہ جات اور حواشی

۱۔ اُدانا، ۱۰۸۔۳ (ترجمہ تھامس) بحوالہ اے ۸ سرورے آف بدھ ازم، بھکشو سنگھر اکشتا، بنگلور، ۱۹۵۷ء، صفحہ ۶۱۔

۲۔ ۲۵۰۰ ایئرس آف بدھ ازم (مرتبہ) پی، وی۔ پبت، نئی دہلی، ۱۹۵۶ء صفحہ ۴۹۔

۳۔ دی بدھاز اینیشنٹ پاتھ، پیا دسّی تھیرا، لندن، ۱۹۶۴ء صفحہ ۴۳۔

۴۔ اے سروے آف بدھ ازم حوالہ مذکورہ، صفحہ ۱۰۴۔

۵۔ اتیوتکا باب اوّل، حصہ ۲ اور ۵ (پالی ٹکسٹ سوسائٹی، لندن) بحوالہ دی بدّھاز اینشنٹ پاتھ، حوالہ مذکورہ صفحہ ۵۵۔

۶۔ سمیک نکائے، جلد دوم (پالی ٹکسٹ سوسائٹی، لندن) صفحہ ۱۹، بحوالہ مذکورہ بالا، صفحہ ۵۷۔

۷۔ اے سروے آف بدھ ازم حوالہ مذکورہ، صفحہ ۱۰۴۔

۸۔ ایضاً۔

۹۔ ایضاً، صفحہ ۱۰۹۔

۱۰۔ دی بدھاز اینشنٹ پاتھ، حوالہ مذکورہ، صفحہ ۵۷۔

۱۱۔ ایضاً، صفحہ ۹۲، ۲۰۳۔

۱۲۔ ایضاً، صفحہ ۱۵۵۔

۱۳۔ وشدِّھی ماگ، باب ۳ بحوالہ دی بدھاز اینشنٹ پاتھ، حوالہ مذکورہ صفحہ ۲۱۲۔

۱۴۔ ایضاً، صفحہ ۲۰۷۔۲۰۶ نیز اے سروے آف بدھ ازم حوالہ مذکورہ، صفحہ ۱۵۴۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

۱۵۔ مراقبہ یا سمادھی کے سلسلے میں تفصیلات کے لئے دیکھئے حوالا جاتِ مذکورہ بالا بالترتیب،
پہلا حوالہ، صفحات ۲۱۸۔۱۹۷، دوسرا حوالہ، صفحات ۱۸۷۔۱۵۰۔

۱۶۔ ایضاً، پہلا حوالہ صفحہ ۶۷، دوسرا حوالہ، صفحہ ۵۶۔

۱۷۔ اُدانا، ۱۰۸۔۳ (ترجمہ تھامس) بحوالہ اے سروے آف بدھ ازم، حوالہ مذکورہ صفحہ ۶۱۔

۱۸۔ اے سروے آف بدھ ازم حوالہ مذکورہ، صفحہ ۶۲۔

۱۹۔ ایضاً، صفحہ ۶۷۔

۲۰۔ ایضاً، صفحہ ۴۷۔

۲۱۔ دی بدھاز اینشنٹ پاتھ، حوالہ مذکورہ، صفحہ ۱۶۔

۲۲۔ پی۔ وی۔ بپت (مرتب) ۲۵۰۰ ایئرس آف بدھ ازم دہلی ۱۹۵۶ء
صفحات ۳۶۔۳۵۔

۲۳۔ ایضاً، صفحہ ۵۹۔

۲۴۔ اے۔ ایل۔ بیشم دی ونڈر وہیٹ واز انڈیا، بمبئی ۱۹۶۳ء صفحات ۲۶۳۔۲۶۲۔

۲۵۔ تری کایا تصور کی تفصیل کے لئے دیکھئے، اے سروے آف بدھ ازم، بھکشو سنگھر اکشتا،
بنگلور، ۱۹۵۷ء، صفحہ ۲۸۱۔۲۶۵۔

۲۶۔ کرسمس ہمفرز، بدھ ازم، لندن ۱۹۶۲ء صفحات ۱۶۱۔۱۶۰۔

۲۷۔ اے سروے آف بدھ ازم حوالہ مذکورہ، صفحہ ۲۹۴۔

۲۸۔ اگرچہ "دھرم" کی اصطلاح ہندومت کی طرح بدھ مت میں بھی مختلف معانی میں استعمال ہوئی ہے، لیکن اس کے بدھ مت میں ایک مخصوص معنی، جس میں کہ وہ بدھ فلسفہ میں استعمال ہوئی ہے، "اجزائے وجود" کے ہیں۔ یہ "اجزائے وجود" نہ تو خود کوئی مستقل حیثیت رکھتے ہیں اور نہ ہی وجود ہی نہیں ہے۔ صرف "اجزائے وجود" کے ظاہری ہیولے ہیں جن سے مختلف صورتیں "قانونِ علّت و معلول" کے تحت ترکیب پاتی رہتی ہیں۔

۲۹۔ اے سروے آف بدھ ازم حوالہ مذکورہ، صفحات ۲۸۲ اور ۲۸۵۔

۳۰۔ ایضاً صفحہ ۲۸۵۔

۳۱۔ ایضاً، صفحات ۲۸۷ اور ۲۹۴۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

۳۲۔ ایضاً، صفحات ۲۹۵ اور ۲۹۴۔

۳۳۔ ۲۵۰۰ ایئرس آف بدھ ازم، حوالہ مذکورہ، صفحہ ۶۶۔

۳۴۔ ایضاً۔

۳۵۔ ایضاً۔

۳۶۔ ایضاً، صفحہ ۶۵، اور ایچ۔ جی۔ رالن سن، انڈیا، لندن، ۱۹۶۵ء صفحہ ۱۴۲۔

۳۷۔ شمالی مغربی ہندوستان اور پنجاب کی یونانی ریاستوں کی تفصیل کے لئے دیکھئے، اَرلی ہسٹری آف نارتھ انڈیا، سدھا کر چٹوپادھیائے، کلکتہ، ۱۹۵۸ء ابواب نمبر ۲، ۳ اور ۴ اور انڈیا، حوالہ مذکورہ، باب ۶۔

۳۸۔ انڈیا، حوالہ مذکورہ، صفحہ ۱۴۲۔

۳۹۔ سی۔ پی۔ فٹس جیرالڈ، چائنا، لندن، ۱۹۶۱ء باب ۸۔

۴۰۔ انڈیا، حوالہ مذکورہ صفحات ۹۴۔۹۳ اور اَرلی ہسٹری آف نارتھ انڈیا، حوالہ مذکورہ صفحہ ۸۷۔

۴۱۔ شیہ لائچیہ (بدھ مت اور تاؤ مت) مصنفہ وی شاؤ (چھٹی صدی عیسوی) رول ۱۱۴، بحوالہ جے۔ لی ڈن، دی ایسنس آف چائنیز سولیزیشن، نیو یارک ۱۹۶۷، صفحہ ۷۰۔

۴۲۔ ایضاً۔

۴۳۔ ایضاً، صفحہ ۷۱، انڈیا، حوالہ مذکورہ، صفحہ ۱۴۲ چائنا، حوالہ مذکورہ صفحہ ۲۷۷۔

۴۴۔ چائنا، حوالہ مذکورہ صفحہ ۲۸۰۔

۴۵۔ ایضاً، صفحہ ۲۸۰۔

۴۶۔ چنانچہ جاپان میں بدھ مت کے بالکل ابتدائی دور میں ہی ہم کو شہزادہ شوتو کو تیشی (۵۹۳ عیسوی) کے چینی تعلیقات پر ناقدانہ حواشی کے علاوہ ایک اہم مہایانا متن سدھرم پنڈارکا سوتر، کی شرح بھی ملتی ہے جس کا ایک نسخہ جو خود اسی کے ہاتھ کا لکھا ہوا بتایا جاتا ہے، اب تک محفوظ ہے، دیکھئے جی۔ بی۔ سینسم، جاپان، لندن، ۱۹۶۲ء صفحہ ۱۱۹۔

۴۷۔ ایضاً، صفحات ۱۳۶۔۱۳۴۔

۴۸۔ آر۔ سی۔ مجومدار، ہندو کالونیز ان دی فار ایسٹ کلکتہ ۱۹۶۳، صفحات ۷۔۶۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

جین مت

(Jainism)

تعارف

یہ حقیقت، کہ ہندوستان قدیم زمانے سے ہی مختلف مذہبی روایات اور مختلف النوع فکری رجحانات کی ایک تجربہ گاہ رہا ہے، اس ملک کی تہذیبی تاریخ کا ایک نمایاں پہلو ہے۔ اس کا ایک سبب جہاں یہ ہوسکتا ہے کہ اس ملک کو ہمیشہ مختلف نسلوں اور تہذیبی روایات کے باہم دگر ملنے اور ایک دوسرے سے اخذ وقبول کا مرکز بننے کا شرف حاصل رہا۔ وہاں یہ پہلو بھی قابل ذکر ہے کہ شاید اسی ملک کے ماحول اور خمیر میں ہی فلسفیانہ غور وفکر اور مذہبی تحقیق کے عناصر کچھ اس طرح رچے بسے ہیں کہ یہاں کے رہنے والے کبھی صرف سطحی اور مادی زندگی پر قانع نہیں رہ سکے، اور حلقہ ہائے آب وگل سے پرے لامحدود اور مستقل حقیقت کے لئے سرگرداں رہے۔ یہ حقیقت اس وقت اور نمایاں ہو کر سامنے آتی ہے۔ جبکہ ہم دیکھتے ہیں کہ دنیا کے اُن اور بہت سے دوسرے خطوں میں جو مختلف اقوام کی مڈبھیڑ اور تہذیبی اختلاط کی جولانگاہ رہے، مثلاً وسطِ ایشیا، میسوپوٹامیہ، مغربی ایشیا، شمالی افریقہ اور یورپ کے ممالک، اُن میں اس طور کی مذہبی جستجو اور تحقیق کبھی مستقل روایت نہیں بن سکی۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اس کے برخلاف ہندوستان کے فکری اور مذہبی تجربات کی روایت آریوں کی آمد کے ساتھ ہندوستان میں برہمنی مت کے چلن سے پہلے اس ملک میں انتہائی ترقی یافتہ روحانی اور مذہبی تصورات موجود تھے۔

بعض مصنفین کے نزدیک شروع کے ظواہر پرستانہ اور مشرکانہ ویدک مذہب کی جگہ خود ویدک ادب کے آخری حصہ اپنشد کا مجردانہ روحانی فکر اور بھرپور مذہبی تصورات، بتدریج، آریوں کے قبل از آریہ مذہبی تصورات کے اخذ وقبول کی نشاندہی کرتے ہیں۔ اگرچہ ناکافی ثبوت کی بنا پر اس رائے کو تسلیم کرنے میں تامل ہوسکتا ہے۔ لیکن یہ حقیقت بہرحال اپنی جگہ رہتی ہے کہ قدیم ہندوستان میں برہمنی یا ویدک روایت کے ساتھ ساتھ ایسے مکاتیب فکر اور مذہبی روایات موجود تھیں، اور پھل پھول رہی تھیں، جو اپنے مزاج اور تعلیمات میں برہمنی مت سے بنیادی اختلافات رکھتی تھیں اور جن کا کسی ایک ہی روایت سے ماخوذ ہونا مشکل نظر آتا ہے۔ اس سلسلہ میں سانکھیہ، یوگ اور جین مت ایک طرف اور بدھ مت دوسری طرف ایسی روایات ہیں جو برہمنی مت سے اساسی اعتبار سے مختلف ہیں، اور خود آپس میں بہت کچھ اشتراک رکھتی ہیں۔ برہمنی مت کا اگر کوئی جز ان روایات سے مماثلت رکھتا ہے تو وہ اپنشد ہیں اور اسی لئے اپنشد کے بھی انہیں روایات سے متعلق ہونے کا خیال ظاہر کیا جاتا ہے۔

برہمی مت کے متوازی اور اُس سے مختلف، اس مذہبی اور فکری روایت کا جس کو شرمن (بمقابل برہمن) روایت کے نام سے یاد کیا گیا ہے، اساسی فلسفہ دنیاوی زندگی کی طرف ایک مایوسانہ رویے سے عبارت ہے۔ اس روایت کے نقطۂ نظر سے انسان کی دنیاوی زندگی غیر اطمینان بخش، دُکھی اور خسارے کا سودا ہے، اور جب اس تصور کے ساتھ کرم اور آواگون کا عقیدہ بھی ہو، جس کے اعتبار سے انسان اپنے اعمال کے نتیجے میں بار بار مختلف شکلوں میں اسی دنیا میں پیدا ہوتا رہے گا، تو پھر ہر قیمت پر پیدائش اور موت کے اس ازلی و

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ابدی چکر سے ''نجات'' پا جانا ضروری ہو جاتا ہے۔

یہ ''نجات'' اس روایت سے منسلک تمام مکاتیب فکر میں کسی نہ کسی طور سے ''معرفت'' کی صورت میں حاصل ہوتی ہے۔ اس لئے اس روایت کے تمام مکاتیب ''معرفتانہ مذاہب'' یا گیان مارگ کی شکل میں آئیں گے جبکہ برہمنی مت اصلاً اپنی ریت رسموں اور قربانی (یگیہ) پر زور دینے کی وجہ سے کرم مارگ سے متعلق سمجھا جائے گا۔

ایک اور اہم فرق جو شرمن روایت سے متعلق مکاتیب فکر اور مذاہب نیز برہمنی مت میں واضح نظر آتا ہے وہ شرمن روایت کا خدا کے تصور سے بے نیاز ہونا ہے۔ جبکہ برہمنی روایت کسی نہ کسی صورت میں، خواہ وہ دیوی دیوتاؤں کی پرستش کا مشرکانہ تصور ہی ہو، الوہیت کی قائل رہی ہے۔ شرمن روایت کے مختلف مکاتیب فکر میں الوہیت یا خدا کے لئے کوئی جگہ نہیں ہے۔ اگرچہ جین مت اور بدھ مت نے بعد کے دور میں بھگتی تحریک اور برہمنی روایت کے زیرِ اثر خدا پرستانہ تصورات کو اختیار کیا، اور سانکھیہ اور یوگ تو اِسی نوع کی جزوی تبدیلیوں کے ساتھ خود برہمنی روایت کے دائرے میں شامل کر لئے گئے، لیکن ان سبھی مکاتیب فکر اور مذاہب میں الوہیت کا تصور ایک سطحی اور بیرونی حیثیت رکھتا ہے جو ان کے بنیادی نظام فکر سے کسی طرح میل نہیں کھاتا۔ شرمن روایت کے دیگر امتیازات میں اس کی ذات پات کے نظام سے بے زاری، سنسکرت کے بجائے عوامی زبانوں کا استعمال اور اجتماعیت کی جگہ انفرادیت پر زور شامل ہیں۔

اس سرسری تعارف میں اگرچہ شرمن روایت کے برہمنیت کے ساتھ نسبتاً کم اہم اختلافات کو نظر انداز کر دیا گیا ہے، تاہم اس سے ہندوستانی مذاہب میں جین مت کے مقام اور نوعیت کو متعین کرنے میں مدد مل سکتی ہے۔ اب ہم خود جین مت کی اپنی تعلیمات کی طرف متوجہ ہوتے ہیں اور اُس کے اپنے نقطۂ نظر سے اس روایت کی تشریح پیش کرتے ہیں۔

جین عقیدہ کے مطابق جین مذہب ایک ابدی مذہب ہے جو ہمیشہ سے چلا آرہا

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہے۔ چونکہ ہندوستانی روایت میں دنیا کی کوئی ابتدا یا انتہا نہیں ہے۔ اس لئے اس اعتبار سے جین مذہب بھی ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا۔ البتہ ہر دور میں، مختلف وقفوں کے ساتھ، یکے بعد دیگرے چوبیس تیرتھنکر (مصلح) پیدا ہوتے ہیں جو اپنے اپنے زمانہ میں جین مت کی اصلاح اور احیا کا کام سرانجام دیتے ہیں۔ موجودہ اوسرپنی دور[1] کے پہلے تیرتھنکر سبھا اور چوبیسویں یعنی آخری تیرتھنکر مہاویر جین تھے۔ اس دور میں مہاویر کے بعد اب اور کوئی کوئی تیرتھنکر نہیں آئے گا۔

جہاں تک تاریخی اعتبار سے اس نظریے کی صحت کا تعلق ہے، اس بات کے قوی شواہد موجود ہیں کہ مہاویر خود جین مذہب کے بانی نہیں تھے۔ بلکہ ان سے پہلے سے یہ مذہبی روایت ہندوستان میں چلی آ رہی تھی اور مہاویر کا خاندان، بلکہ جناتا چھتریوں کی پوری برادری جس سے کہ مہاویر کا تعلق تھا۔ پہلے سے جین مذہب کے پیروکار تھی جہاں تک مہاویر کا تعلق ہے انہوں نے سنیاس لے کر جین مذہب کے مقصدِ اعلیٰ کیولیہ (تجرید محض) کو حاصل کیا اور اپنے دور میں جین مذہب کے سربراہ بن گئے۔ اپنے تجربات اور مشاہدوں کی روشنی میں مہاویر نے جین مت میں دوررس اصلاحات کیں۔ اور اس کی اشاعت اور استحکام کے لئے اقدامات کئے۔ ان ہی اصلاحات اور خدمات نیز موجودہ یگ کے آخری تیرتھنکر ہونے کی بنا پر جین روایت میں مہاویر کو وہ مقام حاصل ہے جس کی وجہ سے عام طور پر مہاویر جین کو ہی اس مذہب کا بانی سمجھ لیا جاتا ہے۔

مہاویر جین سے پہلے کے تیرتھنکروں میں سے صرف تیئیسویں تیرتھنکر پرشوناتھ کے بارے میں آثار قدیمہ، ہندوستان کی دوسری مذہبی روایات، اور خود جین مت کی قدیمی کتابوں سے ایسے سراغ ملتے ہیں جو پرشوناتھ کے ایک تاریخی شخصیت ہونے کی نشاندہی کرتے ہیں۔ ان روایات سے یہ بھی ثابت ہے کہ اپنے زمانے میں پرشوناتھ جین مذہب کے سربراہ تھے اور خود مہاویر کے دور تک جین روایت ان ہی کے بتلائے ہوئے طریقوں پر

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

گامزن تھی ۔ پرشوناتھ کی تاریخ پیدائش مہاویر سے تقریباً سوا دو سو سال پہلے ۸۱۷ ق۔م میں بتائی جاتی ہے۔ان کی مدت حیات کا اندازہ سو سال کیا گیا ہے جو کہ ان سے پہلے کے بائیس تیرتھنکروں کی روایتی عمروں کے مقابلے میں قرین قیاس معلوم ہوتا ہے۔ درحقیقت ہر پچھلے تیرتھنکر کی عمر اپنے سے بعد والے سے زیادہ بتائی گئی ہے جس میں صرف پرشوناتھ اور ان کے بعد مہاویر کی عمریں قابل یقین معلوم ہوتی ہیں۔ موجودہ دور کے سب سے پہلے تیرتھنکر رسبھا کی عمر چوراسی لاکھ سال بتائی گئی ہے اور پرشوناتھ سے پہلے کے بائیسویں تیرتھنکر نیمی کی ایک ہزار سال ۔

اگر چہ قدیم ہندوستان میں تاریخی زمانے کے صحیح تعین پر چنداں توجہ نہیں دی جاتی تھی اور سکندر یونانی کے ہندوستان پر حملہ سے پہلے کی تمام تاریخیں اسی واقعہ کے حوالے سے قیاس کی جاتی ہیں تاہم مہاویر جین کے زمانہ کا نسبتاً صحیح تعین جین روایت سے باہر کے شواہد مثلاً بودھ حوالوں کی مدد سے بھی کیا جا سکتا ہے۔اس طرح خود جین ماخذ اور دوسری شہادتوں سے یہ ثابت ہو جاتا ہے کہ مہاویر جین گوتم بدھ کے ایک بزرگ ہمعصر تھے۔ان کی زندگی سے متعلق جو چند حقائق تاریخی نوعیت رکھتے ہوئے معلوم ہوتے ہیں وہ اس طرح ہیں:

> ''مہاویر جین کی پیدائش ۵۹۹ ق۔م میں مشرقی ہندوستان کے مشہور شہر ویشالی کی ایک نواحی بستی میں ہوئی تھی۔مہاویر جین کے والد کا نام سدھارتھ اور والدہ کا ترشالا تھا۔خود مہاویر جین کا اصلی نام وردھمان تھا۔کئی بھائی بہن تھے، جن میں وردھمان سب سے بڑے بھائی سے چھوٹے تھے۔بعض روایتوں سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ وہ ابتدائی عمر سے ہی مذہبی غور و فکر کی طرف مائل تھے اور بڑے ہو کر انہوں نے سنیاس لینے کی خواہش بھی ظاہر کی لیکن والدین کی مرضی نہ پا کر انہوں نے اپنا ارادہ ملتوی کر دیا۔ ان کی شادی ایک باحیثیت

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

گھرانے کی صاحبزادی یشودھا کے ساتھ ہوئی تھی جن سے ان کے ایک لڑکی انوجا نام کی ہوئی تھی۔ مہاویر جب ۳۰ سال کے تھے تو ان کے والدین کا انتقال ہو گیا۔ اس کے بعد اپنے بڑے بھائی نندی وردھن کی اجازت سے مہاویر نے سنیاس لے لیا۔ سنیاس کے دوران اپنے خاندانی مذہب جین مت کے مطابق انہوں نے مختلف سخت قسم کی ریاضتوں کا سلسلہ شروع کیا، جس میں ترک دنیا کی انتہائی صورت اختیار کرنے کے لئے انہوں نے اپنے آپ کو ستر پوشی سے بھی بے نیاز کر لیا بارہ سال کی سخت ترین ریاضتوں کے بعد مہاویر نے جین کے مطابق معرفت کا اعلیٰ ترین مقام کیولیہ حاصل کر لیا اور وردھمان کی جگہ مہاویر (عظیم بہادر) اور جین (عارف) جیسے القاب سے یاد کئے جانے لگے۔ اپنی عمر کے بقیہ ۳۰ سال انہوں نے جین مت کی رہنمائی، اصلاح اور اشاعت میں صرف کیے۔ اس دوران علاوہ متعدد معتقدین کے، ان کے گیارہ خاص شاگرد بنے جنہوں نے مہاویر جین کے بعد جین مت کی اشاعت اور ترقی کا کام اپنے ہاتھ میں لیا۔ مہاویر جین کا انتقال سوئتامبر فرقے کے مطابق ۷۲ سال کی عمر میں ۵۲۷ قبل مسیح میں ہوا جو کہ تاریخی اعتبار سے بھی صحیح معلوم ہوتا ہے[۵]۔''

بنیادی عقائد

جین مت کے بنیادی عقائد سات کلیوں کی شکل میں مختصراً بیان کئے جاتے ہیں، جن کو جین مت کی اصطلاح میں سات تتو یا سات ''حقائق'' کہا جاتا ہے۔ درحقیقت یہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کائنات، زندگی کے بنیادی مسئلہ اور اس کے حل کے بارے میں سات نظریات ہیں جن میں جین مت کا بنیادی فلسفہ بخوبی سمٹ کر آ گیا ہے۔ ذیل میں ہم جین مت کے حقائق کو ترتیب وار بیان کر دیتے ہیں، پھر ان کی تشریح پیش کریں گے۔

۱۔ روح (جیو) ایک حقیقت ہے۔

۲۔ غیر ذی روح (اَجیو) بھی ایک حقیقت ہے جس کی ایک قسم مادّہ ہے۔

۳۔ روح میں مادّہ کی ملاوٹ ہو جاتی ہے۔ (اَئسر و)

۴۔ روح میں مادّہ کی ملاوٹ کے نتیجے میں روح مادّہ کی قیدی بن جاتی ہے۔ (بندھ)

۵۔ روح میں مادّہ کی ملاوٹ کو روکا جا سکتا ہے۔ (سمورا)

۶۔ روح میں پہلے سے موجود مادّہ کو زائل کیا جا سکتا ہے۔ (نرجرا)

۷۔ روح کی مادّہ سے مکمل علاحدگی کے بعد موکش حاصل ہو سکتا ہے۔

مندرجہ بالا سات اصول جین دینیات کے وہ بنیادی موضوعات ہیں جن کی تشریح و تفصیل میں جین عالموں نے فکر و خیال کی انتہائی قوتوں کو صرف کر ڈالا اور ان میں سے ہر ہر موضوع کے اتنے پہلو اور امکانات تلاش کئے کہ جین دینیات ایک چیستاں بن جاتی ہے جس کا بیک وقت احاطہ ذہنی قوت کے لئے ایک زبردست چیلنج ہے۔ ایک خصوصی دلچسپی جین عالموں کی اشیا اور کیفیات کی درجہ بندی اور انہیں قسم در قسم کرنے میں ہے، جس کا اندازہ اس بات سے ہو سکتا ہے کہ صرف ایک کرم کی تقریباً ایک سو اٹھاون انواع بتائی گئی ہیں، جن میں سے ہر ایک میں مختلف قسموں کے اعمال شامل ہیں۔

بہر حال، مختصراً اوپر دیئے گئے اصولوں کی روشنی میں جین فلسفہ کو اس طرح بیان کیا جا سکتا ہے کہ کائنات میں کوئی ایک بنیادی حقیقت نہیں، بلکہ متعدد حقیقتیں ہیں جو بیک وقت ازلی، ابدی اور بنیادی حیثیت کی حامل ہیں۔ کائنات کے ان بنیادی حقائق کو دو عمومی قسموں میں بانٹ دیا گیا ہے:

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

(۱) رُوح (جیو)

(۲) غیر ذی رُوح (اَجیو)

رُوح

''رُوح'' اپنی فطرت کے لحاظ سے شعور، علم، احساس، پاکیزگی، لطافت، نورانیت، ابدیت اور دوسری تمام پسندیدہ صفات کی حامل ہے اور اس حیثیت میں وہ کرم اور آواگون کے چکر سے بھی آزاد ہے۔ درحقیقت اگر دیکھا جائے تو باوجودیکہ جین مت میں خدا کا تصور نہیں ہے۔ لیکن روح کو بیشتر الوہی صفات کا حامل مانا گیا ہے۔ پھر ان الوہی صفات کی مالک، کائنات میں بس کوئی ایک ہی روح نہیں ہے، جیسا کہ برہمنی مت میں پرَم آتما کا تصور ہے، بلکہ کائنات میں ان خصوصیات کی حامل بے حد وحساب ارواح ہیں جن میں سے ہر ایک اپنی جگہ ایک مستقل اور آزاد حیثیت کی مالک ہے۔

غیر ذی رُوح

''روح'' کی طرح ''غیر ذی روح'' بھی کائنات میں مستقل اور ازلی حیثیت کے مالک ہیں البتہ جہاں ارواح کی تعداد بے شمار ہے اور کائنات کا کوئی گوشہ ان سے خالی نہیں ہے، وہاں ''غیر ذی روح'' بنیادی اعتبار سے صرف پانچ ہیں البتہ ان کے مختلف مظاہر لاتعداد ہو سکتے ہیں۔ ان ''غیر روح'' اشیا میں پہلی چیز مادّہ (پدگل) ہے جو اپنی مختلف شکلوں میں کائنات میں ہر طرف دیکھا جا سکتا ہے۔ دنیا کی تمام ٹھوس اور قابل محسوس اشیا اس کے مخصوص نمائندے ہیں، اگرچہ جین مت میں مادہ کی بعض ایسی اقسام بھی گنائی جاتی ہیں جو احساس کی گرفت میں نہیں آتیں، البتہ ان کے اثرات کو محسوس کیا جا سکتا ہے۔ مادّہ کی بعض ایسی اقسام بھی گنائی جاتی ہیں جو احساس کی گرفت میں نہیں آتیں، البتہ ان کے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اثرات کو محسوس کیا جا سکتا ہے اس کی سب سے اہم مثال وہ مادّہ ہے جو کرم سے متعلق سمجھا جاتا ہے اور جس کو ہم اپنی اصطلاح میں ''عملیاتی مادّہ'' کہہ سکتے ہیں۔ اس کی مزید تشریح ہم آگے چل کر بیان کریں گے۔ مادّہ، دوسری اور غیر ذی روح اشیا کی طرح شعور سے عاری ہے اور کائنات میں کثافت ثقل، تاریکی اور علم و پاکیزگی کی مخالف ناپسندیدہ صفات سے متصف ہے جیسا کہ ہم آئندہ دیکھیں گے، ارواح کے کرم اور آواگون کے چکر میں پھنسے ہوئے طلسم زندگی میں سرگرداں رہنے کا اصل سبب جین مت کے مطابق مادّہ کے ساتھ روح کا اتصال ہی قرار پائے گا۔

مادّہ کے علاوہ جو چار اشیا ''غیر ذی روح'' میں شامل ہیں اس میں ایک دھرم ہے۔ دھرم کو کائنات میں موجود اصول حرکت سے تعبیر کیا جا سکتا ہے۔ جین تصور کے مطابق یہ وہ شے ہے جس کے بغیر کوئی چیز حرکت نہیں کر سکتی۔ دھرم خود کسی چیز کو حرکت نہیں دیتا۔ بلکہ حرکت پذیر اشیا کی حرکت کو ممکن بناتا ہے اس کی مثال مچھلی اور پانی کی دی جاتی ہے جس طرح پانی مچھلی کو حرکت نہیں دیتا لیکن پانی میں ہی مچھلیوں کی حرکت ممکن ہو پاتی ہے اسی طرح کائنات میں جو بھی حرکت ہو رہی ہے وہ دھرم کے اصول کی بنیاد پر ہی عمل میں آ رہی ہے۔ مادّہ کی طرح دھرم بھی ازلی اور ابدی ہے البتہ یہ مادّہ کے برخلاف کوئی حجم اور وزن نہیں رکھتا اور غیر محسوس ہوتا ہے۔

''غیر ذی روح'' میں تیسری نوع ادھرم کی ہے۔ یہ دھرم کے مقابلے میں کائنات میں سکون کا اصول ہے۔ جس طرح کسی بھی نوع کی حرکت دھرم کے وجود کی محتاج ہے، اسی طرح کسی شے کا غیر متحرک اور ساکن ہونا ادھرم کے اصول کی وجہ سے ہی ممکن ہے۔ کائنات میں اگر یہ اصول کارفرما نہ ہو تو تمام اشیا صرف متحرک ہی رہیں اور کبھی سکون پذیر نہ ہو سکیں۔ دھرم ہی کی طرح ادھرم بھی کسی شے کی صورتِ حال میں براہ راست دخل انداز نہیں ہوتا یعنی اگر کوئی شے متحرک ہے تو ادھرم اس کی حرکت میں ہرگز خلل انداز نہیں ہو

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

گا، البتہ جو شے کسی وجہ سے سکون پذیر ہونے والی ہو اس کا سکون میں آنا ادھرم ہی کے وجود پر منحصر ہے۔

آکاش یا ''فضا'' غیر ذی روح کی چوتھی قسم ہے۔ جین مت میں فضا ایک خارجی حقیقت ہے اور جیسا کہ ظاہر ہے یہ تمام اشیا کے موجود ہونے کے لئے جگہ فراہم کرتی ہے۔

کال یا ''وقت'' بھی جین مت میں غیر ذی روح کی ایک قسم، اور ایک بدیہی حقیقت ہے۔ البتہ تمام حقائق میں صرف ''وقت'' ایسی حقیقت ہے جو ''فضا'' کے دائرہ سے باہر ہے اور ''فضا'' کے متوازی اپنا الگ وجود رکھتی ہے۔ جیو کی نوع میں شامل تمام ارواح اور غیر ذی روح (اجیو) کی مندرجہ بالا پانچ اقسام جین مت کے نزدیک کائنات کی وہ چھ (6) بنیادی حقیقتیں ہیں جو ازلی، ابدی اور مستقل حیثیت کی مالک ہیں۔ اس طرح ہم جین مت کو کثرتِ حقیقت پر یقین رکھنے والا ایک فکری نظام کہہ سکتے ہیں۔

روح اور غیر ذی روح کی اس تشریح کے بعد ہم جین مت کے بنیادی فلسفہ کی تیسری شق یعنی روح کے مادّہ کے ساتھ ''اتصال'' اور اس کے نتیجہ میں روح کی گرفتاری کے مسئلے کو لیتے ہیں۔

دوسرے ہندوستانی مذاہب کی طرح جین مت بھی کرم اور آواگون کے عقیدہ کو اور اس کے نتیجہ میں روح کے دنیا کے اندر مختلف جنموں کی صورت میں چکر لگاتے رہنے کو تسلیم کرتا ہے۔ دیگر ہندوستانی مذاہب کی طرح جین مت میں بھی اس سلسلہ کی کسی ابتدا اور بغیر ''موکش'' حاصل کئے ہوئے، اس سلسلہ کے کسی اختتام کا تصور نہیں کیا جا سکتا، البتہ ان مذاہب میں جین مت اس لحاظ سے منفرد ہے کہ جبکہ اور روائتوں میں کرم کسی بھی نوع کے عمل کا نام ہے جس کے نتیجہ میں اسی دنیا میں پیش آنے والی آئندہ زندگی کی کیفیت متعین ہوتی ہے جین مت میں کرم مادّہ کی ایک لطیف اور غیر محسوس شکل کا نام ہے۔

جین عقیدہ کے مطابق ذہنی اور جسمانی کسی بھی عمل کے نتیجہ میں روح میں ایسی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

مخصوص کیفیت پیدا ہوتی ہے کہ کرم کا لطیف مادّہ جو فضا میں ہر طرف موجود ہے روح کے اندر در آتا ہے۔ اور وہ روح کی پاکیزگی کو کثیف کر دیتا ہے۔ مختلف اعمال کے نتیجہ میں جو ''عملیاتی مادّہ'' مستقل روح میں داخل ہوتا رہتا ہے۔ وہ رفتہ رفتہ روح کے چاروں طرف کثافت کا ایک خول چڑھا دیتا ہے۔ جس کے اندر روح کی اپنی طبعی پاکیزگی اور نورانی صفات چھپ جاتی ہیں۔ اس طرح روح مادّہ کی قیدی بن جاتی ہے۔ چونکہ مادّہ کثیف ہوتا ہے اور وزن رکھتا ہے اس لئے مادّہ اپنے وزن سے ارواح کو مستقل اس عالم رنگ و بو میں کھینچے رکھتا ہے۔ اگر مادّہ کا یہ وزن ارواح کو نیچے کی طرف نہ کھینچے رکھے تو ارواح اپنی لطافت کی وجہ سے سیدھی اوپر چلی جائیں اور آسمان کی سطح پر جا کر ٹک جائیں جہاں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے وہ اپنے شعور اور نورانیت کی برکتوں سے لطف اندوز ہوتی رہیں۔ مرنے کے بعد بھی ارواح کے آسمان کی طرف نہ جا کر اسی دنیا میں پیدا ہونے کا سبب بھی یہی مادّہ کا خول ہے جو ارواح کو اپنے وزن سے اسی دنیا میں کسی اور شکل میں ٹکے رہنے پر مجبور کرتا ہے جین مت کی اصطلاح میں روح کے اندر ''عملیاتی مادّہ'' کے داخل ہونے کے عمل کو اسرداور روح کی مادّہ کے خول میں گرفتاری کو بندھ کہا جاتا ہے۔

جین عقیدہ کے مطابق کسی بھی عمل کے ذریعہ روح میں جو ایسی مخصوص کیفیت پیدا ہوتی ہے جس کی وجہ سے عملیاتی مادّہ روح میں جگہ پالیتا ہے تو اس کا حقیقی سبب وہ خواہشات ہیں جو مختلف اعمال کے لئے محرک ثابت ہوتی ہیں۔ یعنی اگر کوئی عمل ایسا ہو جو کسی خواہش کے نتیجہ میں نہ ہو تو پھر وہ عمل روح میں ایسی کیفیت نہ پیدا کر پائے گا جس سے عملیاتی مادّہ اس میں راہ پا سکے۔ دوسرے الفاظ میں اگر کسی طرح خواہشات کو ختم کیا جا سکے، یا کم سے کم ان پر قابو پایا جا سکے، تو پھر جو بے غرض اعمال سرزد ہوں گے وہ روح کے اندر ''عملیاتی مادّہ'' کے داخل ہونے کا سبب نہیں بنیں گے یا ان کے ذریعہ بہت کم ''عملیاتی مادّہ'' روح میں داخل ہو پائے گا۔ اس صورت حال کو حاصل کرنے کا ذریعہ جین مت کا اپنا اخلاقی نظام ہے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

جو خواہشات پر قابو پانے یا ان کی نفی پر مبنی ہے۔اس اخلاقی نظام پر عمل کر کے روح کے اندر مزید ''عملیاتی مادّہ'' کے داخل ہونے کو بڑی حد تک روکا جاسکتا ہے۔روح کے اندر مزید مادّہ کی آمد کو روکنے کا عمل جین مت میں سمور کہلاتا ہے۔

اگر چہ جین مت کی تجویز کردہ اخلاقیات کے ذریعہ عمل کے لازمی نتیجہ یعنی ''عملیاتی مادّہ'' کی روح میں آمد کو روکا جاسکتا ہے،لیکن روح کی مادّہ سے آزادی کے لئے یہ ضروری ہوگا کہ پہلے سے روح میں موجود اور روح کے چاروں طرف غلاف کی طرح چڑھے ہوئے مادّہ کو ختم کیا جائے تاکہ روح مادّہ کے اثر سے مکمل طور پر آزاد ہو سکے۔روح کے ساتھ پہلے سے متصل مادّہ کو دور کرنے کا عمل جین مت میں نرجرا کہلاتا ہے۔

نرجرا کو حاصل کرنے کے لئے جین روایت میں نفس کشی پر مبنی مختلف طرح کی ریاضتیں تجویز کی جاتی ہیں جن کے ذریعہ روح میں پہلے سے موجود مادّہ زائل ہو جاتا ہے۔اسطرح ایک طرف سمورا کے ذریعہ روح میں نئے مادّہ کی آمد کو روک کر،اور دوسری طرف نرجرا کے ذریعہ پہلے سے موجود مادّہ کو زائل کر کے،روح اور مادّہ کے انفصال کو مکمل طور سے حاصل کر لیا جاتا ہے۔ مادّہ کے اثر سے آزاد ہو کر روح اپنی تمام فطری خصوصیات کے ساتھ جلوہ گر ہو جاتی ہے۔علم شعور،پاکیزگی،لطافت،نورانیت،سعادت، ابدی مسرت،غرض تمام پسندیدہ خوبیاں جو کہ روح کی ذاتی صفات ہیں،اور جو اب تک مادّہ کی کثافت سے چھپی ہوئی تھیں،اب مکمل طور سے ظاہر ہو جاتی ہیں۔ یہی موکش (نجات) ہے۔

مرنے کے بعد ایسی نجات یافتہ ارواح چونکہ مادّہ کی کثافت سے پاک ہوتی ہیں، اس لئے سیدھی آسمان میں اوپر کی طرف چلی جاتی ہیں اور اس کی چھت پر جا کر ٹک جاتی ہیں جہاں وہ ابدالآباد تک اپنی پاکیزہ خصوصیات سے لطف اندوز ہونے میں غرق رہیں گی۔ایسی ارواح کرم اور آواگون کے چکر سے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے نجات پا چکی ہیں[1]۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اخلاقی تعلیمات

جین مت میں چونکہ ابتدائی بدھ مت کی طرح ''نجات'' کا دارومدار کسی غیبی طاقت کے فیصلے یا دیوتاؤں کی مرضی کے برخلاف سرتاسر انسان کی ذاتی سعی وکوشش پر مبنی ہے۔اس لئے روح کا مادّہ کے چنگل سے آزاد کرانے کے لئے اس مذہب میں ایک بہت تفصیلی لائحہ عمل تجویز کیا گیا ہے۔اس سلسلے میں مختلف نوعیت کے قوانین، اصولوں اور ضابطوں کی متعدد فہرستیں ہیں جو جین مت کے مطابق ہر ''نجات'' کے خواہشمند کے لئے لازمی ہیں۔یہ اصول وضوابط تعداد میں اتنے زیادہ اور ہمہ گیر ہیں کہ فرد کی ذاتی وسماجی زندگی کا کوئی گوشہ ان کے دائرہ سے باہر نہیں رہ گیا ہے۔

یہ قوانین فرد کی پوری زندگی کو ایک بہت سخت ڈسپلن کا تابع بنا کر چھوڑتے ہیں۔ البتہ اس سلسلے میں جین مت میں یہ فرق مہاویر جین کے زمانہ سے ہی چلا آرہا ہے کہ چونکہ تمام لوگ خواہشات کی نفی کے اعلیٰ ترین معیار کے لئے فوراً تیار نہیں ہوسکتے،اس لئے لوگوں کو اس کی آزادی دی گئی ہے کہ وہ مکمل ترک دنیا نہ کرتے ہوئے گھربار والی سماجی زندگی بسر کرسکتے ہیں۔اس صورت میں ان کو جین مت کے اخلاقی قوانین وضوابط کو ایک ہلکی (انو ورتا) شکل میں ماننا کافی ہوگا،جو ان کو آئندہ اعلیٰ ترین اخلاقی معیار کے لئے تیار کر دے گا۔ایسے گرہست اور سماجی زندگی گزارنے والے جینیوں کے لئے شروک (مردوں کے لئے) اور شروکا (عورتوں کے لئے) کی اصطلاح استعمال کی جاتی ہے۔

البتہ جو لوگ جین مت کی اخلاقی تعلیمات کو مثالی (مہاورتا) صورت میں اپنانا چاہتے ہوں، ان کو مکمل سنیاس لینا ہوگا۔ یہ لوگ سادھو (مردوں کے لئے) اور سادھوی (عورتوں کے لئے) کہلاتے ہیں۔

یہ لوگ انہیں تعلیمات کو جو گرہست لوگوں کے لئے ہیں زیادہ سخت شکل میں اور

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

نہایت باریک بینی سے عمل میں لاتے ہیں اور اس کے علاوہ کئی ایسے قوانین پر بھی عمل پیرا ہوتے ہیں جو صرف سادھوؤں کے لئے مخصوص ہیں۔

''نجات'' حاصل کرنے کے اس لائحہ عمل کو جین مت میں سب سے پہلے تین بڑے حصوں میں بانٹ دیا گیا ہے۔ جو جین مت میں تری رتن (جواہر ثلاثہ) کہلاتے ہیں۔

جین مت کے یہ جواہرِ ثلاثہ

۱۔ رسمیک درشن (صحیح عقیدہ)

۲۔ سمیک گیان (صحیح علم)

۳۔ سمیک چرتر (صحیح عمل) ہیں۔

سمیک درشن

ان تینوں جواہر ثلاثہ میں صحیح عقیدہ کو سب سے بنیادی اہمیت حاصل ہے۔ صحیح عقیدہ کی غیر موجودگی میں جین مت کے نزدیک بقیہ دونوں اجزا یعنی صحیح علم اور صحیح عمل کا تصور کرنا بھی مشکل ہے جین مت کے نزدیک صحیح عقیدہ میں جین تیرتھنکروں کے حقیقی مذہبی رہنما ہونے پر یقین، جین مقدس کتابوں کی تقدیس اور جین مت کے اولیا کی بزرگی پر ایمان لانا اوّلین شرط ہے۔ اسکے ساتھ ساتھ صحیح عقیدہ میں جین مت کے تسلیم کردہ سات ''حقائق'' جیو، اجیو اسرو بندھ، سمورا، نرجرا اور رموکش، جن کی تفصیل ہم اوپر بیان کر چکے ہیں، پر ایمان لانا بھی ضروری ہے۔ صحیح عقیدہ کے ضمن میں یہ بھی بتایا جاتا ہے کہ اس میں آٹھ مطالبات کو پورا کرنا، تین طرح کے وہمات اور آٹھ قسم کے تکبرات سے پرہیز بھی شامل ہیں۔

سمیک گیان

صحیح علم جین مت کے نزدیک اشیا کے ان کی حقیقی ماہیت میں جیسا کہ وہ ہیں

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

جاننے کو کہتے ہیں۔ جین مت کے نزدیک یہ اس وقت تک نہیں حاصل ہوسکتا جب تک کہ ہر طرح کا باطل علم زائل نہ ہو جائے۔ صحیح علم کی پانچ اقسام جین مت میں مستند مانی گئی ہیں۔ متی گیان (حواس اور عقل پر مبنی علم) شرت گیان (مقدس کتابوں پر مبنی علم) اودھی گیان (غیب دانی سے حاصل کردہ علم) من پریایا گیان (دوسروں کے خیالات اور احساسات کا علم) اور کیویلیہ گیان یا علم کامل جو زمان و مکان کی قید سے آزاد ہے اور جو کہ روح کی جبکہ مادے سے غیر ملوث اپنی اصل حالت میں ہوتی ہے، طبعی خصوصیت ہے۔

سمیک چرتر

صحیح عمل جین مت کی تعلیمات کا وہ حصہ ہے جو براہ راست روح کو مادے کی قید سے آزاد کرنے اور موکش (نجات) کے حصول کا ذمہ دار ہے۔ اگر چہ صحیح عمل کی افادیت بلکہ صحیح عمل کا صادر ہونا ہی جین مت کے نزدیک اسی وقت ممکن ہوسکتا ہے۔ جب کہ صحیح علم اور اس سے پہلے صحیح عقیدہ موجود ہو، لیکن صحیح عمل کی براہ راست اہمیت کے پیش نظر جیسا کہ ہم نے اوپر ذکر کیا تھا، اور انسان کی عملی زندگی کو مخصوص طرز میں ڈھالنے کے لئے جین مت میں نہایت تفصیلی قوانین موجود ہیں ؎۔ ان قوانین کی پیچیدہ تفصیلات میں نہ جاتے ہوئے ہم یہاں صرف جین اخلاقیات کے اہم ترین حصے بیان کریں گے۔

جین مت کی اخلاقی تعلیمات میں سب سے بنیادی اہمیت ان پانچ ورتوں (واحد ورت) کی ہے جن پر ہر جینی کو تا زندگی عمل کرنے کا عہد کرنا پڑتا ہے۔ ان پانچ اصولوں میں سے چار تو بہت قدیم ہیں اور جین مت میں مہاویر سے پہلے سے رائج تھے، البتہ مہاویر جین نے جہاں جین مت میں اور دوسری اصلاحات کی تھیں۔ وہاں ایک پانچویں بنیادی عہد برہمچریہ (پاکبازی) کا بھی الگ سے اضافہ کیا تھا۔

مہاویر جین سے پہلے برہمچریہ کا تصور شاید چوتھے عہد اپری گرہ (دنیا سے بے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

رغبتی) کے اندر شامل سمجھا جاتا تھا اور اس پر الگ سے کوئی زور نہیں دیا گیا تھا۔ جین مت کے پانچ بنیادی عہد یہ ہیں:

۱۔ اہنسا (عدم تشدد)

۲۔ ستیہ (راست گفتاری)

۳۔ استیہ (چوری نہ کرنا)

۴۔ برہمچریہ (پاک بازی)

۵۔ اَپری گرہ (دنیا سے بے رغبتی)

لیکن سمجھ لینا چاہیے کہ جین مت میں یہ پانچ اصول اپنے انتہائی وسیع معنوں میں استعمال ہوتے ہیں۔

مثال کے طور پر اہنسا جو کہ جین مت کا بنیادی ستون اور مرکزی اخلاقی تعلیم کہی جا سکتی ہے، صرف جسمانی طور پر جانداروں کو نہ مارنے یا ان کو تکلیف نہ پہنچانے پر مبنی نہیں کہی جا سکتی۔ بلکہ خیالات اور گفتگو میں تکبر، نفرت، تعصب، عدم احتیاط اور دنیاوی لالچ کا شکار ہونا بھی جین مت میں اہنسا کی خلاف ورزی سمجھی جائے گی۔

اسی طرح راست گفتاری کے ضمن میں علاوہ سچ بولنے کے، مبالغہ، عیب جوئی اور ہر نامناسب گفتگو سے پرہیز بھی شامل سمجھا جائے گا۔

چوری نہ کرنے میں بلا اجازت دوسرے کی چیز نہ لینے کے علاوہ، گری پڑی اشیاء، دھوکہ سے حاصل کیا ہوا مال، تجارت میں کسی طرح بے ایمانی، یا کسی بھی ناجائز طریقہ سے حاصل ہونے والے نفع سے پرہیز شامل ہے۔

پاکبازی میں نہ صرف ذہنی اور جسمانی طور پر اپنی عصمت و عفت کی حفاظت شامل ہے، بلکہ دوسرے کی شادیاں کرانے میں بہت دلچسپی لینا یا آزادہ رو مرد اور عورتوں سے تعلقات رکھنا، فحش گفتگو میں حصہ لینا وغیرہ بھی پاکبازی کے عہد کی خلاف ورزی تسلیم کی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

جاتی ہے۔

اَپری گرہ یا دنیا سے بے رغبتی کے عہد میں بھی اسی طرح نہ صرف دل سے دنیاوی اشیا کی محبت کو خارج کرنا کافی ہوگا، بلکہ مادّی اعتبار سے بھی اپنی دولت و جائداد کو محدود رکھنا ہوگا جو کہ سادھوؤں کے ضمن میں تو اپنی ملکیت صرف چند ضروریات زندگی تک محدود رکھنے پر منحصر ہے لیکن گرہست لوگوں کے لئے اس کی یہ صورت ہے کہ ان کو پہلے سے متعین کر لینا ہوگا کہ وہ زندگی میں صرف ایک مخصوص حد تک ہی مال و دولت اپنے پاس رکھیں گے اور پھر ساری عمر اس کی پابندی کرنی ہوگی۔

جیسا کہ ہم نے اس اَپری گرہ کے اصول میں دیکھا کہ مندرجہ بالا اصولوں کی مثالی پابندی گرہست لوگوں کے لئے مشکل ہوگی اور اس لئے ان کے ساتھ اس اصول کی پابندی میں سادھوؤں کی بہ نسبت کچھ رعایت رکھی گئی ہے، اسی طرح دوسرے اصولوں میں بھی مثالی پابندی کا تقاضا صرف سادھوؤں کے ساتھ مخصوص ہے۔ گرہست لوگوں کے لئے ہر اصول میں ایسی رعایت رکھی گئی ہے جس کے ذریعہ ان کو دنیا میں رہ کر اپنے خاندان کی پرورش کرنا اور ایک سماجی زندگی گزارنا ممکن ہو سکے۔ البتہ ان سے یہ مطالبہ ضرور کیا جاتا ہے کہ جہاں تک ہو سکے وہ مثالی تصور سے قریب تر ہونے کی کوشش کرتے رہیں۔ اس کے لئے جین مت کی مذہبی قوانین کی کتابوں میں تفصیلی ذیلی قوانین بھی متعین کر دیئے گئے ہیں۔ ان پانچ بنیادی عہدوں کے علاوہ جو کہ تمام جینیوں کے لئے لازمی ہیں، گرہست جینیوں کو سات مزید فروعی عہد کرنے ہوتے ہیں جو کہ جین مت کے تصور میں اُن کو بنیادی عہدوں پر عامل رہنے میں مددگار ثابت ہوتے ہیں۔ یہ فروعی عہد اس طرح ہیں:

ا۔ دگ ورت

یہ عہد کرنا کہ زندگی بھر کسی سمت میں بھی مخصوص فضائی مقامات سے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

آگے نہیں بڑھیں گے (جین مت میں فضا بھی مختلف ٹھوس نشانات پر مبنی ہے)۔

۲۔ دیش ورت

مندرجہ بالا کی طرح علاقائی اعتبار سے بھی مخصوص مقامات کے اندر محدود رہنے کا عہد کرنا۔

۳۔ اَنرتھ ڈنڈ ورت

زندگی بھر بے مقصد برائیوں سے پرہیز کا عہد کرنا، مثلاً فضول تفکرات خطرات میں کودنا یا دوسروں کو اس طرح کی فضولیات پر آمادہ کرنا، وغیرہ۔

۴۔ سامائکا

روزانہ کچھ دیر کے لئے مراقبہ کرنے کا عہد کرنا۔

۵۔ پردشادھو پادسا

عمر بھر مہینے کے چار مخصوص دنوں مین روزہ رکھنے کا عہد کرنا۔

۶۔ اُپا بھوگ، پری بھوگ، پری مان

کھانے پینے اور اور استعمال کی اشیا سے لطف اندوز ہونے کے لئے ایک حد قائم کرنا۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

۷۔ اتی تھی سمو بھاگ

سادھوؤں یا نیک لوگوں کو کھانا کھلائے بغیر خود نہ کھانے کا عہد کرنا۔

ان سات فروعی عہدوں کے ساتھ تمام جین عالموں کے نزدیک ایک گرہست کو عمر کے آخری حصے یا کسی جان لیوا بیماری میں سلیکھنا یعنی فاقے کے ذریعے خودکشی کا عہد بھی کرنا چاہیے، جو کہ جین مت میں بہت قابلِ تعریف موت سمجھی جاتی ہے[۸]۔ تمام عمر جینیوں کے لئے گوشت، شہد، کچی سبزیوں جڑوں، نشہ آور اشیا سورج چھپنے کے بعد کھانا کھانے، اور درختوں سے پھل توڑنے وغیرہ سے پرہیز بھی لازمی سمجھا جاتا ہے۔

مندرجہ بالا قوانین اور ان جیسے اور دوسرے اعمال کے علاوہ جو کہ جین مت میں گرہست جینیوں کی روحانی ترقی کے لئے تجویز کئے گئے ہیں، گرہست جینیوں کے روحانی ارتقا اور موکش سے ان کی درجہ بدرجہ قربت کو ایک اور اسکیم کے ذریعہ متعین کیا گیا ہے جو کہ گیارہ پر تیماؤں یا روحانی زندگی کے گیارہ مدارج کہلاتے ہیں۔ ان پر تیماؤں کے ذریعہ گرہست درجہ بدرجہ روحانی ترقی کرتا ہوا وہی فوائد حاصل کرسکتا ہے جو کہ ایک جین سادھو کو اپنے سنیاس کے درجۂ کمال میں حاصل ہوتے ہیں اور درحقیقت ان پر تیماؤں کے آخری مدارج پر ایک گرہست اور سادھو کی زندگی میں کوئی خاص فرق نہیں رہ جاتا۔ البتہ جن مدارج کو طے کرنے اور ان میں کمال حاصل کرنے کے لئے ایک سادھو کو طویل مدت درکار ہوتی ہے ان کا دورِ عبودیت ایک گرہست کے لئے بہت مختصر کردیا گیا ہے۔

مثال کے طور پر اس روحانی ارتقا کے آخری درجہ کی مدت جس کی تکمیل ایک مہینہ کی فاقہ کشی کے ذریعہ خود اختیاری خودکشی پر ہوتی ہے، ایک گرہست کے لئے بارہ مہینے ہے، جبکہ ایک سادھو کو یہ آخری درجہ اور اس کے بعد خودکشی کی ''مبارک'' موت بارہ سال کے طویل عرصے میں آپ کو رفتہ رفتہ گھلاتے رہ کر حاصل کرنا ہوتی ہے[۹]۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ایک سادھو کو ہر طرح کی تکالیف برداشت کرنی ہوتی ہیں، لیکن اُس کو بہر حال اپنے کو زندہ رکھنا ہوتا ہے تا کہ وہ روحانیت کی تکمیل سے پہلے بے کار موت نہ مر سکے۔

گرہست لوگوں کے اخلاقی قوانین پر ایک اجمالی نظر ڈالنے کے بعد اب ہم جین سنگھ (جماعت، امت) کے دوسرے طبقے یعنی سادھوؤں کے سلسلے کی تعلیمات کو دیکھتے ہیں۔ جین مت کے اس طبقہ میں مرد سادھوؤں کے علاوہ عورت سادھونیاں بھی شامل ہوتی ہیں۔ اگرچہ مرد اور عورت سادھوؤں میں برہمچریہ (پاکبازی) کی نہایت سخت پابندیوں کی وجہ سے باہم ارتباط کے بہت کم مواقع ہو سکتے ہیں، تاہم مرد سادھوؤں کی جماعت کا نظم علاحدہ ہوتا ہے اور عورتوں کا علاحدہ سنیاس کی ابتدا جین مت کے پانچ بنیادی ورتوں (عہدوں) کو اُن کی مہاورتا (عظیم، مثالی) شکل میں لینے سے ہوتی ہے اور اس کے بعد تمام دنیاوی تعلقات سے ناتہ توڑ کر پانچویں ورت اُپری گرہ (دنیا سے بے رغبتی) کے تحت صرف چند ضروری چیزوں کے علاوہ ایک سادھو کو ہر طرح کی ذاتی ملکیت سے ہاتھ دھو لینا پڑتا ہے۔ نجی ستعال کی چیزوں میں ایک مرد سادھو کو تین بغیر سلے کپڑے اور عورتوں کو چار کپڑے رکھنے کی اجازت ہے۔ (یہ شق صرف سوئتامبر فرقہ کے سادھوؤں کے لئے ہے کیونکہ دگامبر فرقہ کے سادھو بالکل ننگے رہتے ہیں اور ان کے فرقہ میں عورتوں کو سنیاس لینے کی اجازت نہیں ہے۔) اس کے علاوہ ایک سادھو اپنے پاس بھیک مانگنے کے دو برتن (ایک کھانے اور دوسرا پینے کی چیزوں کے لئے)، ایک جھاڑو (بیٹھنے اور سونے یا کچھ رکھنے سے پہلے جگہ صاف کرنے کے لئے تا کہ کوئی چھوٹے سے چھوٹا کیڑا بھی دب کر مر نہ جائے اور سادھو جان لینے کے عظیم گناہ کا مرتکب نہ ہو جائے) منہ پر باندھنے کا کپڑا (تا کہ نہ دکھائی دینے والے کیڑے بولتے وقت منہ جا کر نہ مر سکیں) اور ایک عصا اپنے پاس رکھتا ہے لیکن یہ اشیا بھی ایک سادھو کو خرید کر، ادھار مانگ کر، کچھ گروی رکھ کر یا (خدانخواستہ) چرا کر نہیں، بلکہ بھیک مانگ کر حاصل کرنی ہوتی ہیں۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اپنی غذا بھی ایک سادھو ۲۴ گھنٹے میں ایک بار سہ پہر میں بھیک مانگ کر حاصل کرتا ہے، جو سورج چھپنے سے پہلے اس کو کھا لینا چاہیے۔ کل کے لئے کچھ اٹھا رکھنا (سوائے بیماری کی حالت کے) یا پہلے سے اپنے لئے خاص طور پر تیار کیا ہوا کھانا بھیک میں ممنوع ہے۔ اس سلسلے میں، اور سادھوؤں کے دوسرے معمولات کے لئے، نہایت تفصیلی جزوی قوانین موجود ہیں، جو سب یہاں بیان نہیں کئے جا سکتے۔ رات کو کھانا (تمام جینیوں کے لئے) اور سادھوؤں کے لئے رات میں چلنا پھرنا بھی اس لئے منع ہے کہ اندھیرے میں کسی بھنگے کا کھانے میں گر کر یا کسی کیڑے مکوڑے کا پیر کے نیچے دب کر مر جانے کا اندیشہ ہے اور اس طرح اہنسا کے ورت کی خلاف ورزی ہوگی۔

تمام سادھوؤں (مرد اور عورتوں سبھی کو) سر منڈوانا لازمی ہے، بلکہ بہتر ہے کہ اگر مو چنے سے بال اکھڑوائے جائیں۔ بال اکھڑوانے کی یہ رسم جو جین مت میں لوچا کہلاتی ہے، بعض حالات اور واقعات میں لازمی ہوتی ہے۔ سادھوؤں کے قیام کے سلسلے میں ابتدا میں تو یہ دستور تھا کہ سوائے برسات کے جبکہ گرہست جینیوں کے مکان میں ان کے ٹھہرنے کا انتظام کر دیا جاتا تھا۔ بقیہ تمام وقت سادھو مستقل حالت سفر میں رہتے تھے۔ لیکن اب موجودہ دور میں بہت سی جگہوں پر سادھوؤں کے لئے اُپسرایا (سادھوؤں کے مکان) بنے ہوئے ہیں جہاں سادھو عارضی طور پر (گاؤں میں ایک ہفتہ، شہر ہو تو ایک مہینہ) ٹھہر سکتے ہیں۔ سویتامبر فرقے کے سادھو تو صرف انہی جگہوں کے درمیان سفر کرتے ہیں جہاں اُپسرایا موجود ہوں۔ مرد اور عورت سادھوؤں کے ٹھہرنے کے مکانات علاحدہ علاحدہ ہوتے ہیں۔ گرہست جینی سادھوؤں سے انہی مکانات (یہ صرف بڑے بڑے ہال ہوتے ہیں جن میں لکڑی کے تختے پلنگوں کی جگہ بچھے ہوتے ہیں) میں ملتے ہیں اور انہی مواقع پر جینی سادھو گرہست لوگوں کو مذہبی تعلیم اور رہنمائی فراہم کرتے ہیں۔

جین سادھوؤں کے اخلاقی و روحانی ضوابط میں تین قسم کی گپتیاں (ضبطِ نفس)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

پانچ طرح کی سمیتیاں (احتیاطیں) دس دھرم (نیکیاں)، بارہ قسم کی انوپ ریکشائیں (مراقبے) بائیس طرح کی پریکشائیں (تکالیف) پانچ قسم کے چرتر (اخلاقی معیار) اور بارہ قسم کے تپ (ریاضتیں) شامل ہیں[1]۔

تین قسم کی گپتیوں میں پہلی منوگپتی دماغ پر قابو رکھنے سے متعلق ہے جس کے ذریعے بُرے اور ناپسندیدہ خیالات کو ذہن سے دور رکھ کر صرف اچھے اور پاک خیالات کے لئے جگہ بنائی جائے گی۔ دوسری واک گپتی گفتگو پر قابو رکھنے سے متعلق ہے کہ جہاں تک ہو سکے آدمی خاموش رہے اور جب بولے تو صرف بہت ضروری گفتگو پر قناعت کرے۔ تیسری کایا گپتی جسمانی حرکات پر قابو رکھنے سے متعلق ہے۔

پانچ طرح کی سمیتیاں (احتیاطیں) چلنے، بولنے، بھیک مانگنے یا کھانا کھانے، چیزوں کو رکھنے یا اٹھانے، یا رفع حاجت کے دوران انتہائی احتیاط سے متعلق ہیں کہ جس سے ان اعمال کے دوران کسی چھوٹے سے چھوٹے جاندار کو تکلیف پہنچنے یا اس کی جان ضائع ہونے کا احتمال نہ رہے۔ دس لکشنا دھرم یا دس نیکیاں حددرجہ کی معافی، حددرجہ کی نرمی، حددرجہ کا اخلاص، حددرجہ کی قناعت، حددرجہ کی راست گوئی، حددرجہ کا ضبطِ نفس، حددرجہ کی ریاضت، حددرجہ کا ترکِ دنیا، حددرجہ کی بے لوثی اور حددرجہ کی پاکبازی پر مبنی ہیں۔

بارہ قسم کی انوپ ریکشائیں یا مراقبے کے موضوعات، دنیا کی بے ثباتی، انسان کی بے بسی، روح کی دنیاوی قید، انسان کی تنہائی، روح کی مادّے اور تمام علائق سے علاحدگی، جسم کی کثافت، روح میں مادّے کی مداخلت، روح میں مادّے کی مداخلت کو روکنا، روح میں پہلے سے موجود مادّے کا انخلا کائنات کی وسعت اور کاریگری، روحانی علم کی کمیابی اور اس کے حصول کی مشکلات اور راہِ معرفت کی نوعیت ہیں۔

بائیس قسم کی تکالیف میں جو کہ ایک سادھو اور سادھونی کو برداشت کرنی ہوتی ہیں، بھوک، پیاس، سردی، گرمی، کیڑوں کے کاٹنے کی تکلیف، ننگے رہنا، ناپسندیدہ جگہ رہنا،

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

جنسی جذبے کے تقاضے، زیادہ چلنا، ایک وضع میں طویل وقفے کے لئے بیٹھنا، زمین پر آرام کرنا، بُرا بھلا سننا، مار پیٹ سہنا، بھیک مانگنا، بھیک مانگنے پر بھیک نہ ملنا، بیماری، کانٹے گڑنا، جسمانی گندگی اور ناپاکیاں، بے عزتی سہنا، اپنے علم کی قدر دانی نہ ہونا، کسی نہ کسی درجہ میں اپنے اندر جہالت کو موجود پانا جین مت کے معتقدات کے سلسلے میں شکوک و شبہات کا پیدا ہونا، شامل ہیں۔

پانچ طرح کے چرتر یا اخلاقی معیار جو ایک سادھو کو حاصل کرنے ہوتے ہیں وہ مکمل جمعیت قلبی، سکونِ قلب کے درہم برہم ہو جانے پر اس کو دوبارہ حاصل کرنا، مکمل اور غیر مشروط اہنسا، جذبات اور خواہشات سے مکمل آزادی اور بے غرض مثالی طرزِ عمل ہیں۔

سادھوؤں کے اخلاقی نظم وضبط کے سلسلے میں اب تک جو اصول ذکر کئے گئے ہیں۔ ان کا مقصد ایسی کیفیت کو حاصل کر لینا ہے جہاں روح کے اندر مزید ''عملیاتی مادّے'' کی آمد (سمورا) کو روکا جا سکے۔ روح میں پہلے سے موجود مادّے کے انخلا کے لئے جین مت میں مختلف نوع کی ریاضتوں کو بنیادی وسیلہ سمجھا جاتا ہے۔ اس طرح کی ریاضتوں میں بارہ قسم کی ریاضتیں ہر سادھو کے ضابطۂ اخلاق میں شامل سمجھی جاتی ہیں۔ یہ ریاضتیں اس طرح ہیں:

ا۔ چھ جسمانی ریاضتیں

اس میں مختلف اوقات میں روزے رکھنا، جب کھانا ہو تو بھوک سے کم کھانا، خوراک کے سلسلے میں اپنے اوپر مختلف طرح کی پابندیاں عائد کر لینا، مثلاً فلاں شرط پوری ہو جائے جب ہی کھانا کھاؤں گا وغیرہ، چھ پسندیدہ اشیا یعنی گھی، دودھ، دہی، شکر، نمک، تیل میں سے درجہ بدرجہ ایک یا ایک سے زائد کو ترک کرتے رہنا، تنہا مقام پر جہاں کوئی ذی روح موجود نہ ہو بیٹھنا اور سونا، جسم کو اُس وقت تک تکلیف دینا جب تک کہ حواس نہ مختل ہونے لگیں، شامل ہیں۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

۲۔ چھ باطنی ریاضتیں

اس میں مختلف نوع کے کفارے، جین مت کی مقدس ہستیوں کے لئے جذبۂ عقیدت اور محبت کی پرورش، جین ولیوں اور بزرگوں کی خدمت، مقدس کتابوں کا مطالعہ، جسم اور اس کے متعلقات سے بے نیازی پیدا کرنا اور مراقبہ میں مکمل یکسوئی حاصل کرنے کی کوشش کرنا، شمار کئے جاتے ہیں[۱۱]۔

یہاں یہ ذکر کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ جین مت میں گرہست اور سادھو دونوں طرح کے طبقات میں ایک واضح حدِ فاصل اور بنیادی فرق، جیسا کہ بُدھ مت اور کیتھولک عیسائیت میں ہے، نہیں معلوم ہوتا۔ یعنی گرہست اور سادھو میں صرف جین مت کے اصولوں پر شدت یا نرمی کے ساتھ عمل کرنے کا فرق ہے، اصولوں کی نوعیت میں فرق نہیں ہے۔ چنانچہ جو قوانین اور اصول ہم نے سادھوؤں کے ضمن میں بیان کئے ہیں، وہ گرہست لوگوں کے لئے بھی اتنے ہی مفید سمجھے جاتے ہیں اور جو گرہست ان پر جتنا ہی عمل کرے اتنا ہی قابلِ تحسین سمجھا جاتا ہے۔ البتہ گرہست لوگوں کے حالات کے پیشِ نظر ان کو بہت سے معاملات میں رخصت مل جاتی ہے۔ جبکہ سادھوؤں کو ان اصولوں پر شدت کے ساتھ عمل کرنا پڑتا ہے۔ درحقیقت ہر گرہست کے لئے تجویز کردہ ضابطۂ اخلاق میں یہ شامل ہے کہ وہ مہینے کے مخصوص دنوں یا بعض اوقات میں کچھ عرصے کے لئے سادھو کی طرح زندگی گزارے[۱۲]۔

جین مت کا ارتقا اور فرقہ بندی

اگرچہ جین عقیدہ کے مطابق، اور بعض تاریخی حوالوں سے، مہاویر جین (۵۲۷۔۵۹۹۔ق۔م) سے پہلے جین مذہب کا وجود ثابت ہوتا ہے، لیکن یہ حقیقت معلوم

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہوتی ہے کہ مہاویر جین سے پہلے جین مذہب مشرقی ہندوستان کی ریاست مگدھ میں محدود ایک مقامی مذہبی فرقہ کی حیثیت رکھتا تھا اس بات کے کئی شواہد موجود ہیں کہ علاوہ جین مت کی اصلاح اور تنظیم کے، مہاویر جین نے جین مذہب کی اشاعت اور تبلیغ کا کام نمایاں طور پر سرانجام دیا۔ ان کی کوششوں سے جین مذہب علاوہ مگدھ کے پاس پڑوس کی ریاستوں کے، مغرب میں بنارس تک ایک مقبول مذہب بن گیا۔

۵۲۷ ق۔م میں مہاویر جین کے انتقال کے بعد ان کے جانشینوں نے اس تبلیغی جذبہ کو باقی رکھا اور جلد ہی جین مت منڈاسر اور اُجین تک پہنچ گیا۔ اس سلسلے میں چوتھی صدی قبل مسیح کے نصف آخر میں مہاویر جین کے بعد جین مت کے آٹھویں سربراہ بھدرا بہو (وفات ۲۹۷ ق۔م) کی شخصیت کو کافی اہمیت دی جا سکتی ہے۔ سوئتامبر فرقہ کی روایت کے مطابق بھدرابہو نے تبلیغی سرگرمیوں کے سلسلے میں نیپال تک کا سفر کیا اور ان کا دور جین مت کی اشاعت کے لئے کافی اہمیت رکھتا ہے۔ دوسری طرف دِگامبر فرقہ کے نزدیک اپنے زمانہ میں شمال مغربی ہندوستان میں ایک زبردست قحط کے نتیجے میں بھدرابہو نے اپنی ماتحتی میں بارہ ہزار جین سادھوؤں کے ساتھ جنوبی ہندوستان کا رخ کیا اور میسور ریاست میں شرون بیلگولا کے مقام پر جین سادھوؤں کے ساتھ جنوبی ہندوستان کا رخ کیا اور میسور ریاست میں جین مت کا جنوبی مرکز قائم کیا۔ اس کے بعد سے جین مت کی اشاعت جنوبی ہندوستان میں بھی شروع ہوگئی۔ دوسری طرف دوسری صدی قبل مسیح میں مشرقی ہندوستان میں اُڑیسہ کے حکمراں راجہ کھارویل نے جین مت قبول کر لیا تھا اور اس نے اس مذہب کی اشاعت اور ترقی کے لئے کارہائے نمایاں سرانجام دیئے۔ اس ضمن میں اشوک کے پوتے راجہ سمپراتی کا بھی نام لیا جاتا ہے۔ جس نے جین مت قبول کر کے اس کی ترکی کے لئے اُسی طرح سرگرمی دکھائی جیسے اس کے دادا اشوک نے بدھ مت کی اشاعت کے لئے کوششیں کی تھیں۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

پہلی صدی قبل مسیح میں مشہور رہنما کلک اچاریہ کی ماتحتی میں جین مت مغربی ہندوستان میں اپنے قدم استوار کرنے میں کامیاب ہوگیا۔ اس سلسلے میں یہ روایت مشہور ہے کہ کلک اچاریہ نے مغربی ہندوستان کے راجہ گندابھیل سے بدلہ لینے کے لئے، جس نے کلک اچاریہ کی سادھو بہن کو اغوا کرلیا تھا، ہندوستان کے شمال مغرب میں موجود شاک وحشیوں کو گندابھیل کی حکومت پر حملہ کرنے کے لئے مدعو کیا، جس کے نتیجہ میں شمال مغربی ہندوستان اور گجرات پر شاک حکومت قائم ہوگئی۔ بعد کے کئی شاک راجہ، جین روایت میں، جین مت سے متاثر اور اس کے بہی خواہ بتائے جاتے ہیں۔

بہر حال یہ کہا جاسکتا ہے کہ گپت خاندان کے دورِ حکومت (۳۲۰_۶۰۰) تک، باوجود گپت راجاؤں کی رواداری اور بہی خواہی کے، جین مت خود اپنے پُرانے وطن مگدھ اور مشرقی ہندوستان کی بہ نسبت ہندوستان کے وسطی اور مغربی علاقے میں زیادہ مقبول تھا۔

گپت خاندان کے زوال کے بعد سے، جب شمال ہندوستان کی سیاسی وحدت (ہرش وردھن کے دور حکومت کو چھوڑ کر) آنے والی چھ صدیوں کے لئے پارہ پارہ ہوگئی، تو جنوب میں کئی طاقتور، اور سیاسی وتہذیبی لحاظ سے اہم، حکومتوں کا دور شروع ہوا۔ چھٹی صدی عیسوی سے بارہویں صدی عیسوی تک جنوبی ہندوستان کی ان ریاستوں میں سے کئی ایک، مثلاً، گنگا، کڈمبا، چالوکیہ اور راشٹر کوٹ وغیرہ کے حکمرانوں نے پُرجوش طریقے سے جین مت کے عروج کا دور ہے۔

البتہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ ساتویں صدی عیسوی اور اس کے بعد جنوب مغرب سے جینی اثرات گجرات میں داخل ہوئے اور مختلف حکمران خاندانوں کی زیر سرپرستی، گجرات میں اور پھر راجستھان میں، جین مت نے ایک بار پھر ترقی کی منزلیں طے کرنی شروع کیں۔ اس دور میں اس علاقے میں سویتامبر فرقہ کے کئی مذہبی رہنما اور عالم مثلاً ہری بھدرا سوری، اُدیوتنا سوری، دُون دیوا اور اَبھیادیو وغیرہ پیدا ہوئے جنہوں نے جین مت کی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

مذہبی، فکری، ادبی اور روحانی ترقیوں کو چار چاند لگا دیئے۔ گجرات کے علاقے میں جین مت کی ترقیوں کا سب سے زریں دور گیارہویں صدی کے بعد سے (گجرات کے) چالوکیہ خاندان کے دورِ حکومت میں شروع ہوتا ہے، جبکہ سِدّھ راج اور کُمار پال جیسے حکمرانوں کی زیر سرپرستی اور ہیم چندر جیسے مذہبی عالم کی رہنمائی میں، جین مت تمدنی اور علمی اعتبار سے اپنے نقطۂ عروج کو پہنچ گیا۔

مسلم دورِ حکومت میں جین مت کی صورتحال ہندو روایت سے کچھ زیادہ مختلف نہیں رہی۔ اسلام جیسے بالکل مختلف المزاج اور برعکس عقائد پر مبنی تمدن اور تہذیب کے ماننے والوں کی سیاسی بالادستی نے جس طرح ہندو مت میں تقلید، اور اپنے خول میں ٹھٹھر جانے کے، رجحانات کو فروغ دیا، تقریباً یہی صورتحال جین مت میں بھی نظر آتی ہے۔ اس صورت میں اگر کچھ استثنا ہیں تو ہندو مت ہی کی طرح جین مت میں وہ اصلاحی تحریکیں ہیں، جنہوں نے غالباً اسلامی عقائد کے زیر اثر بُت پرستی کی مخالفت کی یا اپنے دینیاتی نظام میں مذہبی کتابوں کی تقدیس کی خصوصی اہمیت کا تصور پیش کیا۔

اس ضمن میں پندرہویں صدی عیسوی کے اواخر میں تارن سوامی (۱۴۹۵۔ ۱۴۲۸ء) کی قائم کردہ دِگامبر فرقے کی ایک ذیلی جماعت تارن پنتھیوں کا ذکر کیا جا سکتا ہے، جو دوسرے جینیوں کے برخلاف تیرتھنکروں یا دوسرے جین بزرگوں کی مورتی پوجا کے سخت مخالف ہیں اور ذات پات کی تفریق کو بھی اصولاً نہیں مانتے۔ تارن پنتھیوں میں عمومی اعتبار سے ظاہری رسوم ورواج کے بجائے روحانی اقدار پر زیادہ زور ملتا ہے[۳۱]۔ اسی طرح سوئتامبر فرقے میں پہلے ۱۴۵۲ء میں لونکا ذیلی فرقہ اور پھر ۱۶۵۳ء میں اس کی ایک اصلاح شدہ شکل استھانک واسی جماعت قائم ہوئی اور یہ دونوں مورتی پوجا کے مخالف ہیں[۳۲]۔

سوئتامبر فرقے میں ہی ۱۷۶۰ء میں قائم شدہ ذیلی جماعت تیرہ پنتھی بھی شامل ہیں، جو اپنے دوسرے اصولوں کے ساتھ بت پرستی کے بھی مخالف ہیں۔ موجودہ دور میں تیرہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

پنتھیوں کے رہنما اچاریہ تُلسی نے انورتا تحریک کے نام سے ایک دعوت شروع کی ہے جو جین مت کی اخلاقی تعلیمات کو مقبول عام بنانے کی کوشش کر رہی ہے۔ دوسری طرف دِگامبر فرقے میں بھی کاناجی سوامی کی رہنمائی میں کاناجی پنتھ کے نام سے ایک جماعت اُبھری ہے جس کا مرکز گجرات میں سوناگڑھ کے مقام پر ہے۔ بنیادی اعتبار سے یہ جماعت جنوبی ہندوستان کے قدیم جینی عالم اچاریہ کنڈاکنڈا کی تعلیمات کو ایک جدید تشریح کے ساتھ پیش کرنے کی کوشش کرتی ہے۔

جین مت کا کوئی تعارفی خاکہ اس وقت تک مکمل نہیں ہوسکتا جب تک کہ اس میں جین مت کے دو بڑے فرقوں دِگامبر اور سویتامبر کا تعارف نہ کرایا جائے۔ درحقیقت دونوں فرقوں کے اعتقادات کے مطابق جین مت کے ماننے والوں کی یہ تفریق پہلی صدی عیسوی کے آخری حصے (۸۰ء) سے متعلق ہے۔ البتہ اس فرقہ بندی کی توجیہہ اور اس کی ابتدا سے متعلق روایات میں سویتامبر اور دِگامبر فرقوں میں باہم اختلاف ہے۔ سویتامبر فرقے کے مطابق اس کی ابتدا شوبھوتی نامی ایک سادھو سے ہوئی جس نے کہ ایک معمولی سی بات پر ناراض ہو کر بالکل ننگے رہنے کی بدعت شروع کی اور اس طرح ننگے رہنے والے دِگامبر (دِگ فضا، آسمان، امبر: لباس، یعنی فضا کا لباس پہننے والے) سادھوؤں کی جماعت قائم ہوئی جنھوں نے اپنے کو سویتامبر (شو: سفید، اَمبر: لباس، یعنی سفید کپڑے کا لباس پہننے والے) سادھوؤں سے الگ کرلیا اور دونوں جماعتیں الگ الگ فرقے بن گئیں۔

اس کے برخلاف دِگامبر فرقے کا کہنا ہے کہ جین مت میں شروع ہی سے سادھوؤں کے ننگے رہنے کا اصول تھا، جیسا کہ خود مہاویر جین کی زندگی سے ثابت ہے کہ انہوں نے اپنی ریاضت کے ابتدائی حصے میں ہی لباس کی قید سے بھی آزادی حاصل کر لی تھی۔ البتہ جب چوتھی صدی قبل مسیح کے اواخر میں شمالی ہندوستان میں قحط سالی کے باعث اس وقت کے جین بھدرا بھو کی زیرنگرانی بارہ ہزار سادھو جنوبی ہندوستان کی طرف ہجرت کر

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

گئے تو جو جینی سادھو شمالی ہندوستان میں رہ گئے انہوں نے بہت سی بدعات اختیار کر لیں، جن میں سب سے مختلف فیہ سادھوؤں کا لباس پہننا تھا۔ جب بھدرا بھو کچھ عرصہ بعد شمالی ہندوستان واپس آئے تو انہوں نے یہاں کے سادھوؤں کی ان بدعات پر اعتراض کیا جس پر ان سے غیر مطمئن سادھوؤں نے اپنی ایک الگ جماعت کی تشکیل کر لی جو اردا پھلکا کہلائی۔ اسی اردا پھلکا جماعت نے بعد میں ۸۰ء کے قریب سویتامبر فرقے کی شکل اختیار کر لی۔ تاریخی اعتبار سے جینیوں میں اردا پھلکا نامی ایک جماعت کے شواہد ملتے ہیں جو سویتامبر فرقے کی پیش رو معلوم ہوتی ہے[۱۵]۔

بہر حال مشہور جین محقق ہرمین جیکوبی کی رائے میں دونوں فرقوں کے اختلافات جینیوں کو دو الگ الگ جماعتوں کے عرصہ دراز تک ایک دوسرے سے دور اور غیر متعلق رہتے ہوئے پیدا ہوئے ہوں گے اور یہ کہ پہلی صدی عیسوی کے اواخر میں دونوں جماعتیں اپنے باہمی اختلافات سے باخبر ہوئی ہوں گی[۱۶]۔ گویا کسی مخصوص واقعہ کے نتیجہ میں ایک خاص وقت میں جین مت کا ان دو فرقوں میں بٹ جانے کا تصور صحیح نہیں ہوگا۔

دِگامبر اور سویتامبر فرقوں کی تقسیم کے باوجود انتہائی قدیم اور بہت واضح ہونے کے، یہ حقیقت ہے کہ عقائد اور تعلیمات کے لحاظ سے دونوں فرقوں میں کچھ زیادہ فرق نہیں ہے۔ سب سے واضح فرق جو دونوں فرقوں کے درمیان ہے وہ یہی ہے کہ دِگامبر سادھو کوئی لباس نہیں پہنتے اور سویتامبر سادھو سفید کپڑے کا لباس پہنتے ہیں اس کے علاوہ دونوں فرقوں میں جو اختلافات ہیں ان میں مندرجہ ذیل چیزیں شامل ہیں۔ دِگامبر فرقے والے عورتوں کو سادھو بننے کی اجازت نہیں دیتے نیز یہ بھی مانتے ہیں کہ عورتیں آئندہ مرد کی شکل میں جنم لے کر ہی موکش حاصل کر سکیں گی۔

دِگامبر فرقے والے جین مت کی مقدس کتابوں کو بھی نہیں مانتے اور کہتے ہیں کہ ہمارے مذہب کی تمام اصلی کتابیں مہاویر جین کے چند صدیوں بعد ہی ضائع ہو گئی تھیں۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

برخلاف سویتامبر فرقے والوں کے، دگامبر فرقے والے یہ تصور بھی رکھتے ہیں کہ موکش حاصل ہونے کے بعد انسان غذا کی طرف سے بے نیاز ہو جاتا ہے اور وہ بغیر کھائے ہوئے زندہ رہتا ہے، اسی طرح مہاویر جین کی زندگی کے حالات کے سلسلے میں بھی دونوں فرقوں میں باہم اختلاف ہے۔ جس میں اہم چیز یہ ہے کہ دگامبریوں کے مطابق مہاویر جین نے کبھی شادی نہیں کی اور اوائل عمر میں ہی سنیاس اختیار کر کے ریاضت میں لگ گئے تھے جبکہ سویتامبری یہ مانتے ہیں کہ مہاویر جین کی شادی بھی ہوئی اور ایک بچی بھی ان کے پیدا ہوئی، نیز وہ اپنے والدین کی نارضامندی کی وجہ سے اُن کے انتقال تک سنیاس نہیں لے سکے، بلکہ والدین کے انتقال کے بعد بڑے بھائی کی اجازت حاصل کر کے سادھو بنے۔ اس کے علاوہ دونوں فرقوں میں خصوصاً دونوں فرقوں کے گرہست لوگوں کی مذہبی رسومات اور رواجوں میں بھی کچھ فرق ہے۔

جین مت کا مذہبی ادب

جین مت کا جو کچھ بھی مذہبی ادب اس وقت موجود ہے۔ اس میں جین روایت کے مطابق مہاویر جین کے اپنے کلام کا کوئی حصہ نہیں ہے، البتہ وہ تعلیمات جو انہوں نے اپنے شاگردوں کو دیں وہ سینہ بسینہ نئی نسلوں کو منتقل ہوتی رہیں اور مہاویر جین کے انتقال کے ۱۷۰ سال کے بعد پاٹلی پُتر (پٹنہ) میں منعقدہ پہلی جین کونسل میں منظّم صورت میں مرتب کی گئیں۔ یہ تعلیمات اپنی منظّم صورت میں بھی اس کے بعد یادداشت کے سہارے ہی محفوظ رہیں، یہاں تک کہ ۴۴۵ء میں منعقدہ چوتھی جین کونسل کے نتیجہ میں ان کو تحریری شکل میں محفوظ کیا گیا۔ اس دوران ایک ہزار سال سے زائد عرصے میں محض حافظہ کی مدد سے ان تعلیمات کی نسل در نسل منتقلی سے ان میں بڑی تعداد میں تبدیلیاں اور کمی بیشی ہوئی بلکہ یہ سلسلہ ان تعلیمات کے تحریری شکل میں آجانے کے بعد بھی جاری رہا۔ جس کا اندازہ ان

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

تحریروں کی زبان، اسلوب تحریر اور موضوع کے برتنے میں اختلافات سے بخوبی ہو سکتا ہے۔[12]

جین مت کی مقدس کتابوں کے مہاویر جین کے ایک طویل عرصہ بعد تحریری شکل میں منضبط ہونے کی وجہ سے ہی شاید یہ تصور ابھرا کہ ان مقدس تعلیمات کا ایک حصہ ضائع ہو چکا ہے۔ چنانچہ سویتامبر فرقے کے نزدیک ان مقدس تعلیمات کا بارہواں حصہ (انگ) جو کہ چودہ پوروں پر مشتمل تھا ان تعلیمات کے تحریری شکل میں آنے تک ضائع ہو چکا تھا۔ دِگامبر فرقے والے اس سلسلے میں سویتامبر فرقے سے اختلاف کرتے ہیں کہ ان کے نزدیک تو تحریری شکل میں منضبط ہونے تک مقدس کتابوں کا بڑا حصہ ضائع ہو چکا تھا اور اس کے بعد چند صدیوں میں باقی مقدس کتابیں بھی نایاب ہو گئیں۔ اس طرح دِگامبر فرقے والوں کے نزدیک اب جین مت کی کوئی مقدس کتاب موجود نہیں ہے۔ البتہ ان مقدس کتابوں کی بنیاد پر پرانے علما نے جو تصنیفات مرتب کی تھیں وہ موجود ہیں۔ ایسی تصنیفات میں دِگامبر فرقے والوں کے نزدیک پہلی صدی عیسوی کے مشہور جین عالم اماوسی تتوارتھ آدیکما سوتر، جو کہ سنسکرت میں جین مت کی پہلی کتاب کہی جا سکتی ہے، شامل ہے یہ تصنیف سویتامبر اور دِگامبر دونوں فرقوں کے نزدیک یکساں طور پر معتبر ہے۔

سویتامبر فرقے کے نزدیک جو کتابیں مقدس شمار ہوتی ہیں وہ ۴۵ آگماؤں (مقدس صحیفوں) پر مشتمل ہیں۔ ان میں گیارہ انگ (حصے) بارہ اُپ انگ (ذیلی انگ) چار مول سوتر، چھ چھید سوتر، دو چولیکا سوتر اور دس پر کیرنکا شامل ہیں۔ ان مقدس صحیفوں کے قدیمی حصوں کی زبان اَردھا مگدھی پراکرت ہے جو کہ کہا جاتا ہے کہ مہاویر جین بھی بولتے رہے ہوں گے، اور جو قدیم زمانے جینیوں میں ایک مذہبی زبان کا درجہ رکھتی ہے لیکن ان مقدس کتابوں کے بعد کے حصوں میں مہارشٹری اَپ بھرنش کی ملاوٹ شامل ہے۔

ان مقدس صحیفوں کی تشریح اور ان کی تفاسیر لکھنے کا سلسلہ قدیمی زمانے سے ہی ملتا

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہے۔ چنانچہ پراکرت اور پھر پہلی صدی عیسوی کے بعد سے سنسکرت میں مقدس کتابوں کی تشریحات اور تفاسیر پر مبنی ایک ضخیم تحریری سرمایہ جینیوں کے علمی ورثہ میں شامل ہے۔ مقدس کتابوں کی ان تفاسیر کے علاوہ بعد کے جین رہنماؤں اور عالموں نے آزادانہ طور سے بھی جین تعلیمات اور عقائد پر طبع زاد کتابیں تصنیف کیں جن کو بہر حال مقدس کتابوں کے اثر سے آزاد نہیں کیا جا سکتا کیونکہ وہ اپنی سند اور بنیاد کے طور پر مقدس کتابوں کی تعلیمات کو ہی استعمال کرتے تھے۔ پھر ان عالمانہ کتابوں کی بھی شرحوں اور حاشیوں کا ایک سلسلہ ہے جو جین مت کے مذہبی ادب کو بہت وافر اور مالا مال بنا دیتا ہے۔

ہندوستانی تمدن میں جین مت کا حصہ

ہندوستانی مذاہب میں جین مت اس لحاظ سے ممتاز ہے کہ اس کے مذہبی رہنماؤں نے قدیم دور سے ہی مذہبی علوم کے علاوہ دوسرے دنیاوی اور عملی علوم کو بھی اپنی توجہ کا مرکز بنائے رکھا۔ جین عالموں نے علاوہ جین عقائد جین فلسفہ اور جین اخلاقی تعلیمات کے، فن ڈرامانویسی رزمیہ نگاری، عظیم شخصیات کے تذکروں، شعری مجموعوں اور ڈراموں، لغت نویسی، مختلف زبانوں کی صرف ونحو، لوگ کتھاؤں، ناول، علم موسیقی، ریاضی، علم نجوم، علم ہیئت، جغرافیہ، طب اور فلسفہ پر کثیر تعداد میں کتابیں تصنیف کیں اور اس طرح قدیم ہندوستان میں جن علاقوں میں بھی وہ پھلے پھولے وہاں علم وفن کا چراغ روشن رکھا۔ اس ضمن میں پہلی صدی عیسوی سے لے کر دسویں صدی عیسوی تک، کرناٹک اور جنوبی ہندوستان کی دوسری ریاستوں میں دِگامبر فرقے کے عالموں، اور آٹھویں صدی عیسوی سے لے کر بارہویں صدی عیسوی تک، گجرات اور راجستھان کے سوئتامبر فرقے کے عالموں کا خصوصی طور پر ذکر کیا جا سکتا ہے۔

پہلی قسم کے عالموں میں کنڈاکنڈا (پہلی صدی عیسوی) اُماسوامی (دوسری صدی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

عیسوی) سمینت بھدر (پانچویں صدی عیسوی) دیونندی، کالنکا (ساتویں، آٹھویں صدی عیسوی) دیواگر اور گنویر پنڈت (تامل ناڈو) گرادتیہ (نویں صدی عیسوی) جس نے کہ آٹھ ہزار اشلوک پر مبنی سنسکرت میں آیورؤیدک طب پر ایک ضخیم کتاب لکھی ہے۔ مہاویرا چاریہ (نویں صدی عیسوی) جس نے ۸۵۰ء کے قریب علم ریاضی پر ایک معرکۃ الآرا کتاب گنٹرت سار سنگرہ لکھی جس میں علاوہ اور کئی اہم دریافتوں کے، بڑے عددوں کے حساب کے لئے ''لوگاردم'' کا طریقہ بھی سمجھایا گیا ہے، اور سویں صدی عیسوی کے نیمی چندر جس کی ''احوالِ عالم'' (کاسموگرافی) اور جین فلسفہ پر کتابیں ہیں شامل ہیں۔

دوسری طرف آٹھویں صدی عیسوی میں راجستھان اور گجرات کے علاقے میں ہری بھدرا سوری (۷۰۵-۷۷۵ء) سے جو علمی تحریک شروع ہوئی اور جسے حسن اتفاق سے تقریباً ہمہ وقت اپنے دور کے علم دوست علاقائی حکمران خاندانوں کی سرپرستی حاصل رہی، وہ بارہویں صدی عیسوی کے اواخر تک ہیم چندر سوری جیسے جامع العلوم سویتامبر عالموں کی مدد سے اپنی معراج کمال تک پہنچ گئی۔ درحقیقت شاید یہ کہنا کچھ ایسا غلط نہ ہوگا کہ سویتامبر فرقے کا علمی وادبی ورثہ بیشتر اسی دور اور اسی علاقے کی دین ہے[۱۸]۔

ان عالموں کی علم دوستی اور مصنفانہ صلاحیتوں کا شاید اس روایت سے کچھ اندازہ ہو سکے کہ اکیلے ہری بھدرا سوری کو تقریباً ایک ہزار چار سو چوالیس کتابوں کا مصنف بتایا جاتا ہے، جن میں سے اٹھاسی کتابوں کا اس وقت تک پتہ لگایا جا چکا ہے[۱۹]۔ اسی طرح ہیم چندر سوری کی مختلف موضوعات پر عالمانہ کتابیں موجودہ دور تک سند کا درجہ رکھتی ہیں۔ مثلاً رزمیہ شاعری میں تری ششتی شلکا پرش چرت، گرامر میں سدھ ہیم شبدانشاسن، سنسکرت اور پراکرت دونوں زبانوں میں مختلف شاعرانہ کمالات پر مبنی اپنے سرپرست راجہ کمار پال کی منظوم سوانح حیات کمار پال چرت، مختلف نوع کی چار لغات جن میں سے ایک طبی لغت ہے، شعری تنقید پر کاویہ انوشاسن، علم عروض پر چندانوشاسن نیائے اور عارفانہ شاعری کے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

نمونے، ہیم چندر کی اہم تصنیفات میں شامل ہیں اور اس وقت بھی دستیاب ہیں[۲۰]۔

مختلف علوم سائنس اور ادبیات و لسانیات میں جین عالموں کے بیش بہا کارناموں کے علاوہ جس نے کہ ہندوستان کے علمی ورثہ میں گرانقدر اضافے کیے ہیں، جین عالموں کا ہندوستان کی علاقائی زبانوں کے ارتقا میں براہ راست حصہ ہے۔ شرمن روایت سے متعلق مذہبی تحریکات (جین مت، بدھ مت وغیرہ) جہاں براہمنی روایت سے اور بہت سی چیزوں میں اختلاف کرتی ہیں وہاں ذریعۂ ابلاغ وترسیل میں بھی شرمن روایت اور برہمنی مت نے ایک دوسرے سے مختلف رویہ اپنایا۔ برہمنی مت روایت اور بعد میں اس کے جانشین ہندومت نے ہمیشہ اپنے مذہبی ادب کے اظہار کے لئے سنسکرت زبان کو ہی وسیلہ بنایا۔

چنانچہ برہمنی مت اور ہندومت کے غلبہ کے ساتھ سنسکرت کا اقتدار اور ترقی لازمی رہی ہے اور ان روایتوں کا تمام تر مذہبی ادب سنسکرت میں ہی دستیاب ہے، اس کے برخلاف شرمن روایت سے متعلق سبھی مذاہب نے عوامی رویہ اپناتے ہوئے اور شاید براہمنی مت کے علی الرغم، عوام میں استعمال ہونے والی علاقائی زبانوں کو اپنے مذہبی خیالات اور عقائد کی تبلیغ کے لئے استعمال کیا۔ مقامی زبانوں کے اعلیٰ مذہبی افکار اور ادبی و علمی مقاصد کے لئے استعمال کئے جانے سے لامحالہ مختلف پہلوؤں سے ان زبانوں کو ترقی کا موقعہ ملا، اور سب سے بڑھ کر یہ کہ ان علاقائی زبان مین جین عالموں کی کوششوں سے پہلی بار ایسا تحریری سرمایہ وجود میں آیا جو نہ صرف اپنے کتابی شکل میں محفوظ ہوجانے کی وجہ سے ان زبانوں کی آئندہ ترقی کا ضامن تھا۔ بلکہ اپنے اعلیٰ علمی معیار کی وجہ سے ان زبانوں کو وہ وقار عطا کرتا تھا جن سے ان کو اپنی مستقل حیثیت بنانے میں بہت مدد ملی۔ اس سلسلے میں کنٹر، تامل، تلگو، گجراتی، مہاراشٹری اور ہندی کو خاص طور پر جین عالموں کا مرہون منت بتایا جاتا ہے، اگرچہ دوسری علاقائی زبانوں کی نشوونما میں بھی جین عالموں کا ہاتھ رہا ہے[۲۱]۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہندوستانی تہذیب وتمدن میں جین روایت کی دین کا تیسرا اہم حصہ فنونِ لطیفہ کی صورت میں رہا ہے۔ اس میں بھی خصوصی اعتبار سے فن تعمیر، مجسمہ سازی اور مصوری میں جین روایت نے منفرد انداز سے ہندوستانی ورثہ میں بہت کچھ اضافہ کیا ہے اور ہندوستانی تمدن میں ان فنون کے معیار کو ایک نئی بلندی عطا کی ہے۔ فن تعمیر میں جینیوں کی رہنمائی کی ایک واضح مثال پہاڑوں کے اندر غار اور گپھائیں کاٹ کر ان کو مندر کی شکل دینے کی ہے۔ اڑیسہ کے مشہور راجہ کھاوریل کی زیر سرپرستی، اودے گری، درکھنڈاگری کے پہاڑی سلسلوں میں دوسری صدی قبل مسیح میں غاروں کے اندر جو جین مندر بنائے گئے تھے نہ صرف اس فن کا اچھا نمونہ پیش کرتے ہیں بلکہ شاید وہ اس نوع کی اولین کوشش ہیں، جس کو کہ بعد میں بدھ مت اور ہندو مت کے پیروؤں نے بھی اپنایا بہار، سدراشٹر، کرناٹک اور تامل ناڈو وغیرہ میں بھی بعد کی صدیوں میں بنائے گئے اس کی طرح کے اندرونِ پہاڑ مندروں کے متعدد نمونے موجود ہیں۔

اگرچہ جینیوں کے مندر سازی کو کارِ ثواب سمجھنے کی وجہ سے ہندوستان میں ہر طرف جین مندر کے نمونے موجود ہیں، لیکن اس فن کی جیسی معراج اور فن تعمیر کا جیسا شاندار نمونہ دلوارا (ماونٹ آبو، راجستھان) میں بنے ہوئے دو مندروں میں دکھایا گیا ہے وہ شاید اپنی طرز میں بے مثال کہلائے گا۔ سنگ مرمر کے بنے ہوئے ان مندروں میں ستونوں اور دیواروں پر اس قدر باریک نقاشی اور کھدائی کا کام ہے کہ پورے پورے ستون اور دیواریں صرف سنگتراشی اور مجسمہ سازی کے نفیس نمونوں کو جوڑ کر بنائی گئی معلوم ہوتی ہیں۔

اس سلسلے میں ماہرین کا کہنا ہے کہ سنگ مرمر میں نقاشی کا یہ اتنا باریک اور پیچیدہ کام ہے جو چھینی کے استعمال کا متحمل نہیں ہوسکتا تھا، اس لئے عام رائے یہ ہے کہ یہ نفیس سنگ تراشی سنگ مرمر کو ریتی سے گھس گھس کر کی گئی ہے، جس میں صرف کردہ محنت اور وقت کا اندازہ لگانا بھی مشکل ہے۔ ایک دوسری نوعیت کے عظیم الشان جین مندر کی مثال

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بنکپور (میواڑ) کا وسیع و عریض مندر ہے جو کہ اڑتالیس ہزار مربع فٹ میں پھیلا ہوا ہے اور مختلف نوع کی عمارتوں پر مشتمل ہے۔ یہ مندر جو کہ ۱۴۴۰ء کی تعمیر ہے اپنے بے شمار ستونوں میں تنوع اور دلفریب اندازِ ترتیب، نیز اپنے مختلف جسامت کے گنبدوں کی مناسبت کے لئے بہت مشہور ہے۔ اس کے علاوہ کھجوراہو کا پرشوناتھ مندر، کرناٹک میں لکنڈی کا مندر، شرون بیل گولا (میسور) میں جیناناتھ پور کا مندر، احمد آباد میں سیٹھ ہاتھی سنگھ کا مندر اور جنوبی کرناٹک میں عدابدری کے مقام پر ہوسابتی کا مندر، فن تعمیر کے لحاظ سے مشہور جین مندر کہے جا سکتے ہیں۔ بہر حال اخیر میں یہ واضح کرنا ضروری ہے کہ اگرچہ مندروں کے فن تعمیر میں جینیوں کی اپنی کوئی مخصوص ایجادات اور طرز نہیں ہیں، لیکن انہوں نے رائج الوقت اندازِ تعمیر کو اپنے پورے کمال پر پہنچانے کی کوشش کی اور کثیر تعداد میں اس کے نمونوں سے ملک کو تعمیری اعتبار سے مالا مال کر دیا۔

فن مجسمہ سازی میں جینیوں کی دین کے لئے شاید یہی کہنا کافی ہو کہ اس ملک میں مجسمہ سازی اور مورتی پوجا کی ابتدا کا سہرا جینیوں کے سر ہی باندھا جاتا ہے۔ اے ایل باشم کے خیال میں مجسمہ سازی کی ابتدائی پہلی صدی قبل مسیح کے لگ بھگ متھرا کے علاقے میں شروع ہوئی۔ جہاں سب سے پہلے تیرتھنکروں کی مورتیاں بنائی گئیں اور اغلباً انہیں کے اتباع میں بدھ مت کے پیروؤں نے اپنے مذہبی رہنما گوتم بدھ کے مجسمے بھی بنانا شروع کیے[۲۲]۔

ان دونوں کے بعد ہی ہندومت کے پیروکار اس میدان میں داخل ہوئے۔ جین مجسمہ سازی کے ارتقا میں ایک بڑی رکاوٹ اسی بات سے ہوئی کہ ابتدائی دور میں تیرتھنکروں کے مجسموں کے لئے معیاری اصول بنا لئے گئے اور کسی تیرتھنکر کے مجسمے میں تسلیم شدہ طرز اور پیمانوں سے احتراز، یا ان میں خفیف سی بھی تبدیلی کرنا، ممنوع سمجھا جانے لگا۔ اس طرح اگرچہ مہاویر جین اور دوسرے تیرتھنکروں کے مجسمے اور مورتیاں ان گنت تعداد میں

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ملک کے مختلف حصوں میں بنائی گئیں، اور ہر طرح کے پتھر کے علاوہ مختلف دھاتیں اور دوسرے مادّے اس مقصد کے لئے استعمال کئے گئے لیکن چاہے ایک ہزار سال پہلے کا مجسمہ ہو یا آج کا، یا ملک کے کسی بھی حصے اور کسی بھی مادّے کے استعمال سے بنے ہوئے مجسمے ہوں، اُن کے انداز اور ظاہری صورت میں سرمو فرق نہیں ملے گا۔

ان حدود کے باوجود جین فنکاروں نے تیرتھنکروں اور دوسرے جین اولیا اور اہم شخصیتوں کے مجسموں میں اپنے ہنر کا معیاری اظہار کرنے کی کوشش کی ہے، جین مجسمہ سازی کی معراج جنوبی ہندوستان کے وہ عظیم الشان بت ہیں جو ایشیا میں آزادانہ استادہ مجسموں میں سب سے عظیم الجثہ کہے جا سکتے ہیں۔ ان میں سے سب سے بڑا ایک جین ولی بھوبلی کا مجسمہ ہے۔ جو ساڑھے چھپن فٹ اونچا ہے، اور ۹۸۳ء کی تشکیل ہے۔ یہ ایک بڑی چٹان کو تراش کر بنایا گیا ہے اور میسور میں شرون بیل گولا کے مقام پر موجود ہے۔ اس کے علاوہ اور دوسرے اس طرز کے مجسمے جنوبی کرناٹک کے مقام کارکالا پر ۴۱ فٹ اونچا مجسمہ ۱۴۳۲ء کی تعمیر اور جنوبی کرناٹک میں ہی دینورا کے مقام پر پینتیس فٹ اونچا مجسمہ ۱۶۰۴ء کی تعمیر ہیں۔

فن تعمیر اور فن مجسمہ سازی کی طرح مصوری میں بھی جین فنکاروں نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اور آج بھی جین مصوری کے بیش بہا نمونے مندروں کی دیواروں، کاغذ، کپڑے اور تاڑ کے پتوں پر دیکھے جا سکتے ہیں۔ اس سلسلے میں یہ بات قابل ذکر ہے کہ فن تعمیر اور مجسمہ سازی کے مقابلے میں جہاں روایتی بنیادوں پر ہی اظہار کمال کی کوشش کی گئی ہے، مصوری میں جینی فنکار اپنا ایک الگ منفرد اسکول قائم کرنے میں کامیاب ہو گئے، جس کو ''مغربی ہندوستان کا جینی اسکول'' کہا جا سکتا ہے۔ اس مخصوص جینی طرز کے تحت جس کا زور عہد وسطیٰ میں پندرہویں صدی کے آخر تک رہا، کلاسیکی جینی تصانیف کو مرقع کیا گیا۔ اُن مرقع نسخوں میں خاص طور پر کلپ سوتر اور کالکا چاریہ کتھا بہت اہم ہیں اور ان کے عہد وسطیٰ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کے متعدد مرقع نسخے اس وقت بھی دستیاب ہیں۔ اس طرز کی مخصوص صفات میں انسانی شکلوں میں آنکھ کا باہر کی طرف نکلا ہوا ہونا اشکال کا پستہ قد اور اعضا کا نوکیلا ہونا، رنگوں میں احتیاط اور لال، پیلے، ہرے اور کہیں کہیں نیلے رنگ کا استعمال، زیورات کا سفید اور سنہری ہونا اور ''خطوط میں کافی تیزی اور روانی'' کا پایا جانا ہے[۳۳]۔

زبان، ادب، فنونِ لطیفہ، فلسفہ، اخلاقیات اور دیگر علوم وفنون میں معیاری خدمات کے علاوہ جین مت کے پیروکاروں نے ہندوستان کی سیاسی اور معاشی زندگی میں بھرپور حصہ لیا ہے۔ ایک مدت دراز تک جین طبقہ سے لائق بادشاہ، وزراء، سپہ سالار اور امرا پیدا ہوتے رہے، اور ملک کی معاشی زندگی میں تو آج بھی جین فرقہ مرکزی کردار ادا کر رہا ہے۔ اسی طرح سماجی خدمت اور فلاح و بہبود کے عوامی کاموں میں حصہ لینا ابتدا سے ہی جین روایت کا حصہ رہا ہے اور اس طرح سے بھی انہوں نے بلاتفریق مذہب و ملت ہندوستانی عوام کی بہت خدمات کی ہے۔

حوالہ جات اور حواشی

۱۔ دُنیا کی عمر اور اس کے ادوار سے متعلق جین مت کے تصورات کسی حد تک ہندو مت سے ملتے جلتے ہیں، لیکن کئی پہلوؤں سے اپنی منفرد خصوصیات بھی رکھتے ہیں۔ تمام ہندوستانی مذاہب کی طرح جین مت میں بھی دنیا کی عمر کا ایک مدور تصور ہے یعنی برخلاف سامی مذاہب کے، جہاں دنیا ایک مخصوص وقت (دنیا کی پیدائش) سے شروع ہو کر ایک سیدھی لکیر میں سفر کرتے کرتے ایک خاص وقت (قیامت) پر ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ختم ہو جائے گی، ہندوستانی تصور میں دنیا اور وقت ایک دائرۂ میں سفر کرتے رہتے ہیں۔ اس تصور کے مطابق دنیا ایک وقت پر شروع ہو کر مختلف ادوار سے گزرتے ہوئے ایک مقام پر ختم ہو جاتی ہے (عارضی قیامت) ایک مخصوص مدت گزر جانے کے بعد دنیا پھر اُسی مقام سے اُبھرتی ہے اور انہیں ادوار سے گزرتے ہوئے پھر اُسی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

مقام پر جا کر ختم ہو جاتی ہے، اور اس طرح یہ سلسلہ ہمیشہ ہمیشہ سے جاری ہے۔ ایک دائرہ کی طرح دنیا کی عمر کی نہ کہیں پہلی ابتدا ہے نہ کہیں آخری انتہا، ہندوستانی مذاہب اور فلسفہ میں دنیا ازلی اور ابدی ہے۔

جین مت میں دنیا کی عمر کو ایک ایسے پہیے کی طرح تصور کیا گیا ہے جس کے بارہ آر (پہیے کے ڈنڈے) ہیں۔ ہر آر ایک مخصوص عہد کی نشاندہی کرتا ہے۔ دائیں طرف اوپر سے نیچے کی طرف آتے ہوئے چھ آر ایک دور اوسر پنی پر مشتمل ہیں۔ بائیں طرف نیچے سے اوپر کی طرف جاتے ہوئے بقیہ چھ آر اتسر پنی دور بناتے ہیں۔ اوسر پنی کے چھ آروں کی صورت میں دنیا کی عمر چھ عہدوں میں سے ہر عہد پہلے سے کم مدت کا ہے۔ پہلے عہد کی مت ۰۰۰،۰۰۰،۰۰۰،۴۰۰ سمندری سال ہے، (ایک سمندری سال ناقابل شمار طویل مدت کا ہوتا ہے) اور آخری عہد ۲۱۰۰۰ عام برسوں کا ہوتا ہے۔ اوسر پنی کے آخری دو عہدوں کی مدت کے برابر ہے۔ اوسر پنی کے ان چھ عہدوں میں سے ہر عہد کی الگ الگ خصوصیات ہیں، البتہ یہ بات عمومی اعتبار سے صحیح ہے کہ جیسے جیسے اوپر سے نیچے کے عہدوں کی طرف آتے جائیں درجہ بدرجہ حالات خراب ہوتے جاتے ہیں۔ جین مت کے اس کیلنڈر کے مطابق موجودہ اوسر پنی کا پانچواں آر مہاویر جین کے انتقال کے ۳ سال ساڑھے آٹھ مہینے کے بعد ۵۲۲ ق۔م میں شروع ہوا۔ اوسر پنی کے چھٹے عہد کے بعد اُتسر پنی دور شروع ہوگا جس میں وہی مدارج جو اوسر پنی کے تھے، اُلٹی طرف سے دہرائے جائیں گے۔ یعنی اپنی مدت اور دیگر خصوصیات کے لحاظ سے جو اوسر پنی کا چھٹا اور آخری عہد تھا۔ اُتسر پنی کا پہلا عہد اسی مدت اور انہیں خصوصیات کا حامل ہوگا، اور اُتسر پنی کے چھٹے عہد میں اوسر پنی کے پہلے عہد کی خصوصیات ہوں گی۔ ہر اوسر پنی اور اُتسر پنی میں ۲۴ تیرتھنکر (مذہبی رہنما) مختلف وقفوں کے ساتھ انسانیت کی رہنمائی کے لئے پیدا ہوتے ہیں۔ موجودہ اوسر پنی کے لئے مہاویر جین چوبیسویں اور آخری تیرتھنکر تھے

(تفصیلات کے لئے دیکھئے: ہرمین جیکوبی، ''ایجز آف دی ورلڈ (انڈین)'' شمولہ جیمس ہیٹنگس ''انسائیکلوپیڈیا آف ریلیجن اینڈ ایتھکس (جلد اوّل) ایڈنبرگ ۱۹۲۵ صفحہ ۲۰۲)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

۲۔ دیکھئے حوالہ مندرجہ بالا۔

۳۔ ایس، گوپالن، آؤٹ لائنز آف جینزم، نئی دہلی ۱۹۷۳ صفحات ۱۶۔۱۳۔

۴۔ ایضاً صفحہ ۱۳۔

۵۔ ہرمین جیکوبی ''جینزم'' جیمس ہسٹینگن حوالہ مذکورہ (جلد ہفتم) صفحات ۴۶۷۔۴۶۶۔

۶۔ دیکھئے ہیرالال جین، جینزم اِٹس ہسٹری، پرنسپلز اینڈ پریکٹس، مشمولہ دی کلچرل ہیریٹیج آف انڈیا دی راما کرشنا مشن، کلکتہ ۱۹۵۸ صفحات ۴۰۸۔۴۰۳۔

۷۔ تری رتن کی تفصیلات کے لئے دیکھئے ولاس۔اے۔سنگاوے، جین کمیونٹی: اے سوشل سروے، بمبئی ۱۹۸۰ء صفحات ۲۰۴۔۲۰۱۔

۸۔ ایضاً صفحہ ۲۱۲۔

۹۔ ہرمین جیکوبی ''ڈیتھ اینڈ دی ڈسپوزل آف دی ڈیڈ (جینزم)'' جیمس ہسینٹگن حوالہ مذکورہ (جلد چہارم) صفحات ۴۸۵۔۴۸۴۔

۱۰۔ ہرمین جیکوبی ''جینزم'' حوالہ مذکورہ بالا (جلد ہفتم) صفحہ ۴۷۱۔

۱۱۔ دیکھئے ایس گوپالن حوالہ مذکورہ صفحات ۲۰۹۔۲۰۵۔

۱۲۔ ہرمین جیکوبی ''جینزم'' حوالہ مذکورہ (جلد ہفتم) صفحہ ۴۷۰۔

۱۳۔ ولاس۔اے۔سنگاوے حوالہ مذکور ہل صفحہ ۵۳۔

۱۴۔ ایضاً صفحہ ۵۵۔

۱۵۔ ایضاً صفحہ ۵۰۔

۱۶۔ ہرمین جیکوبی ''جینزم'' حوالہ مذکورہ بالا (جلد ہفتم) صفحہ ۴۷۳۔

۱۷۔ ایضاً صفحہ ۴۶۷۔

۱۸۔ ہاشم کمار رائے اے ہسٹری آف جینزم نئی دہلی ۱۹۸۴ء صفحہ ۱۳۳۔

۱۹۔ ایضاً۔

۲۰۔ ایضاً

۲۱۔ ولاس اے سگاوے حوالہ مذکورہ صفحہ ۳۶۹۔

۲۲۔ اے۔ایل۔ہاشم ہندوستان کا شاندار ماضی (اردو ترجمہ) نئی دہلی ۱۹۸۲ء صفحہ ۵۰۷۔

۲۳۔ انیس فاروقی، ہندوستانی مصوری، ایک خاکہ نئی دہلی ۱۹۸۱ء صفحات ۳۶۔۳۱۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

زرتشتیت

(Zoroastrianism)

دُنیا کے عظیم مذاہب میں زرتشتیت کئی لحاظ سے منفرد ہے۔قدیم ایران کے ایک پیغمبر زرتشت کے روحانی تجربات پر قائم ،جن کو ہر لحاظ سے دنیا کے بڑے مذہبی رہنماؤں کی صف میں رکھا جائے گا، زرتشتیت ایک ایسا مذہب ہے جس کا تاریخی تسلسل جگہ جگہ سے منقطع ہے اور جو اپنے ابتدائی دور سے ہی اپنے پیغمبر کی تعلیمات سے انحراف کا مرتکب قرار دیا جا سکتا ہے۔ زرتشتیت کی کشتی اگرچہ قدیم دور میں بھی مختلف حوادث کا شکار ہوتی رہی، لیکن عربوں کی فتح ایران اور وہاں مذہب اسلام کی اشاعت کے بعد یہ ایسی گرداب میں آئی کہ سوائے ایک بہت قلیل تعداد کے جو ہندوستان میں آ کر پناہ گزین ہوئے اور یہاں پارسی کے نام سے جانے جاتے ہیں یا ایک برائے نام گروہ کے جو آج بھی ایران کے دُشوار گزار علاقوں یزد اور کرمان میں آباد ہیں، اس مذہب کے نام لیواؤں میں کوئی باقی نہیں بچا۔

اس مذہب کی مقدس کتاب اوستا جو زرتشتیت کے جدید مطالعہ کا سب سے بڑا ماخذ ہے، زمانے کی دست بُرد سے محفوظ نہ رہ سکی اور کہا جاتا ہے کہ آج صرف اس کا ایک چوتھائی حصہ موجود ہے[1]۔ زرتشتی مذہب کی عجیب وغریب صورت حال کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ اوستا کا جو قلیل حصہ زرتشت پیغمبر کا اپنا کلام کہا جا سکتا ہے اور جو گاتھا

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کے نام سے موسوم ہے وہ خود اوستا کے بعد کے حصوں کے مصنفین کی سمجھ سے بالاتر تھا اور وہ اس قدیم زبان کے علم سے جس میں کہ ان کے پیغمبر نے خطاب کیا تھا، بالکل ناواقف نظر آتے ہیں[2]۔ اس ناواقفیت کے ساتھ ساتھ زرتشت سے پہلے کے ایران کے مشرکانہ مذہب کی عوام پر گرفت اور دوسرے سے اثرات نے زَرتشت کی اپنی تعلیمات میں، جو کہ گاتھاؤں میں محفوظ ہیں اور اوستا کے بعد کے حصوں کی تعلیمات میں اتنا بین فرق کر دیا ہے کہ ان کو ایک ہی مذہبی روایت سے منسوب کرنا بھی مشکل معلوم ہوتا ہے۔ درحقیقت ایسا نظر آتا ہے کہ ایران کے جس فطرت پرست مشرکانہ مذہب کے خلاف زرتشت نے پُرزور جہاد کیا تھا وہ بعد کی زرتشتی روایت پر اپنا تسلط جمانے میں پورے طور سے کامیاب ہو گیا تھا۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ایک ایسے مذہب کے مطالعہ کی، جو کہ اپنے پیغمبر کی وفات کے بعد جلد ہی تحریفات کا شکار ہونے لگ گیا تھا اور جس کے ماننے والے ایک نہایت قلیل تعداد (ہندوستان کے پارسی اور ایران کے گبر) کے علاوہ پچھلے چودہ سو سال سے ناپید ہو چکے ہیں، کیا اہمیت ہو سکتی ہے۔

اس ضمن میں یہ پہلو قابلِ غور ہیں کہ اپنی منتشر تاریخ کے دو سنہری ادوار ہخامنشی دورِ حکومت (۳۳۰۔۵۵۰ ق م) اور ساسانی عہد (۶۴۲۔۲۲۴ء) میں زرتشتیت ایک بڑی سلطنت کا سرکاری مذہب رہا ہے۔ اس دوران انسانوں کی ایک بڑی تعداد کے لئے فلسفہ زندگی فراہم کرنے اور ان کی زندگی کا رخ متعین کرنے میں اس کا براہ راست حصہ رہا۔ اس کے علاوہ اپنے دورِ عروج میں ایک باثر مذہبی تحریک ہونے کے لحاظ سے اپنے آس پاس کے علاقوں میں رائج مذاہب اور مکاتیبِ فکر پر اس کے اثرات محسوس کئے جا سکتے ہیں، جن کا سلسلہ بہت دور تک پہنچ جاتا ہے۔ اسی طرح فلسفۂ زندگی اور مذہبی فکر سے متعلق بعض بہت بنیادی موضوعات مثلاً کائنات میں شر کا وجود، خیر و شر کی کشمکش، انسان کی خودمختاری، اعمال کی انفرادی ذمہ داری، قیامت اور اس سے متعلق حساب اور کتاب اور جنت دوزخ کا

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

تصور، وغیرہ کو زرتشتیت نے خصوصی اہمیت دی اور اس سلسلے میں منطقی اعتبار سے سلجھے ہوئے اور واضح تصورات پیش کیے زرتشتیت کی یہ گوناگوں خصوصیات نیز اس کے پیغمبر زرتشتیت کی سامی النسل پیغمبروں سے مماثلت زرتشتیت کو دنیا کی مذہبی تاریخ میں وہ اہمیت دیتی ہے کہ اس مذہب کے دورِ عروج کو تمام ہوئے صدیاں گزر جانے کے بعد بھی اس کا مطالعہ مذہب عالم کے طالب علم کے لئے ضروری سمجھا جائے گا۔

اس سے پہلے کہ ہم زرتشت اور ان کی تعلیمات کو زیر بحث لائیں، یہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ قدیم ایران کے جس مذہبی ماحول میں زرتشت نے آنکھیں کھولیں اور آگے چل کر جن مذہبی تصورات کے خلاف انہوں نے جہاد کا اعلان کیا، ان کا ایک سرسری جائزہ لے لیا جائے۔ یہ گمان کیا جاتا ہے کہ ۱۵۰۰ ق۔م کے لگ بھگ جو آریہ قوم وسطِ ایشیا سے ہندوستان میں داخل ہو کر یہاں بسنا شروع ہوئی اسی کی ایک شاخ اس سے کچھ پہلے ایران میں آ کر آباد ہوئی۔ ہندوستان کی طرح ایران میں بھی آریوں کی یہ آبادکاری درجہ بدرجہ پہلے سے آباد مقامی لوگوں کے ساتھ جدوجہد کرتے ہوئے واقع ہوئی ہوگی، اور یہ عمل ایک طویل عرصہ پر محیط رہا ہوگا۔

یہ بات کہ ایران میں بسنے والے آریہ اور ہندوستان تک پہنچنے والے آریہ قبائل میں بہت قریبی تعلق تھا اور ان کو ایک دوسرے سے جدا ہوئے بہت طویل عرصہ نہیں گزرا تھا۔ جیسا کہ مثال کے طور سے یورپ میں جا کر بسنے والے آریہ قبائل کے بارے میں کہا جاسکتا ہے۔ مختلف شواہد سے ثابت ہے۔ جس میں سب سے اہم اوستا اور ویدوں کا تقابلی لسانیاتی مطالعہ ہے۔ ایک اور حقیقت جو اس نظریہ کو تقویت پہنچاتی ہے وہ قبل از زرتشت ایرانی آریہ قبائل کے مذہبی تصورات جو اوستا کے حوالے سے معلوم ہوئے ہیں اور ہندوستانی آریوں کے مذہبی عقائد کی باہمی مماثلت ہے۔ یہ مماثلت اتنی گہری ہے کہ معمولی مقامی تبدیلیوں کے ساتھ یہ ایک ہی مذہب قرار دیا جاسکتا ہے جو ایران اور ہندوستان کے آریوں کے درمیان

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

رائج تھا، اس طرح ایران کے قبل از زرتشت آریہ مذہب کے بارے میں جو باتیں ہم نہیں بھی جانتے وہ ویدوں میں محفوظ ہندوستانی آریہ مذہب کی تفصیلات پر قیاس کر سکتے ہیں۔

ہندوستان کی طرح قدیم ایران کا مذہب بھی بنیادی اعتبار سے فطرت کے مختلف مظاہر کی تجسیم اور ان کی مختلف دیوی دیوتاؤں کی حیثیت سے پرستش پر مبنی ایک مشرکانہ مذہب تھا۔ ہندوستان کے ویدک مذہب ہی کی طرح ان دیوتاؤں کے لئے اظہار عبودیت اور ان کی خوشنودی حاصل کرنے کا سب سے بڑا ذریعہ یاجنا (ایرانی: یاسنا) یا قربانی تھی جس میں جانوروں کی قربانی خصوصی اہمیت رکھتی تھی۔ ایک مخصوص پودے (ہندوستان میں سوم اور ایران میں ہوم) سے تیار کردہ نشہ آور مشروب کی مذہبی حیثیت دونوں جگہ مسلم تھی۔ اسی طرح ہندوستانی تصور میں دو قسم کی آسمانی ہستیوں اشورا اور دیوتا کی طرح ایران میں بھی ان دو انواع کا وجود اہورا اور دیو کی شکل میں پایا جاتا تھا۔

نیز ان کے نام بھی اکثر وہی ہیں جو ہندوستان میں رائج تھے مثلاً اندر، سوردا (ہندوستانی سرویاردر) مترا، نان ہتھیا (ہندوستانی ناستیا) ورن، وایو، اتر (ہندوستانی اگنی) اناہتا (ہندوستانی سرسوتی) ایم نپت، پارندی (ہندوستانی پرندھی) وشنو اور توستر وغیرہ[2]۔ (ہندوستانی آریوں کی طرح قدیم ایرانی سماج بھی تین بنیادی ذاتوں یعنی مذہبی طبقہ، لڑنے بھڑنے والا طبقہ اور کاشت کاری و تجارت کرنے والا طبقہ (ہندوستانی برہمن، چھتری اور ویش) پر مبنی تھا[3]۔

گاتھاؤں میں موجود زرتشت کے کلام سے یہ اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ جس شدت سے انہوں نے قربانی کی رسم کی مخالفت کی ہے اور اس کو ادا کرنے والوں کو شیطان کا پجاری کہا ہے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ہندوستان کے ویدک مذہب کی طرح ایران کے مشرکانہ مذہب میں بھی بتدریج قربانی کو مرکزی اہمیت حاصل ہو گئی تھی اور اس وقت کا مذہبی احساس روبہ زوال ہو کر محض قربانی کی رسم کی ظاہری ادائیگی تک محدود رہ گیا تھا۔ البتہ یہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہندوستان اور ایران کا فرق تھا کہ جہاں آریہ مذہب کی اس بگڑی ہوئی شکل کا ردِ عمل زرتشت کی موحدانہ طرز کی تحریک میں ہوا وہاں ہندوستانی ماحول میں یہ ردِ عمل ایک متصوفانہ روحانیت کے فروغ کا سبب بنا جو اپنشد میں اپنے عروج کو پہنچ گئی۔

زرتشت کے کلام سے اس دور کی سماجی حالت کے بارے میں جو نتائج نکالے جا سکتے ہیں ان میں کھیتی کرنے اور مویشی پالنے والے پُر امن مزارعین اور جنگجو لٹیرے خانہ بدوش قبائل کے درمیان ایک مستقل کشمکش کو خاصی اہمیت دی جا سکتی ہے۔ یہ جنگجو قبائل نہ صرف مستقل سکونت رکھنے والے مزارعین اور ان کے مویشیوں کے دشمن بتائے گئے ہیں بلکہ وہ زرتشت کے نزدیک جانوروں کی قربانی پر مبنی شیطانی مذہب کے بھی پیرو ہیں[۵]۔ بہت سے مغربی مصنفین کے نزدیک زرتشت کے کلام میں حق و باطل کی واضح تقسیم اور ان کے درمیان ایک مستقل کشمکش کا تصور اُن مخصوص سیاسی و سماجی حالات سے متاثر ہے جو اُس وقت ایران میں درپیش تھے۔ خود زرتشت نے بھی پرزور الفاظ میں پُر امن مزارعین کی حمایت کی ہے اور جنگجو خانہ بدوشوں کو باطل کا پرستار قرار دیا ہے[۶]۔

زرتشت کے جو حالات اوستا سے اخذ کئے جا سکتے ہیں ان سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان کا دائرۂ عمل اور ان کی مذہبی تحریک کی نشو و نما خراسان اور شمالی افغانستان کے علاقوں میں ہوئی جہاں ان کو ایک مقامی سردار وشاسپ کی حمایت حاصل ہو گئی تھی۔ لیکن زرتشت کے کلام میں موجود بعض اشاروں سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ وہ اس علاقے کے باشندہ نہ تھے۔ بلکہ مغربی ایران سے اور اغلباً رے کے مقام سے ہجرت کر کے وہاں پہنچے تھے۔ ان کی تاریخ پیدائش اور زمانے کے بارے میں محققین میں اختلاف رہا ہے لیکن خود زرتشتی روایت میں زرتشت کا جو عہد بتایا جاتا ہے اس کو اب عام طور سے قرینِ صحت سمجھا جانے لگا ہے۔

اس روایت کی رو سے زرتشت کا زمانہ سکندر یونانی سے ۲۵۸ سال قبل تھا۔ سکندر نے شہنشاہ ایران دارائے سوم کو ۳۳۰ ق۔م میں شکست دی۔ اس طرح زرتشت کا

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

زمانہ ۵۸۸ قبل مسیح رہا ہوگا۔ اب اگر ہم یہ گمان کریں کہ جس وقت زرتشت کو اپنی تحریک میں کامیابی حاصل ہونی شروع ہوئی اسی وقت سے لوگوں نے ان کی اہمیت کو محسوس کیا ہوگا اور ان کو یاد رکھا ہوگا تو پھر یہ وہ موقع ہوگا جب وہ شاہ خراسان وشتاسپ اور دربار کے اہم سرداروں کو اپنے مسلک کا پیروکار بنانے میں کامیاب ہو گئے تھے۔ روایتی اعتبار سے زرتشت کی عمر اس وقت چالیس سال کی تھی اور چونکہ ہم کو یہ بھی بتایا جاتا ہے کہ ان کی کل عمر ۷۷ سہتر سال کی تھی اس لئے ان کی تاریخ پیدائش ۶۲۸ اور تاریخ وفات ۵۵۱ ق۔م قرین قیاس معلوم ہوتی ہے۔

زرتشتی روایات میں زرتشت کو اسپتاما نامی ایک معزز خاندان کا فرد بتایا جاتا ہے۔ ان کے والد کا نام پوروشاسپ اور والدہ کا نام دیودھا تھا۔ تمام مذہبی رہنماؤں کی طرح زرتشت کی ولادت اور بچپن سے متعلق بہت سے معجزات اور کرامات زرتشتی روایت میں منقول ہیں۔ ان تفصیلات سے قطع نظر بعض مآخذ سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ زرتشت کا تعلق اپنے علاقے کی مذہبی رہنماؤں کی جماعت سے تھا اور خود زرتشت نے بھی پروہت بننے کی تربیت حاصل کی تھی[۷]

ان کے بارے میں یہ بھی کہا جاتا ہے اور خود گاتھاؤں میں ان کے کلام سے بھی اس کا اندازہ ہوتا ہے کہ وہ اوائل عمر سے غور وفکر کے شائق اور حقیقت کے متلاشی تھے۔ روایت ہے کہ تقریباً ۱۵ سال کی عمر میں انہوں نے صحرا کے اندر خلوت نشینی اختیار کر لی تھی۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ایک پہاڑ پر تنہائی میں انہوں نے ایک مدت دراز تک قیام کیا۔ بہرحال مختلف ذرائع سے یہ ثابت ہے کہ اپنی پیغمبری کے اظہار سے پہلے ایک طویل زمانہ زرتشت نے حقیقت اعلیٰ کی تلاش وجستجو اور اس سے وصال حاصل کرنے کی تمنا میں گزارا[۸]۔

حقیقت اعلیٰ کی جستجو میں ان کی وابستگی اور جوش وجذبہ کا اندازہ ان کے اس کلام سے بھی ہوتا ہے جو اوستا میں محفوظ ہے مثال کے طور سے چوالیس یاسنا جس کا بیشتر حصہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

زرتشت کی بیتابانہ جستجو کا مظہر ہے، کچھ اس طرح کے بیانات پر مشتمل ہے:

''خداوند! میرا تجھ سے یہ سوال ہے۔ مجھے سچ سچ بتا دے وہ ذات قدیم کون ہے جو پیدائش کے ذریعہ حقیقت کی خالق؟ وہ کون ہے جس نے سورج اور ستاروں کے راستے مقرر کیئے ہیں؟ تیرے سوا وہ کون ہو سکتا ہے جو چاند کو گھٹانے اور بڑھانے کا ذمہ دار ہے؟ یہ مجھے معلوم کرنا ہے اور اس کے علاوہ اور بہت سی باتیں بھی۔

خداوند! میرا تجھ سے یہ سوال ہے مجھے سچ سچ بتا دے کس نے زمین کو نیچے بچھا دیا ہے اور آسمان کو اوپر (معلق) کیا ہے کہ وہ نیچے گرتا بھی نہیں اور کس نے پانی کے (ذخائر) اور نباتات کو موزوں کیا ہے۔ کس نے ہوا اور بادلوں کو صبا رفتار گھوڑوں پر سوار کر دیا ہے اور کون، اے حکیم مطلق! 'نیک خیال' کا خالق ہے۔

خداوند! میرا تجھ سے یہ سوال ہے۔ مجھے سچ سچ بتا دے، کون صنّاع اعظم ہے جس نے تاریکی اور نور کو بنایا ہے اور جاگنا اور سونا کس صانع کی تخلیق ہیں؟ اور کس نے صبح، دوپہر اور شام بنائی ہے کہ عقلمند آدمی اپنے کام کا دھیان رکھے۔

خداوند! میرا تجھ سے یہ سوال ہے۔ مجھے سچ سچ بتا دے کس نے ''صحیح فکر'' کو جنم دیا ہے جس کی پوجا ''غلبہ الٰہی'' کے ساتھ ہوتی ہے۔ کس نے بیٹے کو باپ کی فرمانبرداری کا سبق سکھایا ہے؟ تیری ان نشانیوں سے تجھے پہچانتے ہوئے اور یہ جانتے ہوئے کہ اپنی ''روح مقدس'' کے ذریعہ تو ہی تمام اشیا کا خالق ہے میں تیری تائید اور نصرت کے لئے تیار ہوں۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ایک مدت دراز تک جنگلوں اور بیابانوں میں بھٹکتے رہنے اور ایمان و ہدایت کی تلاش کے بعد تقریباً ۳۰ سال کی عمر میں زرتشت کو خدائے واحد اہورامزد کا مکاشفہ حاصل ہوا۔ دنیا کے مذہبی رہنماؤں میں یہ زرتشت کی خصوصیت ہے کہ وہ اپنے کلام میں بار بار خدائے واحد کے ساتھ اپنے روبرو مکاشفہ اور مکالمہ کا ذکر کرتے ہیں۔ گاتھاؤں میں زرتشت کے کلام کا کثیر حصہ خدائے واحد اہورامزد کے ساتھ اُن کے سوال و جواب پر منحصر ہے۔

اہورامزد کے ساتھ مکاشفانہ ملاقات اور اس سے براہ راست ایمان و یقین کی دولت کے حصول کے ساتھ ہی زرتشت کے پیغمبرانہ دور کا آغاز ہوتا ہے۔ خدائے واحد کی معبودیت اور اس کی برتری پر ایمان، کے ساتھ ساتھ زرتشت کو یہ ایقان بھی حاصل ہوا تھا کہ وہ خدا کے منتخب اور برگزیدہ بندے ہیں تاکہ لوگوں کو دوسرے دیوتاؤں سے موڑ کر خدائے برتر اہورامزد کی عبادت کی طرف متوجہ کریں۔ زرتشت نے اہورامزو کے ساتھ اپنے مکالموں کے دوران نہ صرف اس ذمہ داری کو بخوشی قبول کیا بلکہ بار بار اس کا اعلان کیا ہے اور اس سلسلے میں اہورامزد سے استعانت کی درخواست بھی کی ہے۔ اپنی پیغمبرانہ کوششوں اور لوگوں میں اہورامزد کی عبادت پر مبنی ایک نئے مذہب کی تبلیغ کے سلسلے میں زرتشت کو پرانے سیاسی و مذہبی برسر اقتدار طبقے کی سخت مخالفت کا سامنا کرنا پڑا۔

اس زمانے کا سیاسی اعتبار سے حکمران طبقہ، جس کو زرتشت نے اپنے کلام میں ''کادی'' کی اصطلاح سے یاد کیا ہے، اور مذہبی رہنماؤں کی جماعت جو ''کراپان'' جمع کے نام سے یاد کی گئی ہے۔ زرتشت کی مذہبی تحریک کی سخت مخالف تھی۔ یہاں تک کہ تقریباً دس سال مستقل جدوجہد اور لوگوں میں اپنی تعلیمات کو عام کرنے کی کوشش کے باوجود زرتشت اپنے وطن (شمالی مغربی ایران) میں کوئی کامیابی نہیں حاصل کر سکے۔ اس دور میں ان پر جو بے بسی اور مایوسی کی کیفیت تھی اس کا کچھ اندازہ ان کے کلام کے بعض حصوں سے بخوبی ہو

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

سکتا ہے۔ مثال کے طور پر یاسنا اکیاون جس میں اس نوعیت کے کئی اشارے ہیں اس طرح شروع ہوتی ہے:

"میں کس سرزمین کا رُخ کروں اور کہاں جائے فرار اختیار کروں؟
میرے خاندان اور قبیلہ نے مجھے چھوڑ دیا ہے۔
نہ تو ملک اور نہ ہی گاؤں کے ظالم حکمرانوں سے مجھے کوئی امید ہے
اس صورت حال میں خداوند! میں کس طرح تیری تائید ونصرت
حاصل کروں [11]"

بالآخر اپنے ہم وطنوں سے مایوس ہوکر اوران کی مخالفت سے تنگ آکر زرتشت نے مشرقی ایران کا رُخ کیا جو اس زمانے میں خوراسمیا کہلاتا تھا اور جس میں موجودہ خراسان اور شمالی افغانستان کے علاقے شامل تھے۔ یہاں پر ایک ریاست کے حکمران وشتاسپ نے جس کا پایہ تخت بلخ تھا، زرتشت کی تعلیمات میں دلچسپی ظاہر کی اور مؤخرالذکر کی کوششوں سے بالآخر وشتاسپ اوراس کے بیشتر امرانے زرتشتی مذہب قبول کرلیا۔ پھر بھی وشتاسپ کے درباریوں میں ایک جماعت زرتشت کے مخالفین کی بدستور باقی رہی جو وقتاً فوقتاً زرتشت کے لئے آزمائش کے لمحات پیش کرتی رہتی تھی۔

تقریباً چالیس سال کی عمر میں مہاجرت کی حالت میں شاہ وِشتاسَپ کی سرپرستی اورحمایت حاصل ہو جانے کے بعد زرتشت کا کام نسبتاً آسان ہوگیا۔ اس کے بعدان کے لب ولہجہ میں بھی زیادہ خوداعتمادی اور باطل پرستوں کے خلاف ان کی جدوجہد میں زیادہ مضبوط رویہ پیدا ہو جاتا ہے:

"تیرے قوانین کو یادرکھتے ہوئے ہم ان باتوں کا اعلان کرتے ہیں
جن کو باطل پرست اورایمان والوں کے دشمن سننا بھی نہیں چاہتے، یہ
وہ باتیں ہیں جو مزد (خدائے واحد) کے پرستاروں کے لئے بھلائی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہی بھلائی ہیں۔ اگر چہ ہدایت کا راستہ سب کی نظر میں واضح نہیں
ہے۔ لیکن میں تم سب کا سامنا کروں گا، کیونکہ اہورامزد نے مجھے
دونوں (حق و باطل کی) جماعتوں کے درمیان ثالث بنایا ہے کیونکہ
یہ ہم ہی ہیں جو راہ حق پر ثابت قدم ہیں[11]۔''

بلخ میں اپنا مرکز قائم کر کے اپنی عمر کے بقیہ ۳۷ سال زرتشت نے اپنے مذہب کی تبلیغ و اشاعت میں صرف کیے، اور اس دوران اُن کو باوجود مخالفین اور باطل پرست حکمرانوں اور مذہبی رہنماؤں کے ساتھ طویل جدوجہد کے خاطر خواہ کامیابی حاصل ہوئی۔ ایران کے ایک بڑے حصے اور خاص طور سے مشرقی ایران میں ان کے مذہب کے ماننے والوں کی ایک بڑی جماعت پیدا ہوگئی۔ اس طرح جب ۷۷ سال کی عمر میں بعض روایتوں کے مطابق ایک مخالف حملہ آور فوج سے جنگ کے دوران اپنے عبادت خانے کی حفاظت کرتے ہوئے زرتشت کو شہادت حاصل ہوئی تو ان کا مذہب اپنے پیروں پر کھڑا ہو چکا تھا اور آنے والی صدیوں میں وہ ایرانی سلطنت کا مقبول ترین مذہب بننے والا تھا۔

تعلیمات

جیسا کہ ہم نے ابتداً ذکر کیا تھا، بعد میں ساسانی عہد کے زرتشتی مذہب یا موجود دور کے پارسی رسوم و عقائد سے زرتشتیت کی تعلیمات کا اندازہ لگانا بہت سی غلط فہمیوں کا باعث بن سکتا ہے۔ عصر جدید کی تحقیقات نے ثابت کر دیا ہے کہ زرتشتی روایت میں اوستا کے صرف اُس حصہ کی تعلیمات کو جو کہ گاتھاؤں کے نام سے منسوب ہے، زرتشت کی اپنی تعلیمات سمجھا جا سکتا ہے۔ نیز یہ کہ بعد کے دور میں زرتشتی روایت میں نظریاتی اور عملی اعتبار سے اتنی زیادہ تبدیلیاں آئیں کہ زرتشتیت کی اپنی تعلیمات کا بڑا حصہ مسخ ہو کر رہ گیا۔ اس صورت حال کا صحیح اندازہ اسی وقت لگ سکا جب کہ انیسویں صدی میں مغربی محققین اوستا

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کی زبان پڑھنے میں کامیاب ہو گئے اور اس کا ترجمہ انہوں نے مغربی زبانوں میں شائع کیا۔ اس کے بعد سے پارسی عالموں میں سے بھی کئی ایک نے تحقیق کے اس میدان میں قدم رکھا اور وہ اپنے پیغمبر کی حقیقی تعلیمات کو بعد کی بدعات اور تبدیلیوں سے الگ کر کے دیکھنے میں کامیاب ہوئے[11]۔

گاتھاؤں کے مطالعہ سے زرتشت کی جو تعلیمات سامنے آتی ہیں ان میں سب سے نمایاں اور مرکزی اہمیت کی حامل ایک خدائے واحد اہورامزد کا تصور اور صرف اسی کے معبودِ حقیقی ہونے پر اصرار ہے۔ اگرچہ ایران کے قدیم مذہب میں بھی اہورا (سنسکرت: اشوا) فوق الفطرت ہستیوں کی ایک نوع تھی جن کی پرستش قدیم آریائی مذہب کا ایک حصہ بن چکی تھی، لیکن زرتشت کی اپنی خصوصیت یہ تھی کہ اس نے ان متعدد اہوراؤں میں سے جن کو ایرانی پہلے سے مانتے چلے آرہے تھے، اہورامزد (معبود حکیم) کے ہی معبود حقیقی اور خدائے واحد ہونے کا اعلان کیا، اور اس کی ایسی صفات اور خصوصیات پیش کیں جن سے صرف اُسی ایک ہستی کے مالک دو جہاں اور بندگی کے لائق ہونے کا تصور بالکل واضح ہو گیا[12]۔ گاتھاؤں میں ایک جگہ زرتشت کہتے ہیں:

> ''ابتدا سے ہی جب سے مجھے تیری معرفت حاصل ہوئی، اے مزدا!
> مجھے یقین کامل حاصل ہو گیا کہ تو ہی کائنات میں فاعل مطلق ہے، تو
> ہی ''نیک خیال'' (وہومنہ) کا مالک اور ''نظم کائنات'' (آشاوہشتا)
> کا خالق ہے اور تو ہی انسانوں کے افعال کا نگراں ہے[13]۔''

ایک دوسری جگہ کہتے ہیں:

> ''میں اُس کا بیان کرتا ہوں جو تمام چیزوں سے بلند و بالا ہے اور ''نظم
> کائنات'' (آشاوہشتا) کے ذریعہ اُسی کی حمد گاتا ہوں، وہی ہے جس
> کی رحمت کے سہارے تمام مخلوقات اپنی زندگی گزار رہی ہیں۔ اے

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

اہورامزد! روح القدس کے واسطے سے ہماری طرف متوجہ ہو، تیری "حکمت" (وَہومنہ) نے ہی ہمیں تیری حمد کرنا سکھایا ہے، اب تو ہی ہمیں ہدایت کا راستہ دکھا[15]۔"

زرتشت نے اہورامزد کو خالق کائنات، مالکِ دو جہاں، ساری مخلوقات کے پالنہار مکمل اختیار اور قدرت کے مالک، علیم وخبیر، ازلی اور ابدی، اور سب سے بلند و بالا معبودِ حقیقی کے طور پر پیش کیا ہے، اہورامزد کی کائنات پر مکمل حکمرانی، قبضہ و اختیار، اور خالقیت و ربوبیت کی صفات کے ساتھ ساتھ زرتشت نے اور دوسرے تمام دیوتاؤں کی، جن کو قدیم ایرانی مانتے چلے آرہے تھے، بہت شدت سے مخالفت کی ہے۔ انہوں نے نہ صرف ان دیوتاؤں کو اُلوہی صفات و اختیارات میں کسی طور شریک کرنے سے انکار کیا ہے، بلکہ ان کو صاف طور سے باطل اور شر پسند طاقتوں میں شامل کیا ہے جو کہ اہورامزد کی مخالف اور شیطانی جماعت سے تعلق رکھتی ہیں۔

"لیکن تم، تم دیوتاؤ! اور تمہارے سب پجاری، سب کے سب شیطان کی ذُرّیات میں سے ہو، تمہارے اعمال، جن کے لئے تم دنیا کے ساتویں طبق میں مشہور ہو (سر تا سر) مشتبہ ہیں۔ کیونکہ تم ایسی چال چلتے ہو کہ تمہارے متبعین بظاہر ترقی کرتے ہوئے معلوم ہوتے ہیں۔ یہ وہ متبعین ہیں جو "نیک خیال" (ہومنہ) سے دور رہتے ہیں اور اہورامزدا اور "راستی" (آشا وہشتا) کی خلاف ورزی کرتے ہیں۔ تم (دیوتاؤ!) اسی طرح لوگوں کو گمراہ کرتے ہو جیسا کہ ابلیس (انگرامینیو) نے تمہیں اپنے "خیال" بد سے گمراہ کیا جب کہ اس نے اپنی بدگوئی سے باطل پرستوں سے دنیا کی حکومت کا وعدہ کیا۔"

(یاسنا ۳۲-۳-۵)[16]

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

مندرجہ بالا اقتباس میں ابلیس کے واسطہ سے کائنات میں موجود قوتِ شر کا ذکر آیا ہے لیکن خیر وشر کی کش مکش کے مسئلے پر جس کو زرتشت کی تعلیمات میں خصوصی اہمیت حاصل رہی ہے۔ ہم بعد میں گفتگو کریں گے، اس وقت تو یہ واضح کرنا مقصود ہے کہ زرتشت نے اہورامزد کے سلسلے میں جو تعلیمات پیش کی ہیں وہ موحدانہ نوعیت کی ہیں اور اس طرح زرتشت کو توحید کے علمبردار ایک ایرانی پیغمبر کی حیثیت سے پیش کیا جا سکتا ہے۔ زرتشت کا پیش کردہ اہورامزد کا تصور نہ صرف ایک ایسے خدائے واحد کا تصور ہے جو حی و قیوم اور کائنات کی تمام چیزوں کے وجود کی علت العلل ہے، بلکہ وہ ایک زندہ، فعال اور رحیم وکریم خدا ہے۔ ہر طرح کی خوبیاں اُس کے لئے واجب اور اُس کی ذات ہر طرح کے شر اور عیب سے پاک بیان کی گئی ہے۔ پھر یہ کائنات کے نظم وحکمرانی اور انسانوں کی بھلائی پر مستقل متوجہ رہنے کے ساتھ ساتھ وہ سب سے بڑا منصف اور قیامت (فراشکرت) کے دن لوگوں کو ان کے اعمال کے مطابق اچھا یا بُرا بدلہ دینے والا ہے۔ اس پہلو سے اگر زرتشت کے بیان کردہ اہورامزد کے تصور کو دیکھا جائے تو وہ یہودی اور اسلامی تصور خدا سے زیادہ مختلف نظر نہیں آتا۔ البتہ توحید کے اس تصور کے مقابلے میں جو مثال کے طور سے اسلامی تعلیمات میں ملتا ہے۔ اہورامزد کا تصور اس لحاظ سے مختلف نظر آتا ہے کہ زرتشت کے تصور الٰہ میں اہورامزد کی بعض اہم صفات کو متعین شخصیات کے طور پر پیش کیا گیا ہے۔ مثال کے طور پر گاتھاؤں میں مذکور سات متبرک شخصیات (امیشا اسپنتا) اہورامزد کے ساتھ ساتھ زرتشت کی عقیدت اور محبت میں حصہ دار معلوم ہوتی ہیں۔ یہ سات متبرک شخصیات مندرجہ ذیل ہیں[1]۔

۱۔ اسپنتا مینیو (روح القدس)

۲۔ وَہومنہ (نیک خیال)

۳۔ آشاوہشتا (راستی نظم کائنات)

۴۔ خشتر اویریہ (مکمل اختیار وسلطانِ الٰہی)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

۵۔ آرامیتی (عقیدت اوراخلاص)

۶۔ ہوروسیات (درجہ کمال اور بے عیبی)

۷۔ امیرتیات (بقائے دوام)

اہورامزد کی یہ خصوصیات اگرچہ اپنے معانی اور نوعیت کے لحاظ سے بھی مقدس ہستیوں سے زیادہ اہورامزد کی صفات معلوم ہوتی ہیں، لیکن گاتھاؤں میں ان کا تذکرہ اس طور سے کیا گیا ہے کہ یہ صفات اہورامزد سے الگ اپنی ایک متعین شخصیت رکھتی ہوئی معلوم ہوتی ہیں، درحقیقت ان کی حیثیت ان درمیانی واسطوں کی ہے جن کے ذریعہ اہورامزد کائنات میں حکمرانی کا کام سرانجام دیتا ہے۔ اس صورت میں یہ دین اسلام کے معزز فرشتوں سے زیادہ مختلف نہیں معلوم ہوتیں جن کے سپرد مختلف فرائض ہیں جن کو وہ خدا کے حکم سے بجا لاتے ہیں۔ لیکن یہ مشابہت صرف زرتشتیت کی ان متبرک شخصیات کے اہورامزد کے احکام کی بجا آوری کے لئے ایک واسطہ ہونے کی حیثیت میں ہی ظاہر ہوتی ہے، کیونکہ دوسری طرف یہ متبرک شخصیات اہورامزد سے الگ اپنا کوئی مستقل وجود رکھتی ہوئی نہیں معلوم ہوتیں، جیسا کہ ذیل کے اقتباس سے ظاہر ہو رہا ہے:

> ''اہورامزد ہم کو بھی ''روح القدس'' (اسپنتا مینیو) اور ''نیک خیال'' (وہومنہ) کے ذریعہ اور ان اعمال و اقوال کے ذریعہ جو ''راستی'' (آشاوہشتا) کے مطابق ہوں اور سلطان الٰہی (کشترا ویریہ) اور عقیدت و اخلاص، (آرامیتی) کے ذریعہ درجہ کمال (ہوردتیات) اور بقائے دوام (امیرتیات) عطا کرے۔''

(یاسنا ۴۷۔۱، ۱۸)

گاتھاؤں سے لئے گئے مندرجہ بالا اقتباس میں جہاں ساتوں متبرک ہستیوں کا ذکر ایک ہی جگہ پر آ گیا ہے وہاں اس سے یہ بھی ظاہر ہو رہا ہے کہ ان الوہی صفات میں سے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بعض ایسی بھی ہیں جو کسی درجہ میں انسانوں کو بھی ودیعت ہو سکتی ہیں۔ مثال کے طور پر ''عقیدت و اخلاص'' ایک مخلص زرتشتی کا اہورامزد کے لئے موزوں ترین رویہ ہو سکتا ہے اور یہ حقیقت بھی ہے کہ اگرچہ ''عقیدت و اخلاص (آرامیتی) کا ذکر ایک متبرک ہستی یا دوسرے الفاظ میں ایک الوہی صفت کے طور پر ہوا ہے لیکن اس صفت کا اطلاق (زرتشتی نقطہ نظر سے) راہ راست پر قائم انسانوں پر ہی زیادہ ہوتا ہے اسی طرح ''راستی'' (آشا وہشتا) بھی اگرچہ الوہی صفات میں نمایاں مقام رکھتی ہے لیکن اسی ''راستی'' پر ثابت قدم رہ کر گویا اس صفت کو اپنا کر ہی ایک انسان صحیح معنوں میں اہورامزد کا پرستار بن سکتا ہے۔

''درجہ کمال'' اور بقائے دوام (ہوروتات اور امیرتیات) اگرچہ بنیادی اعتبار سے اہورامزد ہی کے لئے روا ہیں لیکن اپنے جن بندوں سے وہ خوش ہو ان کو اپنی رحمت سے وہ یہ خصوصیات بھی عطا کر سکتا ہے، ''درجہ کمال'' کسی حد تک اسی دنیا میں اور بقائے دوام، آخرت میں۔ اسی طرح ''نیک خیال'' (وہومنہ) اگرچہ ارادہ خداوندی (اہورامزدی) کا دوسرا نام ہے لیکن یہ انسانوں کے اہورامزد سے رابطہ قائم کرنے میں واسطہ کا کام کرتا ہے۔ درحقیقت اگر ان الوہی صفات پر اس لحاظ سے غور کیا جائے تو سوائے روح القدس کے اور دوسری تمام اہم صفاتِ الٰہی (اینشا اسپنتا) کسی نہ کسی نوعیت میں انسانوں سے متعلق بھی ہو سکتی ہیں[19]۔

یہ صورت بعض دوسرے مذاہب مثلاً اسلام کے پیش کردہ تصوراللہ سے زیادہ مختلف نہیں ہے، البتہ زرتشت کی اپنی انفرادیت اس چیز میں نمایاں ہوتی ہے کہ وہ ان اہم صفاتِ الٰہی کو مخصوص اور مجسم شخصیات کے طرز میں پیش کرتے ہیں اور اہورامزد کے ساتھ اپنی عقیدت اور وفاداری کا اعلان کرتے ہوئے ان متبرک ہستیوں سے بھی اپنا تعلق خاطر ظاہر کرتے رہتے ہیں۔ اس صورتحال کا نتیجہ یہ ہے کہ اگر ان متبرک ہستیوں کی صحیح نوعیت یعنی ان کے صفاتِ الٰہی ہونے کو ملحوظ رکھا جائے تو زرتشت کے موحدانہ تصوراللہ پر حرف نہیں

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

آتا، لیکن گاتھاؤں کی ظاہری عبادت اور طرز تخاطب کے پیش نظر بظاہر ان کی توحید پر شرک کی پرچھائیں پڑتی ہوئی محسوس ہو سکتی ہے۔

اہورامزد کے موحدانہ تصور الٰہ کی دریافت اور اس کے پُرزور اعلان کے ساتھ زرتشت کی تعلیمات میں دوسرا اہم عنصر کائنات میں خیر و شر کی باہمی کشمکش کا استحضار اور اس کا ایک ہمہ گیر تصور ہے۔ زندگی کا تاریک، پراندوہ اور شر کے مختلف مظاہرے سے عبارت، پہلو انسان کے لئے ہمیشہ ایک اہم مسئلہ رہا ہے۔ مذاہب عالم جو انسانی تقدیر کے بنیادی سوالوں کو حل کرنے کی کوشش کرتے ہیں اس مسئلہ سے پہلوتہی نہیں کر سکتے تھے۔ چنانچہ دنیا کے تقریباً سبھی مذاہب میں کائنات میں شر کے وجود، اس کی موجودگی میں انسانی رویہ اور اس کے دائمی حل کے سلسلے میں تعلیمات ملتی ہیں۔ لیکن شاید یہ کہنا مبالغہ نہ ہوگا کہ زرتشتیت دنیا کے اُن مذاہب میں سے ہے جنہوں نے اس مسئلہ کو خصوصی اہمیت دی ہے، اور زندگی کے اس پہلو کو اپنی پوری توجہ کا مستحق سمجھتے ہوئے اس سلسلے میں واضح اور تفصیلی تعلیمات پیش کی ہیں۔ بلکہ اگر صرف زرتشت کے اپنے کلام گاتھاؤں کو ہی پیش نظر رکھا جائے تو بھی یہ کہا جا سکتا ہے کہ کائنات میں خیر و شر کی دوئی اور ان کا باہمی تضاد ایک ایسا موضوع تھا جس نے زرتشت کو گہرے طور سے متاثر کر رکھا تھا۔

چنانچہ وہ اپنی تعلیمات کے کسی پہلو میں اس حقیقت سے غافل نہیں رہے اور مختلف صورتوں میں یہ موضوع ان کی اکثر تعلیمات میں جھانکتا رہتا ہے۔ دوسری طرف زرتشت کے بعد ان کے پیروؤں نے اس سلسلہ میں اتنا انہماک ظاہر کیا کہ بالآخر وہ کائنات میں دو مستقل طاقتوں کو خیر اور شر کے الگ الگ سربراہوں کی حیثیت سے ماننے لگے اور 'ثنویت' یا دو خداؤں پر عقیدہ رکھنے والے، قرار پائے۔ بعد کی زرتشتی روایت میں اس بدعت کے ارتقا پر آگے چل کر ہم گفتگو کریں گے یہاں پر تو سردست زرتشت کے اپنے کلام اور زرتشتی روایت میں خیر اور شر کی باہمی کشمکش کی اہمیت سے بحث ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

یہ بات کہ خیر اور شر کی طاقتوں کا الگ الگ وجود اور ان کی باہمی کشمکش کا تصور زرتشت کی ذاتی بصیرت کی دین تھی یا اس میں ان کے ماحول اور قدیم ایرانی مذہبی تصورات کا بھی کچھ حصہ تھا، اس کا فیصلہ سر دست موجودہ تاریخی ماخذوں کی روشنی میں مشکل معلوم ہوتا ہے لیکن قدیم ایرانی مذہب کی جڑواں روایت ویدک مذہب کے تصورات کو دیکھتے ہوئے جہاں کائنات میں خیر اور شر کی طاقتوں کی تقسیم دیوتاؤں اور راکشسوں کی تفریق کی صورت میں ابتدا سے ہی موجود رہی ہے، یہ کہنا کچھ بعید از قیاس نہ ہوگا کہ قدیم ایرانی مذہب بھی اس نوع کے عقائد کا حامل رہا ہوگا جہاں سے زرتشت کو خیر اور شر کے سلسلے میں بنیادی تصورات مل سکتے تھے۔ دوسری طرف گاتھاؤں میں خانہ بدوش جنگجو قبائل اور زراعت پیشہ پُر امن کسانوں کے درمیان موت و زیست کی کشمکش کو جس پر زور طریقہ سے خیر اور شر کی دُوئی کے ایک بڑے مظہر کی صورت میں پیش کیا گیا ہے اُس کو دیکھتے ہوئے زرتشت کے نظریات میں اُس دور کے سماجی اور معاشی حالات کے اثرات بھی تلاش کئے جا سکتے ہیں مثلاً ایک جگہ وہ کہتے ہیں:

> ''اے خدا! میرا تجھ سے یہ سوال ہے کہ اس کی کیا سزا ہوگی جو شیطان کے پرستاروں کی حکومت چاہتا ہو؟ اُن لوگوں کی حکومت جو بُرے بُرے کام کرتے ہیں اور جو پُر امن کسانوں (اور مویشی پالنے والوں) کے جانوروں اور آدمیوں پر طاقت آزمائی کر کے ہی حاصل کرتے ہوں۔''

(یاسنا ۳۱۔۱۵)[20]

بہر حال اگر قدیم ایرانی تصورات اور اُن کے اپنے دور کے سماجی اور معاشی حالات کا کوئی اثر زرتشت کی تعلیمات پر تسلیم بھی کر لیا جائے تو بھی، جس شدت، وضاحت اور پیغمبرانہ یقین کے ساتھ زرتشت نے خیر اور شر کی کشمکش سے متعلق تصورات کو پیش کیا ہے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اسے اُن کے اپنے روحانی تجربہ اور ذاتی بصیرت کی دین ہی کہا جا سکتا ہے۔

زرتشت کی تعلیمات میں اگرچہ اہورا مزد یا معبودِ حقیقی، خیر اور شر کی کشمکش سے بالاتر ہے اور کائنات میں اس کشمکش کا وجود خود اس کی تخلیق اور اس کی اجازت سے جاری ہے، لیکن پھر بھی چونکہ اہورا مزد خیر کو پسند اور شر کو ناپسند کرتا ہے، اور اس کشمکش کے آخری دور میں (قیامت کے نزدیک) بالآخر شر پر خیر کی فتح کا ذمہ دار ہوگا، اس لئے اہورا مزد کو خیر کا طرفدار اور سرپرست کہا جا سکتا ہے۔ لیکن باوجود خیر کو پسند کرنے اور شر سے نفرت کرنے کے اہورا مزد خیر اور شر کی کشمکش میں براہ راست دخل انداز نہیں ہوتا، بلکہ طرفین کو ایک وقت مقررہ (قیامت) تک کے لئے چھوٹ دیئے ہوئے ہے کہ وہ آپس میں نبرد آزمائی کر کے اپنے اپنے جوہر دکھالیں۔ اس طرح خیر کی جماعت کی سربراہی اہورا مزد نہیں بلکہ اس کا کارکن "روح القدس" (اسپنتامینیو) کے سپرد ہے جو کا گاتھاؤں میں اہورا مزد کا "روحانی فرزند" کہا گیا ہے[21]۔

صفتِ الٰہی اہم صفاتِ الٰہی کی تجسیم پر مبنی "متبرک ہستیوں" (امیشا اسپنتا) میں، جن کا تذکرہ ہم اوپر کر چکے ہیں "روح القدس" ایک نمایاں مقام کا حامل ہے، اہورا مزد سے قربت اور روحانی درجہ بندی میں اپنی حیثیت کے لحاظ سے وہ دوسری تمام "متبرک ہستیوں" پر فوقیت رکھتا ہے اور تمام مخلوقات میں اولین درجہ پر فائز ہے۔ اپنی اس نوعیت کے لحاظ سے کہ زرتشت "روح القدس" کے واسطہ ہی سے اہورا مزد تک پہنچنا چاہتے تھے اور یہ کہ دوسرے تمام انسانوں کو ہدایت کا راستہ "روح القدس" کے واسطہ سے ہی حاصل ہوتا ہے "روح القدس" کو اہورا مزد کا اہم ترین کارکن کہا جا سکتا ہے اور جب ہم "روح القدس" کی اس اہم ترین خصوصیت کو سامنے رکھیں کہ خیر اور شر کی کشمکش میں خیر کی جماعت کی سربراہی "روح القدس" (اسپنتامینیو) ہی کے سپرد ہے تو پھر اُس کو اہورا مزد کا سالارِ اعظم کہنا نامناسب نہ ہوگا۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

دوسری طرف کائنات میں شر کی جماعت کا سردار، دوسرے الفاظ میں ابلیس اعظم کہا گیا ہے اور چونکہ اسپنتامینیو کی تخلیق ارادۂ الٰہی سے بتائی گئی ہے اس طرح انگرامینیو کا خالق بھی بالواسطہ اہورامزدہی قرار پاتا ہے، اگرچہ اس سلسلے میں صراحت سے کوئی بیان نہیں ملتا بہرحال باوجود اہورامزد (خیرمحض) کی تخلیق ہونے اور باوجود خیر کی جماعت کے سردار اسپنتامینیو کے جڑواں ہونے کے، انگرامینیو نے ابتدا سے ہی اپنے لئے شر کا راستہ پسند کیا۔ گویا ابتدائے آفرینش سے ہی اسپنتامینیو (روح القدس) اور انگرامینیو (ابلیس اعظم) کے راستوں کا اختلاف اور ان کی باہمی دشمنی واضح ہو گئی تھی۔

ایک جگہ زرتشت کہتے ہیں:

”میں اب دونوں جڑواں قوتوں کا بیان کرتا ہوں جب کہ روزِ ازل ہی میں اُس نے جو کہ خیر کی روح ہے، شر کی روح سے، یوں خطاب کیا ”ہمارے خیالات، ہماری تعلیمات، ہماری خواہشات، قول، فعل، دل، دماغ کبھی بھی ایک دوسرے کے مطابق نہیں ہو سکتے۔“

(یاسنا ۴۵-۲۲) [۴۲]

اس طرح خیر اور شر کے ان دو سربراہوں کے اختلاف اور باہمی کشمکش میں جو روزِ ازل سے ہی شروع ہو گئی تھی کائنات کی مخلوقات اپنی اپنی پسند کے مطابق خیر یا شر کی جماعت میں شامل ہوتی چلی گئیں۔ ان دونوں جماعتوں کی اس جنگ میں کسی مصالحت کا کوئی امکان نہیں ہے۔ اس جنگ کا خاتمہ صرف کسی ایک جماعت کے نیست و نابود ہو جانے پر ہی ہو سکتا ہے۔ ”روح القدس“ کی قیادت میں خیر کی جماعت کی یہ پوری کوشش ہے کہ شر نیست و نابود ہو جائے، جب کہ شر کی جماعت ہر لحہ خیر کو مٹانے پر تلی رہتی ہے۔ یہ دونوں طاقتیں تا قیامت اسی طرح برسرِپیکار رہیں گی جب کہ زرتشتی عقیدے کے مطابق ایک مسیحا (سوشیانت) کا ظہور ہو گا جس کی معاونت سے خیر کی جماعت شر پر مکمل غلبہ حاصل کر

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

لے گی اور کائنات سے شر نیست و نابود ہو جائے گا۔

اس ضمن میں زرتشت کے مذہبی تصورات کا ایک اہم پہلو سامنے آتا ہے اور وہ ہے مخلوقات (بشمول انسان) کے لئے ارادہ کی مکمل آزادی، زرتشت کے مذہبی تصور میں باوجود اہورامزد کے تمام تر غلبہ وقدرت کا مالک اور لامحدود اختیار کا حامل ہونے کے خود اُسی کی مرضی سے مخلوقات کو اپنے ارادہ و عمل میں پوری آزادی حاصل ہے۔ انسان یا دوسری مخلوقات اپنی مرضی سے خیر یا شر کو پسند کرنے میں مکمل آزاد ہیں۔ البتہ اہورامزد کے مقرر کردہ نظام کے تحت ہر ایک کو مرنے کے بعد کی زندگی میں اس کے اچھے یا بُرے عمل کا بدلہ ضرور ملے گا۔

ارادہ کی یہ مکمل آزادی درحقیقت زرتشت کے اس مذہبی احساس کی دین ہے جس میں اخلاقیات کو ایک نمایاں جگہ دی گئی ہے۔ زرتشت کے تصور میں یہ دنیا دارالعمل ہے جہاں خیر اور شر کی کش مکش ہر سطح پر جاری و ساری ہے۔ انسان کا فرض ہے کہ وہ خیر کو پسند کرے اور اپنی زندگی کے ہر میدان میں خیر کے مطابق زندگی گزار کر خیر کا سچا حمایتی بنے۔ گویا دوسرے الفاظ میں زرتشت کے تصور میں انسان کی زندگی سرتاسر ایک اخلاقی جدوجہد ہے جہاں اس کو ہر قدم پر خیر کو چننا اور شر کو رد کرنا ہوتا ہے۔ اس تصور زندگی پر اصرار کرنے اور اس کو فی الحقیقت معنی خیز بنانے کے لئے انسان کے لئے اپنی پسند اور ناپسند میں مکمل آزادی ضروری تھی تاکہ اس کے فیصلوں کی واقعی کوئی اہمیت قائم ہو سکے۔ انسان کے اپنے اعمال کے مطابق مرنے کے بعد اچھے یا برے بدلہ کا تصور بھی زندگی میں اس کے اچھے یا برے کام کرنے کی آزادی کے ساتھ وابستہ تھا۔ پھر دوسری طرف زرتشت کا رویہ زندگی کی طرف سرتاسر منفی نہیں ہے۔ وہ اس دنیا کو شر یا مصائب کی آماجگاہ کہہ کر دنیا سے فرار کی تعلیم نہیں دیتے۔ اہورامزد کی پرستش کے ساتھ ساتھ زرتشت اس خیر و شر کی رزمگاہ یعنی دنیا میں انسان کو خیر کا حمایتی بن کر شر کے ساتھ جنگ میں پورا حصہ لینے کی دعوت دیتے ہیں۔ اس

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

طرح زرتشت کے نزدیک انسان اپنی دنیاوی زندگی میں اخلاقی اعتبار سے اچھی زندگی گزار کر ہی اہورامزد کی خوشنودی اور مرنے کے بعد سعادت کی زندگی (بہشت) حاصل کر سکتا ہے۔

زرتشت کے مذہبی نظام میں اخلاقیات کی اہمیت اور زندگی میں ہر قدم پر خیر کو پسند کرتے ہوئے شر کے رد کرنے پر اصرار سے یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ شاید اخلاقی زندگی کی یہ مذہبی اہمیت اُن تمام مذہبی روایات کی خصوصیت ہے۔ جن میں حقیقت اعلیٰ کے تنزیہی تصور Transcendence پر زور دیا گیا ہے۔ زرتشتیت، یہودیت، اسلام، ہنایان، بدھ مت وغیرہ سبھی مذاہب میں انسان کے لئے اپنی زندگی کو مخصوص ضوابط کے مطابق کرنے یا دوسرے الفاظ میں ظاہری شریعت کا پابند کرنے پر زور دیا گیا ہے۔ ان مذاہب میں انسان کے لئے اپنے ظاہری اعمال میں مخصوص صورتوں کو اختیار کرنے اور دوسری صورتوں سے پرہیز کو بہت اہمیت حاصل ہے جب کہ ایسے مذاہب جن میں حقیقتِ اعلیٰ کے کائنات میں جلوہ گر ہونے Immanence اور اُس کی قربت کو اہمیت دی گئی ہے، جیسے وشنومت، عیسائیت، تاؤازم، مہایان بدھ مت وغیرہ، وہاں اصل چیز حقیقتِ اعلیٰ سے انسان کا قلبی تعلق ہے اور اسی پر خصوصیت سے زور دیا جاتا ہے۔ گویا ظاہری اعمال کے معیاری ہونے کے مقابلے میں ایمان کو زیادہ سراہا جاتا ہے۔ یہاں بہر حال یہ بات واضح رہنی چاہیے کہ ان تمام مذاہب میں ظاہری شریعت یا ایمان ایک دوسرے کو اپنے سے مستثنیٰ نہیں کرتے بلکہ ان مذاہب میں فرق صرف ایک یا دوسرے پہلو پر زور دینے کا ہے ورنہ تمام مذاہب میں دونوں پہلو کسی نہ کسی درجہ میں موجود رہتے ہیں۔

زرتشت کی تعلیمات کا ایک اور اہم پہلو اور جس نے بعض دانشوروں کے خیال میں دوسرے مذاہب کو گہرے طور پر متاثر کیا ہے، انسان کے مرنے کے بعد کی زندگی اور آخرت سے متعلق تصورات ہیں، اس سلسلے میں زرتشت نے اپنی تعلیمات کو بہت واضح طور

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

پر پیش کیا ہے کہ مرنے کے ساتھ انسان کی زندگی ختم نہیں ہو جاتی بلکہ اس کی روح کو ایک پُل (چینوٹ) پر سے گزرنا ہوتا ہے جہاں اس کا امتحان ہو جاتا ہے۔ نیک انسان کی روح بہ آسانی اس پُل پر سے گزر جاتی ہے اور دوسرے کنارے پر اہورمزد کے زیرسایہ جنت میں اپنا ٹھکانہ بنا لیتی ہے جب کہ بُرے انسان کی روح جس نے دنیا میں بہت گناہ کئے ہیں اپنے ضمیر کی خلش اور پُل کی مشکلات کے باعث سخت اذیتوں کا سامنا کرتی ہے اور بالآخر اِن مصائب کے ساتھ پُل سے گزر کر دوزخ میں اپنا ٹھکانہ بناتی ہے۔

مرنے کے فوراً بعد انفرادی طور پر ہر انسان کو اُس کے اچھے یا بُرے اعمال کے مطابق اس طرح اس کا بدلہ مل جانے کے علاوہ زرتشت نے ایک مقررہ وقت پر دنیا کا خاتمہ تمام مردوں کا زندہ کیا جانا اور اس کے بعد اجتماعی حساب کتاب یعنی قیامت کا تصور بھی پیش کیا ہے۔ اس تصور کے مطابق قیامت کے قریب ایک ''نجات دھندہ'' ظاہر ہوگا جس کی سرکردگی میں خیر کو شر پر مکمل فتح حاصل ہو جائے گی اور موجودہ دنیا کا خاتمہ کر دیا جائے گا۔ اسکے بعد تمام مردے زندہ کر دیئے جائیں گے اور اجتماعی طور پر دنیا میں لوگوں کے اعمال کے مطابق فیصلہ ہوگا۔ حشر کے اس میدان میں اچھے اور بُرے لوگوں میں تمیز کے لئے اُن کو آگ اور پگھلی ہوئی دھات کے امتحان سے بھی گزرنا ہوگا جہاں اچھے لوگ سلامتی کے ساتھ اس میں سے گزر جائیں گے جب کہ بُرے اعمال کرنے والوں کے لئے وہ مکمل عذاب ہو گا۔ اس کے بعد نیک لوگوں کے لئے ہمیشہ کی جنت ہوگی اور بُرے لوگ ہمیشہ کے لئے دوزخ میں پہنچا دیئے جائیں گے۔ اس سلسلے میں بعد کی زرتشتی روایت میں اتنی تبدیلی ہوگئی ہے کہ حشر کے میدان میں آگ اور پگھلی ہوئی دھات سے گزرنے کا امتحان گناہ گاروں کے لئے کفارے کی ایک صورت اختیار کر گیا، جس سے گزرنے کے بعد گناہ گاروں کے تمام گناہ دُھل جائیں گے اور نیک و بد تمام لوگ ہمیشہ کے لئے ابدی مسرت سے ہمکنار ہو جائیں گے، یعنی بعد کی زرتشتی روایت میں گناہگاروں کے لئے اَبدی مسرت دوزخ کا کوئی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

تصور نہیں باقی رہ گیا۔

زرتشت کی تعلیمات کے اس مختصر جائزے کے بعد یہاں اُس دور میں زرتشتیوں کے مخصوص طریق عبادت اور مذہبی رسومات کے متعلق صرف اتنا کہا جاسکتا ہے کہ اس سلسلے میں ہمارے پاس واضح معلومات نہیں ہیں سوائے اس کے کہ زرتشت کے نزدیک آگ ایک مخصوص مذہبی اہمیت کی حامل تھی۔ اپنی نورانی صفت کے پیش نظر آگ اس دنیا میں اہورامزد کا نشان اور نمائندہ سمجھی گئی۔ اس لئے جیسا کہ دوسرے آثار بھی اس پر دلالت کرتے ہیں آگ کی تعظیم و تقدیس زرتشت کے نزدیک اہورامزد سے اپنے تعلق کے اظہار کا سب سے بڑا ذریعہ تھی، اور یہی درحقیقت زرتشتی آتش پرستی کی بنیاد ہے۔

زرتشتی روایت کا ارتقا

تسلیم کردہ تاریخوں کے مطابق ۵۵۱ قبل مسیح میں زرتشت کے انتقال کے بعد زرتشتی مذہب کی تاریخ قدیم ایران کی سیاسی اور تہذیبی تاریخ کے ساتھ مختلف ادوار سے گزرتی رہی۔ قدیم ایران جو کہ تاریخ دور سے قبل کسی زمانہ میں شمال اور مشرق سے آئے ہوئے آریہ قبائل کا وطن بنا تھا، جب تاریخی کی روشنی میں آتا ہے تو اس وقت اس کے مختلف حصے مختلف آریہ قبائل کے مسکن کی حیثیت سے ان کے الگ الگ حکمرانوں میں بٹے ہوئے تھے۔ ان آریہ قبائل میں سیاسی انتشار اور جغرافیائی دوریوں کی وجہ سے تمدنی اور لسانی ارتقا میں اختلافات کے باوجود، نسلی وحدت اور ایک آریہ قومیت کا احساس موجود تھا جس کا خصوصی اظہار ان کے غیر آریہ اقوام کے ساتھ تفریق کی صورت میں ملتا تھا۔

اس دور کے آریہ قبائل میں قوم ماد، جو شمالی مغربی ایران پر قابض تھے۔ سب سے مشہور اور غالباً سب سے منظم تھے۔ ایرانی آریہ قبائل میں سب سے پہلے انہوں نے ہی ایک مضبوط حکومت کی بنیاد ڈالی اور قدیم دنیا کی پرانی بابلی ایریائی اور علامی تہذیبوں کے زیر

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

آخر تمدنی اعتبار سے بھی کافی ترقی کی۔ ۶۱۲ قبل مسیح میں مادی بادشاہ نے اسیریوں کے سب سے بڑے شہر نینوا کو فتح کر کے ایک مضبوط مادی حکومت قائم کر لی۔ اس طرح شمالی ایران اور عراق میں مادی اور جنوبی عراق میں بابلی دو مضبوط حکومتیں مغربی ایران اور عراق میں قائم ہو گئیں اور یہ سلسلہ اس وقت تک جاری رہا جب تک کہ ۵۵۰ قبل مسیح میں مادیوں کے ایک صوبہ دار (چھترپ) کوروش اعظم نے جنوبی ایران کے صوبہ فارس سے اٹھ کر مادی بادشاہ استیاگس کو شکست دے کر مادی حکومت کا خاتمہ نہیں کر دیا۔ کوروش اعظم جو قبیلہ پرس سے متعلق ہونے کی وجہ سے خالص پارسی یا فارسی (ایرانی) نسل سے تعلق رکھتا تھا ایک زبردست فاتح ثابت ہوا۔ نہ صرف اس نے خراسان، شمالی ایران اور شمالی عراق پر محیط وسیع مادی حکومت کو اپنے زیر نگیں کیا بلکہ شمال اور شمال مغرب میں آرمیدیا اور اناطولیا (موجودہ ترکی) پر بھی یورپ کی سرحد تک اپنے مقبوضات بڑھا لیے۔

دوسری طرف اس نے جنوب میں بابلی حکومت کی اینٹ سے اینٹ بجا دی اور اس قدیم حکومت کے تمام علاقے (مصر تک) اپنی حکومت میں شامل کر لئے۔ مشرق میں خراسان سے آگے بڑھ کر وسطِ ایشیا تک اس کی فتوحات کے سراغ ملے ہیں۔ اس طرح وسطِ ایشیا سے یورپ تک اور قفقاز سے خلیج فارس تک ایک وسیع و عریض علاقے پر محیط حکومت قائم کر کے کوروش اعظم پہلی ایرانی سلطنت کا بانی بنا۔ اس کے لڑکے کمبوجیا نے مصر کو بھی فتح کر لیا اور ایرانی سلطنت کو قدیم دنیا کی سب سے عظیم حکومت بنا دیا کورش اعظم کے اس خاندان نے جو تاریخ میں ہخامنشی خاندان کے نام سے مشہور ہے۔ ایرانی سلطنت کو وہ عظمت اور شہرت عطا کی اور ان کے دور حکومت میں ایرانی تہذیب نے تمدنی اعتبار سے وہ اعلیٰ مدارج حاصل کئے کہ بعد کی تاریخ میں نہ صرف ایرانیوں کے لئے بلکہ دوسری اقوام کے لئے بھی یہ زمانہ یادگار ثابت ہوا۔

زرتشتی مذہب کی تاریخ میں بھی ہخامنشی خاندان کی خالص ایرانی سلطنت کا زمانہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

خصوصی اہمیت کا حامل ہے۔ پرسی پولس اور بستون میں کندہ تحریروں نیز ہخامنشی خاندان کے دوسرے کتبات سے جو موجودہ زمانے میں پڑھے گئے، یہ صاف ظاہر ہے کہ اس خاندان کے حکمراں زرتشتی مذہب کے پیرو تھے[۳۲]۔ البتہ ان کتبات سے یہ بھی ظاہر ہے کہ ابتدائی دور کے عظیم ہخامنشی حکمران اپنے مذہبی رویّہ میں بہت معتدل اور رواداری سلوک کے قائل تھے۔ اُن کے کتبات میں حق اور باطل کی واضح تفریق اور زرتشتی مذہب کے لئے وہ جوش و جذبہ جو اُن کے پیغمبر کی خصوصیت تھی اور جو مخصوص زرتشتی مذہب کے علاوہ دوسری مذہبی روایات کو برداشت کرنے پر تیار نہ تھا، نہیں پایا جاتا۔ اس مذہبی رواداری کی ایک بظاہر وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ ایک عظیم الشان سلطنت کے بانی اور اس کے استحکام کے خواہاں حکمرانوں کی حیثیت سے ابتدائی ہخامنشی شہنشاہ کوئی ایسا کٹر اور متعصب مذہبی رویہ نہیں پسند کرتے تھے جو اُن کی مختلف اقوام پر مبنی سلطنت اور اس میں شامل متعدد مذہبی روایات کے پیروؤں میں انتشار اور افتراق کا سبب بنتا۔

دوسری طرف اگر ہم ان حکمرانوں کے کتبات میں بنیادی زرتشتی تعلیمات اور خاص طور پر اہورامزدو کی پرستش اور آگ کی تعظیم کے علاوہ دوسرے زرتشتی آثار یہاں تک کہ خود زرتشت کے نام نامی کی عدم موجودگی، نیز دوسرے دیوتاؤں کی موجودگی کا اعتراف پاتے ہیں، تو اس کی ایک وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ زرتشت کے بعد جب اُن کے مذہب کا دائرۂ وسیع ہونا شروع ہوا تو اس میں بہت سے عوامی رجحانات اور ایران کے قبل از زرتشت آریہ مذہب کے اثرات بھی داخل ہونے شروع ہو گئے۔

دوسرے الفاظ میں اس صورت حال کو اس طرح بھی بیان کیا جا سکتا ہے کہ زرتشتی مذہب کا دائرۂ اثر بڑھنے کے ساتھ اور خاص طور پر مغربی ایران میں اس کے قدم پہنچنے کے بعد، ایران میں موجود دوسری مذہبی روایات کے پیرو اپنے مخصوص عقائد اور رسومات کے ساتھ زرتشتی مذہب کو قبول کرنے لگے۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ ہم کو یہ حقیقت بھی نظر میں

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

رکھنی ہوگی کہ جہاں وقت گزرنے کے ساتھ زرتشتی روایت پر قبل از زرتشت کے مشرکانہ ایرانی مذہب کے اثرات بڑھتے چلے گئے، وہاں بعد کے آنے والے، خاص طور پر خشیارش (زرکسیز ۴۶۵-۴۸۶ ق-م) اور ارتاخشس (ارتازرکسیز ۴۲۴-۴۶۵ ق-م) کے وقت سے ہنحامنشی حکمراں کھلم کھلا با قاعدہ طور پر زرتشتی مذہب کے پیرو بن گئے، اور اس سلسلے میں انہوں نے دوسری مذہبی روایات کے ساتھ متعصبانہ برتاؤ میں بھی کوئی عار نہیں سمجھا[۲۴]۔

یہ حقیقت ہے کہ بعد کے ہنحامنشی عہد تک عوامی اثرات کو قبول کرتے کرتے زرتشتی مذہب کی اس طرح قلب ماہیت ہو چکی تھی کہ وہ تمام عقائد و رسومات اور وہ تمام دیوتا، جن کی زرتشت نے زبردست مخالفت کی تھی، سب کے سب زرتشتی روایت پر پورے طور سے چھا گئے۔ چنانچہ اوستا کا وہ حصہ جو اس دور کے زرتشتی مذہب کی ترجمانی کرتا ہے، یعنی گاتھا ہفت ابواب اور یاشت، وہ مترا، فراداشی، خوارنہ، اَناہتا، اویو، سروش، رشنو، ویریترگھنا، جیسے اہم دیوتاؤں کے علاوہ چھوٹے موٹے دیوتاؤں کی ایک کثیر تعداد کی پرستش کے ذکر پر مبنی ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ آگ کی تعظیم کے علاوہ جو کہ زرتشت کا اہورامزد کی عبادت کا طریقہ معلوم ہوتا ہے، اب اس دور میں ہوم رس (ہندوستانی سوم رس) کا پینا اور بیل کی قربانی بھی زرتشتی طریقہ عبادت میں شامل ہوگئی[۲۵]۔

اس طرح ہنحامنشی عہد کے آخری دور سے زرتشتی مذہب اور ایران کے پرانے مشرکانہ مذہب میں محض نام کا فرق باقی رہ گیا۔ اگرچہ اس وقت بھی پرانے مشرکانہ مذہب کی ایک مخصوص صورت ایران میں باقی تھی جس کے خلاف بعض ہنحامنشی حکمرانوں کے متعصبانہ سلوک کی طرف ہم نے اوپر اشارہ کیا ہے۔

ہنحامنشیوں کے آخری عہد یا یاشت کے دورِ تصنیف میں جو مشرکانہ بدعات زرتشتی مذہب پر غالب آگئی تھیں، ان کے علاوہ خود اہورامزد کے تصور میں انقلابی تبدیلیاں

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

پیدا ہو گئیں۔ مثال کے طور پر یہ واضح ہے کہ اس دور تک اہورا مزد اور ''روح القدس'' (اسپنٹا مینیو) کا باہمی انضمام مکمل ہو چکا تھا۔ جس کے نتیجے میں کائنات میں روح القدس اور انگرا مینیو (قوتِ شر) کے مابین صف آرائی کی جگہ اب یہ ازلی اور آفاقی جنگ اہورا مزد (معبودِ حق) اور انگرا مینیو کے درمیان جاری سمجھی جانے لگی تھی، اور اس طرح ثنویت پر مبنی یہ نظریہ کائنات میں دو اعلیٰ ترین قوتیں ہیں۔ ایک خدائے برحق اور دوسرا خدائے شر، اس دور تک وجود میں آ چکا تھا۔

البتہ یہ ضرور ہے کہ اس نظریہ کی تکمیل اور اس پر مبنی، ایک نظام کائنات کی تفصیلات ساسانی عہد میں جا کر مکمل ہوئیں۔ دوسری طرف اہورا مزد کی عظمت اور تقدیس سے متعلق تصورات مشرکانہ بدعات کی زد میں آ کر بُری طرح مجروح ہو رہے تھے۔ مثال کے طور پر گاتھاؤں میں زرتشت کی تعلیمات کے برخلاف جو کسی قیمت پر اہورا مزد کی عظمت اور بڑائی میں کسی دوسری ہستی کو شریک کرنے پر تیار نہیں تھیں، یاشت کے اندر نہ صرف یہ کہ دوسرے دیوی دیوتاؤں کو مستقل معبودوں کی حیثیت دے دی گئی ہے (جیسا کہ اوپر ذکر کیا گیا) اور ان کی حمد و ثنا میں بھجن تحریر کئے گئے ہیں، بلکہ متعدد جگہوں پر اہورا مزد کو اس درجہ گرایا گیا ہے کہ اس کو ان غیر زرتشتی دیوی دیوتاؤں کا منت گزار اور ان سے مدد و استعانت کا طالب دکھلایا گیا ہے[۲]۔ اور یہ بھی یاشت میں اہورا مزد کے زوال کی انتہا نہیں ہے، بلکہ ہنجامنشی عہد کے اواخر تک زرتشت کی موحدانہ نوعیت کی تعلیم اس درجہ مسخ ہو چکی تھی کہ گاتھاؤں کا پُرعظمت اور خالق کائنات کو استوار رکھنے اور اس کو خدائے شر سے بچائے رکھنے کے لئے خود انسانی ارواح کی ازلی صورت فراواشی کا احسان مند ہو گیا، جن کی مدد کے بغیر، وہ اعتراف کرتا ہے، کہ وہ خدائے شر کا ہرگز ہرگز مقابلہ نہیں کر سکتا[۳]۔

زرتشتیت کی اس قلب ماہیت میں جس کی ایک معمولی جھلک ہم نے اوپر پیش کی، جو عناصر کارفرما تھے ان میں ''ماگی'' یا ''مغ'' طبقے کی قبولِ زرتشتیت خصوصی اہمیت رکھتی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہے۔مغوں کا زرتشتیت سے تعلق، بلکہ خود ''مغوں'' کی حقیقت اور قدیم ایرانی معاشرے میں اُن کا مقام، تاریخِ زرتشتیت و تاریخ ایران کا ایک ایسا پہلو ہے جس کی کوئی واضح تصویر پیش کرنے سے مورخین قاصر نظر آتے ہیں۔قدیم رومن مورخین اور خود زرتشتی روایت کی بنا پر جو حقائق اخذ کئے جاتے ہیں وہ باہم متناقص اور مبہم معلوم ہوتے ہیں۔

بہر حال ان مختلف بیانات کی روشنی میں اتنا ضرور قیاس کیا جا سکتا ہے کہ ''مگوس'' ''ماگی'' یا ''مغ'' قدیم ایرانی آریائی معاشرے کا ایک اہم طبقہ تھا جو کہ موروثی طور پر مذہبی رسومات قربانی اور نذر و نیاز وغیرہ کا ذمہ دار سمجھا جاتا تھا۔ ایرانی سماج میں اس طبقہ کی وہی حیثیت معلوم ہوتی ہے جو کہ ہندو سماج میں برہمن طبقہ یا یہودیوں میں آل لاوی کی رہی ہے۔کوئی مذہبی رسم خواہ کسی مشرب و مسلک کی ہو، قدیم ایران میں اس وقت تک معتبر نہیں سمجھی جاتی تھی جب تک ''مغ'' طبقے کے نمائندے اُس کی نگرانی کے لئے موجود نہ ہوں، اور بیشتر اوقات تو اس طرح کی مذہبی رسومات کی ادائیگی انہیں ''مغوں'' کے ذریعہ ہی عمل میں آتی تھی۔

یونانی مورخ ہیروڈوٹس جس سے کہ قدیم زمانے کے مغوں کے بارے میں قدرے تفصیلی حالات معلوم ہوتے ہیں، اور اس کے بعد کے رومن مورخ بھی جن مغوں کے بارے میں بتاتے ہیں وہ مغربی ایران سے تعلق رکھتے ہیں۔قدیم زمانے کے مشرقی ایران کے بارے میں ہمارے پاس زرتشتی روایات کے علاوہ اور کوئی ماخذ نہیں ہے۔اس سلسلے میں یہ پہلو بھی قابل ذکر ہے کہ ہخامنشی عہد، اور اس سے قبل سلطنت ماد کے زمانے سے، ایران کا مغربی حصہ ہی سیاسی اور تہذیبی اعتبار سے باثر حیثیت رکھتا تھا کیونکہ سلطنت ماد اور ہخامنشی خاندان دونوں بالترتیب شمال مغربی اور جنوب مغربی ایران سے تعلق رکھتے تھے، اور مغربی ایران ہی اُن کی حکومتوں کا سیاسی و ثقافتی مرکز تھا۔اس کے برخلاف زرتشتی روایت کے بارے میں تقریباً یقینی ہے کہ وہ مشرقی ایران سے شروع ہوئی اور رفتہ رفتہ اپنا

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

دائرۂ اثر بڑھاتی ہوئی مغربی ایران تک پہنچی۔

چنانچہ یونانی و رُومی مصنفین کے بیانات سے یہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ ہنخامنشی عہد کے اوائل ہی میں مغربی ایران کے مغوں یا کم سے کم ان کے ایک طبقے نے زرتشتی روایت کو قبول کر لیا تھا۔ مغوں کی روایتی مذہبی اہمیت، اور قدیم ایرانی معاشرہ میں مذہبی رہنمائی کے موروثی کردار نے ان کے قبول زرتشتیت کو ایک خصوصی اہمیت عطا کر دی۔ ایسا لگتا ہے کہ اس کے بعد سے زرتشتی مذہب کی سرکردگی اور رہنمائی اُن مغوں کے حصہ میں آ گئی جنہوں نے کہ زرتشتی روایت کو قبول کر لیا تھا۔

چنانچہ اب زرتشتی روایت میں ان عقائد اور رسومات کا گہرا اثر نظر آنے لگتا ہے جو کہ یونانی اور رومی مورخین کے بیانات میں مغوں کے ساتھ مخصوص تھے۔ مغوں کے ان عقائد و رسومات میں جو کہ بعد کی زرتشتی روایت میں بھی نمایاں اہمیت کی حامل رہیں، اور جن میں سے بعض تو آج تک زرتشتیت کے پسماندگان پارسی فرقہ میں جاری ہیں، مردوں کو دفن کرنے کے بجائے ان کو کھلی جگہ پر چھوڑ دینا جہاں ان کو چیل کوّے کھا سکیں، محرمات کے ساتھ شادی تمام مخلوقات میں نیک و بد کی واضح تقسیم اور عناصر اربعہ آگ، پانی، مٹی اور ہوا کا خصوصی احترام شامل ہیں۔

زرتشتی دینیات میں بعد کے ادوار میں جو تبدیلیاں رونما ہوئیں ان کے پیش نظر مغوں کا مخلوقات کی ضمن میں ثنویت کا نظریہ خاصی اہمیت رکھتا ہے۔ زرتشت کی گاتھاؤں میں روح القدس اور انگرا مینیو (قوت شر) کا فرق ایک اصولی اور مجردانہ بحث تھی اور اس کا تعلق حقیقی دنیا سے زیادہ تصورات کی دنیا سے تھا۔ لیکن مغانہ عقائد کے زیر اثر زرتشتیت میں جس طرح کی دینیات پروان چڑھنا شروع ہوئی اس میں تمام کائنات اور تمام مخلوقات کو واضح طور سے نیک اور بد کی دو جماعتوں میں تقسیم کر دیا گیا۔ جن میں ہر سطح پر باہمی جنگ کا سلسلہ جاری تھا۔ اس طرح یہ بات بعید از قیاس نہیں معلوم ہوتی کہ بعد کے زمانہ کی ثنوی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

زرتشتیت جو ساسانی عہد میں اپنے اوج کمال کو پہنچی، وہ زرتشتیت پر مغوں کے اثرات کا ہی نتیجہ ہو۔

چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ مغوں کے زرتشتیت کی زمام اقتدار سنبھالنے کے بعد اشکانی عہد کے اوائل ہی میں جو اہم زرتشتی تصنیف وندیداد یا ودیواداد سامنے آتی ہے وہ مجوی نظریات سے پُر ہے اور اپنے موضوع کے لحاظ سے بھی مغوں کے روایتی میدان کار یعنی مذہبی رسومات اور فقہی مسائل کا مجموعہ ہے۔ دوسری طرف وندیداد کے مذہبی تصورات اپنے سے پہلے کی اہم زرتشتی تصانیف یاشت اور یاسنا کے مجموعوں سے بہت مختلف ہیں وندیداد میں ہم کو وہ مشرکانہ رجحانات بہت کم نظر آتے ہیں جو اُن زرتشتی تصانیف میں جو گاتھاؤں کے بعد لکھی گئیں، عام تھے۔

ہنخامنشی سلطنت کا خاتمہ ۳۳۰ ق۔م میں ایران پر سکندر یونانی کے حملہ کے ساتھ ہوتا ہے۔ مغربی ایشیا کی تاریخ کے اس اہم موڑ پر سکندر کے ہاتھوں قدیم ایران کی پہلی عظیم الشان سلطنت کے خاتمہ نے وسطِ ایشیا تک یونان کے سیاسی اور تہذیبی اقتدار کے دروازے کھول دیئے تھے اور اس کے بعد صدیوں تک ایران، کیا سیاسی اعتبار سے اور کیا تہذیبی اور فکری لحاظ سے، یونان کا منت گزار رہا۔

۳۲۳ ق۔م میں سکندر کی موت کے بعد اس کے سپہ سالاروں میں اس کے وسیع مقبوضات پر جانشینی کے سلسلہ میں جو باہمی لڑائیاں ہوئیں وہ تاریخ میں ''ڈویاڈوٹی'' جنگوں کے نام سے مشہور ہیں۔ ان لڑائیوں کے نتیجہ میں شام، عراق، ایران اور مشرق میں ترکستان کی سرحد تک سکندر کا ایک سپہ سالار سیلوکس اپنی مستقل حکومت قائم کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ اس طرح ۳۱۲ ق۔م سے لے کر جب کہ سیلوکس نے اپنی فاتحانہ سرگرمیوں کا آغاز کیا تھا، ۱۷۱ ق۔م تک جب کہ اشکانی حکمران متھراڈیٹس اوّل سیلوکسی خاندان کو حکومت ایران سے بے دخل کر کے اپنی باقاعدہ حکومت قائم کر سکا۔ تقریباً ۱۴۱ سال کا عرصہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ایران کے لئے یونانیوں کی براہ راست ماتحتی کا دور تھا۔ یہ کہا جاتا ہے کہ سکندر نے اپنے مفتوحہ علاقوں میں یونانیوں اور مفتوحہ اقوام کے امتزاج کی ایک شعوری کوشش کی تھی اور اس طرح ایک طرف فوجی فتوحات کے ذریعہ اور دوسری طرف مختلف تہذیبوں کے امتزاج سے وہ ایک عالمی سلطنت اور عالمی تہذیب کی بنیاد رکھنا چاہتا تھا۔ آیا کہ اس طرح کا تصور سکندر کے ذہن میں موجود تھا یا نہیں یہ بحث ہم یہاں نہیں اٹھا سکتے، لیکن تاریخی اعتبار سے اُس نے کچھ ایسے اقدامات ضرور کئے تھے جو یونانیوں اور مفتوحہ اقوام کو ایک دوسرے میں خلط ملط کرنے میں معاون ثابت ہوئے۔ اُس کے جانشین سپہ سالاروں نے بھی اپنے مقبوضہ علاقوں میں سکندر کی اس روایت کو زندہ رکھا چنانچہ سیلوکسی خاندان کے عہدِ حکومت میں، جہاں ایران کی تمدنی زندگی کے مختلف پہلو اس تہذیبی لین دین سے متاثر ہوئے وہاں اس کے اثرات مذہبی زندگی میں بھی نمایاں نظر آتے ہیں۔

اس دور کی مذہبی زندگی کا ایک نمایاں پہلو جس کا ثبوت تاریخی کتبات اور آثار قدیمہ کے نمونوں سے بخوبی ملتا ہے، متعدد ایرانی اور یونانی دیوی دیوتاؤں کا باہم انضمام تھا۔ بعد کی مشرکانہ زرتشتیت کے کئی ایک اہم دیوی دیوتا، مثلاً متھرا، دیوی اناہتا، ویرترگھنا یہاں تک کہ خود اہورامزد یونانی دیوتاؤں اپولو، ارتمس، ہرکیولس اور زِی اُس کے مختلف روپ سمجھے جانے لگے تھے اور ان کی پرستش پر مبنی مختلف مذہبی حلقے قائم تھے۔ اس کے علاوہ بعض یونانی روایت سے مستعار فرقے، مثلاً ہرکیولس کی پرستش پر مبنی مذہبی فرقہ یا سکندر یونانی کی بحیثیت دیوتا پرستش، یا عمومی طور سے ایران کے یونانی بادشاہوں کو مذہبی حیثیت کا حامل قرار دینا، وغیرہ اس دور کے ایرانی مذہب کی نمایاں خصوصیات ہیں۔ جیسا کہ ظاہر ہے یونانی تمدن کے اس غلبہ میں زرتشتیت کی اپنی روایت جیسی کچھ بھی تھی وہ گمنامی اور غفلت کا شکار ہو رہی تھی، اور اسی لئے بعد کی پارسی روایت میں یہ پورا دور مذہبی اعتبار سے تاریک دور کے نام سے یاد کیا جاتا ہے[۲۸]۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

۲۴۷ قبل مسیح میں اَشکان اوّل نے یونانی حکومت کے خلاف بغاوت کر کے جو ریاست شمال مشرقی ایران کے صوبہ پارتھیا میں قائم کی تھی وہ وقت گزرنے کے ساتھ اُس کے جانشینوں کے زمانے میں مغرب کی طرف پھیلتی رہی یہاں تک کہ اس نے ایران اور عراق سے یونانیوں کو باہر نکال کر ہی دم لیا۔ جیسا کہ ہم نے اوپر ذکر کیا ہے اس سلسلہ میں متھراڈیٹس اوّل وہ پہلا بادشاہ ہے جس کے زمانے میں ایرانی سلطنت مکمل طور پر اشکانیوں کے قبضہ میں آگئی اور وسطِ ایشیا سے لے کر شام تک ایک ایرانی خاندان یعنی اشکانیوں کی حکومت قائم ہوگئی۔ لیکن اشکانی خاندان کے یہ بادشاہ، ان کے امرا اور سردار، جو پرنی قبیلہ سے تعلق رکھتے تھے اور جس کی مناسبت سے ان کا اصلی وطن پارتھیا کہلاتا تھا، ایران کی شمالی مشرقی سرحد کے باشندے تھے، جس کے ڈانڈے خانہ بدوش قبائل کے اُس وسیع وعریض علاقے سے ملتے تھے جو ایران کی سرحدوں سے لے کر مشرق بعید میں منگولیا تک پھیلا ہوا تھا۔ بلکہ شاید اشکانی خود خانہ بدوشوں کے مسکن اسی لق و دق صحرا سے آکر کسی زمانے میں ایران میں مقیم ہوئے تھے، اور اپنی حکومت کے اختتام تک وہ کبھی بھی اپنے خانہ بدوش ماضی سے پوری طرح چھٹکارا نہیں پاسکے۔

اشکانی خاندان کے اس قبائلی مزاج کی وجہ سے، اور اس وجہ سے کہ وہ اپنی حکومت اور تمدن میں ایک عرصہ تک اپنے سے پیشتر ایران پر چھائے ہوئے یونانی اثرات کا مقلد رہے تھے، بعد کی ایرانی روایت نے ان کو نظر انداز کرنے اور ان کے کارناموں کو غیر اہم بنانے کی پوری کوشش کی۔ بدقسمتی سے، شاید اپنے قبائلی رجحانات کی بنا پر اشکانیوں نے فن تعمیر کی یادگاروں اور کتبات کی شکل میں بھی ایسے بہت کم آثار چھوڑے ہیں جو اُن کے دور کے صحیح حالات کا اندازہ کرنے میں معاون ثابت ہوں۔

البتہ آثارِ قدیمہ کی جدید ترین کھدائیوں میں، جو اب بھی روسی حکومت کی زیر نگرانی وسطِ ایشیا میں جاری ہیں، اور خود زرتشتی روایت میں، باوجود تنسیخ واخراج کے عمل

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کے، ایسے شواہد پائے جاتے ہیں جو اس طرف اشارہ کرتے ہیں کہ کم از کم بعد کے اشکانی حکمرانوں نے یونانی تمدن کے بالمقابل ایران کی قومی تہذیب، بشمول زرتشتیت مذہب کا ترجمان اوستا کا ایک خلاصہ ہے اور اپنی موجودہ صورت میں اسلامی دور کی تیسری صدی ہجری یعنی نویں صدی عیسوی کی تصنیف ہے، یہ روایت موجود ہے کہ دلاخش (ولوجیسز اوّل) نے تمام اکناف سلطنت میں اوستا اور اس کی تفاسیر کے تمام اجزا کو جو سکندر یونانی کے حملے اور اُس کے بعد یونانیوں کے دورِ حکومت میں منتشر ہو گئے تھے محفوظ کرنے کا حکم جاری کیا تھا۔[2]

بہر حال اشکانیوں نے ایران کی قومی تہذیب اور زرتشتیت کے احیا کی جو بھی کوششیں کیں اور جو اُن کی ڈھیلی ڈھالی عدم مرکزیت کی شکار حکومت میں بہت زیادہ نہیں ہو سکتی تھیں، وہ بیشتر پردۂ خفا میں ہیں اور موجودہ تاریخی مواد کی روشنی میں اس سلسلے میں کچھ زیادہ قیاس بھی نہیں کیا جا سکتا۔

البتہ ۲۲۴ عیسوی میں ساسانی خاندان کی حکومت کے قیام کے ساتھ زرتشتیت کی تاریخ میں ایک نئے دور کا آغاز ہوتا ہے۔ اس خاندان کے حکمران جو اپنے قدیم ہخامنشی شہنشاہوں کی نسل سے ہونے کا دعویٰ کرتے تھے، ابتدا سے ہی ایرانی قومی اور مذہبی عصبیت کے علمبردار تھے۔ ساسانیوں نے ہر اعتبار سے ایران کی مقامی تہذیب اور مذہبی روایت کے استحکام اور ترقی کے لئے اقدامات کئے اور اس سلسلے میں ہر طرح کے مذہبی اور قومی تعصب کو جائز سمجھا۔ اس خاندان کے بانی شہنشاہ اردشیر کے زمانے سے ہی زرتشتی مذہب کو منظّم کرنے اور اُس کی فکری اور دینیاتی اعتبار سے ایک مستحکم اور واضح روایت کی تشکیل کی کوششیں شروع ہو گئیں تھیں۔

چنانچہ دین کرد کے اُسی متن میں جس کا حوالہ ہم نے اوپر دیا ہے، اردشیر کی ان کوششوں کا ذکر کیا گیا ہے اور یہ بتایا گیا ہے کہ کس طرح اُس کے احکام کے مطابق سلطنت

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کے مختلف گوشوں میں پھیلی ہوئی زرتشتی تصنیفات کو اکٹھا کیا گیا اور اُن کی مدد سے زرتشتیوں کی کتاب مقدس اوستا کا ایک مستند نسخہ تیار کیا گیا۔ مذہبی اصلاح اور ترقی کا یہ عمل اردشیر کی حکومت میں اُس کے مذہبی امور کے نگراں تنسر کے زیرِ نگرانی انجام پایا جو کہ ہیربذان، ہیربد کے معزز مذہبی منصب پر فائز تھا۔ تنسر کے بارے میں یہ بھی بتایا گیا ہے کہ اُس نے زرتشتی مذہب کی تشریح اور اُس میں صحیح اور غلط کے فیصلے کا حق صرف اپنی ذات تک محدود کر لیا تھا۔ جس سے کہ زرتشتیت کے مذہبی انتشار کو ختم کرنے میں کافی مدد ملی ہوگی۔

ساسانی حکمرانوں کی ایک واضح زرتشتی روایت کی تشکیل، نیز اُس کے استحکام اور ترقی کی پُر جوش کوششوں کے پیچھے اس طرح کی غیر شعوری وجوہات بھی ہو سکتی ہیں کہ ساسانیوں کے زمام اقتدار سنبھالنے کا زمانہ یعنی تیسری صدی عیسوی وہی دور ہے جب کہ ایران کے مغرب میں عیسائیت اور خود ایران کے اندر مانویت جیسے دو تبلیغی مذاہب ایران کی قومی وحدت اور روایتی تشخص کے خلاف خطرہ بن کر اُبھر رہے تھے ساسانی حکمرانوں کو، جو ایرانی قومیت کے نام پر ایک مرکزیت پسند حکومت قائم کرنا چاہتے تھے، زرتشتیت کی صورت میں وہ فکری محاذ حاصل ہو گیا ہوگا جس کی بنیاد پر وہ ایک طرف اپنی سلطنت کے مختلف عناصر کو متحد کرنے کا کام لے سکتے تھے، اور دوسری طرف مانویت اور عیسائیت کے سامنے جو کہ ایران کے قومی تشخص کے لئے خطرہ ثابت ہو رہے تھے، اُس کو ایک مدِ مقابل کے طور پر پیش کر سکتے تھے۔

چنانچہ اس دور میں زرتشتی روایت کی ترتیب اور تنظیم کا جو کام اردشیر اوّل بانی خاندان کے زمانے سے شروع ہوا تھا وہ مختلف پیچ وخم سے گزرتا ہوا خسرو انوشیروان کے عہد میں اپنے اختتام کو پہنچا، جب کہ زرتشتیت میں ثنویت پسند مکتب فکر دوسرے فرقوں پر مکمل طور سے غالب آ گیا تھا۔ یہاں تک کہ اس دور کے زرتشتی مذہب کا جو نمونہ ہم کو اسلامی دور میں تصنیف کردہ پہلوی کتابوں میں ملتا ہے۔ اُن میں ثنوی نقطہ نظر کے علاوہ کسی اور رجحان کا اثر

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

تقریباً ناپید ہے۔ گویا یہ صرف خسرو انوشیروان کے عہد میں جا کر ممکن ہو سکا کہ زرتشتی مذہب کی ایک قطعی دینیات، جو ثنوی نظریہ کی حامل تھی، طے پا سکی اور اُس سے انحراف الحاد اور کفر کے مساوی قرار پایا[41]۔

زرتشتیت کی یہ قطعی ثنوی تشریح جس کو سب سے پہلے شاپور اوّل کے عہد میں اعلیٰ ترین مذہبی عہدہ دار (موبدان موبد) کارتیر نے ساسانی حکومت کے ایک مسلمہ عقیدہ کے طور سے پیش کرنے کی کوشش تھی، خسرو انوشیروان کے عہد تک علاوہ دوسری غیر زرتشتی مذہبی تحریکات مثلاً مزدکیت یا مانویت کے خود ایک زرتشتی مسلک زروانیت کے ساتھ ایک زبردست حریفانہ کشمکش میں مبتلا رہی، جس کے آثار اُس دور کے بعض کتبات یا کچھ ہمعصر عیسائی اور مانوی مصنفین کی تحریرات سے اخذ کئے جا سکتے ہیں[42]۔

زرتشتیت کی اس تشریح کے مطابق کائنات میں ازل سے ہی دو قوتیں قوت خیر اہورامزد اور قوت شر اہرمن موجود ہیں۔ اہورامزد کا علاقہ جو کہ نورانی اور خیر و برکت کا علاقہ ہے اوپر ہے اور اہرمن کا علاقہ جو تاریکی اور شر سے مملو ہے نیچے ہے۔ ان دونوں کے درمیان خلا ہے جس کو وایو کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ خدائے خیر اہورامزد کو ہمیشہ سے اہرمن کی طرف سے حملہ کا خطرہ تھا۔ چنانچہ اس نے اہرمن کے مقابلہ کے لئے زمان محدود اور تخلیقات کا سلسلہ شروع کیا جس کے ضمن میں آسمان، فضا، مختلف عناصر، نباتات، مفید حیوانات اور انسانوں کے مورثِ اعلیٰ کیومرث پیدا کئے گئے۔ اس طرح کائنات کی عمر کے تین ہزار سال گزر گئے۔ اس مدت کے اختتام پر اہرمن کو خدائے خیر اور اُس کی مخلوقات کا علم ہوا تو وہ اپنی فطرت کے مطابق غیض و غضب میں بھر گیا اور خدائے خیر اور اُس کی مخلوقات کو ختم کرنے کے لئے نورانی علاقے کی طرف لپکا مگر خدائے خیر کے اُہوناویریہ دعا پڑھنے سے ایسا نور پیدا ہوا کہ خدائے ظلمت اہرمن اُس کی تاب نہ لا سکا اور بے ہوش ہو کر تحت الثریٰ میں جا گرا جہاں اگلے تین ہزار سال تک وہ بے حس و حرکت پڑا رہا۔ اس دوران وہ تمام پریت،

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

راکشس اور بُری مخلوقات جنہیں اہرمن نے اہورا مزد اور اس کی مخلوقات سے مقابلہ کے لیے پیدا کیا تھا اہرمن کی خوشامد کرتی رہیں کہ وہ ان پر بھروسہ کر کے اٹھے اور پھر اہورا مزد کی جماعت کو ختم کرنے کا ارادہ کرے۔

بالآخر ایک چڑیل کے سمجھانے اور ہمت دلانے سے اہرمن اٹھا اور اپنی تمام مخلوقات بد کے ساتھ اہورا مزد کی جمیعت پر حملہ آور ہوا۔ اس مرتبہ اُسے خاطر خواہ کامیابی حاصل ہوئی اور وہ ہر طرف تباہی و بربادی پھیلاتا ہوا آسمان کو چیر کر دنیا میں گھس پڑا اور تمام نباتات و حیوانات کو ختم کر کے زمین و آسمان کو ویران کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ اُس وقت اہورا مزد نے انسانوں کی ازلی ارواح فراواشی سے پوچھا کہ کیا وہ اہرمن کا مقابلہ کرنے کے لئے تیار ہیں اور پھر اُن کے مثبت جواب دینے پر اُن کو مسلح افواج کی شکل میں آسمان کے چاروں طرف ناکہ بندی پر لگا دیا گیا۔

اس طرح اہرمن جو اپنے شیطانی غصہ میں آ کر دنیا میں تباہی پھیلانے کے لئے گھس پڑا تھا اب آسمان کی فصیلوں کے اندر محصور ہو کر رہ گیا، جس کے باہر فراواشی کی مضبوط فوج اُس کو نکل بھاگنے سے روکنے کے لئے موجود ہے۔ یہ غلطی اہرمن سے اس لئے سرزد ہوئی کہ اہوامزد کے مقابلے میں جو ماضی و مستقبل سے پوری طرح آگاہ ہے، اہرمن صرف ماضی کا علم رکھتا ہے، مستقبل سے واقف نہیں ہے۔ اہورا مزد جس نے محدود زمان کو پیدا کیا، اُس کو علم ہے کہ دنیا کی کل عمر ۱۲ ہزار سال ہے، جس کے اختتام پر اہرمن کی شکست یقینی ہے، کیونکہ اُس کے بعد قیامت آئے گی اور اہورا مزد کی مکمل حکومت قائم ہو جائے گی۔ اس طرح ناعاقبت اندیشی، جو اہرمن اور اُس سے متاثر مخلوقات کی خصوصیت ہے، بالآخر اُن کے خاتمہ کا باعث ہو گی۔

اگر اہرمن کو اس طرح فضائے آسمانی کے اندر اسیر نہ کیا جاتا تو وہ اہورا مزد کی مخلوقات کو تباہ کر کے اپنے اصل وطن "دنیائے ظلمت" میں واپس جا سکتا تھا جہاں اُس پر قابو

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

پانا مشکل ہو جاتا۔ اہرمن کو اس طرح محصور کر لینے کے بعد اہورامزد نے تخلیقات کا سلسلہ دوبارہ شروع کیا جہاں کیومرث کی نسل سے پہلے انسانی جوڑے میش اور مشیان نے بھی ایک پودے کی شکل میں جنم لیا جن سے نسلِ انسانی کا سلسلہ آگے بڑھا۔

مخلوقات کی دوبارہ تخلیق کے وقت کائنات کی عمر میں سے آدھی مدت گزر چکی تھی اور مزید چھ ہزار سال قیامت آنے میں اور باقی رہ گئے تھے۔ اس باقی مدت کے پہلے تین ہزار سال میں اہرمن دنیا میں محصور، اپنی مددگار شیطانی قوتوں مثلاً نفسانی خواہشات (از) غیظ وغضب (ایشم) انتشار اور دوسری بُرائیوں کے ساتھ اہورامزد کی مخلوقات کو نقصان پہنچانے اور اُن کو تباہ کرنے میں لگا رہے گا، جب کہ اہورامزد کی جماعت میں شامل مخلوقات اہرمن اور اُس کے لشکر کا مقابلہ کرنے کی کوشش کرتی رہیں گی۔ انسان جس کی نسل اس دوران دنیا میں پھیل گئی ہے، دوسری خیر وشر کی مخلوقات سے اس لحاظ سے ممتاز ہے کہ اس کو اہورامزد نے اپنے ارادہ میں مکمل آزاد چھوڑ دیا ہے۔ اس معاملہ میں اس کو مکمل اختیار حاصل ہے کہ وہ چاہے تو اہرمن کا ساتھ دے کر اپنے کو قیامت میں سزا کا مستحق بنا لے یا اہورامزد کی جماعت میں شامل ہو کر اہرمانہ طاقتوں کا مقابلہ کرے اور آخرت میں نیک جزا کا مستحق ٹھہرے۔

بہرحال چونکہ انسان اپنے ارادہ میں آزاد ہے اس لئے زرتشتیت میں وہ اس دنیا میں اہورامزد کا نائب ہے، اور اُس کے خیر وشر کی جماعت میں کسی ایک میں شامل ہونے کی خصوصی اہمیت ہے۔ اہورامزد کی مخلوقات کا سرتاج ہونے کی وجہ سے انسان اہرمن اور اس کے عفریتی لشکر کا مخصوص نشانہ ہے، کیونکہ بالآخر انسانوں کے نیک بن جانے اور اہرمانہ طاقتوں کی دسترس سے باہر ہو جانے کی وجہ سے ہی قیامت کے قریب اہرمن اور اُس کے لشکر کی آخری تباہی اور شکست ظہور پذیر ہو گی۔

مزدی اور اہرمانہ طاقتوں کے اس طرح باہم دست وگریباں رہنے کے تین ہزار

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

سال بعد زرتشت کا ظہور ہوا جنہوں نے اپنی پیغمبرانہ تعلیمات کے ذریعہ دین مزدی کو فروغ دیا جس کے ذریعہ انسانوں کے لئے اہرمانہ قوتوں کا مقابلہ آسان ہو گیا۔ اب انسان اس دین مزدی یا مزدیاسنا پر چل کر اہرمانہ قوتوں سے محفوظ اور اپنی آخرت کی کامیابی کے سلسلے میں مطمئن ہو سکتا ہے۔ دین مزدی (یعنی زرتشتی مذہب) چونکہ سرتاسر اہورامزد (خدائے خیر) کی پرستش اور اخلاقی عمل پر مشتمل ہے اس لئے اُس پر چلنا اپنے آپ میں اہرمن کی مخالفت اور اُس کو شکست دینے کے مترادف ہے، اگرچہ اہرمن تا قیامت انسانوں کو بہکانے کی اپنی سی کوشش کرتا رہے گا۔

ہر ایک ہزار سال کے بعد زرتشت کی نسل میں سے ایک مصلح اٹھے گا جو زرتشتی مذہب کا احیا کرے گا اور جس کی تعلیمات کے زیر اثر انسان مزید صالح اور نیک ہوتے جائیں گے، یعنی اہرمن اور اُس کی قوتوں کی دسترس سے مزید باہر ہوتے جائیں گے۔ زرتشت کی وفات کے تیسرے ہزار سال کے خاتمہ پر جب کہ کائنات کی عمر کے بارہ ہزار سال پورے ہو چکے ہوں گے۔ تیسرا مصلح سوشیانس جو مہدی ہو گا، پیدا ہو گا۔ اُس کے دور میں انسان مکمل طور پر صالح ہو جائیں گے اور اہرمن اور اس کی قوتوں کا کوئی اثر قبول نہیں کریں گے۔ اہرمن کی شیطانی قوتیں انسانوں میں اپنا کوئی شکار نہ پا کر اپنی فطرت سے مجبور ہو کر ایک دوسرے کو تباہ کرنے پر تل جائیں گے اور بالآخر از (نفسانی خواہش) خود اہرمن کو کھانے کے لئے اپنا دستِ حرص دراز کرے گی، اُس وقت اہورامزد اور اُس کی مددگار ایک نیک قوت سروش، اہرمن اور از پر آخری حملہ کر دیں گے جس کے نتیجہ میں اہرمن اور از کا ہمیشہ کے لئے خاتمہ ہو جائے گا۔

اب سوشیانت مہدی اہورامزد کے حکم سے مردوں کو زندہ کرے گا، جن کی ارواح جسمانی موت کے بعد اپنے اچھے یا برے اعمال کے مطابق جنت یا دوزخ میں موجود تھیں۔ ثنوی زرتشتیت میں جنت اور دوزخ عارضی مقامات ہیں جہاں قیامت کے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بعد اہورامزد کی مکمل حکومت قائم ہونے تک نیکوں اور بدوں کی ارواح مقیم رہیں گی۔ چنانچہ موت کے تیسرے دن تمام انسانوں کی ارواح کو پل صراط (چنوٹ) پر سے گزرنا ہوتا ہے جس کے پاس رشود یوتا نیک و بداعمال تولنے کے لئے میزان لئے بیٹھا رہتا ہے۔ جن ارواح کے نیک اعمال کا پلہ بھاری ہوتا ہے وہ باآسانی پُل صراط سے گزر کر جنت کی طرف پہنچ جاتی ہیں، جہاں ان کا اُسی اعتبار سے خیر مقدم کیا جاتا ہے اور وہ قیامت تک کے لئے جنت کے مزے اٹھاتی رہتی ہیں۔ بُرے اعمال والی ارواح پل صراط پر سے نہیں گزر پاتیں اور دوزخ کے عفریت اُن کو گھسیٹ کر دوزخ میں لے جاتے ہیں جہاں اُن کو قیامت تک مختلف عذاب سہتے رہنا ہے۔ نیک و بداعمال کا پلہ برابر رکھنے والی ارواح کے لئے ایک تیسری جگہ ہمیستگان (اعراف) کی ہے جہاں گرمی اور سردی کے علاوہ اور کوئی زحمت نہیں ہے۔

قیامت برپا ہو جانے کے بعد تمام ارواح عارضی جنت اور دوزخ سے بلالی جائیں گی اور اہورامزد کے حکم سے اپنے اپنے قالب کو دوبارہ اختیار کر لیں گی۔ اس طرح تمام انسانیت مجتمع ہو جائے گی۔ اب اُن کو ایک آخری امتحان سے گزرنا ہے جہاں پگھلی ہوئی دھات کے کھولتے لاوے میں چلنا ہوگا۔ نیک انسانوں کے لئے یہ کسی تکلیف کا باعث نہ ہو گا البتہ گناہگاروں کے لئے یہ اپنی اصلیت کے مطابق انتہائی اذیت ناک ہوگا۔ یہ عذاب گناہگاروں کے آخری گناہ تک دھوڈالے گا اور وہ مکمل پاک وصاف ہو کر نیک لوگوں کی صف میں شامل ہو جائیں گے۔ چونکہ اہرمن اور اُس کی قوتوں کا پہلے ہی خاتمہ ہو چکا ہے اس لئے اب دنیا میں کہیں گناہ، بدی یا کسی عیب اور کمزوری کا کوئی وجود نہیں رہ گیا ہے، اس تجدید عالم کو فاشکرت کہا گیا ہے اب تمام انسان اہورامزد اور نیک طاقتوں کے ہم رنگ ہو کر ابدالآباد تک مسرت، سعادت اور برکتوں سے لطف اندوز ہوتے رہیں گے۔

یہ ہے زرتشتیت کی وہ ثنوی دینیات (ثنوی اس اعتبار سے کہ اس میں اہورامزد

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اور اہرمن دو ازلی طاقتوں کو مانا گیا ہے) جو ساسانی عہد میں اپنے اتمام کو پہنچی اور آج ہمارے پاس اس نقطۂ نظر کی ترجمان وہ پہلوی کتابیں ہیں جو اگرچہ ساسانی حکومت کے زوال کے بعد تصنیف کی گئیں مگر وہ اُسی مذہبی روایت کی علمبردار ہیں جو ساسانی عہد میں مرتب ہو چکی تھی۔ ان کتابوں میں سے ثنوی زرتشتیت کا مندرجہ بالا ذکر بیشتر کتاب دین کرد، کتاب بندہشن (بہ ایرانی روایت) داستان دینک، مینوک خرد، ارتائے وراف نامک اور پہلوی روایات سے ماخوذ ہے[۳۲]۔

جیسا کہ ہم پہلے بتا چکے ہیں کہ ساسانی حکومت نے اپنی ابتدا سے ہی زرتشتی مذہب کے ساتھ گہرا گٹھ جوڑ کر لیا تھا اس لحاظ سے زرتشتی مذہب کے رہنماؤں اور مقتداؤں کی بھی ساسانی حکومت کے زیر سرپرستی ایک باقاعدہ تنظیم عمل میں آ گئی تھی جس میں علمائے مذہب کی درجہ بندی اور اختصاص کار کا خیال رکھا گیا تھا۔ چنانچہ مذہبی ذمہ داروں میں سب سے کمتر اور عوام سے سب سے قریب مذہبی مغان یا طائفہ مجوس تھے جو کہ بہت کثیر تعداد میں تھے۔ عام آدمیوں کی مذہبی رہنمائی، ان کے جھگڑوں کا چکانا، صلاح و مشورے میں شریک رہنا، ہر طرح کی مذہبی رسومات کی ادائیگی نیز جائز و ناجائز کے فتوے صادر کرتے رہنا، انہیں کے ذمہ تھا۔ بڑے اور خصوصی آتشکدوں کے نگراں مغانِ مغ کے معزز لقب سے یاد کیے جاتے تھے۔ اس سطح سے اوپر تمام سلطنت ایران کو مذہبی اعتبار سے مختلف اضلاع میں تقسیم کر دیا گیا تھا جس میں ہر مذہبی ضلع کا نگراں ایک مؤبد ہوتا تھا۔ تمام مؤبدوں کے اوپر اور کلیسائے زرتشتی کا سب سے بڑا عہدہ دار مؤبدان مؤبد کہلاتا تھا جو مذہبی دنیا کا بے تاج بادشاہ ہوتا تھا۔ ان کے علاوہ آتشکدوں میں عبادت، قربانی اور نذر و نیاز کی رسموں سے متعلق دوسرے مذہبی عہدہ دار بھی ہوتے تھے۔

مثلاً مراسم نماز (نماز ایک زرتشتی لفظ ہے جس کو مسلمانوں نے عربی لفظ صلوٰۃ کی جگہ اپنا لیا) ادا کرانے کے لئے ایک مخصوص عہدہ دار ہوتا تھا جس کو ہیربذ (اوستائی ایتر پایتی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

یعنی خادم النار) کہتے تھے۔ تمام ہیربذوں کا سالارِ اعلیٰ ہیربذانِ ہیربذ تھا جس کا رتبہ موبدانِ موبد کے بعد دوسرے درجہ پر سمجھا جاتا تھا۔ اسی طرح ایک عہدہ مغان اندرزبد یا معلم مغان کا تھا اور ایک اور عہدہ دستور کا تھا۔ دستور غالباً مسائل مذہبی کے ماہر کو کہتے تھے۔ وہ ایک طرح کا فقیہ ہوتا تھا جس سے لوگ شریعت کے پیچیدہ مسائل میں رجوع کرتے تھے۔ آج بھی یہ اصطلاح پارسیوں میں مذہبی علوم کے ماہرین کے لئے وقف ہے۔ ان کے علاوہ کلیسائے زرتشتی میں کچھ اور عہدہ داران بھی ہوتے تھے۔ جن کے القاب کے معنی یا اُن کی ذمہ داریاں آج صحیح طور سے متعین نہیں کی جاسکتیں۔

ان تمام مذہبی عہدہ داروں کو بہت سخت زندگی بسر کرنی پڑتی تھی۔ عوام الناس کے سامنے اُن کو مذہبی زندگی کا، خصوصاً ظاہری اعتبار سے، بہت اعلیٰ نمونہ پیش کرنا ہوتا تھا۔ جب ہم زرتشتیت کے فقہی مسائل کو دیکھتے ہیں جن میں زندگی کی چھوٹی سے چھوٹی تفصیل کے لئے فقہی احکامات موجود ہیں، خصوصاً پاکی و ناپاکی کی حددرجہ طولانی تفصیلات اور چھوت چھات کے سخت احکامات، نیز ذرا ذرا سی غلطیوں پر کفارے کی صبر آزما رسومات، تو ہمیں یقین ہو جاتا ہے کہ اس شریعت پر عمل کرنا حددرجہ تحمل اور برداشت کا طالب رہا ہوگا۔ اگر ان مذہبی عہدہ داروں کو سماج میں ہر جگہ عزت و احترام حاصل تھا اور مختلف طرح کے اوقاف، نذرونیاز، نذرانوں اور قربانی کی رسموں کی بدولت وہ بہت خوشحالی کی زندگی بسر کرتے تھے تو زرتشتی شریعت کی مکمل پابندی کے ذریعہ اُن کو اس کا معاوضہ بھی ادا کرنا پڑتا تھا۔

اس سے پہلے زرتشت کے ضمن میں ہم یہ ذکر کر چکے ہیں کہ ابتدا سے ہی آگ (اوستائی آتر، پہلوی: آتش) کو زرتشتی مسلک میں خصوصی اہمیت حاصل رہی ہے۔ غالباً یہ قدیم ترین آریہ روایت کا اثر تھا، جو ہم کو ہندوستانی ویدک مذہب اور ایران کے قبل از زرتشت مذہب میں یکساں طور پر موجود ملتی ہے کہ باوجود زرتشت کے انقلابی خیالات کے وہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

آگ کی مذہبی اہمیت سے انکار نہیں کر سکے، اور اُسے اگر بذات خود ایک دیوتا کی حیثیت سے نہ سہی تو اہورامزد خدائے واحد کے مخصوص مظہر کی حیثیت سے ہی مذہبی احترام کا مستحق مانتے رہے۔ چنانچہ ابتدا سے ہی ہر دور میں آگ کا خصوصی احترام اور اس کی پرستش زرتشتی مذہب کے طریق عبادت کا مرکزی جز رہی ہے۔

انتہائی قدیم زمانے مثلاً ہنخامنشیوں کے عہد سلطنت (۳۳۰-۵۵۰ ق-م) سے ہی مخصوص رسومات کے ذریعہ پاک کی ہوئی آگوں کا قیام اور اُن کی حفاظت اور استمرار کے لئے آتشکدوں کی تعمیر کے آثار پائے جاتے ہیں۔ اصفہان اور شیراز کے درمیان بمقام نقشِ رسم شاہانِ ہنخامنشی کے مقبروں کے سامنے ایک مربع عمارت چوکور پتھروں کی بنی ہوئی ہے جس میں جابجا گڑھے پڑ چکے ہیں۔ اس کو ایرانی کعبہ زرتشت کے نام سے یاد کرتے ہیں۔

بعض مصنّفین کا خیال ہے کہ یہ ایک قدیم آتشکدہ کا ہی نمونہ ہے [۴۴]۔ اس کے علاوہ نقشِ رسم میں دوسرے آتشکدوں کے آثار بھی ملتے ہیں۔ خود شاہان ہنخامنشی کے مقبروں پر جو نسبت کاری کی گئی ہے اُس میں چند آتشکدوں کی تصویریں بھی ہیں۔ جن سے اُن کی اصلی شکل وصورت کا اندازہ ہوسکتا ہے [۴۵]۔ اس کے بعد تقریباً ہر دور کے آتشکدوں کے آثار کسی نہ کسی شکل میں مل جاتے ہیں، خصوصاً مختلف بادشاہوں کے سکوں میں ایک طرف آتشکدہ ہی کی تصویر ہوتی تھی۔

ایرانی سماج کے مختلف طبقات سے متعلق ہونے یا اس لحاظ سے کہ کس آگ کے قیام اور نگہبانی کے لئے کتنی پیچیدہ رسومات اور کتنے انتظامات کیے گئے ہیں، آتشکدوں کے بھی مختلف درجے تھے۔ مثلاً آتش خانہ، پھر آتش قبیلہ یا دیہہ (آذران) پھر آتش ضلع یا ولایت (آتش بہرام) وغیرہ سارے ایران میں تین آتشکدے سب سے بڑے تھے اور خصوصی احترام اور عقیدت کی نظر سے دیکھے جاتے تھے۔ یہ آذر (آتش) فربگ، آذرگشنسپ اور آذر برزین مہر تھے۔ آتشکدوں کی اہمیت کے لحاظ سے اُن کی نگہبانی اور

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

مراسم عبادت ادا کرنے کے لئے ہیربدوں، وتروں (رئیس مراسم آتشکدہ) اور دوسرے خدام کی تعداد کم یا زیادہ ہوتی تھی۔ یہ بھی زرتشتیت کی ایک قدیم رسم تھی کہ معمولی درجہ کی آگوں کی تجدید بڑے آتشکدوں سے آگ لا کر کی جاتی تھی۔

آتشکدوں میں ہیربذ جو آگ میں مخصوص رسومات کے ذریعہ پاک کردہ لکڑی کی چھٹیاں دعاؤں کے ورد کے ساتھ آگ پر ڈالتا رہتا تھا یا اور دوسرے خدام جو آگ کے قریب جاتے تھے، اپنے منہ اور ناک پر کپڑے کی ایک پٹی باندھے ہوتے تھے تاکہ اُن کے سانس سے آگ ناپاک نہ ہو جائے۔ آگ کو النٹنے پلٹنے کے لئے ایک مخصوص پودے کی ٹہنیوں کا مٹھا جس کو کاٹنے اور باندھنے میں بہت سی رسومات برتی جاتی تھیں استعمال ہوتا تھا، اُس کو برسم کہتے تھے۔

آتشکدوں میں آگ کی عبادت کے پانچ اوقات مخصوص تھے، البتہ تہوار کے موقعوں پر اُن میں خصوصی شان پیدا ہو جاتی تھی۔ آگ کی عبادت میں ایک خاص نذر اُس پر ہوم رس (ہندوستانی سوم) کا چڑھاوا تھا جو اپنی طوالانی اور پیچیدہ رسومات کے لحاظ سے دن بھر میں صرف ایک ہی بار ہو پاتا ہوگا۔ عام زرتشتیوں سے توقع کی جاتی تھی کہ وہ روز آتشکدے میں آ کر دُعائے تمجید آتش (آتش نیایئشن) پڑھیں گے۔ موسیو آرتھر کریسٹن لکھتے ہیں:

"دیندار لوگوں کے لئے آتشکدے کے تاریک کمروں کا سماں ایک پُر اسرار حیرت و رعب کا باعث ہوتا تھا، جہاں آتشکدان میں آگ کے شعلے بھڑک رہے ہوتے تھے اور اُس کی روشنی سے دھات کے آلات، پردوں کی کھونٹیاں ہاون چمٹے برسم دان (یعنی ہلال کی شکل کے پائے جن پر برسم رکھا جاتا تھا) چمکتے تھے اور جہاں ہیربذ کبھی بلند اور کبھی دھیمی آواز کے ساتھ اپنی لامتناہی دعائیں اور کتاب مقدس کی آیات مقررہ تعداد اور مقررہ انداز کے ساتھ زمزمے کے لہجے میں

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

پڑھتے تھے"[۳۶]

ساسانی عہد میں زرتشتیت کی یہ تصویر ایک ایسے مذہب کا تاثر دیتی ہے جو پورے طور پر زندگی سے بھرپور تھا، اپنا ایک کلیسائی نظام رکھتا تھا، جس کو ایک عظیم الشان سلطنت کی سرپرستی اور حمایت حاصل تھی، اور جو عوام پر اپنا مکمل تسلط رکھتا تھا، ہمیں اس بات پر کوئی تعجب نہیں ہوتا کہ ساسانی عہد میں زرتشتیت کیونکر اتنی جزئیاتی تفصیل کے ساتھ ایک مکمل اور منظم مذہب کی صورت میں نشوونما پا گئی کیونکہ ساسانی عہد کے ایرانی تمدن کے بارے میں جو بھی تفصیلات ہماری نظر سے گزری ہیں وہ اس کو شان وعظمت، تمدنی ترقی اور تہذیبی معیار کے اُس اعلیٰ درجہ پر فائز قرار دیتی ہیں جس کو قدیم دُنیا یا عہدِ وسطیٰ کے کسی بھی تمدن کے مقابلے میں رکھا جا سکتا ہے۔ ساسانی دور کی ایرانی تہذیب کو کسی لحاظ سے بھی رومی تمدن یا چینی تہذیب یا ہندوستان کے مغل تمدن یا سترہویں صدی کی فرانسیسی تہذیب سے کمتر نہیں قرار دیا جا سکتا، البتہ جہاں یہ امر تاریخ کی ایک گتھی ہے کہ کیونکر ایسی متمدن اور وسیع سلطنت جزیرہ عرب کے بادیہ نشینوں اور بے سروسامان صحرانوردوں کے حملوں کے سامنے گھٹنے ٹیکنے پر مجبور ہو گئی، وہاں اُس سے زیادہ تعجب انگیز یہ امر ہے کہ ایران پر عربوں کی فتح (۶۴۲ء۔۶۳۵ء) کے بعد سے ایران میں زرتشتیت کا چراغ ہمیشہ کے لئے گُل ہو گیا۔ مذہب اسلام کے پیروؤں کے ایران پر قبضہ کے بعد ہی وہاں مقامی آبادی کے قبول اسلام کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا جو کچھ عرصہ گزرنے کے بعد ایک عام رجحان بن گیا۔

چنانچہ بنوامیہ کے دور میں ہم یہاں تک دیکھتے ہیں کہ مقامی باشندوں کے مسلمان ہوتے جانے کی وجہ سے جزیہ اور خراج میں جو غیر معمولی کمی آتی جا رہی تھی اُس کے پیش نظر نومسلموں پر سے جزیہ اور خراج کے ساقط ہو جانے کے اسلامی قانون کو نظر انداز کیا جانے لگا[۳۷]۔ یہاں تک کہ اس مسئلے نے نومسلموں کو بغاوت پر بھی آمادہ کیا۔ ایرانیوں میں عام قبول اسلام ہی کا یہ نتیجہ تھا کہ چند صدیوں کے بعد سوائے ایک بہت قلیل تعداد کے ایران

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

میں زرتشتیت کا کوئی نام لیوا نہیں رہ گیا[۸]۔

ہندوستانی پارسیوں (یعنی زرتشتیوں) کی اپنی روایت کے بموجب ایران پر عربوں کی فتح کے بعد اُن کی حکومت اور مذہب کے تسلط سے بچنے کے لئے زرتشتیوں کی ایک جماعت خراسان میں کوہستان کے پہاڑوں میں پناہ گزیں ہوئی، جہاں تقریباً ایک صدی تک وہ اپنے آپ کو اسلام کے اثر سے محفوظ رکھنے میں کامیاب رہے۔ وہاں سے یہ لوگ خلیج فارس کی بندرگاہ ہرمز تک آئے اور سات بوسیدہ کشتیوں میں بیٹھ کر کاٹھیاواڑ کے قریب جزیرہ دیو میں پہنچ گئے۔ ایک مختصر سے قیام کے بعد وہ پھر وہاں سے ۷۸۵ء کے قریب گجرات کے مغربی ساحل پر سنجان نامی جگہ پر آ کر اُترے اور مقامی راجہ جادورانا سے وہاں آباد ہونے کی اجازت حاصل کر لی۔ پارسی روایت کے مطابق ان ایرانی زرتشتی مہاجرین کو جادورانا کی طرف سے گجرات کے مغربی ساحل پر آباد ہونے کی یہ اجازت چند مخصوص شرائط کے ساتھ ملی تھی جن میں راجا کے سامنے زرتشتی مذہب کی وضاحت، فارسی کے بجائے گجراتی زبان کو اختیار کرنا، زرتشتی عورتوں کا ساری پہننا، غیر مسلح رہنا اور اپنی شادی وغیرہ کی رسومات کو خاموشی سے ادا کرنا شامل تھا۔

ان شرائط کے ساتھ نہ صرف زرتشتی مہاجرین کو، جو ہندوستان میں پارسی (فارسی) کے نام سے موسوم ہوئے، اپنے مذہب پر عمل کرنے کی آزادی حاصل ہوئی بلکہ اُن کو راجہ کی طرف سے معاش کے لئے زمین بھی عطا ہوئی[۹]۔ بعد کی صدیوں میں پارسی جماعت کے افراد گجرات اور آس پاس کے مختلف شہروں میں پھیل گئے جہاں انہوں نے مختلف صنعتوں، پیشوں اور تجارت میں غیر معمولی کامیابی حاصل کی۔ ان میں جدید دور سے قبل سب سے قابل ذکر مختلف طرح کے ریشمی اور سوتی کپڑوں کی صنعت تھی جن میں پارسی عورتوں کا بھی مردوں کے دوش بدوش نمایاں حصہ تھا۔

پندرھویں صدی کے اواخر میں ہندوستان کے پارسیوں نے چند مذہبی مسائل کی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

تحقیق کے لئے اپنے ایک نمائندہ کو ایران بھیجا تا کہ وہ وہاں کی زرتشتی جماعت کے علما سے اُن مسائل کا جواب حاصل کرے۔ کیونکہ ہندوستان کے پارسی ہر دور میں سوائے حالات زمانہ کی رعایت سے چند جزوی تبدیلیوں کے اُسی زرتشتیت پر عامل رہے ہیں۔ جو ساسانی عہد میں رائج تھی۔ یہ نمائندہ، نیرمان ہوشنگ، جسے پہلے ایران میں فارسی زبان سیکھنی پڑی تا کہ وہ ایران کے زرتشتی عالموں سے تبادلۂ خیال کر سکے، ۱۴۷۸ء میں واپس ہندوستان پہنچا۔ اس طرح ہندوستان کے پارسیوں اور ایران کے زرتشتیوں کے درمیان تقریباً سات صدیوں کے بعد دوبارہ پھر رابطہ قائم ہو سکا، جس کا فائدہ اٹھاتے ہوئے مذہبی مسائل کی تحقیق و تدوین کا یہ سلسلہ آنے والی تقریباً تین صدیوں تک جاری رکھا گیا۔ اس دوران دونوں ملکوں کے زرتشتی عالموں کے درمیان جو خط و کتابت ہوئی وہ ایک مجموعہ موسوم بہ روایات میں نامعلوم وجوہات کی بنا پر بند ہو گیا۔

اب دوبارہ جدید دور میں آ کر پھر دونوں ملکوں کے زرتشتیوں میں تعلقات قائم ہوئے ہیں۔ ۱۹۶۰ء میں طہران میں ایک عالمی زرتشتی کانفرنس منعقد کی گئی۔ اُس کے بعد ۱۹۶۶ء اور ۱۹۷۸ء میں بمبئی میں اِسی طرح کے اجلاس منعقد ہو چکے ہیں۔ ۱۹۷۶ء کی مردم شماری بموجب ہندوستان میں پارسیوں کی تعداد بیاسی ہزار کے لگ بھگ ہے۔ اس کے علاوہ پاکستان میں پانچ ہزار، ایران میں پچیس ہزار، یورپ اور امریکہ میں تین ہزار، سری لنکا میں پانچ سو اور آسٹریلیا میں دو زرتشتی موجود ہیں۔ اس طرح اور دیگر متفرق ممالک کے اعداد و شمار ملا کر ایک اندازے کے مطابق اس وقت پوری دنیا میں تقریباً ایک لاکھ اُنتیس ہزار زرتشتی موجود ہیں۔

سترہویں صدی کی ابتدا سے ہندوستان کے مغربی ساحل پر یورپین قوموں کے قدم جمانے کے ساتھ ہی ہندوستان کے پارسیوں نے اُن کے ساتھ گہرا تجارتی و صنعتی رشتہ قائم کر لیا۔ شروع میں مختلف مغربی اقوام کی تجارتی کشمکش کے درمیان واسطہ کی حیثیت سے،

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اور بعد میں غالب مغربی طاقت انگریزوں کے ساتھ صنعت اور تجارت میں معاون کی حیثیت سے، پارسیوں نے معاشی اعتبار سے حیرت انگیز ترقی کی اور ہندوستان کی سب سے خوشحال جماعت بن گئے۔ اس کے ساتھ ہی ساتھ ہندوستان کی دوسری اقوام کے مقابلے میں انگریزوں کی قربت کے سبب سے اُن پر مغربی تعلیم اور تمدن کے اثرات بھی سب سے پہلے اور سب سے زیادہ پڑے۔ اس پورے دور میں سیاست سے کنارہ کش رہتے ہوئے اُنہوں نے معاشی اور تعلیمی میدان میں غیر معمولی کامیابی حاصل کی، اور مختلف طرح کی صنعت، تجارت اور مختلف علوم وفنون میں انہوں نے ملک وقوم کو متعدد نمایاں شخصیتیں فراہم کیں۔

البتہ ملک کی آزادی کے بعد سے معیشت کے کئی ایسے شعبوں میں جہاں انگریزوں کے عہدِ حکومت میں پارسیوں کی بالادستی تھی، اب اُن کو دوسری ہندوستانی اقوام سے سخت مقابلہ کرنا پڑ رہا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ جدید دور کی صنعتی زندگی، سیکولرزم، مادیت اور عقلیت کے رجحانات، جو دوسری مذہبی جماعتوں کے لئے ایک چیلنج کے طور پر سامنے آرہے ہیں، وہ اپنے تمام مضمرات کے ساتھ پارسیوں کی مذہبی زندگی اور عقائد کے لئے بھی ایک آزمائش ثابت ہورہے ہیں۔ دوسری طرف پارسیوں کے لئے ایک مستقل خطرہ قلتِ اولاد، آزاد خیالی اور تبدیلیٔ مذہب کی وجہ سے اُن کی تعداد میں درجہ بدرجہ کمی کا بھی ہے۔ اس خطرہ میں شدت اس وجہ سے بھی پیدا ہوگئی ہے کہ قدیم دستور کے بموجب پارسی اپنی جماعت میں کسی غیر پارسی کو شامل کرنے پر تیار نہیں ہوتے، یہاں تک کہ اگر کوئی پارسی مرد یا عورت کسی غیر پارسی سے شادی کرلے تو بھی یہ دوسرا شخص تبدیلیٔ مذہب کر کے پارسی نہیں بن سکتا۔ بہرحال زرتشتیوں کی قدیم تاریخ دیکھتے ہوئے اُمید کی جاسکتی ہے کہ جہاں وہ تاریخ کے اس طویل دور میں مختلف خطرات سے عہدہ برا ہوتے چلے آئے ہیں، اسی طرح اب ان جدید دور کی آزمائشوں سے بھی بخوبی گزر جائیں گے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

حوالہ جات اور حواشی

۱۔ انسائیکلو پیڈیا آف بریٹینکا، مضمون زور آسٹرنیزم اینڈ پارسی ازم، شکاگو ۱۹۷۵ء، صفحہ ۱۱۷۳۔

۲۔ آر۔ سی۔ زیہنر، دی ڈان اینڈ ٹوی لائٹ آفف زور آسٹریزم، لندن، ۱۹۶۱ء صفحات ۲۷۔۲۶۔

۳۔ جے۔ دُشنے گلمن، ریلیجین آف اینشنٹ ایران، بمبئی ۱۹۷۳ء صفحات ۱۲۹۔۱۲۳ نیز مذکورہ بالا حوالہ صفحہ ۳۹۔

۴۔ جے۔ دُشنے گلمن حوالہ مذکورہ صفحہ ۱۲۳۔

۵۔ آر۔ سی۔ زیہنر، حوالہ مذکورہ صفحہ ۳۴۔

۶۔ یاسنا ۴۶، ۱، بحوالہ مذکورہ بالا صفحہ ۳۴۔

۷۔ جے۔ دُشنے گلمن حالہ مذکورہ صفحہ ۱۰۴ بحوالہ میری بوائس زرتشت دی پریسٹ، بی اسی او اے ایس ۱۹۷۰ء۔

۸۔ ایضاً، صفحہ ۲۲۷ نیز (زیادہ تفصیل سے) پیلو نانا وتی، دی پریسز نئی دہلی ۱۹۷۷ء صفحہ ۱۵۔

۹۔ آر۔ سی۔ زیہنر، حوالہ مذکورہ صفحہ ۵۵۔

۱۰۔ یاسنا ۵۱، ۱، بحوالہ دُشنے گلمن حوالہ مذکورہ بالا صفحہ ۱۰۳۔

۱۱۔ یاسنا ۳۱۔۱۔۲، بحوالہ مذکورہ بالا صفحہ ۳۴۔

۱۲۔ ایضاً۔

۱۳۔ اس ضمن میں جاہل عربوں کا متعدد دوسرے دیوتاؤں کے ساتھ اللہ پر یقین اور پھر قرآن کا صرف اللہ کو معبود حقیقی قرار دے کر دوسرے دیوتاؤں کو رد کرنا زرتشت کے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

مذہبی تجربہ سے قدرے مشابہت رکھتا معلوم ہوتا ہے۔

۱۴۔ آر۔ پی۔ مسانی، دی ریلیجن آف دی گڈ لائف، لندن، ۱۹۳۸ء صفحہ ۵۲۔

۱۵۔ ایضاً صفحہ ۵۵۔

۱۶۔ بحوالہ آر۔ سی۔ زیہنر حوالہ مذکورہ صفحہ ۴۳۔

۱۷۔ زرتشت کے بعد جو بدعات زرتشتی مذہب میں پیدا ہوئیں اُن میں سب سے اہم روح القدس (اسپنٹا میٹیو) اور اہورا مزدا کا باہمی انضمام تھا۔ اسی کا نتیجہ یہ بھی رہا ہوگا کہ بعد کی روایت میں "سات متبرک ہستیوں" (ایمیشا اسپنٹا) کے اندر اہورا مزدا کو سرفہرست رکھا گیا جو کہ بعد کے زرتشتی عقائد کے مطابق روح القدس کے مترادف تھا۔ ہم نے جدید دور کی تحقیقات کی روشنی میں پہلے نمبر پر روح القدس کو رکھا ہے جو زرتشت کی اپنی تعلیمات سے زیادہ مطابقت رکھتا ہے۔ (دیکھئے آر۔ سی۔ زیہنر حوالہ مذکورہ صفحہ ۴۵۔)

۱۸۔ بحوالہ مذکورہ بالا صفحات ۴۷۔۴۶۔

۱۹۔ ایضاً، صفحہ ۴۶۔

۲۰۔ ایضاً صفحہ ۳۴۔

۲۱۔ ایضاً، صفحہ ۴۷ اور آر۔ پی۔ مسانی حوالہ مذکورہ صفحہ ۱۰۰۔

۲۲۔ آر۔ پی۔ مسانی بحوالہ مذکورہ صفحہ ۹۹۔

۲۳۔ آر۔ سی۔ زیہنر حوالہ مذکورہ ساتواں باب، صفحات ۱۵۴۔۱۷۱ نیز رچرڈ۔ این۔ فرائی، دی ہیریٹیج آف پرشیا، لندن، ۱۹۶۲ء صفحات ۹۴۔۹۳۔

۲۴۔ کتبۂ خشیارش، بمقام پرسی پولس بحوالہ آر۔ سی۔ زیہنر حوالہ مذکورہ صفحہ ۱۵۹ نیز صفحہ ۲۱۔

۲۵۔ ایضاً صفحہ ۹۸ اور باب سوم۔

۲۶۔ ایضاً صفحات ۱۴۷۔۱۴۵۔

۲۷۔ ایضاً صفحہ ۱۴۷۔

۲۸۔ رچرڈ۔ این۔ فرائی، حوالہ مذکورہ، صفحہ ۱۵۵۔

۲۹۔ ایضاً صفحات ۲۰۱۔۲۰۰۔

۳۰۔ آر۔ سی۔ زیہنر حوالہ مذکورہ صفحات ۱۷۶۔۱۷۵۔

۳۱۔ ایضاً صفحات ۱۸۸۔۱۷۵۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

۳۲۔ ایضاً صفحہ ۹۳۔

۳۳۔ ایضاً دیکھئے پندرہواں باب، صفحات ۳۲۱۔۳۰۲۔

۳۴۔ آرتھر کرسٹین سین، ایران بعہد ساسانیان، مترجمہ ڈاکٹر محمد اقبال، دہلی، ۱۹۴۱ء صفحہ ۲۱۱۔

۳۵۔ ایضاً۔

۳۶۔ ایضاً صفحات ۲۱۵۔۲۱۴۔

۳۷۔ مولانا سعید احمد اکبر آبادی، مسلمانوں کا عروج و زوال، دہلی، ۱۹۶۳ء صفحہ ۵۸ نیز شاہ معین الدین احمد، تاریخ اسلام (جلد دوئم) اعظم گڈھ ۱۹۸۱ء صفحہ ۲۰۸۔

۳۸۔ دیکھئے اسی باب کا صفحہ اوّل۔

۳۹۔ پیلونا ناوَتی، حوالہ مذکورہ صفحات ۴۳۔۴۲۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

سکھ مت

(Sikhism)

یوں تو تہذیبی رنگارنگی اور مذہبی بوقلمونی ہمیشہ سے ہندوستان کا خاصہ رہی ہے۔ لیکن بارہویں صدی عیسوی کے اختتام پر مذہب اسلام کے نام لیواؤں کے ہاتھوں دہلی سلطنت کے قیام کے بعد اس میں ایک اور طاقتور تہذیبی دھارے کا اضافہ ہوگیا۔ ترک مسلمان، جنہوں نے تقریباً پانچ صدیوں کی طوائف الملوکی کے بعد شمالی ہندوستان میں ایک وسیع حکومت کی بنیاد ڈالی، ایک ایسی ترک ایرانی اور اسلامی تہذیب کے علمبردار تھے جو اگرچہ خود مختلف تمدنی عناصر کا مجموعہ تھی، مگر وہ سب کے سب اسلام کی ہانڈی میں پک کر یکجان ہو چکے تھے اور اب اپنے مخصوص خدوخال کے ساتھ ایک مستقل تمدن کی نشان دہی کرتے تھے، جسے ہم کلاسیکی اسلامی تہذیب کا نام دے سکتے ہیں۔ ہندوستان میں مسلم حکومت کے قیام کے فوراً بعد ہی وسطِ ایشیا اور ایران پر منگولوں کا وہ ٹڈی دل نازل ہوا جس نے ان علاقوں سے ہر طبقہ اور ہر نوع کے مسلمان مہاجرین کو جوق در جوق ہندوستان کا رخ کرنے پر مجبور کر دیا۔ اس طرح بہت جلد ہندوستان اسلامی تہذیب کے ایک مرکز کی حیثیت سے ممتاز مقام کا حامل ہوگیا اور دہلی اور لاہور، سمرقند اور شیراز سے آنکھیں ملانے لگے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

باہر سے آنے والے یہ مسلمان جس تہذیب و تمدن کے نمائندے تھے وہ اپنے بنیادی عناصر اقدار، نصب العین اور عزائم کے لحاظ سے قدیم ہندوستانی تہذیب سے بالکل مختلف تھے۔ پھر سیاسی شان و شوکت اور اقتدار کی چھتر چھایا نے اُن میں وہ خود اعتمادی اور قوت بھی پیدا کر دی تھی جس کے سبب وہ ہندوستان کے تہذیبی ماحول میں بہ آسانی اپنے تشخص کو برقرار رکھ سکے۔ لیکن خود ہندوستانی تہذیب جو "ہر چہ دُر کان نمک رفت نمک شد" کے مصداق مختلف تمدنی دھاروں کو اپنے اندر سموئے بیٹھی تھی۔ اسلامی تہذیب کے اس ناقابل ہضم عنصر کے ہاتھوں شدید تشنج اور کشاکش کا شکار رہی۔ مذہبی اور فکری سطح پر اسلامی تہذیب نے ہندو تمدن کے لئے جو چیلنج پیش کیا، اس کا نتیجہ اس مذہبی تحریک کی شکل میں ظاہر ہوا جس نے بھگتی کی ایک مخصوص صورت میں عہد وسطیٰ کے سارے ہندوستانی معاشرے کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔

بھگتی مت، یعنی ایک خدائے واحد کی عقیدت و محبت کے ساتھ پرستش، کی روایت ہندوستان میں بہت قدیم ہے۔ ایک اندازے کے مطابق آٹھویں صدی قبل مسیح کے آس پاس سری کرشن نے واسودیو کی پرستش کی صورت میں جس مذہب کی تبلیغ کی تھی وہ یہی بھگتی کا مسلک تھا۔ پھر دوسری صدی قبل مسیح کے لگ بھگ بھگوت گیتا میں پہلی مرتبہ بھگتی مت کو ایک منظم اور مستقل مسلکِ عبودیت کے طور پر ضابطۂ تحریر میں لایا گیا۔ شمالی ہندوستان سے آگے بڑھ کر، کچھ صدیوں کے لئے، اس کا مرکز جنوب میں پہنچ گیا تھا، جہاں بھگتی نے اپنی عبودیت میں والہانہ محبت اور عشق حقیقی کا جذباتی رنگ اختیار کیا۔ دہلی سلطنت کے قیام سے کچھ پہلے بارہویں صدی کے شروع میں جب بھگتی کے مرکزی دھارے نے جنوبی ہندوستان سے پھر شمال کی طرف رخ کیا تو اس پر یہی بے اختیارانہ شدید جذبۂ محبت کا رنگ غالب آچکا تھا۔ اور دور جدید کے آغاز تک بھگتی کا یہی انداز اس کی ایک نمایاں خصوصیت رہی۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

لیکن دہلی سلطنت کے قیام، مسلم مہاجرین کی ہندوستان میں آبادکاری اور ہندوستان کی مقامی آبادی میں اسلام کی اشاعت نے مختلف سطحوں پر مقامی تمدن اور اسلامی تہذیب کے درمیان تہذیبی لین دین کے دروازے کھول دیئے تھے۔ چودھویں صدی عیسوی تک ہم دیکھتے ہیں کہ اس وقت ہندوستان کے غالب مذہبی رجحان یعنی بھگتی مت، اور مسلمانوں کے مذہبی عقائد کی ملاقات کے نتیجہ میں بھگتی میں کچھ مخصوص رجحانات پیدا ہونے شروع ہوتے ہیں جو بہت تیزی سے ملک میں قبولیت کا درجہ حاصل کر لیتے ہیں۔ مثلاً اس دور میں بھگتی تحریک میں ایسے متعدد سنت اور روحانی بزرگ پیدا ہوئے جو اگرچہ معبود حقیقی اور خدائے واحد کی یاد کے لئے ہندی اصطلاحات رام، ہری، سوامی وغیرہ استعمال کرتے ہیں، لیکن اس سے ان کی مراد وہی خالق کائنات ہوتا ہے جس کی کوئی مادّی شکل نہیں ہے اور جو اپنی ذات و صفات میں وحدہٗ لاشریک ہے۔ برخلاف ویشنومت کے قدیم رجحانات کے، یہ سنت کسی اوتار یعنی خدا کے جسمانی ظہور کے قائل نہیں ہوتے اور ایشور کو نرآکار یعنی بے جسم و صورت مانتے ہیں۔ اس نظریہ کے حامل سنتوں میں رامانند کے مکتب فکر سے متعلق متعدد بزرگ مثلاً روی داس، کبیر، دھنا، سینا، پیپا، بھاوانند اور پھر ان کے شاگردوں میں دھرم داس، ملوک داس، ڈاڈو اور رجب وغیرہ نمایاں حیثیت رکھتے ہیں۔

اس سے قطع نظر کہ بھگتی تحریک سے متعلق متعدد سنتوں نے اپنے لئے اسلامی نظریہ توحید سے مماثل معبود حقیقی کا تصور اختیار کیا تھا۔ وہ سنت بھی جو حقیقت الٰہیہ کو کسی اوتار، رام چندر جی یا سرکرشن وغیرہ کے روپ میں مانتے تھے۔ ملک میں دو باہم متضاد تہذیبوں کی کش مکش سے متاثر ہوئے تھے[1]۔

مندرجہ بالا دونوں طرح کے سنت بلکہ عہد وسطیٰ کی پوری بھگتی تحریک، دونوں تہذیبوں یعنی مقامی ہندوستانی تمدن اور اسلامی تہذیب کے لین دین اور میل ملاپ سے اور خود اپنے مذہبی رجحان کے پیش نظر، ایک ایسے انقلابی نتیجہ تک پہنچ گئی تھی جو ہندوستانی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

معاشرہ کی مذہبی زندگی کے لئے عہد آفریں ثابت ہوا۔ ہندومت اور اسلام کے اپنی اپنی مخصوص روایات پر اصرار، خصوصاً دونوں مذاہب کے مذہبی رہنماؤں یعنی شیخ و برہمن کی لڑائی اور ان مذاہب کے کٹر پرستاروں کے رویے نے بھگتی تحریک سے متعلق حساس شخصیتوں کو اس نتیجہ تک پہنچنے میں مدد دی کہ مختلف مذہبی روایات کی ظاہری رسومات، حقیقتِ اعلیٰ تک پہنچنے میں ایک بڑی رُکاوٹ ہیں۔ ان سنتوں کے خیال میں مذاہب سے متعلق ظاہری اعمال و رسومات کی کورانہ تقلید میں اُلجھ کر انسان انہیں کو اپنا مقصود بنا لیتا ہے اور اس طرح اپنے حقیقی نصب العین یعنی ذات خداوندی کے ادراک سے محروم رہ جاتا ہے۔

اس دور میں بھگتی تحریک سے متعلق تقریباً تمام سنتوں نے اس تعلیم پر زور دیا کہ ذاتِ خداوندی کا عرفان انسان کے اپنے جذبہ اخلاص اور خدا تعالیٰ سے قلبی تعلق پر مبنی ہے، نہ کہ مذہبی اعمال اور رسومات کی دُرست ادائیگی پر، جیسا کہ عام پیروان مذاہب کا خیال ہے۔ چنانچہ ان سنتوں نے خود اپنی زندگی میں عملی طور سے، اور اپنی تعلیمات میں، عشقِ حقیقی کو سچی مذہبیت کا حاصل قرار دیا۔ ساتھ ساتھ انہوں نے ہندوستان میں اس وقت رائج دو بڑے مذاہب یعنی ہندومت اور اسلام کی ظاہری رسومات کی عدم معنویت پر زور دینے میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی۔ ہندو روایات سے متعلق مذہبی احکام مثلاً تیرتھ استھانوں کی یاترا یا پوجا پاٹ کی رسومات، اور اسلام کے شرعی احکام کی جگہ، ان سنتوں نے مسلک عشق کی خصوصیات مثلاً بے نفسی، ایثار، ہمدردی خدمت خلق، خاکساری وغیرہ کو نمایاں کرنے کی کوشش کی۔ ان کا یقین تھا کہ یہ ظاہری رسومات اور فقہی احکامات ہی ہیں جنھوں نے ہندوؤں اور مسلمانوں کو دو مخالف جماعتوں میں تقسیم کر رکھا ہے اور اس کشمکش کو جنم دیا ہے جو ہندوستان میں دو تہذیبوں کے وجود سے ایک مسئلہ بنی ہوئی ہے۔ اگر ایک مرتبہ ان رسومات اور ظواہر کا پردہ چاک ہو جائے تو یہ عیاں ہو جائے گا کہ تمام انسان اُسی ایک خدائے واحد کی پرستش پر متحد ہو سکتے ہیں۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

فقیہاں دفترے رامی پرستند
حرم جویاں درے رامی پرستند
برافگن پردہ تا معلوم گردد
کہ یاراں دیگرے رامی پرستند

ظاہری احکام اور رسومات کی جگہ باطنی کیفیت اور خدا سے قلبی تعلق پر زور دینے کے علاوہ ان سنتوں نے ہندو معاشرہ میں مذہبی بنیادوں پر قائم ذات پات کی تقسیم کی شدت سے مخالفت کو بھی اپنا مخصوص شعار بنالیا تھا۔ یہ کہنا تو مشکل ہے کہ کس حد تک سنتوں کا یہ رجحان اسلامی تعلیم میں مساوات کے عنصر سے متاثر تھا، لیکن خود عشق حقیقی کا پیدا کردہ قلبی گداز اور محبوبِ حقیقی کی تمام کائنات اور خصوصاً قلبِ انسانی میں جلوہ گری کا تصور یقیناً عام انسانی ہمدردی اور اخوت کے قوی محرک رہے ہوں گے۔ دوسری طرف ان سنتوں کے ظاہری رسومات اور روایتی مسلک کی طرف تنقیدی رویہ نے بھی ان کو چھوت چھات اور ہندو معاشرہ کی طبقاتی تقسیم کی مخالفت پر آمادہ کیا ہوگا۔

بہرحال مختصراً یہ تھا وہ بھگتی کا مخصوص مشرب جو اسلامی عہد کے ہندوستانی معاشرہ پر گہرے طور پر اثر انداز ہو رہا تھا۔ اس کے ساتھ ساتھ اگر ہم صوفیائے کرام کے وسیع سلسلوں کو جو ہندوستان کے گوشے گوشے میں پھیل چکے تھے اور جو اپنے مسلک میں ذاتی مشاہدہ اور مذہب کے باطنی تجربے پر زور دینے میں بھگتی تحریک کے سنتوں سے زیادہ مختلف نہیں تھے، شامل کرلیں، تو ہم عہد وسطیٰ کے ہندوستان کی مذہبی زندگی کا ایک عمومی تصور کر سکتے ہیں یہی وہ مخصوص مذہبی ماحول تھا جس میں سکھ مت کے بانی گرونانک صاحب نے آنکھیں کھولیں اور اپنے مذہبی احساس کی شدت اور عشق حقیقی کے ذاتی تجربہ کی بنیاد پر بھگتی مت کی اُن خصوصیات کو جو ہم نے اوپر بیان کی ہیں، نئی بلندیوں سے متعارف کرا سکے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

گرونا نک صاحب کی پیدائش ۱۵ اپریل ۱۴۶۹ء کو وسطی پنجاب میں لاہور سے تقریباً پچاس میل جنوب مغرب میں واقع ایک گاؤں تلونڈی (جواب ننکانہ صاحب کہلاتا ہے) میں ہوئی تھی۔ خاندان کے اعتبار سے وہ بیدی کھتری تھے اور ان کے والد کلیان چند عرف کالو جو اپنے زمانے کے لحاظ سے اوسط درجے کی تعلیم یافتہ تھے۔ مقامی مسلم زمیندار رائے بلار کی سرکار میں منیم کے عہدے پر مامور تھے۔ جیسا کہ مذہبی روایت کا دستور ہے کہ اپنے ماننے والوں کے نزدیک بانیانِ مذاہب کی زندگی اپنی ابتدا سے ہی ایسے خرقِ عادات واقعات اور کرامات کے ساتھ منسوب ہو جاتی ہے۔ جس کا مقصد بانی مذہب کی غیر معمولی شخصیت پر زور دینا ہوتا ہے، گرونا نک صاحب کی روایتی سیرت میں بھی ایسے عناصر کا معتدبہ حصہ موجود ہے۔

سکھ روایت میں گرونا نک صاحب کی پیدائش کے وقت سے لے کر بچپن، لڑکپن، جوانی اور بعد میں ان کے بحیثیت روحانی رہنما کے، سبھی ادوار میں ایسے قصے اور واقعات موجود ہیں جو ان کے براہ راست غیبی امداد سے مستفیض اور انسانوں میں ان کے غیر معمولی مقام پر فائز ہونے پر دلالت کرتے ہیں۔ مگر یہاں ہم ایسے تمام واقعات سے صرف نظر کرتے ہوئے جو کہ انسان کے ذاتی عقیدے سے تعلق رکھتے ہیں، گرونا نک صاحب کی زندگی سے متعلق اہم ادوار کے ایک مختصر خاکے پر قناعت کریں گے۔

گرونا نک صاحب کی روایتی سوانح عمریوں سے جو سکھ روایت میں ''جنم ساکھیوں'' (واحد جنم ساکھی) کے نام سے معنون ہیں یہ ظاہر ہے کہ گرونا نک صاحب نے اوائل عمر میں نہ صرف سنسکرت اور ہندو مذہب کی مقدس کتابوں کا علم حاصل کیا تھا بلکہ اس وقت کے عام دستور کے مطابق گاؤں کی مسجد مکتب میں عربی اور فارسی کی تعلیم بھی حاصل کی تھی۔ ان روایات سے یہ بھی ثابت ہے کہ عمر بڑھنے کے ساتھ ساتھ گرونا نک صاحب کا مذہبی رجحان روز بروز نمایاں ہوتا جا رہا تھا جو ان کے والد مہتہ کالو کے لئے سخت تشویش کا

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

باعث تھا۔ مہتہ کالو اپنے واحد صاحبزادے نانک (ان کے ایک بہن بھی تھی جن کا نام نانکی تھا) کے مذہبی استغراق کو دیکھتے ہوئے ان کے دنیوی مستقبل کے بارے میں بہت پریشان تھے۔ باوجود اپنے والد کی انتہائی کوششوں کے گرونانک صاحب دنیوی اعتبار سے کسی منفعت بخش کاروبار میں قدم جمانے سے احتراز کرتے رہے۔ روایات میں باپ اور بیٹے کی اس مادّی اور روحانی رجحانات کی کش مکش سے متعلق بہت سے واقعات منقول ہیں۔ یہاں ہم مختصراً محض ایک واقعہ کا ذکر کرنے پر اکتفا کرتے ہیں جو گرونانک صاحب کی افتادِ طبع پر بخوبی روشنی ڈالتا ہے۔

کہا جاتا ہے کہ مختلف طریقوں کے ناکام ہو جانے پر مہتہ کالو نے اپنے صاحبزادے کو ایک معقول رقم دے کر گاؤں کے ایک آدمی کے ساتھ کر دیا تاکہ گرونانک قریب ترین بازار میں جا کر تجارت کے لئے سامان خریدیں اور آزادانہ طور پر اپنے کاروبار کی ابتدا کریں۔ گرونانک صاحب جو اس وقت عنفوانِ شباب کی سرحدوں میں قدم رکھ رہے تھے اور اپنی روحانی طلب میں سرگرداں رہتے تھے۔ اس موقعہ پر انکار نہ کر سکے اور تجارت کی رقم لے کر نفع بخش سودا کرنے کی غرض سے بازار کے لئے روانہ ہو گئے۔ راستہ کے جنگل میں ان کی مڈبھیڑ سادھوؤں کی ایک جماعت سے ہوئی جو کئی وقت سے فاقہ کشی میں مبتلا تھے۔ ان سے دریافت حال کے بعد گرونانک صاحب بازار پہنچے اور سامان تجارت کی جگہ تمام پونجی اُن سادھوؤں کے لئے کھانے پینے کا سامان خریدنے میں خرچ کر دی۔ بازار سے لوٹ کر ان سادھوؤں کو کھانا کھلانے کے بعد اپنے نزدیک نفع بخش سودا کر کے گرونانک گاؤں واپس ہوئے۔ اس سلسلے میں جو ہنگامہ ہوا اس میں مہتہ کالو کے سرپرست مقامی زمیندار کو بھی جو گرونانک کے طرفدار تھے، مداخلت کرنی پڑی[1]۔

ایک آخری تدبیر کے طور پر گرونانک کو ان کے بہنوئی جے رام کے پاس سلطان پور کے شہر میں بھیج دیا گیا، جہاں جے رام نواب دولت خاں لودھی کی سرکار میں ملازم تھے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اپنی ابتدائی تعلیم کی بنیاد پر گرونانک صاحب کو بھی نواب کی انتظامیہ میں جگہ مل گئی اوران کو سرکاری گودام کا نگراں مقرر کر دیا گیا۔اس وقت گرونانک صاحب کی عمر ۱۸۔۱۹سال سے زیادہ نہیں تھی مگر یہ ان کی ذاتی قابلیت، خاندانی اثرات اور نواب کے دربار میں جے رام کے رسوخ کا نتیجہ تھا کہ گرونانک صاحب کو اس قدر ذمہ دار عہدہ پر مقررہ کیا گیا۔اس طرح کچھ عرصہ کے لئے گرونانک صاحب نے دنیاوی ذمہ داریوں کو سنبھالنے کا بیڑا اٹھالیا۔ یہیں سلطان پور کے دوران قیام میں ان کی بہن نانکی اور بہنوئی کی کوششوں سے گرونانک صاحب کی شادی بھی بٹالہ کے ایک کھتری خاندان میں سلکھنی نامی خاتون سے ہوگئی، جس سے ان کے دو صاجبزادے سری چند اور لکشمی داس پیدا ہوئے۔ ان میں سے دوسرے صاجبزادے کی اولاد اب بھی پنجاب کے مختلف علاقوں میں آباد ہے۔

سلطان پور میں ملازمت کے دوران جس کی مدت آٹھ یا نو سال سے زیادہ نہیں تھی۔گرونانک صاحب نے اپنے روحانی ذوق کی تسکین کا سامان مہیا کر رکھا تھا۔اس دور کے ماحول میں بھگتی کے رجحانات کے زیر اثر گرونانک صاحب نے بھی اپنے طور پر ایک خدائے واحد کی پرستش اختیار کر رکھی تھی۔ چونکہ وہ خود بہت حسّاس طبیعت کے مالک تھےاور شعر کہنے پر قدرت رکھتے تھے، اس لئے وہ اپنی روحانی کیفیت کے دوران خدائے واحد کی حمدوثنا اور عشق حقیقی میں ڈوبے ہوئے اشعار مرتب کرتے تھے۔ ان کا معمول تھا کہ وہ اندھیرے منہ اٹھ کر اپنے بچپن کے ساتھی مردانہ کے ساتھ (جو ذات کا مراثی تھا اور رُباب بہت اچھا بجاتا تھا) شہر کے پاس بین ندی کے کنارے پہنچ جاتے تھے۔ندی کے ٹھنڈے پانی میں غسل کرنے کے بعد گرونانک صاحب وہیں ندی کے کنارے بیٹھ جاتے اور دن چڑھے تک خداتعالیٰ کی حمدوثنا اپنے اشعار میں کیرتن کی شکل میں کرتے رہتے تھے، جب کہ مردانہ اپنے رُباب کی موسیقی سے ان کا ساتھ دیتا تھا۔

اسی طرح شام کو بھی روزمرہ کے معمولات سے فراغت پا کر رات گئے تک

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

یادِ الٰہی کی محفل جمتی تھی۔ ان محفلوں میں اکثر کچھ دوسرے عقیدت مند بھی شامل ہو جاتے تھے۔ ایک مدت تک گرونانک صاحب کے شب وروز اس طور پر گزرنے کے بعد ایک دن ان کی زندگی کا وہ سب سے اہم واقعہ پیش آیا جس سے منسلک روحانی تجربہ نے ان کی زندگی میں انقلاب پیدا کر دیا۔

دنیا کے تقریباً سبھی مذہبی رہنماؤں اور مذاہب کے بانیوں کی زندگی میں کوئی نہ کوئی ایسا مرکزی واقعہ ضرور پیش آیا ہے۔ جس نے اپنے روحانی اثرات کی بنا پر صاحب واقعہ کی زندگی کو دو مختلف حصوں میں بانٹ دیا ہے۔ ایک اُس واقعہ سے پہلے کی زندگی اور ایک اس کے بعد کی۔

پھر ایسے تمام واقعات کا یہ بھی خاصہ ہے کہ اس شخصیت کی اس واقعہ کے بعد کی پوری زندگی اسی مرکزی واقعہ کے اثرات کے تابع رہتی ہے۔ خواہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زندگی کو لیجئے یا حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زندگی کو، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی سوانح حیات پر نظر ڈالیے یا ہمارے اپنے رسول حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت پاک کو دیکھئے، مہاتما بدھ کے نروان کو نظر میں رکھئے یا مہاویر جین کو کیولیہ کو، ان تمام شخصیتوں اور ان کے علاوہ اور دوسرے مذہبی رہنماؤں کی سوانح حیات کسی نہ کسی ایک ایسے مرکزی روحانی تجربہ کی طرف اشارہ کرتی ہیں جس کے بعد ان کی دُنیا یکسر بدل گئی۔

کہا جاتا ہے کہ ایک دن صبح کو جب گرونانک صاحب اپنے معمول کے مطابق بین ندی میں نہانے کے لئے اترے تو وہ غوطہ لگانے کے بعد باہر نہیں نکلے۔ ان کے کپڑے ندی کے کنارے پائے گئے اور تمام لوگوں کو یقین ہو گیا کہ وہ ندی میں ڈوب گئے ہیں۔ نواب دولت خان نے جو گرونانک صاحب کو بہت عزیز رکھتا تھا اور تمام متعلقین نے غوطہ خوروں اور جال ڈالنے والوں کے ذریعہ انتہائی کوشش کی کہ نعش ہی دستیاب ہو جائے مگر گرونانک صاحب کا کچھ پتہ نہیں چلا۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ندی میں غائب ہونے کے تین دن بعد گرونانک صاحب دوبارہ ظاہر ہوئے۔
لوگوں کی انتہائی حیرت اور استفسارات کا جواب انہوں نے مکمل خاموشی سے دیا اور اگلے روز جب انہوں نے زبان کھولی تو پہلا کلمہ ان کی زبان سے یہی نکلا:

''نہ کوئی ہندو نہ کوئی مسلمان۔''

سکھ روایت کے بموجب اس دوران گرونانک صاحب خدا کے حضور میں تھے جہاں انہیں براہ راست خداتعالیٰ کی طرف سے عشقِ الٰہی کا جام عطا ہوا اور ذکر الٰہی کی اشاعت کی ذمہ داری سونپی گئی۔

اس واقعہ کے بعد گرونانک صاحب کی زندگی میں ایک بنیادی انقلاب آ گیا۔ تمام ذمہ داریوں اور لوگوں سے قطع تعلق کر کے وہ جنگل میں گوشہ نشین اور یادالٰہی میں ہمہ تن مشغول ہو گئے۔ کچھ عرصہ بعد انہوں نے شہر کا رخ کیا، مگر یہ محض عزیزوں اور دوستوں سے رخصت ہونے کے لئے تھا، جس کے بعد ان کا ارادہ اکناف عالم میں گھوم پھر کر ذکر الٰہی کو عام کرنے کا تھا، تاکہ جو منصب ان کو باری تعالیٰ کی طرف سے عطا ہوا تھا اُس سے عہدہ برآ ہو سکیں۔ متعلقین کے اصرار پر جو ان کو اس ارادہ سے باز رکھنا چاہتے تھے، انہوں نے فرمایا:

ہوں ڈھاڈھی دے کار کارے لایا
رات دہے کے وار دھر ہو فرمایا

''میں ایک بے کار گویا تھا مجھے (مالک نے) کام سے لگا لیا ہے
شروع ہی سے اس نے مجھے دن رات اپنی حمد وثنا کا حکم دیا ہے۔''

ڈھاڈھی سچے محل کھم سی بلایا
سچی صفت صلاح کپڑا پایا

''مالک نے گویئے کو اپنے سچے دربار میں حاضر ہونے کا حکم دیا جہاں
اس نے تعریف اور سچی عزت کا خلعت پایا۔''

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

سچا امرت نام بھو جنوں آیا
گرمت کھادا رَج تن سُکھ پایا

''اس وقت سے اسم حق (کا ورد) اس کی خوراک بن گیا جو بھی اس خوراک کو کھائے گا وہ مکمل مسرت سے بہرہ یاب ہوگا۔''

ڈھاڈھی کرے پساؤ شد وجایا
نانک سچی صلاح پورا پایا

''خدا کی حمد و ثنا کر کے میں اس کی تعریفوں کو عام کر رہا ہوں، نانک خدا کی سچی تعریفیں بیان کر کر کے میں نے اس کو مکمل طور پر پالیا ہے۔''

(گرو گرنتھ صاحب ۱۵۰)

اس وقت سے گرو نانک صاحب کا سیاحت کا دور شروع ہوتا ہے جو تین مختصر وقفوں کے ساتھ ۲۵ سال پر محیط ہے۔ پہلے سفر (سکھ اصطلاح: اُداسی) میں جو ۱۴۹۷ء سے لے کر بارہ سال تک جاری رہا، وہ مشرقی ہندوستان میں بنگال اور آسام تک اور واپسی میں اُڑیسہ اور وسط ہند ہوتے ہوئے راجستھان تک کے تمام مشہور ہندو مذہبی مقامات پر گئے اور اپنے مسلک کی تبلیغ کی۔ اس سفر سے ۱۵۰۹ء میں واپسی پر انہوں نے کچھ عرصہ کے لئے اعزا واقربا کے ساتھ قیام کیا اور پھر ۱۵۱۰ء کے قریب دوسرے سفر پر جنوب کی طرف روانہ ہو گئے۔ روایتی سوانح عمریوں کے اعتبار سے اس سفر میں وہ سری لنکا تک گئے جہاں ان کے قیام کا ذکر اب تک محفوظ ہے۔ اس سفر سے وہ ۱۵۱۵ء میں واپس ہوئے۔ گرو نانک صاحب کا تیسرا نسبتاً مختصر سفر، شمال کی طرف تھا جو انہیں کوہ ہمالہ میں واقع پہاڑی ریاستوں اور کشمیر ہوتے ہوئے تبت تک لے گیا۔ شمال کا یہ سفر جو غالباً ۱۵۱۵ء میں ہی کسی وقت شروع ہوا تھا۔ ۱۵۱۷ء تک جاری رہا۔ اس کے فوراً بعد ہی وطن میں ایک مختصر سے قیام کے بعد گرو نانک صاحب اپنے چوتھے اور آخری سفر پر روانہ ہو گئے۔ اس سفر میں جو گرو نانک

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

صاحب کو سعودی عرب، عراق، ایران اور وسطِ ایشیا تک لے جانے والا تھا انہوں نے ایک حاجی اور مسلم فقیر جیسا لباس اختیار کر رکھا تھا۔ ان ممالک کی سیر و سیاحت اور مختلف مقامات پر اپنے مخصوص انداز میں تبلیغ و تلقین کرتے ہوئے گرونانک ۱۵۲۱ء میں واپس پنجاب پہنچے۔

گرونانک صاحب کی دوسرے سفر سے واپسی پر ان کے ایک عقیدت مند اجیتا رندھاوا اور کچھ دوسرے کسانوں نے ان کی سسرال سے قریب ہی ایک قطعہ آراضی ان کی نذر کیا تھا جہاں گرونانک صاحب نے ایک گاؤں کی بنیاد ڈال دی تھی۔ اب (اسلامی ممالک کے) اپنے چوتھے سفر سے واپس آ کر گرونانک صاحب نے اپنا سیاحت کا دور ختم کرنے کے کا فیصلہ کر لیا اور اپنے آباد کردہ گاؤں میں جس کا نام انہوں نے کرتار پور رکھا تھا اپنا ایک مستقل مستقر بنا کر بس گئے۔

اپنے اہل و عیال اور والدین کو بھی انہوں نے وہیں کرتار پور میں بلوالیا، جہاں پہنچنے کے سال بھر بعد ہی ان کے والدین کا یکے بعد دیگرے مختصر وقفے سے انتقال ہو گیا۔ اپنی گزر بسر کے لئے گرونانک صاحب نے کھیتی کا پیشہ اختیار کر لیا اور اپنی محنت کی حلال کمائی کی تلقین کے ساتھ ساتھ انہوں نے عملی طور پر اس کا نمونہ بھی پیش کرنا شروع کر دیا۔

اپنی عمر کے آخری اٹھارہ برسوں میں گرونانک صاحب کا ایک فقیر اور درویش کا چولا اتار کر بحیثیت ایک گرہست کے کرتار پور میں قیام سکھ مذہب کے بنیادی اداروں کے لئے ان کے ''اُداسیوں'' (سیاحت) کے زمانہ سے زیادہ معنی خیز ثابت ہوا۔ ان کی عمر کے اس آخری دور میں جب کہ ان کی شہرت بحیثیت ایک بزرگ شخصیت کے دور دور تک پہنچ چکی تھی، کرتار پور میں ان کا ''ڈیرا'' ایک روحانی مرکز کی حیثیت اختیار کرتا جا رہا تھا۔ دور و نزدیک سے ان کے معتقدین کرتار پور میں ان کی زیارت اور روحانی تعلیمات سے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

فیضیاب ہونے کے لئے کھنچے چلے آتے تھے۔ روزانہ صبح اور شام کو "کیرتن" (سماع معہ مزامیر) کی محفل ہوتی تھی جس میں گرونانک صاحب کا پر اثر کلام پڑھا جاتا تھا جو اپنے عشق حقیقی کے جذبات اور بلند اخلاقی تعلیمات سے عوام کے دل ودماغ کو مسخر کر لیتا تھا۔ کھانے کے اوقات میں تمام حاضرین مع اہل خانہ ایک اجتماعی مطبخ (لنگر) میں بلاتفریق ذات پات اور بلاامتیاز مذہب وملت اکٹھے بیٹھ کر کھانا کھاتے تھے۔ نئے آنے والے اور پرانے معتقدین یا امیر وغریب میں کوئی امتیاز نہیں برتا جاتا تھا۔ سب کے ساتھ یکساں سلوک ہوتا تھا۔ دن کا وقت کھیتوں میں محنت کرنے میں گزر جاتا تھا۔ جس سے ایمانداری کی روزی کمانے کا سبق تمام معتقدین کے دل میں نقش کالحجر ہوجاتا تھا۔

یہ تو نہیں کہا جا سکتا کہ گرونانک صاحب نے اپنی زندگی میں دانستہ کسی مذہبی جماعت کی تنظیم کی کوشش کی۔ وہ تو عشق الٰہی کے نشہ میں سرشار ایک روحانی شخصیت تھے جنہوں نے اپنی طلب وجستجو کے نتیجہ میں خدائے واحد کو پالیا تھا، اور جیسا کہ ان کے کلام سے ظاہر ہے وہ تمام عمر اُسی کی حمد وثنا اور محبت الٰہی کی راہ کے سفر میں معاون نیکیوں اور خوبیوں کے گن گاتے رہے۔

یہ اور بات ہے کہ ان کے اعلیٰ روحانی مقام اور اخلاص سے متاثر ہو کر ان کے گرد عقیدت مندوں کا ایک حلقہ قائم ہو گیا تھا جیسا کہ اس وقت کے ہندوستان کے مذہبی ماحول کو دیکھتے ہوئے کچھ بعید نہ تھا۔

البتہ ایک چیز جس نے گرونانک صاحب کے سلسلہ کو قائم رکھا اور بعد میں سکھوں کے بحیثیت ایک مذہبی جماعت کے ارتقا میں معاون ثابت ہوئی وہ گرونانک صاحب کا اپنی روحانی تعلیم کے تسلسل کو باقی رکھنے کے لئے اپنے دوران حیات ہی ایک جانشین کا انتخاب تھا۔

اگر گرونانک صاحب یہ انتظام نہ کرتے کہ ان کے اس دنیا سے رخصت ہونے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کے بعد ان کے معتقدین کی رہنمائی کے لئے ایک مرکزی شخصیت موجود رہے تو گمان غالب ہے کہ اس عہد کے ہندوستان میں پیدا ہونے والی متعدد بھگتی سے متعلق روحانی شخصیتوں کی طرح ان کے براہ راست اثرات بھی ان کی زندگی ہی تک محدود رہتے، یا پھر ان کے کلام کے جو باقیات محفوظ رہ جاتے اس سے آنے والی نسلوں میں روحانی رجحان رکھنے والے ذاتی طور پر فیضان حاصل کرتے رہتے۔ لیکن اپنی زندگی کے آخری ایام میں گرونانک صاحب نے متعدد آزمائشوں کے بعد اپنے ایک مرید لہنا کو "فنافی الشیخ" کے اعلیٰ ترین مقام پر فائز پاکر انگد (اپنی ذات کا جزو) کا خطاب دیا اور اس کو گرو کے منصب سے نوازا۔

سکھ عقیدہ کے مطابق گرونانک صاحب نے اس "نور" کو جوان کے اندر جلوہ گر تھا، انگد کے اندر منتقل کر دیا اور اس کو گرو کے مقام پر بٹھا کر خود مرید کی حیثیت سے نذرانہ پیش کیا[1]۔

یہ صورتحال جس میں "من تو شدم تو من شدی" والا معاملہ پورے طور پر عمل میں آگیا تھا، یکے بعد دیگرے سکھوں کے دسوں گرو صاحبان میں پائی جاتی ہے۔ چنانچہ ان میں سے ہر ایک اپنے کو نانک بھی کہتا ہے۔ گرو انگد کو اپنا جانشین مقرر کرنے کے کوئی بیس دن کے بعد ۲۲ ستمبر ۱۵۳۹ء کو گرونانک صاحب اس دار فانی سے رحلت فرما گئے۔

تعلیمات

سلطان پور میں گرونانک صاحب کو جو مرکزی روحانی تجربہ ہوا تھا اس کا سب سے پہلا شعری اظہار مول منتر (بنیادی کلمہ) کی شکل میں ہوا۔ مول منتر سکھوں کی مذہبی کتاب گرنتھ صاحب کے تمام کلام میں سب سے مقدس سمجھا جاتا ہے۔ اس میں گرونانک صاحب کا ذاتِ خداوندی کا تصور نہایت ایجاز کے ساتھ، لیکن جامع شکل میں، آگیا ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ذیل میں ہم مول منتر کو نقل کر رہے ہیں جس سے یہ صاف ظاہر ہو جاتا ہے کہ گرونانک صاحب کا عقیدہ توحید اسلامی نظریہ توحید سے مختلف نہیں تھا:

ایک اونکار	ست نام	کرتا پرکھ	نِربھو	نِروَیر
خدا ایک ہے	اس کا نام سچ ہے	وہی فاعلِ مطلق ہے	وہ بے خوف ہے	اس کی کسی سے دشمنی نہیں ہے۔
اکال مورتی	اجونی	سیہ بھن	گرپرسادی	
وہ ازلی اور ابدی ہے۔	بے شکل و صورت ہے۔	قائم بالذات ہے۔	خود اپنی توفیق و رضا سے حاصل ہوتا ہے۔	

(گرو گرنتھ صاحب[1])

یہ صحیح ہے کہ گرونانک صاحب نے اس ایک خدائے واحد کو یاد کرنے کے لئے مختلف نام استعمال کئے ہیں جن میں سے کچھ ہندوستانی روایت سے ماخوذ ہیں، مثلاً، ہری، گوبند، موہن، الکھ، اکم، کرنہار وغیرہ اور کچھ مسلم روایت سے متعلق ہیں جیسے اللہ، خدا، رحیم، کریم رب وغیرہ، مگر بہرصورت ان کی مراد اسی ایک ذات واحد سے ہے جو تمام عالم کا پروردگار ہے نہ کسی سے پیدا ہے اور نہ کوئی اس سے پیدا ہے اور نہ ہی وہ کسی شکل وصورت میں ظاہر ہوتا ہے یہ آخری نکتہ جس کو مول منتر میں ''اجونی'' کے ذریعہ ظاہر کیا گیا ہے، اور جو گرونانک صاحب کے کلام مختلف شکلوں میں متعدد جگہوں پر مذکور ہے اس لحاظ سے اہمیت رکھتا ہے کہ اس سے ہندوؤں کے نظریہ اوتار کا رد اور اللہ تعالیٰ کے تنزیہی پہلو پر زور دینا مقصود ہے۔ اس طرح اپنے روحانی تجربہ کی بنیادی توحید پر قرار دیتے ہوئے گرونانک صاحب نے عقیدت ومحبت کے ساتھ اُسی ایک خدا کی بندگی اور عبادت پر زور دیا ہے۔

محبوب حقیقی کو متعین کردینے کے بعد، دوسرا اہم مسئلہ اُس ذات حق (ست نام)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کے تئیں انسان کے رویہ کا تھا۔ اپنے مسلک عشق کے مطابق گرونانک نے کسی شریعت کی پابندی اور ظاہری قوانین کی اطاعت کے مقابلہ میں تقدیرِ الٰہی پر راضی رہنے اور صوفیانہ اصطلاح میں اندرونی اعتبار سے موافقت پر زور دیا ہے۔ دوسرے الفاظ میں کائنات میں جو کچھ ہو رہا ہے خدا کی مرضی سے ہو رہا ہے اس لئے خدا کی مرضی کے مقابلے میں اپنی ذاتی مرضی اور خواہش کو ختم کر کے راضی برضا رہتے ہوئے ہی انسان خدا تک پہنچ سکتا ہے۔

چنانچہ جپ جی میں جو کہ مول منتر کے بعد سکھوں کے لئے تقدیس میں دوسرا درجہ رکھتا ہے اور جس کے بارے میں یہ عقیدہ ہے کہ یہ طویل نظم گرونانک صاحب کو خدا کی طرف سے اس وقت ودیعت کی گئی جب کہ وہ اس کے دربار میں بذاتِ خود حاضر کئے گئے تھے، پہلے قطعہ کے آخر میں ہی اس سلسلہ میں فیصلہ کن بیان دے گیا گیا ہے۔ نمونہ کے طور پر یہاں جپ جی کے شروع کے چند اشعار نقل کئے جاتے ہیں:

سوچے سوچ نہ ہووئی جے سوچے لکھ وار

"غور وفکر کے ذریعہ انسان خدا کو نہیں پا سکتا خواہ لاکھوں دفعہ سوچ بچار کر لے۔"

چپے چُپ نہ ہووئی جے لائے رہا لو تار

"خاموشی اختیار کر کے انسان دماغی سکون نہیں حاصل کر سکتا خواہ مراقبہ ہی میں کیوں نہ غرق رہے۔"

بھوکیا بھوک نہ اوتری جے بنا پوریاں بھار

"حرص کے بندے کی ہوس نہیں ختم ہو سکتی خواہ دنیا کی قیمتی چیزوں کے ڈھیر لگا لے۔"

سَہَس سِیانپا لکھ ہوئی تے اِک نہ چلّے نال

"انسان لاکھ ہشیار ہو لیکن خدا کے دربار میں ایک کام نہیں آتا۔"

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کیوں سچیارا ہوئیے کیوں کوڑے ٹٹے پال

''ہم کیوں کر سچے بن سکتے ہیں اور کیونکر جھوٹ کا پردہ چاک ہوسکتا ہے۔''

حکم رضائی چالنا نانک لکھیا نال

''تقدیر کے لکھے پر مکمل طور پر راضی برضا رہ کر، اے نانک (یہ ممکن ہے)''

حکمے ہوونی آکار حکم نہ کہیا جائی

''خدا کے حکم سے ہی جسموں کی ساخت ہوتی ہے، حکم کے اوصاف بیان سے باہر ہیں۔''

حکمے ہوونی جیو حکمے ملے وڈیائی

''اسکے حکم سے ہی روحیں پیدا ہوتی ہیں اور حکم سے ہی عزت ملتی ہے۔''

حکمے اُتم نیچ حکمے لکھی دکھ سُکھ پا یاہی

''خدا کے حکم سے ہی لوگ عزت اور ذلت پاتے ہیں، اس کے حکم سے ہی دُکھ یا سکھ ملتا ہے۔''

اک نا حکمے بخشیش اک حکمے سدا بھوائیاہی

''ایک اس کے حکم سے انعامات سے نواز جاتا ہے اور ایک اس کے حکم سے آواگون کے چکر میں گرفتار رہتا ہے۔''

حکمے اندر سب کوئی، باہر حکم نہ کوئی

''تمام کائنات اس کے حکم کی تابع ہے اور کسی کی مجال نہیں جو اس سے باہر ہو سکے۔''

نانک حکم جے بوجھے تے ہومے کرے نہ کوئی

''نانک اگر انسان تقدیر الٰہی کو پہچان لے تو کبھی انانیت کے پاس نہ پھٹکے۔'' ۵

(گرو گرنتھ صاحب۔ا)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اوپر سب سے آخری مصرعے میں جس کو ہومے (انانیت) سے تعبیر کیا گیا ہے وہ مسلک عشق یا بھگتی کے مطابق انسان کے خدا تک پہنچنے میں سب سے بڑی رکاوٹ ہے۔ اکثر صوفیا اور بھگتوں نے انسان کے احساس ''میں'' کو اس کے تمام نفسانی امراض کی جڑ بتایا ہے ایسا اس لئے بھی ہوسکتا ہے کہ انسان اپنی ذات سے سب سے زیادہ محبت کرتا ہے اور جب تک وہ اپنی ذات کو مرکز کائنات سمجھ کر اسی کی بندگی میں لگا رہے گا اس کو خدا کی محبت اور بندگی کس طرح حاصل ہوسکتی ہے۔

چنانچہ منجملہ دوسرے صوفیا اور سنتوں کے گرونانک صاحب نے بھی عشقِ الٰہی کے حصول اور اس کے ذریعہ خدا تک پہنچنے کے سلسلے میں انسان کے اپنی انانیت سے چھٹکارا پانے پر بہت زور دیا ہے۔ اپنے کلام میں ایک جگہ وہ انانیت کے بنیادی مرض کو اور اس کی عام کارفرمائی کو واضح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

ہؤں وچ آیا ہوں وچ گیا

''انسان ''میں'' کے احساس کے ساتھ آتا ہے اور اسی کے ساتھ چلا جاتا ہے۔''

ہوں وچ جمیا ہوں وچ موا

''میں'' کے ساتھ ہی پیدا ہوتا ہے اور ''میں'' کے ساتھ ہی مر جاتا ہے۔''

ہوں وچ دِتّا ہوں وچ لیا

''میں کے ساتھ ہی کچھ دیتا ہے میں ہی لیتا ہے۔''

ہوں وچ کھٹیا ہوں وِچ گیا

''میں کے ساتھ ہی کماتا ہے میں کے ساتھ ہی کھوتا ہے۔''

....

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہوں وچ ہسے ہوں وچ رووے

''میں کے ساتھ ہی ہنستا ہے میں کے سات ہی روتا ہے۔''

ہوں وچ بھریئے ہوں وِچ دھووے

''میں کے ساتھ ملوث ہوتا ہے میں کے ساتھ ہی پاک ہوتا ہے۔''

ہوں وچ جاتی جنسی کھووئے

''میں کے ساتھ ہی اپنی ذات اور جنس کھوتا ہے۔''

ہوں وچ مورکھ ہوں وِچ سیانا

''میں کے ساتھ ہی انسان بے وقوف ہوتا ہے اور میں کے ساتھ ہی عقل مند ہوتا ہے۔''

موکھ مکتی کی سار نہ جانا

''مکتی اور نجات کی قدر نہیں جانتا ہے۔''

ہوں وچ سایا ہوں وچ چھایا

''میں کی ساتھ ہی دولت اور اس کی چھاؤں ہے۔''

ہوں مے کر کر جیت اپایا

''اسی میں کی وجہ سے مخلوقات کی پیدائش ہے۔''

ہوں مے بوجھے تاں دَر سوجھے

''اگر انسان اس ''میں'' کی حقیقت کو سمجھ لے تو اس کو خدا کا دروازہ مل جائے۔''

گیان دِ ہوڑاں کتھ لُوجھے

''بنا معرفت کے انسان فضول بحث مباحثہ میں پڑا رہتا ہے۔''

نانک حکمی لکھیے لیکھ

''نانک خدا کے حکم کے مطابق تقدیر لکھ دی گئی ہے۔''

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

جیہا دیکھی تیہا دیکھ

''جیسا انسان خدا کو سمجھتا ہے ویسا ہی خدا اس کے ساتھ معاملہ کرتا ہے۔''[9]

(گرو گرنتھ صاحب۔۴۶۶)

انانیت کے ساتھ ساتھ گرونانک صاحب نے اس سے متعلق بعض دوسری نفسانی خرابیوں مثلاً خواہشات (کام) لالچ (لوجھ) دنیا سے تعلق (موہ) غصہ (کرودھ) وغیرہ کو بھی اپنے کلام کا موضوع بنایا ہے۔ ان کے خیال میں اس طرح کی اندرونی بیماریوں سے نجات پائے بغیر عشق الٰہی کے راستے میں آگے بڑھنا یا توفیقِ الٰہی کو متوجہ کرنا مشکل ہے۔

ایک طرف تو گرونانک صاحب ان موانع سے انسان کو بچنے کی تاکید کی ہے اور دوسری طرف اپنے کلام میں مختلف انداز سے ان صفات اور خوبیوں کو سراہا ہے اور ان کی تلقین کی ہے جو عشق الٰہی کے حصول یا اس کی بارآوری میں معاون ثابت ہوتی ہیں اس سلسلے میں سب سے بنیادی چیز جو کہ سکھ مت کا طریق عبادت بھی کہی جا سکتی ہے، نام سمرن یا ذکرِ الٰہی ہے۔ گرونانک صاحب کے کلام میں نام کے معنی صرف خدائے تعالیٰ کے متعدد ناموں سے کوئی ایک یا سارے نام ہی نہیں ہے، بلکہ اس کو ذاتِ الٰہی کے مترادف کے طور سے بھی استعمال کیا گیا ہے۔ چنانچہ ذاتِ الٰہی کے لئے گرونانک صاحب کی ایک عام اصطلاح ست نام (نامِ حق) کی ہے، یہاں نامِ حق سے مراد ذاتِ حق ہے۔ اسی طرح گرونانک صاحب اور دوسرے سکھ گروؤں کے کلام میں مختلف انداز سے نام کا استعمال ذات الٰہی کے لئے عام ہے اگرچہ دوسری طرف اس کے معنی اسمِ الٰہی کے بھی ہیں، گویا گرونانک صاحب اور سکھ روایت میں اسم الٰہی اور ذات الٰہی ایک ہوگئے ہیں۔ اس کے علاوہ ایک تیسرے معنی نام کے، عشق الٰہی کے بھی ہیں۔

چنانچہ اگر اس لفظ کو اس طرح استعمال کیا جائے کہ ''فلاں شخص کو نام کی دولت

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

حاصل ہوگئی'' تو اس کے یہ معنی بھی لئے جاسکتے ہیں کہ اس شخص کو عشق حقیقی کی دولت حاصل ہوگئی ہے۔ گرونانک صاحب اور سکھوں کی مقدس کتاب گرنتھ صاحب کے تمام کلام میں نام کا استعمال ان مختلف معانی پر حاوی نظر آتا ہے۔

نام سمرن کا ایک عام طریقہ ہر وقت خدا کا نام لیتے رہنا ہے جو خدا کے لئے سکھوں کی عام اصطلاح واہگورو کی صورت میں مختلف دینوی مشاغل میں مصروفیت کے وقت بھی دیندار سکھ دہراتے رہتے ہیں۔ لیکن اس کی ایک خصوصی صورت صبح نہار منہ اٹھ کر نہا کر گرنتھ صاحب میں سے منتخب کلام خاص طور پر جپ جی کے پڑھنے اور یکسو ہو کر کچھ دیر یادِ الٰہی میں غرق رہنے کی ہے۔ بعض سکھ نام سمرن کے لئے ایک چھوٹی تسبیح کا استعمال بھی کرتے ہیں جس پر بار بار مختلف اسمائے الٰہی دہرائے جاتے رہتے ہیں۔ بہر حال نام سمرن کا سب سے اہم اور مفید طریقہ کیرتن کی شکل میں ہے جہاں باجماعت موسیقی کے ساتھ گربانی (گرنتھ صاحب میں جمع شدہ کلام) کا وِرد ہوتا ہے۔ جو لوگ لحن کے ساتھ پڑھنے میں شریک نہیں رہتے، (اس مقصد کے لئے تربیت یافتہ پڑھنے والے ہوتے ہیں) وہ ادب کے ساتھ بیٹھ کر سنتے ہیں اور اس طرح نام سمرن میں شریک رہتے ہیں۔ توقع یہ کی جاتی ہے کہ اس طرح مختلف طریقوں پر نام سمرن کے ذریعہ رفتہ رفتہ انسان کے شعور پر ذات الٰہی کا تصور چھا جائے گا اور اس کو وہ کیفیت حاصل ہو جائے گی جہاں وہ دائمی طور پر یادِ الٰہی میں مشغول رہے گا، خواہ ظاہری اعتبار سے وہ کتنے ہی دنیوی کام میں مصروف رہے۔

نام سمرن کے علاوہ جو چیزیں گرونانک صاحب کے نزدیک عشق الٰہی کے حصول میں معاون ہوتی ہیں ان میں سادھو سنگت (نیک صحبت) سیوا (خدمت خلق) ایمانداری کی روزی کمانا اور دوسروں کو اس میں شریک کرنا، نیز انکسار اور مخلوق سے محبت اور ہمدردی جیسی صفات شامل ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی ذہن میں رہنا چاہیے کہ گرونانک صاحب رہبانیت کے سخت مخالف تھے۔ ان کے نزدیک اسی سماج میں رہتے ہوئے اور گھر بار والی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

زندگی گزار کر خدا کو یاد رکھنا ہی کمالِ زندگی ہے اور اسی کی انہوں نے تعلیم دی۔ لیکن ان تعلیمات کے باوجود گرونانک صاحب کے نزدیک عشق کی ایک پراسرار منطق سے، بالآخر سب کچھ توفیقِ الٰہی کو متوجہ کرنے اور اس کے حصول میں معاون ہوتی ہے۔

جہاں تک زندگی کے بنیادی مسئلہ کا تعلق ہے اس سلسلہ میں گرونانک صاحب نے قدیم ہندوستانی نقطۂ نظر سے اتفاق کیا ہے یعنی کرم اور آواگون کے عقیدہ کو بجنسہٖ تعلیم کیا ہے۔ ان کے خیال میں جب تک انسان عشق الٰہی میں کمال حاصل کر کے خدا کو نہیں پالیتا وہ بار بار اسی دنیا میں مختلف شکلوں میں جنم لیتا رہے گا۔ بے شمار زندگیوں کے بعد (جن کی تعداد ۸۴ لاکھ بتائی جاتی ہے) ایک واحد اور ایسا نادر موقعہ آتا ہے جب انسان کا جنم حاصل ہوتا ہے اور یہ صرف انسان کی صورت میں پیدا ہو کر ہی ممکن ہے کہ انسان خدا کی سچی محبت کے ذریعہ نجات حاصل کر سکے۔

گویا جو لوگ اس وقت انسان کی شکل میں ہیں اگر انہوں نے خدا کی سچی بندگی کے ذریعہ اس کی رضا و خوشنودی حاصل کرنے کا یہ قیمتی موقع کھو دیا تو پھر انہیں ۸۴ لاکھ مختلف زندگیوں سے گزر کر جس میں بے جان چیزوں، نباتات، حشرات الارض اور حیوانات کے مختلف مدارج شامل ہیں، ایک بے انتہا طویل مدت کے بعد یہ موقعہ حاصل ہوگا کہ وہ پھر انسان کی حیثیت سے پیدا ہوں اور خدا کی بندگی کے قابل بن سکیں۔ جب تک انسان خدا کی بندگی میں مستغرق ہو کر نجات نہیں حاصل کر لیتا، نہ صرف یہ کہ وہ اسی دنیا میں چکر لگاتا رہے گا بلکہ خدا سے دوری کی وجہ سے مکمل مسرت سے بھی محروم رہے گا یہاں یہ چیز قابل غور ہے کہ گرونانک صاحب کوئی دینیاتی مفکر یا فلسفی نہیں تھے۔

چنانچہ پیچیدہ دینیاتی مسائل میں الجھنے اور فکری سطح پر ایک مابعد الطبعیاتی نظام کی تشکیل کے بجائے ان کا سارا زور اپنے روحانی تجربہ کے پیش نظر ذات الٰہی کی حمد و ثنا عشق الٰہی کی اہمیت اور عرفانِ الٰہی کی تلقین پر ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ایک دینیاتی نظام کی حیثیت

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

سے ان کی تعلیمات میں بہت سے پہلو مبہم اور تشنہ رہ جاتے ہیں جن کو بعد کے سکھ مفکرین نے خصوصاً جدید دور کے سکھ دانشوروں نے اپنی تاویلات اور تشریحات کے ذریعہ مکمل کرنے کی کوشش کی ہے۔

گرونا نک صاحب کی تعلیمات کا ایک اور جزو جس نے سکھ روایت کی نشوونما میں نمایاں کردار ادا کیا وہ "گرو" کا تصور ہے۔ بھگتی کی متصوفانہ روایت میں یہ تصور گرونا نک صاحب سے پہلے سے چلا آرہا تھا کہ عشق الٰہی کے حصول اور خدا تک پہنچنے کے لئے ایک پہنچے ہوئے پیرومرشد سے اِرادت ضروری ہے، جس کی رہنمائی اور تعلیم خدا تک پہنچنے کا وسیلہ ثابت ہوگی۔ گرونا نک صاحب نے خود عرفان الٰہی اپنی جستجو وطلب اور اپنے عقیدہ کے مطابق توفیق الٰہی کے فیض سے حاصل کیا تھا۔ چنانچہ ان کے کلام میں خدا تعالیٰ کے لئے گرویاست گرو (سچا گرو) کی اصطلاح بہت عام ہے جس نے حقیقت تک ان کی رہنمائی کی۔ بعد کے دوسرے سکھ گرووں کے کلام میں بھی گرو کی اصطلاح خدا تعالیٰ کے لئے اکثر استعمال ہوئی ہے کیونکہ بہر حال بغیر خدا کی رضا اور اس کے فضل کے کوئی اس تک نہیں پہنچ سکتا۔ لیکن دنیوی سطح پر انسانی گرو بھی اپنی اہمیت رکھتا ہے۔ گرونا نک صاحب اور دوسرے سکھ گرووں نے بار بار خدا تک پہنچنے کے سلسلے میں انسانی گرو کی اہمیت پر زور دیا ہے۔ انسانی گرو ہی وہ وسیلہ ہے جس کے ذریعہ پیغام الٰہی بندوں تک پہنچتا ہے اور وہی وسیلہ ہے جو بندوں کو خدا تک پہنچاتا ہے۔ اس سلسلہ میں اس قدر اشعار گرونا نک صاحب اور دوسرے گرووں کے موجود ہیں، اور یہ عقیدہ سکھوں میں اس قدر مستحکم ہے کہ اس کے لئے کسی حوالہ کی ضرورت نہیں ہے، البتہ نمونے کے لئے ہم یہاں گرونا نک صاحب کا ایک شعر نقل کئے دیتے ہیں:

گر پوڑی بیڑی گرو کرتلہا ہری ناؤ

"خدا کا نام حاصل کرنے کیلئے گرو ہی سیڑھی ہے، گرو ہی بیڑا اور کشتی ہے۔"

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

گر سر ساگر بوہتھو گر تیرتھ دریاؤ

"گناہوں کا سمندر پار کرنے کے لئے گرو ہی جہاز ہے اور وہی
زیارتگاہ اور اشنان کے لئے پاک دریا ہے۔"

(گرو گرنتھ صاحب۔۱۷)

سکھ گروؤں کے کلام میں مندرجہ بالا دونوں معانی میں "گرو" کی اصطلاح کا استعمال، یعنی ایک طرف ذاتِ الٰہی کے لئے اور دوسری طرف انسانی گرو کے لئے، اس طرح یکساں انداز میں وہ اس قدر کثرت کے ساتھ ہوا ہے کہ بیشتر اوقات صحیح صحیح یہ بتانا کہ یہاں متعین طور پر دونوں میں سے کون مراد ہے، بہت مشکل نظر آتا ہے۔ البتہ یہ واضح رہے کہ گرو نانک صاحب اور دوسرے سکھ گروؤں نے اپنے بندہ اور انسان ہونے پر بہت زور دیا ہے اور ان کی شخصیت میں الوہیت کے ساتھ اشتراک کا کوئی پہلو نہیں ہے۔ سکھ مت میں ایک تیسرے معنی میں گرو کا استعمال اُس پیغامِ حق کے لئے ہوا ہے جو سکھ گروؤں اور دوسرے صوفی سنتوں نے جن کا کلام گرو گرنتھ صاحب کا حصہ ہے، اپنے اشعار کے ذریعہ بندوں میں عام کیا ہے۔

یہ کلام جو شبد یا بانی کے نام سے معنون ہے ایک نوع سے الہامی سمجھا جاتا ہے اور چونکہ یہ کلام معرفتِ الٰہی اور اس سے متعلق اخلاقی تعلیمات پر مبنی ہونے، نیز اپنی تاثیر کے اعتبار سے، انسانوں کی خدا تک رہنمائی کا سب سے مؤثر ذریعہ ہے، اس لئے سکھ گروؤں نے اس کو بھی گرو قرار دیا ہے۔ شبد یا بانی کے سلسلہ میں یہی تصور تھا جس نے سکھوں کے دسویں (انسانی) گرو گرو گوبند سنگھ کے لئے یہ مرحلہ بہت آسان کر دیا کہ وہ اپنے بعد "انسانی" گروؤں کے سلسلہ کو ختم کر دیں اور یہ طے کر دیں کہ ان کے بعد گرنتھ صاحب ہی جس میں کہ سکھوں کے لئے تمام تسلیم شدہ بانی یا شبد جمع ہے، آئندہ ہمیشہ کے لئے سکھوں کا گرو قرار پائے چنانچہ آج سکھ اسی مقدس مجموعہ شبد کو گرو مانتے ہیں اور اپنی روحانی رہنمائی کے لئے اس میں شامل کلام کو کافی وشافی سمجھتے ہیں۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

سکھ روایت کا ارتقا

جیسا کہ ہم اوپر ذکر کر چکے ہیں بظاہر گرونانک صاحب نے اپنی زندگی میں کسی مذہبی جماعت کے قیام کی کوئی شعوری کوشش نہیں کی تھی، البتہ ان کا یہ فیصلہ کہ انہوں نے اپنی زندگی ہی میں اپنے معتقدین کی آئندہ رہنمائی کے لئے اپنے ایک جانشین گروانگد کا انتخاب کر دیا تھا۔ اس سلسلے میں عہد آفریں ثابت ہوا۔ گروانگد (گرو ۵۲۔۱۵۳۹ء) نے نہ صرف ان روایات مثلاً کیرتین اور لنگر وغیرہ کو جاری رکھا جو گرونانک صاحب نے قائم کیں تھیں، بلکہ ان کو ترقی دینے اور بڑے پیانے پر منعقد کرنے کی کوششیں بھی کیں۔ اس کے علاوہ گروانگد نے دو اقدامات مزید اس نوعیت کے کئے جو گرونانک صاحب کے حلقۂ معتقدین کو مضبوط کرنے میں معاون ثابت ہوئے۔ ان میں سے ایک تو گرونانک صاحب اور دوسرے صوفی سنتوں کا کلام جو انہوں نے اپنی سیاحتوں کے دوران جمع کیا تھا، لکھنے کے لئے سکھوں کا اپنا رسم الخط گرمکھی ایجاد کیا (یا ایک مقامی رسم الخط کو سنوار کر اس کو گرمکھی کی حیثیت سے اختیار کیا) اور دوسرے انہوں نے گرونانک صاحب کے ایک پرانے ساتھی بالا کے ذریعہ نانک صاحب کی ایک سوانح مرتب کرائی جس میں ان کی تعلیمات بھی تلخیص کے ساتھ موجود تھیں۔ اپنی روایات سے متعلق لوگوں کے لئے ایک مخصوص رسم الخط، اور کسی مذہبی کتاب کی غیر موجودگی میں (گرنتھ صاحب پانچویں گرو کے دور میں مرتب ہوا) گرونانک صاحب کی سوانح کی تصنیف نے ان کے عقیدت مندوں میں اتحاد اور جماعتی احساس پیدا کرنے میں نمایاں کردار ادا کیا۔

سکھوں کے تیسرے گرو، گرو امرداس (گرو ۷۴۔۱۵۵۲ء) ہوئے۔ وہ دوسرے گرو کے سمدھیانے کے رشتہ دار ہوتے تھے۔ جن کو گرونانک صاحب کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے گروانگد نے اپنے لڑکوں کے بجائے اپنا جانشین مقرر کیا۔ گرو امرداس نے سکھ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

عقیدت مندوں کو جواب ہزاروں کی تعداد میں پہنچ گئے تھے اور پنجاب میں ہر طرف بکھرے ہوئے تھے، منظم کرنے کے لئے ان کو بائیس حلقوں (منجیوں) میں تقسیم کر دیا اور ہر حلقہ کے لئے ایک آزمودہ کار اور روحانی اعتبار سے ترقی یافتہ سکھ بطور سربراہ اور اپنے نائب کے متعین کر دیا۔

منجی پنجابی میں چارپائی کو کہتے ہیں، چونکہ یہ سربراہ اور حلقہ میں چارپائی پر بیٹھ کر وعظ و نصیحت کرتے تھے جب کہ حلقہ کے لوگ دور تک زمین پر بیٹھے رہتے تھے، اس لئے حلقے بھی منجی کے نام سے موسوم ہو گئے۔ اس انتظام سے سکھوں کی جماعتی تنظیم کو بہت تقویت حاصل ہوئی۔ اس کے علاوہ گرو امرداس نے بعض ایسی عوامی خدمات بلاتفریق مذہب و ملت سرانجام دیں جن سے ان کے اثر کو عام ہونے میں بہت مدد ملی، مثلاً انہوں نے شہنشاہ اکبر سے درخواست کر کے ہندو عوام کے لئے ہر دوار کے تیرتھ پر جو ٹیکس عائد تھا وہ ہٹوا دیا، یا ایک سال جب کہ اکبر کی فوجیں پنجاب میں مقیم تھیں، ان کی واپسی پر اکبر سے پورے علاقہ کی مالگزاری معاف کروا دی، انہوں نے ایک گاؤں گوندوال بھی آباد کیا اور وہاں ایک بڑی باؤلی تعمیر کرائی۔ ان رفاہی کاموں سے ان کی تحریک کو بہت تقویت حاصل ہوئی اور ہندو عوام میں سکھ مت کو اختیار کرنے کا رجحان بڑھنے لگا۔ مزید برآں شہنشاہ اکبر سے ان کے دوستانہ تعلقات نے بھی عوام میں گرو امرداس کے وقار اور عزت کو بہت بڑھا دیا۔

درحقیقت اکبر کے تعلقات اس کی اپنی وسیع المشربی کی وجہ سے سکھوں کے تیسرے، چوتھے اور پانچویں گروؤں سے بہت خوشگوار رہے جس سے ان حضرات کو اپنے حلقۂ اثر بڑھانے میں مدد بھی ملی ہوگی۔ البتہ جہانگیر کے دور سے سکھ گروؤں اور مغل بادشاہوں کے تعلقات نے ایک دوسرا رخ اختیار کیا جس نے سکھ روایت کی تشکیل پر غیر معمولی اثر ڈالا۔ آئندہ کی سطور میں ہم ان اثرات کی طرف کچھ اشارے کریں گے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

جہاں تک سکھوں کے بحیثیت ایک مذہبی جماعت کے ہندوؤں اور مسلمانوں سے علاحدہ تشخص کے ساتھ منظم ہونے کا سوال ہے، تو ہم یہ محسوس کر سکتے ہیں کہ وقت گزرنے کے ساتھ ہر آنے والے گرو کے عہد میں ایسے کچھ اقدامات کیے جاتے ہیں جو سکھوں کے اپنے تشخص اور جماعتی تنظیم میں اضافے کا باعث ہوتے ہیں۔ اس طرح ہم یہ محسوس کر سکتے ہیں کہ دھیرے دھیرے ایک روحانی رہنما (گرونانک) کے منتشر معتقدین بعد کے سکھ گروؤں کی زیر قیادت ایک مخصوص مذہبی جماعت کی شکل اختیار کرتے جا رہے ہیں۔ گرد امرداس نے سکھوں کی تنظیم کے سلسلہ میں یہ بھی ضروری قرار دیا کہ دیوالی اور بیساکھی کے تہواروں کے موقع پر جب ہندو عوام قدیم رسم و رواج کے مطابق یہ تہوار منا رہے ہوں اس وقت تمام سکھ اپنے آپ کو گرو کی خدمت میں حاضر کریں، اس سے یقیناً سکھوں کی ہندوؤں سے علاحدہ شخصیت کے تصور کو تقویت حاصل ہوئی ہوگی۔

اس تصور کو مزید ترقی اس وقت حاصل ہوئی جب چوتھے گرورامداس (۱۵۷۴ـ۸۱ء) نے سکھوں کی شادی بیاہ اور مرنے کے بعد کی رسومات اپنی الگ نوعیت پر متعین کرنے کی کوشش کی۔ انہوں نے ستی کی رسم کی بھی مخالفت کی، نیز بیواؤں کی شادی پر زور دیا۔ اس کے علاوہ گرورامداس نے گرونانک صاحب کی زندگی سے وابستہ ایک مقام کو جہاں ایک قدرتی پانی کا چشمہ تھا، اکبر بادشاہ سے حاصل کر کے وہاں ایک شہر کی بنیاد بھی رکھی اور اس چشمہ کو ایک بڑے تالاب کی شکل میں بنوا دیا۔ بعد میں یہ تالاب امرتسر (چشمہ آبِ حیات) کے نام سے مشہور ہوا اور شہر کا بھی یہی نام پڑ گیا۔ بعد کے سکھ گروؤں نے اس کو اپنے مستقر کی حیثیت سے اختیار کیا اور دہلی سے کابل جانے والی شاہرہ پر واقع ہونے کی وجہ سے اس شہر نے تجارتی اور مذہبی دونوں لحاظ سے بہت ترقی کی۔ ان امور کے ساتھ ساتھ یہ حقیقت کہ گرورام داس کے بعد گرو کا عہدہ ان کی اولاد میں موروثی ہو گیا اس لحاظ سے شاید کچھ اہمیت رکھتی ہو کہ بعد کے سکھ گروؤں کی شخصیت میں مذہبی رہنمائی کے ساتھ ساتھ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

دنیاوی بادشاہت کا تصور بھی شامل ہو گیا اور سکھ گرو مغل بادشاہ کے بالمقابل "سچا بادشاہ" کے لقب سے یاد کیے جانے لگے۔

نہ صرف سکھوں کی بحیثیت ایک مذہبی جماعت کے تنظیم کے لحاظ سے بلکہ سیاسی اعتبار سے بھی انہیں ایک مخصوص "شخصیت" عطا کرنے میں سکھوں کے پانچویں گرو، گروارجن دیو (۱۶۰۶ء۔ ۱۵۸۱ء) کا غیر معمولی ہاتھ ہے۔ سکھ روایت کی تشکیل میں گرونانک صاحب کے بعد اور دسویں گرو، گروگوبند سنگھ سے پہلے کسی اور سکھ گرو نے سکھوں کو ایک مذہبی جماعت بنانے میں اتنا اہم کردار نہیں ادا کیا جتنا گروارجن دیو نے کیا ہے۔ یہ کارنامہ گروارجن دیو ہی کا ہے جنہوں نے اپنے اور اپنے سے پہلے تمام سکھ گروؤں اور اُن صوفی سنتوں کا کلام جو گرونانک صاحب نے اپنی سیاحت کے دوران ہندوستان کے کونے کونے سے جمع کیا تھا۔ مرتب کر کے سکھوں کے لئے ایک مقدس کتاب گرنتھ صاحب تیار کی جو اس دور سے لے کر ہمیشہ کے لئے سکھوں کی مذہبی زندگی کا محور قرار پائی اور دسویں گرو کے بعد تو اس کتاب کو باضابطہ گرو کا درجہ حاصل ہو گیا اسی طرح اگرچہ گوندوال میں گرو امرداس کی بنوائی ہوئی باؤلی اور امرتسر میں گرو رام داس کا تالاب سکھوں کے لئے مذہبی اہمیت کے مقامات تھے، لیکن گروارجن دیو نے امرتسر کے تالاب میں سکھوں کے لئے مرکزی عبادت گاہ "ہری مندر" کی تعمیر کرا کے سکھوں کو جغرافیائی اعتبار سے بھی ایک مذہبی مرکز فراہم کر دیا۔ اس مقام پر سکھ گروؤں کی مستقل رہائش اور ان کی ذات میں "میری" اور "فقیری" (سیاست اور مذہب) کے امتزاج کے باعث یہ جگہ سکھوں میں "دربار صاحب" کے نام سے یاد کی جاتی ہے۔

اس سے مختلف نوعیت کا ایک اور اقدام، جس نے سکھوں کی مذہبی اور سیاسی تنظیم کو مزید مستحکم کر دیا، وہ گروارجن دیو کو سکھوں سے دسونتھ (عشر) وصول کرنے کا انتظام تھا۔ اس سے پہلے بھی سکھ گروؤں کے عقیدت مندان کی خدمت میں نذرانے پیش کرتے رہتے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

تھے۔ جس سے سکھوں کے اجتماعی کاموں مثلاً ''لنگر'' یا عوامی تعمیرات وغیرہ میں مدد ملتی تھی، لیکن گرو ارجن دیو نے اجتماعی تنظیم کے سلسلے میں اس امر کی اہمیت کے پیش نظر ان نذرانوں کو ایک باضابطہ اور منظم شکل دینے کا قدم اٹھایا۔ انہوں نے یہ طے کر دیا کہ آئندہ سے ہر سکھ اپنی سالانہ پیداوار کا دسواں حصہ (دسونتھ) بطور گرو کے نذرانہ کے اجتماعی خزانہ کے لئے وقف کر دے گا۔ اس رقم کی وصولیابی کے لئے انہوں نے سکھوں کے ہر حلقہ (منجی) میں ایک عامل (مسند) مقرر کر دیا جو حلقہ کے تمام سکھوں سے گرو کے حصہ کی رقم وصول کر کے بیساکھی کے موقع پر گرو کی خدمت میں ''دربار صاحب'' میں حاضر ہوتا تھا۔ اس طرح سکھوں کی تنظیم کے لئے ایک مضبوط معاشی بنیاد قائم ہوگئی۔ اس کے ساتھ ساتھ انہوں نے صاحب حیثیت اور جرأت مند سکھوں کو وسط ایشیا کے علاقے میں گھوڑوں کی تجارت پر بھی اُکسایا اور اغلباً خود سکھ اجتماعی خزانہ کو بھی اس تجارت میں شریک کیا[1]۔ جس سے سکھوں کو نہ صرف مالی اعتبار سے فائدہ پہنچا بلکہ ان کے درمیان شہسواری اور جرأت مندی کی روایات کو پنپنے میں مدد ملی۔

سکھ گروؤں کی باصلاحیت رہنمائی میں سکھوں کی ترقی اور تنظیم کے ساتھ ساتھ اگرچہ ان کے دائرۂ اثر میں قابل قدر اضافہ ہوتا چلا جا رہا تھا لیکن کچھ مخصوص حالات کی وجہ سے سکھ گروؤں نے اپنی تبلیغ اور اشاعت کے لئے باری دوآب یعنی دریائے بیاس اور راوی کے درمیانی علاقے کو اپنی خصوصی توجہ کا مرکز بنا رکھا تھا۔ ہوسکتا ہے اس کی وجہ یہ رہی ہو کہ راوی کے کنارے لاہور کے آس پاس کا علاقہ پنجاب میں مسلم حکومت کا مرکز تھا اور اس کے پار دریائے چناب تک آبادی میں مسلمانوں کا عنصر بہت قوی تھا، جب کہ چناب کے شمال میں تقریباً تمام آبادی مسلمانوں کی تھی۔ باری دوآب اور اس میں بھی خصوصاً ماجھے کا علاقہ بڑی حد تک ہندو جاٹ کسانوں پر مشتمل تھا جو ایک صحتمند اور جفاکش قوم تھی۔

چنانچہ سکھ گروؤں نے اس علاقہ کو اپنے اثرات کا مرکز بنایا اور یہاں کی جاٹ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

آبادی کو سکھ حلقہ میں شامل کر کے انہوں نے سکھ مسلک کو وہ بہترین سپاہی فراہم کیے جو راجپوتوں کے ساتھ ساتھ آئندہ آنے والے پُرآشوب دور میں سکھ قوم کا بہترین سرمایہ ثابت ہوئے۔ انہیں محرکات کے پیش نظر شاید اکثر شہر جو سکھ گروؤں نے آباد کیے وہ اسی علاقے میں تھے۔ گرو ارجن دیو نے بھی علاوہ امرتسر کی نشوونما میں حصہ لینے کے اس علاقے میں تین مزید شہر ترن تارن، کرتارپور اور ہرگوبند پور آباد کیے۔

یہ چیز کہ گرو ارجن دیو کے عہد میں سکھ تحریک سیاسی اہمیت اختیار کرتی جارہی تھی، علاوہ دوسرے قرائن کے، ان باتوں سے بھی ظاہر ہوتی ہے کہ ایک طرف تو گرو ارجن دیو نے پہلے گروؤں کی سادہ بودوباش کو چھوڑ کر درباری شان وشوکت کو اختیار کر لیا تھا، اور دوسری طرف جب مغل بادشاہ جہانگیر کا لڑکا شہزادہ خسرو باپ سے باغی ہو کر پنجاب کی طرف بھاگا تو وہ گرو ارجن دیو کی خدمت میں حاضر ہوا اور گرو ارجن دیو نے نہ صرف اس کی کامیابی کے لئے دُعا کی بلکہ اس کی مالی امداد بھی کی[11]۔ جہانگیر نے گرو ارجن دیو کی اس حرکت کو معاف نہیں کیا۔ توزک جہانگیری میں اس نے گرو ارجن دیو کے خسرو سے تعلق اور اس سلسلے میں گرو ارجن دیو کو قتل اور مال واسباب کی ضبطی سے متعلق احکامات کی تفصیل اپنے مخصوص براہ راست لہجہ میں لکھ دی ہے[12]۔

اگر گرو ارجن دیو کے وقت میں سکھ تنظیم کے سیاسی رجحانات کے ارتقا میں کچھ کسر تھی تو ان کے صاحبزادے اور جانشین گرو ہرگوبند (۱۶۰۶۔۴۴ء) کے دور میں سکھ جماعت ایک مذہبی ملت ہونے کے ساتھ ساتھ ایک سیاسی جماعت کی حیثیت سے کھل کر سامنے آگئی۔ گرو ارجن دیو کی گرفتاری اور تعذیب جسمانی کے بعد ان کی موت سکھوں کے لئے سخت جذباتی ہیجان کا باعث ہوئی تھی۔ اُبھرتی ہوئی نوخیز تحریک جو مذہبی جذبہ کی گہری بنیادوں پر قائم تھی مغل حکومت کی مخالفت کو حق وباطل کے پیمانوں سے ناپتی تھی اور سیاست و مذہب کے اجتماع نے اس میں عام سیاسی گروہ بندیوں کے مقابلے میں بہت شدت بھی پیدا

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کر دی تھی۔ گرو ہر گوبند نے اپنی مسند نشینی کے وقت علی الاعلان اپنے دائیں اور بائیں دو تلواریں اس بیان کے ساتھ زیب تن کیں کہ ان میں سے ایک تلوار ''میری'' کی ہے اور ایک ''فقیری'' کی۔ یہ گویا سکھ مذہب میں دین اور سیاست کے یکجان ہونے کا اعلان تھا۔ اس وقت سے سکھ تحریک صرف ہندوؤں اور مسلمانوں کو روایتی اور رسمی مذہب سے آزاد کرا کے ایک خدا کی عبادت پر لگانے ہی کا نام نہیں رہ گئی، بلکہ سیاسی و سماجی زندگی میں بھی ہندوستانی عوام کو مسلمانوں کی غالب تہذیب اور اس کی مادی شکل یعنی مغل حکومت سے آزاد کرانے کی علمبردار بن گئی۔ بعد کی سکھ روایت میں یہ دونوں چیزیں لازم و ملزوم بن گئیں اور ایک پر چلنا دوسرے پر عمل کرنے کے مترادف قرار پایا۔

گرو ہر گوبند اپنی طبیعت کے اعتبار سے بھی سپاہیانہ وضع کے آدمی تھے اور اس پر متزاد سکھ مذہب کے سیاسی عزائم جن کے لئے ان کی زندگی تقریباً تمام تر فوجی قسم کے مشاغل کے لئے وقف ہو کر رہ گئی تھی۔ انہوں نے نہ صرف اپنے تمام معتقدین کو مسلح رہنے کا حکم دیا بلکہ اپنا تمام تر وقت اپنے ساتھیوں کو فوجی مشقیں کرانے اور بہادری اور جنگجوئی کے کاموں مثلاً گھوڑ دوڑ، شکار، کشتی وغیرہ کے لئے وقف کر دیا تھا۔ ان کے وقت سے گرو کا پرانا تصور جس میں وہ بنیادی طور پر ایک مذہبی رہنما ہوتا تھا بالکل بدل گیا، اور خاص کر خود ان کی زندگی میں تو روحانی پہلو کی جگہ سرتا سر فوجی اور سیاسی رہنمائی کا پہلو غالب آ گیا۔ ان کے اصطبل میں عمدہ گھوڑوں کی ایک کثیر تعداد موجود رہتی تھی اور وہ ذاتی طور پر ایک پوری مسلح پلٹن اپنے باڈی گارڈ کے طور پر رکھتے تھے۔

ان کی ملیشیا فوج میں باغی اور فوجی رجحانات کے حامل مشتبہ عناصر کے لئے بھی جگہ موجود تھی۔ اس طرح کے فوجی عزائم کی وجہ سے پنجاب کے مغل گورنر کے ساتھ گرو ہر گوبند کا ٹکراؤ لازمی ہو گیا تھا۔ چنانچہ انہیں سرکاری افواج سے تقریباً تین اہم موقعوں پر جنگیں لڑنی پڑیں جن میں ہمیشہ انہیں کا پلہ بھاری رہا۔ لیکن ابھی ہندوستان میں مغل اقبال کو

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بہت دن تک کوئی خطرہ نہیں تھا اور گرو ہر گو بند اپنے آپ کو اس مقام پر نہیں محسوس کر سکتے تھے جہاں وہ حکومت کے خلاف کوئی اقدام کر کے عافیت سے رہ سکیں۔ چنانچہ انہوں نے امرتسر کی رہائش تقریباً ترک کر کے شمالی مشرق کے پہاڑی علاقے میں ایک باغی راجہ کے پاس اپنے لئے محفوظ ٹھکانہ تلاش کر لیا اور وہیں اپنے آخری ایام گزارے۔ ان کی زندگی میں ایک وقت ایسا بھی آیا تھا۔ جب جہانگیر سے ان کے تعلقات خوشگوار تھے اور تقریباً پانچ سال کے لئے ان کو پنجاب کی حکومت میں ایک سرکاری عہدہ بھی ملا تھا[۱۲]۔ لیکن اس کے بعد بعض سرکاری قوانین کی خلاف ورزیوں نیز ان کے آزادانہ رویوں کی وجہ سے جہانگیر نے ان کو گوالیار کے قلعہ میں کچھ دنوں کے لئے نظر بند کر دیا تھا جہاں سے وہ لاہور کے مشہور صوفی بزرگ میاں میر کی سفارش سے رہائی پا سکے تھے۔

گرو ہر گو بند کی وفات کے بعد ساتویں اور آٹھویں سکھ گروؤں کے عہد میں سکھ تنظیم سیاسی اعتبار سے کوئی نمایاں ترقی نہیں کر سکی، ساتویں گرو گرو ہری رائے (۶۱۔۱۶۴۴ء) اپنی افتادِ طبع کے لحاظ سے نرم مزاج اور صلح پسند آدی تھے اور سوائے ایک موقع کے جب دارا شکوہ، اورنگزیب کی فوجوں سے بچ کر راہ فرار اختیار کر رہا تھا، انہوں نے دارا شکوہ کو بچانے میں اعانت کرنے کے علاوہ اور کوئی سیاسی اقدام نہیں کیا۔ آٹھویں گرو، گرو ہر کشن (۶۴۔۱۶۶۱ء) اپنے والد گرو ہری رائے کے چھوٹے بیٹے تھے اور چونکہ بڑے بھائی رام رائے سے (جو کہ اورنگزیب کے دربار میں مقیم تھے) ان کے والد ناراض تھے اس لئے ان کے مرض الموت میں وہ پانچ سال کی عمر میں گرو کے عہدے کے لئے نامزد کر دیئے گئے تھے۔ رام رائے دعوائے مخالفانہ کی وجہ سے اورنگزیب نے فیصلہ کے لئے کم سن گرو کو دہلی بلوایا جہاں چند سال بعد ان کا چیچک کے مرض میں انتقال ہو گیا۔ انتقال سے پہلے انہوں نے گرو کے عہدے کے لئے اپنے دادا کے چھوٹے بھائی تیغ بہادر کو جو کہ ایک گاؤں بکالہ میں فقیرانہ زندگی بسر کرتے تھے۔ نامزد کر دیا تھا۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

نویں گرو، گرو تیغ بہادر (۷۵۔۱۶۶۴ء) ایک صلح پسند اور صوفی منش آدمی تھے جس کا اندازہ اس چیز سے بھی ہو سکتا ہے کہ وہ اپنے کو تیغ بہادر کے بجائے دیغ بہادر کہلوانا پسند کرتے تھے، جس سے ان کی مراد قتل و غارت گری کے بجائے سخاوت اور مہمان نوازی سے اپنے کو منسوب کرنا تھا۔ بحیثیت گرو ان کے دس سالہ دور میں اورنگزیب کی طاقت اپنے شباب پر تھی اور ابھی وہ دور نہیں آیا تھا جب اس کی مخصوص پالیسیوں اور طرز حکومت کے اثرات مغل حکومت کے خلاف بے اطمینانیوں کی صورت میں ظاہر ہونا شروع ہوں۔

سکھ روایت اورنگزیب کو ایک متعصب اور جابر بادشاہ کی صورت میں دیکھتی ہے جس نے ہندوستان کے غیر مسلم عوام کے خلاف امتیازی سلوک روا رکھا، یہاں تک کہ اس سلسلے میں اس کو بجبر تبدیلی مذہب کرانے میں بھی کوئی عار نہیں تھا۔ سکھوں کے لئے اس کی سب سے بڑی اور اندوہناک مثال گرو تیغ بہادر کا دہلی بلوایا جانا اور مسلمان ہونے سے انکار کرنے پر اورنگزیب کے حکم سے ان کی شہادت کا واقعہ ہے۔ مغل وقائع نویس کی نظروں میں یہ شاید کوئی خاص اہمیت کا حامل واقعہ نہیں ہوگا۔ لیکن سکھوں کے اپنے نقطۂ نظر سے ان کے مذہبی رہنما کا قتل ایک عظیم سانحہ تھا جس نے ان کے مذہبی جذبات کے عمیق ترین گوشوں کو ہلا کر رکھ دیا، چنانچہ جب گرو تیغ بہادر کے صاحبزادے اور سکھوں کے دسویں گرو، گرو گوبند سنگھ (۱۷۰۸۔۱۶۷۵ء) نے مغل حکومت سے زندگی اور موت کی بازی کو اپنا نصب العین قرار دے دیا تو سکھوں کی اکثریت نے ان کی آواز پر لبیک کہا اور اس کشمکش کی روح کو اپنے اندر جذب کر کے اس سے اپنی روایت کے خدوخال کی تشکیل کی۔

گرو گوبند سنگھ جو اپنے والد کی شہادت کے بعد گرو کے عہدے پر سرفراز ہوئے متعدد پہلوؤں سے گرو نانک صاحب کے بعد سکھوں کے اہم ترین گرو ثابت ہوئے۔ اگرچہ سکھ عقیدے کے مطابق ان کے دسوں گروؤں میں باہم کوئی تفریق نہیں ہے اور ان سب کے یکے بعد دیگرے ایک ہی نور کا حامل ہونے کی وجہ سے ان میں کم اہم اور زیادہ اہم

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کا کوئی سوال نہیں پیدا ہوتا، لیکن سکھوں کی تاریخ کا ایک بیرونی مبصر بہرحال یہ محسوس کئے بغیر نہیں رہ سکتا کہ اگر گرونانک صاحب کی تعلیمات نے سکھوں کی روحانی زندگی کے بنیادی اصول فراہم کئے تھے تو سویں گرو، گروبند سنگھ نے سکھ شریعت اور سکھ روایت کے مخصوص کردار کی تشکیل کا کام انجام دیا۔ اپنی شخصیت کے اعتبار سے بھی گروگوبند سنگھ نے اپنی ذات میں علم وفن، شاعری، جنگجوئی، شہسواری، مردانگی اور جرأت کی ایسی اعلیٰ خصوصیات جمع کر لی تھیں جو سکھوں کے لئے ہمیشہ ایک مثالی ہیرو کا نمونہ پیش کرتی رہیں۔ اس میں شک نہیں کہ اپنے فقر اور روحانیت کے باعث گرونانک صاحب کی عظمت کے سامنے ہر سکھ عقیدت سے اپنا سر جھکائے رکھتا ہے، لیکن جس شخصیت نے اپنی گہری چھاپ سکھ کردار پر چھوڑی ہے اور جس کی تقلید کا خواب سکھ قوم کے ملی تصورات کا محور ہے وہ گروگوبند سنگھ کی ذات ہے۔

گرو کے عہدے پر فائز ہوتے وقت گروگوبند سنگھ کی عمر بمشکل آٹھ سال کی رہی ہوگی، اور اگرچہ ان کے والد کی شہادت کا واقعہ ان کے اور پوری سکھ قوم کے لئے ایک زبردست جذباتی ہیجان کا باعث ہوا تھا، لیکن نہ صرف یہ کہ وہ اس کم عمری میں اپنے محدود وسائل کے ساتھ مغل حکومت سے انتقام لینے کی نہیں سوچ سکتے تھے۔ بلکہ اس کے دراز ہاتھوں سے پنجاب کے میدانوں میں اپنے کو محفوظ بھی نہیں سمجھتے تھے۔ چنانچہ انہوں نے ہمالیہ کے پہاڑی سلسلے میں اپنے لئے پناہ گاہ ڈھونڈھی اور آئندہ بیس سال تک پہاڑوں میں ہی اپنا مستقر بنائے رکھا۔ اس پہاڑی علاقہ میں جو اپنی دشوار گزاری اور معاشی اعتبار سے غیر مفید ہونے کے باعث مغل سلطنت کے دائرۂ اثر سے نسبتاً آزاد تھا، ایک طویل مدت تک قیام کر کے گروگوبند سنگھ نے اپنے آپ کو اور اپنے معتقدین کی جماعت کو مغل حکومت سے ایک فیصلہ کن ٹکر لینے کے لئے تیار کرنا شروع کر دیا۔ اپنی تعلیم وتربیت اور فنون سپہ گری کی مشقوں کے علاوہ انہوں نے اپنے ساتھیوں کو بھی ایک منظم فوج کے انداز میں تربیت دی، لیکن جسمانی اور تکنیکی تربیت سے زیادہ اہم وہ ذہنی اور روحانی تعلیم تھی جس کے ذریعہ انہوں

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

نے مغل حکومت کے خلاف جنگ کو ایک مذہبی جہاد اور فوجی کارروائیوں کو ایک عبادت کا درجہ دے دیا تھا۔ چنانچہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ اور کسی گرو سے زیادہ یہ گرو گوبند سنگھ کا اثر تھا جس نے سکھوں کو ایک جنگجو مذہبی جماعت کا رنگ دے دیا، جو تمدنی اعتبار سے اس روایت کی نمایاں خصوصیت قرار پائی۔

۱۶۹۹ء میں بیساکھی کے موقعہ پر گرو گوبند سنگھ نے اپنے مقلدین کے حلقہ میں مزید اتحاد پیدا کرنے اور ان کو روحانی اعتبار سے ایک نئی زندگی دینے کے خیال سے باضابطہ ارادت کا سلسلہ شروع کیا۔ وفاداری کے سخت ترین امتحان کے بعد سب سے پہلے پانچ سکھ جو مختلف ذاتوں سے تعلق رکھتے تھے ایک مخصوص رسم کے ذریعہ جو ''امرت چکھنا'' کہلاتی ہے مریدین کے حلقہ میں شامل کئے گئے اور ''خالصہ'' کہلائے۔ اس کے بعد عمومی داخلہ شروع ہوا اور ہزاروں سکھ امرت چکھ کر خالصہ کے زمرے میں شامل ہو گئے۔ اس رسم نے نہ صرف یہ کہ گرو گوبند سنگھ کے متبعین سکھوں کے اندر جماعتی وحدت کا گہرا احساس پیدا کر دیا بلکہ ان کو بعض دوسرے محدود سکھ حلقوں سے ممتاز بھی کر دیا۔

اسی موقع پر گرو گوبند سنگھ نے اپنے متبعین کے لئے بعض مخصوص شرعی قوانین بھی وضع کئے جنہوں نے اس جماعت کے ''ملی'' تشخص کو متعین کرنے اور ہندوؤں اور مسلمانوں سے الگ ان کی امتیازی شان پیدا کرنے میں مرکزی کردار ادا کیا۔ ان احکامات میں جو گرو گوبند سنگھ نے اس موقعہ پر تمام سکھوں کے لئے لازمی قرار دیئے تمباکو سے مکمل احتراز، حلال گوشت کی ممانعت، مردوں کے لئے اپنے نام میں ''سنگھ'' (شیر) اور عورتوں کے لئے ''کور'' شہزادی کا استعمال اور پانچ چیزوں کا جو ''ک'' سے شروع ہوتی ہیں، رکھنا شامل ہیں۔ وہ پانچ چیزیں جو سکھوں کے لئے ضروری قرار دی گئیں یہ ہیں کیس (بال) کنگھا، کڑا (ہاتھ میں پہننے کا) کچھا (جانگیہ) اور کرپان (تلوار)۔

خالصہ کی تشکیل کے ذریعہ گرو گوبند سنگھ نے سکھوں میں جو وحدت کی روح پھونکی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

تھی اور ان کو مغل حکومت سے ٹکرانے کا جو انقلابی مقصد عطا کیا تھا وہ عملی میدان میں اپنے جوہر دکھلانے کے لئے بے چین تھا۔ چنانچہ اس کے فوراً بعد ہی انہوں نے اپنے سوچے سمجھے منصوبے کے تحت فوجی کارروائیاں شروع کر دیں۔ اپنے لئے ایک مضبوط اساس قائم رکھنے کے نقطۂ نظر سے گرو گوبند سنگھ نے مغل حکومت سے براہ راست ٹکر لینے سے پہلے یہ مناسب سمجھا کہ پہاڑی علاقے کی مختلف ریاستوں میں اپنے اثر کو قائم کیا جائے۔ اس لئے جب ان کی دعوت پر پہاڑی راجاؤں نے مغل حکومت کے خلاف ان کی ماتحتی میں جدوجہد کرنے سے انکار کر دیا۔ تو انہوں نے ان ریاستوں پر دھاوا بول دیا۔ پہاڑی راجاؤں کے ساتھ گرو گوبند سنگھ کی کش مکش مختلف ادوار سے گزرتی ہوئی اس درجہ کو پہنچ گئی کہ ان راجاؤں نے اورنگزیب کے دربار میں گرو صاحب کے خلاف پرزور اپیل کی اور ان کی مغل حکومت کے خلاف باغیانہ کارروائیوں کو واضح کیا، نتیجے میں مغل حکومت کی فوجیں حرکت میں آ گئیں اور ان کی چند ابتدائی ناکامیوں کے بعد اورنگزیب نے براہِ راست حکام سرہند کو گرو صاحب کی تنظیم کو ختم کرنے پر مامور کر دیا۔

حاکم سرہند نے گرو گوبند سنگھ کے خلاف جو فوجی اقدامات کئے ان کا نتیجہ یہ ہوا کہ نہ صرف گرو گوبند سنگھ کی فوجی قوت پارہ پارہ ہو گئی بلکہ ان کے خاندان کے تمام افراد بھی اس تصادم میں کام آ گئے، اور وہ خود بدقت بھیس بدل کر اپنی جان بچا سکے۔ پنجاب میں سکونت کو اپنے لئے خطرناک سمجھتے ہوئے گرو گوبند سنگھ نے اپنی زندگی کے آخری ایام دکن میں گزارے جہاں ۱۷۰۸ء میں ایک خاندانی انتقام کے سلسلے میں وہ دو افغانوں کے ہاتھوں زخمی ہو گئے اور پھر جانبر نہ ہو سکے۔ اپنے انتقال سے پہلے انہوں نے یہ طے کر دیا تھا کہ اب آئندہ کوئی آدمی سکھوں کا گرو نہیں ہوگا بلکہ ان کی مذہبی کتاب گرو گرنتھ صاحب ہی ان کے لئے ہمیشہ ہمیشہ گرو کا کام کرے گی۔

یہ کہا جا سکتا ہے کہ گرو گوبند سنگھ اپنے اس مقصد میں جس کے لئے انہوں نے اپنی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

زندگی وقف کر دی تھی یعنی مغل حکومت سے اپنے والد کی شہادت کا انتقام لینے میں نہ صرف ناکام رہے بلکہ اس راستہ میں انہوں نے اپنا سب کچھ گنوا بھی دیا، لیکن بعد کی تاریخ نے یہ ثابت کر دیا کہ "خالصہ" کی تشکیل کے ذریعہ وہ جس سکھ قومیت کو سانچے میں ڈھال گئے تھے اور اپنی جدوجہد کے ذریعہ اس میں جس ملی جذبہ کو پیدا کر گئے تھے اُس نے مغل حکومت کے دورِ زوال میں اپنا خوب رنگ دکھایا اور بالآخر مہاراجا رنجیت سنگھ (حکمراں ۱۸۳۸ـ۱۷۹۲ء) کی وسیع حکومت کی صورت میں اپنی معراج کو پہنچا۔ دوسری طرف سکھ قومیت کا جو ارتقا دوسرے گرو گرو انگد صاحب کے دور سے شروع ہوا تھا وہ گرو گوبند سنگھ کے عہد میں اپنی تکمیل کو پہنچ گیا اور سکھ مت ایک باقاعدہ اور منفرد مذہبی روایت کی حیثیت سے دنیا کے سامنے آ گیا۔

گرو گوبند سنگھ کے بعد سکھ تاریخ، مغل حکومت کے دن بدن رو بہ زوال اقتدار، اور سکھوں کے اس سیاسی خلا سے فائدہ اٹھاتے ہوئے پنجاب میں اپنی بالادستی قائم کرنے کی کوششوں سے متعلق رہ جاتی ہے، اورنگزیب کے جانشینوں کی نااہلی نے صوبائی حکومتوں میں جس انتشار اور کمزوری کو ترقی دی تھی اس نے ہر طرف لاقانونیت کا ماحول پیدا کرنے میں نمایاں حصہ لیا۔ دوسری طرف اس دوران نادر شاہ اور احمد شاہ ابدالی کے حملوں نے، جس میں ثانی الذکر نے پنجاب پر نو حملے کیے، اس علاقے میں مغل حکومت اور مسلمانوں کے سیاسی اقتدار کے پرزے اُڑا دیئے۔ اس صورت حال میں سکھوں نے جواب مکمل طور پر ایک جنگجو قوم بن چکے تھے اور مغل حکومت سے انتقام کو ایک عقیدہ کے طور پر مانتے تھے۔ پنجاب میں لوٹ مار اور غارتگری کا بازار گرم کر دیا اور بے دست و پا عوام سے اپنی بالادستی منوانے میں کامیاب ہو گئے۔

۱۷۶۸ء کے قریب احمد شاہ ابدالی کی پنجاب کو زیرنگیں رکھنے کی تمام کوششوں کو بار بار کالعدم کرنے کے بعد، سکھ سرداروں نے اپنے مختلف سیاسی حلقے، جو تاریخ میں مسل کے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

نام سے مشہور ہیں، قائم کر لئے اور جمنا سے سندھ تک کے علاقے میں ان مسلوں کی ایک سکھ ریاستہائے متحدہ بنالی۔ پنجاب میں مسلوں کی حکومت کا یہ دور اس وقت تک رہا جب تک کہ انہیں میں سے ایک سکر چکیا مسل کے وارث رنجیت سنگھ نے اپنی توسیع اور پنجاب کی چھوٹی چھوٹی ریاستوں کو ہضم کر کے ایک بڑی حکومت قائم کرنے کے منصوبے پر عمل درآمد نہیں شروع کر دیا۔ اپنی غیر معمولی صلاحیتوں کی بدولت رنجیت سنگھ ایک وسیع علاقے میں جو کشمیر سے لے کر صوبۂ سرحد اور دریائے ستلج سے ملتان تک پھیلا ہوا تھا، اپنی واحد حکومت قائم کرنے میں کامیاب ہو گئے اور مہارانا کے لقب سے مشہور ہوئے۔ ستلج سے مشرق کی سکھ ریاستوں نے انگریز حکومت کے دامن میں پناہ لی اس لئے رنجیت سنگھ کی زد میں آنے سے بچ گئیں۔

مہارانا رنجیت سنگھ کا چالیس سالہ کامیاب دورِ حکومت سکھوں کی سیاسی طاقت کی معراج بھی ثابت ہوا اور اس کی آخری یادگار بھی۔ تاریخ کے بعض تعجب خیز انقلابات کی طرح رنجیت سنگھ کی آنکھ بند ہوتے ہی ان کی حکومت کے کل پُرزے قابو سے باہر ہو گئے اور خانہ جنگیوں اور سازشوں کا وہ سلسلہ شروع ہو گیا جس کے نتیجہ میں سکھوں اور انگریزوں کے درمیان دو جنگوں کے بعد ۱۸۴۹ء میں انگریزوں نے مہارانا رنجیت سنگھ کے تمام علاقے پر قبضہ کر لیا اور اس طرح سکھوں کی سیاسی طاقت کا سورج غروب ہو گیا۔ لیکن سیاسی طاقت سے محروم ہونے کے بعد بھی سکھوں میں بحیثیت ایک قوم کے فوجی مزاج اور قوت و توانائی کے عناصر پہلے ہی کی طرح باقی رہے اور اب انکے لئے برسوں سے فوجی زندگی کا عادی ہونے کے بعد پرامن کسانوں کی طرح زراعت و کاشتکاری میں لگ جانا بہت مشکل تھا۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

حوالہ جات اور حواشی

۱۔ اس موضوع کی تفصیل کے لئے دیکھئے، عمادالحسن آزاد فاروقی، صوفی ازم اینڈ بھگتی نئی دہلی ۱۹۸۴ء باب دوم صفحات ۴۰۔۳۶۔

۲۔ ویشنومت میں اوتار کا تصور اور بھگتی میں اس کی تاریخ کے لئے دیکھئے حوالہ مندرجہ بالا صفحات ۵۵۔۳۸۔

۳۔ دیکھئے ہر بنس سنگھ، گرونانک اینڈ دی اوریجنس آف دی سکھ فیتھ، بمبئی ۱۹۶۹ء صفحات ۸۶۔۸۴۔

۴۔ دیکھئے پراتن جنم ساکھی، امرتسر، ۱۹۴۸ء صفحات ۱۷۔۱۶ بحوالہ مندرجہ بالا صفحہ ۹۵۔

۵۔ گیانی گیان سنگھ تواریخ گروخالصہ، صفحات ۲۲۔۴۴۰ بحوالہ مندرجہ بالا صفحات ۱۶۵۔۱۷۰۔

۶۔ ہربنس سنگھ، حوالہ مذکورہ، صفحات ۹۴۔۱۹۳۔

۷۔ ہمس آف گرونانک لینگویج ڈیپارٹمنٹ، پنجاب پٹیالہ ۱۹۲۷ء صفحہ ۱۔

۸۔ ایضاً صفحات ۲۔۱۔

۹۔ ایضاً صفحات ۳۴۷۔۳۴۶۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

۱۰؎ دیکھئے گوکل چند نارنگ ٹرانسفارمیشن آف دی خالصہ نئی دہلی ۱۹۶۰ء صفحہ ۴۴ فٹ نوٹ۔

۱۱؎ ایضاً صفحہ ۴۵۔

۱۲؎ دیکھیے توزک جہانگیری، مترجم اردو اعجاز الحق قدوسی لاہور، ۱۹۶۸ء (احوال) جشن نوروز اوّل صفحہ ۱۵۳۔

۱۳؎ پنتھ پرکاش، بحوالہ گوکل چند نارنگ صفحہ ۶۲۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

یہودیت

(Judaism)

جدید تحقیق کے مطابق یہودیت کی مذہبی روایت کا سلسلہ تقریباً پونے چار ہزار سال قبل حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بزرگ شخصیت سے جا ملتا ہے۔ علاوہ اپنی قدامت کے جو بذات خود مذاہب کے طالب علم کو مرعوب کرنے کے لئے کافی ہے، یہودی روایت اپنے مذہبی تجربہ کے مخصوص مزاج، اُس کے اجزائے ترکیبی، اپنی طویل تاریخ کے اُتار چڑھاؤ اور دنیا کی مذہبی میراث میں اپنی دین کے لحاظ سے بھی مذاہب عالم کی صف میں ایک اہم مقام کی مستحق ہے اس سے قبل ہم چند ہندوستانی مذاہب کا مطالعہ کر چکے ہیں۔ زرتشتیت بھی جو ایران میں اُبھری، باوجود اپنے پیغمبر کے موحدانہ رجحانات کے، اپنے آریائی ورثہ کی ترجمان ہے۔ یہودیت کے ساتھ ہم مذہبی اعتبار سے ایک نئی دنیا میں قدم رکھتے ہیں جس کو ہم کسی بہتر اصطلاح کی عدم موجودگی میں سامی خاندان کی دنیا سے تعبیر کر سکتے ہیں۔ اس خاندان میں جو آریائی خاندان کے بعد، دنیا کی اکثریت کی مذہبی سربراہی کا ذمہ دار رہا ہے، یہودیت، عیسائیت اور اسلام جیسے تین بڑے مذاہب شامل ہیں۔ ان مذاہب میں قدامت کے لحاظ سے اوّلیت یہودیت کو ہی حاصل ہے اور بلاشبہ بعد میں آنے والے مذاہب عیسائیت اور اسلام نے یہودیت سے اپنے خاندانی تعلق کا پورا اظہار کیا ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

شاید یہ اسی مشترک مذہبی ورثہ کا احساس ہے جو ہمیں حضرت موسیٰ علیہ السلام، حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خدا میں کسی تفریق کا تصور بھی نہیں ہونے دیتا۔ یہاں ہم بغیر کسی گھماؤ پھراؤ کے براہ راست اُس مخصوص مذہبی وروحانی تجربے سے بحث کرنا چاہتے ہیں جو اس خاندان کا طرۂ امتیاز ہے اور جس کے سب سے پہلے اور زمانہ دراز تک تنہا، پاسبان یہودیت کے نام لیوا ہی رہے ہیں۔

یہودی روایت کے مطابق جو اس خاندان میں مشترک طور پر تسلیم کی جاتی ہے، قدیم بابل میں شہر اُر کے ایک باشندے حضرت ابراہیم علیہ السلام (تقریباً ۱۸۰۰ قبل مسیح) کو جو سامی النسل تھے اپنے ذوقِ طلب اور عنایت الٰہی کے طفیل ایک ایسی معرفت حاصل ہوئی جو بنی نوع انسان کی مذہبی زندگی کے لئے کسی انقلاب سے کم نہ تھی۔ انسانی تمدن کے اس درجہ پر جہاں ساری دنیا میں انسان کے جذبۂ عبودیت کا مقصود مظاہر فطرت یا اُن کی تجسیمی علامات تک محدود تھا، حضرت ابراہیم علیہ السلام کی رسائی ایک ایسی ہستی کی معرفت تک ہوگئی جو بلاشرکت غیرے تمام کائنات اور انسان کی خالق، مالک اور حکمراں ہے۔ ایک ایسے معبود کا اِدراک و احساس جو مادی فطرت کا ایک حصہ نہیں ہے بلکہ اُس پر حاکم ہے، جو قبائلی اور مقامی دیوتاؤں کی طرح محدود جماعتوں کا مقصود نہ ہو کر تمام انسانوں کا خالق اور پالنہار ہے اور جو اپنی حکمرانی اور ربوبیت میں یکتا اور یگانہ ہے، ایسا مذہبی تجربہ تھا جس نے حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کی نسلی و روحانی اولاد کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے دوسرے تمام انسانوں سے ممتاز اور الگ کر دیا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے معبود خدا کی یہ تین خصوصیات، جن میں پہلی ''تنزیہہ'' دوسری ''آفاقیت'' اور تیسری 'توحید' کی ترجمان ہے۔ وہ بنیادی عناصر تھے جنہوں نے اُن کے تصور خدا کو پلک جھپکتے اور واضح طور پر نہ صرف اُن کے گردوپیش کی دنیا مغربی ایشیا اور مصر میں بلکہ سارے عالم میں پوجے جانے والے تمام دیوی دیوتاؤں اور پراسرار قوتوں

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

سے ممتاز اور نمایاں کر دیا۔ ان تین خصوصیات کے حامل ایک خدائے واحد کا ادراک اُس کی حضوری اور قربت کا احساس اور اس کی عظمت اور کبریائی کا اپنے انفرادی اور اجتماعی شعور میں انجذاب ہی وہ مذہبی سرمایہ ہے جو یہودیت اور سامی خاندان کے مذاہب کی مرکزی خصوصیت ہے۔ البتہ یہ ضرور کہا جاسکتا ہے کہ سامی خاندان سے متعلق ان تینوں مذہبی روایات یعنی یہودیت، عیسائیت اور اسلام میں اس ایک خدائے واحد اور معبود برحق کو ہر روایت کے زمانہ ابتدا اور اپنے مخصوص مزاج کی مناسبت سے ذرا مختلف ڈھنگ سے متصور کیا گیا ہے۔ مثلاً اگرچہ یہودیوں کی مقدس کتاب عہد نامہ قدیم میں یہ تصور خدا اس مشترکہ سامی تصور الٰہ کے بنیادی عناصر تنزیہہ آفاقیت اور توحید کا حامل ہے لیکن شاید یہودی روایت کی انتہائی قدامت کے لحاظ سے جب کہ ذہن انسانی ابھی وحشت کے دور سے بمشکل قدم آگے بڑھا سکا تھا اور مجرد تصورات کا بہت کم متحمل ہوسکتا تھا، اس خدائے واحد کو زیادہ تر تجسیمی اور تشبیہی انداز میں پیش کیا گیا ہے۔

چنانچہ توریت اور عہد نامہ قدیم کی بعد کی کتابوں میں ایسے بیانات بکثرت ملتے ہیں جو خدا تعالیٰ کا ذکر ایسے تصورات اور الفاظ کے ساتھ کرتے ہیں جن میں انسانی صفات کی جھلک صاف نظر آتی ہے اور جن سے ایسا مترشح ہوتا ہے کہ گویا وہ جسمانی خصوصیات کا حامل ہے۔ مثلاً جب بنی اسرائیل مصر سے نکلے تو:

> ”خدا تعالیٰ اُن کے آگے دن میں بدلی کے ستون میں ہو کر تا کہ ان کو راستہ دکھائے اور رات کو آگ کے ستون میں ہو کر تا کہ ان کو روشنی بہم پہنچائے چلتا تھا، اور اس طرح وہ دن و رات سفر کر سکتے تھے اور وہ ان لوگوں کے آگے سے دن کو بدلی کا ستون اور رات کو آگ کا ستون ہر گز نہ ہٹنے دیتا تھا“۔[1]

(کتاب خروج باب ۱۳: ۲۱، ۲۲)

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

یا مثلاً جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کوہِ سینا پر خدا تعالیٰ سے شریعت موسوی لینے گئے تھے تو:

> ''خدا تعالیٰ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کوہ سینا پر اپنا کلام تمام کر چکا تو انہیں پتھر کی دو تختیاں شہادت کے طور پر دیں جو خدا کی اُنگلی سے لکھی ہوئی تھیں۔''

(کتاب خروج باب ۳۱:۱۸)

یا مثلاً جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے خدا تعالیٰ سے اُس کا جلوہ دیکھنے کی خواہش ظاہر کی تو خدا تعالیٰ نے کہا:

> ''تو میرا چہرہ نہیں دیکھ سکتا کیونکہ کوئی انسان نہیں جو مجھے دیکھے اور زندہ رہے، اور خدا نے کہا دیکھ یہ جگہ میرے پاس ہے اور تو ایک چٹان پر کھڑا ہو جائیو اور یوں ہوگا کہ جب میرے جلال کا گزر ہوگا میں تجھ کو چٹان کے ایک شگاف میں رکھ دوں گا اور جب تک یہاں سے نہ گزروں تجھے اپنے ہاتھ سے ڈھانپے رکھوں گا، اور پھر میں اپنا ہاتھ اٹھا لوں گا اور تو میری پیٹھ دیکھ لے گا لیکن میرا چہرہ نہیں دیکھ پائے گا۔''

(کتاب خروج باب ۳۳:۲۳،۲۰)

یہ اقتباسات توریت سے ماخوذ ہیں اور اس سے بعد کی کتابوں میں اس سے بھی زیادہ تجسیمی اور تشبیہی انداز میں خدا تعالیٰ کا ذکر کیا گیا ہے۔ دوسری طرف پورے عہد نامہ قدیم میں ایسے جذبات اور احساسات اور انسانی رشتوں کا استعارہ خدا کی طرف منسوب کرنا جو انسانوں میں پائے جاتے ہیں، عام انداز بیان ہے۔ مثلاً ایک عام استعارہ خدا کو شوہر اور بنی اسرائیل کو اُس کو بیوی قرار دینے کا ہے (نعوذ باللہ) اور اس سلسلے میں نکاح طلاق بے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

وفائی بدگمانی غیروں سے آشنائی حسد اور غیرت غرض ہر طرح کی باتوں کا بھرپور استعمال کیا گیا ہے۔ اس ضمن میں خدا تعالیٰ کو ایسے مغلوب الغضب شوہر کی صورت میں پیش کیا گیا ہے جس کا غصہ کسی طرح کی اخلاقی یا انسانی ہمدردی کی حدود کا پابند نہیں رہ جاتا۔

ان بیانات سے بنی اسرائیل کے جس تصورِ خدا کی نشاندہی ہوتی ہے اس میں منتقم المزاجی، حسد، غیرت، غضب اور جلال کی صفات سب سے نمایاں نظر آتی ہیں۔ بظاہر بنی اسرائیل کے مذہبی شعور میں خدا تعالیٰ بنیادی طور پر ایک حاکم اور بااقتدار بادشاہ کی صورت میں متصور کیا گیا تھا جس میں رحمت اور شفقت کے عناصر اگرچہ بالکل معدوم نہیں تھے لیکن اُس کے جلال اور کبریائی سے مغلوب ہو کر رہ گئے تھے۔

پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے خدا کی انسان کی دنیوی زندگی سے دلچسپی اور تاریخِ انسانی میں اُس کی مستقل اور فعال موجودگی کا تصور بھی انسان اور خدا کے مابین تعلق کے سلسلہ میں وہ مخصوص نظریہ ہے جو کم وبیش سامی خاندان کے مشترکہ مذہبی ورثہ کا حصہ کہا جا سکتا ہے۔ لیکن اس سلسلہ میں بھی یہودیت کا اپنا ایک مخصوص اور انفرادی رنگ ہے۔

اگر یہ کہا جائے کہ دنیا کی مذہبی روایات میں یہودیت سب سے زیادہ تاریخی شعور کی حامل ہے اور تمام مقدس کتابوں میں یہودیوں کی مذہبی کتاب عہد نامہ قدیم میں (جس کی پہلی پانچ کتابیں توریت کہلاتی ہیں) سب سے زیادہ تاریخی واقعات ملتے ہیں تو شاید غلط نہ ہوگا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور اُن کی اولاد بنی اسرائیل کا خدا ایسا خدا نہیں تھا جو دنیا کو بنا کر مطمئن بیٹھا رہے اور اپنے بندوں اور ماننے والوں کو اُن کی ذاتی نجات عطا کرتا رہے یا اُن کی انفرادی مرادیں پوری کرتا رہے۔ بلکہ وہ ایسا خدا تھا جو انسانوں کی اجتماعی زندگی کو بھی ایک مخصوص رنگ میں دیکھنا چاہتا تھا اور اُن کی من حیث القوم اپنے سے وفاداری یا بدعہدی پر اُن کی اجتماعی اور قومی تاریخ میں اُلٹ پھیر کرتا رہتا تھا۔ بنی اسرائیل کے لئے دنیا کی تاریخ اور اُن کی اپنی قومی تاریخ خدا تعالیٰ کی براہ راست کارفرمائیوں کا مرقع

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہے۔ وہ اپنی اور اپنے گردوپیش کی قوموں کے عروج و زوال اُن کی فتح و شکست اور اُن کی خوشحالی و بدحالی میں براہِ راست خدا کا ہاتھ دیکھنے کے عادی تھے۔ ایسا اس لئے تھا کہ بنی اسرائیل نے خدا کو تاریخ کے ذریعہ ہی پہچانا تھا۔ اُن کے تصورِ کائنات میں اس خدا نے ابتدائے آفرینش سے ہی اپنے آپ کو انسانی تاریخ سے وابستہ کر دیا تھا۔ چنانچہ تاریخ کا ہر واقعہ بنی اسرائیل کے لئے خدا کے فعال با اختیار اور حاضر و ناظر ہونے کی علامت تھا۔ اُن کا خدا تاریخی واقعات کا محرک خدا تھا اور انہوں نے خدا کی جس صفت سے اُس کو پہچانا اور جانا تھا وہ یہی تاریخی واقعات کے محرک اور فاعل کی صفت تھی۔ اس طرح دنیا کی اور خصوصاً بنی اسرائیل کی اپنی تاریخ اُن کے لئے محض دنیوی واقعات کا تسلسل نہیں تھی، بلکہ روحانی اور مذہبی حیثیت کی حامل، خدا کی سب سے ظاہر و نمایاں صفت تاریخی فاعلیت کا آئینہ تھی۔ اسی لئے عہد نامہ قدیم جو بنی اسرائیل کی قومی تاریخ کا مجموعہ ہے، یہودیوں کے لئے ایک مقدس صحیفہ ٹھہرا کیونکہ اپنے تمام واقعات میں وہ خدا کی فاعلیت اور اس طرح خدا کی نشان دہی کرتا ہے۔

دُنیا کی عمومی تاریخ سے بھی زیادہ بنی اسرائیل خدا تعالیٰ کو اپنی قومی تاریخ میں کارفرما دیکھتے تھے۔ اُن کے عقیدہ کے مطابق اگرچہ دنیا کی پیدائش کے وقت سے ہی خدا تعالیٰ انسانی تاریخ کے ایک فعال محرک کا کردار ادا کر رہا تھا لیکن حضرت ابراہیم علیہ السلام پر اپنے انکشاف کے ساتھ اُس نے اپنے آپ کو اُن کے خاندان کے ساتھ ایک عہد کے ذریعہ خصوصی طور پر متعلق کر لیا تھا۔

> ''اور جب ابرام ننانوے برس کا ہوا تو خدا تعالیٰ ابرام کو نظر آیا اور اس سے کہا کہ میں خدائے قادر ہوں تو میرے حضور میں چل اور کامل ہو۔
> اور میں اپنے اور تیرے درمیان عہد کرتا ہوں کہ میں تیری نسل کو بہت بڑھاؤں گا تب ابرام منہ کے بل گر گیا اور خدا اس سے ہم کلام ہو کر

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بولا کہ دیکھ میں جو ہوں تو میرا عہد تیرے ساتھ ہے اور تو بہت سی قوموں کا باپ ہوگا اور تیرا نام اب ابرام نہ کہلایا جائے گا بلکہ تیرا نام ابراہیم ہوگا کیونکہ میں نے تجھے بہت سی قوموں کا باپ بنایا ہے۔ میں تجھے بہت نیک بخت کرتا ہوں اور تجھ سے بہت سی قومیں پیدا ہوں گی اور تیری نسل سے بادشاہ ہوں گے اور میں اپنے اور تیرے درمیان اور تیرے بعد تیری نسل کے درمیان اُن کی پشت در پشت کے لئے اپنا عہد جو ہمیشہ کا عہد ہے کرتا ہوں کہ میں تیرے اور تیرے بعد تیری نسل کا خدا ہوں گا اور میں تجھ کو اور تیرے بعد تیری نسل کو کنعان کا تمام ملک جس میں تو پردیسی ہے ہمیشہ کی ملکیت کے لئے دیتا ہوں اور میں اُن کا خدا ہوں گا۔[ع]"

(کتاب پیدائش باب ۱۷: ۸-۱)

اس سے کچھ آگے چل کر ایک دوسرے ٹکڑے میں جو تقریباً اسی مضمون کا حامل ہے اضافہ ہے کہ:

"تیری نسل اپنے دشمنوں کے دروازہ پر قابض ہوگی اور تیری نسل سے زمین کی ساری قومیں برکت پاویں گی۔[ف]"

(کتاب پیدائش باب ۲۲: ۱۸-۱۵)

پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دور میں جب خدا تعالیٰ نے بنی اسرائیل سے براہ راست اپنا عہد باندھا جس میں اُن کے جد امجد حضرت ابراہیم علیہ السلام سے کیے گئے عہد کی تجدید شامل تھی تو بنی اسرائیل سے اپنے خصوصی تعلق کو نمایاں طور پر واضح کیا۔

"بنی اسرائیل اپنے مصر سے روانہ ہونے کے تیسرے مہینے اُسی دن صحرائے سینا میں آئے کیونکہ وہ رفیدیم سے بیابان سینا میں آئے اور

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

صحرا میں اُتر پڑے اور وہاں بنی اسرائیل نے کوہِ (سینا) کے سامنے اپنے خیمے نصب کیے۔ اور تب موسیٰ علیہ السلام خدا کے پاس (پہاڑ پر) چڑھا، اور خدا نے اُسے پہاڑ سے آواز دے کر کہا کہ تو یعقوب کے خاندان سے یوں کہنا اور بنی اسرائیل سے یوں بیان کرنا کہ تم نے دیکھا میں نے مصریوں سے کیا کیا اور کس طرح تمہیں گویا عقاب کے پروں پر بٹھا کر اپنے پاس لے آیا۔ اب اگر تم فی الحقیقت میرے کہے کو ماننے والے ہو گے اور میرے عہد کی حفاظت کرو گے تو تم سارے انسانوں کے مقابلے میں میرے لئے ایک خزانہ خاص ہو گے، کیونکہ ساری زمین میری ہے اور تم میرے لئے کاہنوں کی ایک مملکت اور ایک مقدس قوم ہو گے یہ وہ کلمات ہیں جو تو بنی اسرائیل سے کہے گا۔" [۱]

(کتاب خروج، باب ۱۹:۶-۱)

یہودیوں کی کتاب مقدس کے اس طرح کے بیانات کی روشنی میں اگر یہودیوں کا یہ عقیدہ بن گیا تھا کہ خدا تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے وقت سے ہی دوسری قوموں کے مقابلے میں اپنے آپ کو اُن کی اولاد بنی اسرائیل سے خصوصی طور پر متعلق کر لیا ہے تو اس میں کچھ تعجب نہیں تھا۔ چنانچہ اسی عقیدہ کے زیر اثر وہ اپنی قومی کامرانیوں میں خدا تعالیٰ کی براہ راست سرپرستی اور اپنی تباہیوں میں خدا کی ناراضگی اور غضب کو دیکھتے تھے۔ درحقیقت یہودیوں کی زمانہ قدیم کی پوری تاریخ جو عہد نامہ قدیم میں مذکور ہے، خدا تعالیٰ اور بنی اسرائیل کے اس باہمی تعلق اور اس کے اُتار چڑھاؤ کی داستان ہے۔

بنی اسرائیل کا یہی نظریہ تھا جو یہودیت کی مخصوص روایت کے ایک اہم ستون یعنی بنی اسرائیل کے خدا کی "برگزیدہ" (بمعنی چنیدہ) قوم ہونے کے عقیدہ کی بنیاد ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اسی نظریہ کی بنیاد پر یہ تصور اُن کے قومی شعور کی مرکزی حقیقت بن گیا کہ دنیا کی تمام قوموں میں بنی اسرائیل ہی خدا کی چہیتی قوم ہیں۔ دوسری قوموں کے درمیان بنی اسرائیل کی حیثیت ایک پروہت یا کاہن کی قرار پائی جو دیوتا اور عام انسانوں میں واسطہ کا کام کرتا ہے اور دوسروں کی بہ نسبت دیوتا سے زیادہ قریب ہوتا ہے۔[ے]

یہ چیز کہ خدائے برحق نے اپنے انکشاف اور انسانوں سے اپنے کو متعارف کرانے کے لئے بنی اسرائیل کے بزرگوں اور اُن کی قوم کو ذریعہ بنایا، یہودیوں کے لئے اُن کی قوم کو دوسرے تمام انسانوں سے ممتاز اور مخصوص کر دیتی ہے۔ پھر اس پر مستزاد یہ کہ خدا تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ادوار میں بنی اسرائیل کی خوشحالی و خیر و برکت کی ضمانت کے لئے عہد و پیمان بھی کئے۔ ان میں دوسرا عہد جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دور میں کیا گیا اگرچہ بنی اسرائیل کی اطاعت و سعادت مندی کے ساتھ مشروط ہے، لیکن اُس میں کوتاہی کی صورت میں پہلا عہد جو حضرت ابراہیم علیہ السلام سے اُن کی اولاد کے سلسلے میں کیا گیا تھا بدستور باقی رہتا ہے۔ یہ عہد بنی اسرائیل کے لئے مصائب کی تاریکیوں اور مایوسیوں میں بھی امید کا چراغ روشن رکھتا ہے۔ فی الواقع بنی اسرائیل کی طویل تاریخ کے تاریک ترین ادوار میں بھی اسی حضرت ابراہیم علیہ السلام سے کئے گئے خدا کے عہد پر ایمان و یقین نے اُن کو مکمل تباہی سے بچایا اور تاریخ کے تھپیڑوں سے اُن کی قومی کشتی کو مکمل غرقابی سے آج تک محفوظ رکھا ہے۔

یہ یقین بنی اسرائیل کے مذہبی تجربہ کا جزو لاینفک تھا کہ وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے کئے گئے عہد کے مطابق خدا کی چنیدہ اور چہیتی قوم ہیں، جو اگرچہ اپنی بداعمالیوں کے سبب خدا کی ناراضگی اور غضب کا شکار اور سخت ترین سزاؤں کی مستحق بھی ہو سکتی ہے لیکن بہرصورت، خدا اور بنی اسرائیل کا تعلق ایک مخصوص تعلق رہے گا جو کبھی بھی خدا کے دوسرے اقوام سے عمومی تعلق کی صورت نہیں اختیار کر سکتا۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اپنی روحانی تاریخ کے اُس لمحہ سے ہی جب انہوں نے خدا کی معرفت حاصل کی اور اُس کو جانا اور پہچانا، بنی اسرائیل نے یہ معرفت بھی حاصل کی کہ یہ خدا اُن کے بزرگوں حضرت ابراہیم علیہ السلام، حضرت اسحاق علیہ السلام، حضرت یعقوب علیہ السلام، اور اُن کی اولاد بنی اسرائیل کا خدا ہے، جس کے ساتھ اُن کی قوم ایک دائمی عہد میں بندھی ہوئی ہے اور یہ امتیاز تمام بنی نوع انسان میں صرف بنی اسرائیل کو ہی حاصل ہے کہ خدا تعالیٰ نے اپنے اس عہد کے لئے اُن کا انتخاب کیا ہے۔ اس خدائے عظیم اور برتر پر یقین اور بنی اسرائیل کے اُس سے مخصوص تعلق کا تصور ایک ہی روحانی تجربہ کے اجزا ہیں اور بنی اسرائیل کے لئے ان میں سے ایک دوسرے سے الگ نہیں کیا جا سکتا۔

لیکن خدا کی ''چنیدہ'' قوم ہونے کا یہ امتیاز، خود بنی اسرائیل کے تصور میں بھی ایک مفت کی نعمت نہیں تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دور میں اُن کے واسطہ سے خدا تعالیٰ نے بنی اسرائیل سے جو دوسرا عہد باندھا اُس کا ایک لازمی جز حضرت موسیٰ پر نازل شدہ شریعت کی پابندی بھی تھی۔ خدا تعالیٰ اور بنی اسرائیل کے درمیان اس دوسرے عہد کی رو سے اس شریعت کی پابندی ہی خدا تعالیٰ سے بنی اسرائیل کی وفاداری کا امتحان قرار پائی، جس میں کوتاہی کی سزا بھی بنی اسرائیل کے مخصوص امتیاز کی مناسبت سے نہایت سخت تھی۔ چنانچہ توریت کی آخر میں اپنی لائی ہوئی شریعت سے انحراف کے جو نتائج حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بیان کئے ہیں وہ اس قدر ہولناک اور لرزا دینے والے ہیں کہ خدا تعالیٰ کی نظر میں بنی اسرائیل علیہ السلام کا امتیاز اور ''چنیدہ'' ہونا محض ایک نسلی افتخار کا نظریہ نہیں رہ جاتا بلکہ اس کے ساتھ ایک بہت گمبھیر ذمہ داری اور سخت امتحان بھی وابستہ ہو جاتا ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی یہ شریعت جوان کے عہد (تیرہویں صدی قبل مسیح) کو دیکھتے ہوئے تفصیلی قانون سازی کا اعلیٰ مرقع ہے، نہایت ہمہ گیر اور جزئیات کے ساتھ زندگی کے تمام پہلوؤں پر حاوی ہے۔ آج کے دور کے لحاظ سے اس کے بہت سے احکام سخت اور

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

پر مشقت معلوم ہوتے ہیں، لیکن اُس دور میں جب دنیا انصاف اور اخلاقیات کے مبادی سے بھی ناواقف تھی، اس شریعت نے بنی اسرائیل کو اخلاقی اور معاشرتی زندگی کے اعلیٰ درجوں پر فائز کرنے کی کوشش کی۔ بنی اسرائیل نے خداتعالیٰ سے اپنے اس دوسرے عہد کی روح کو بخوبی سمجھ لیا تھا چنانچہ آج تک یہودی روایت میں شریعت موسوی کو مرکزی مقام حاصل ہے، اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد سے بنی اسرائیل کے لئے خدا سے تعلق قائم کرنے اور اس کی خوشنودی و رضا حاصل کرنے کا واحد ذریعہ شریعت موسوی کے قوانین کی پابندی ہی رہا ہے۔ اس لحاظ سے یہودیت، شریعت کی حامل ایک ایسی مذہبی روایت ہے جس میں نہایت تفصیلی شرعی احکام کی جزئی پابندی مذہبیت کا واحد مظہر رہی ہے۔

یہودیت کی تاریخ

یہودی مذہب میں تاریخی شعور کی اہمیت اور یہودیوں کی قومی تاریخ کے اُن کے خدا سے تعلق کی داستان ہونے کا جو ذکر ہم نے اوپر کیا ہے اُس کے پیش نظر یہودی مذہب کے تذکرہ میں اُن کی قومی تاریخ کا بیان تقریباً ناگزیر ہو جاتا ہے۔ اس کے علاوہ یہ بھی حقیقت ہے کہ یہودیوں کی طویل تاریخ اتنے اتار چڑھاؤ سے گزری ہے اور اُس کی مناسبت سے یہودیوں کے مذہبی رویہ میں ایسی تبدیلیاں آتی رہی ہیں کہ بغیر اُن کی تاریخ سے واقف ہوئے اُن کے مذہب کا صحیح مطالعہ بہت مشکل ہے۔

عہد نامہ قدیم کی رو سے یہودی تاریخ کی ابتدا خدائے برحق کے ساتھ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے براہ راست تعلق قائم ہونے سے ہوتی ہے۔ اُس خدائے برحق کی منشا کے مطابق حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے بھتیجے حضرت لوط علیہ السلام کے ساتھ حران میں (جہاں اُن کے والد اُرسے جا کر مقیم ہو گئے تھے) اپنے والد کا گھر چھوڑ کر نکلے اور جنوب مغرب کی طرف اس ارض موعود (فلسطین) کا رخ کیا جس کی ملکیت کی اُن کو خدا کی طرف سے بشارت دی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

گئی تھی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور اُن کی قوم "عبر" اُس علاقے کے بیشتر سامی النسل باشندوں کی طرح مویشی (خاص طور پر بھیڑ بکریاں) پالتی تھی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام اگرچہ اپنی زندگی میں کافی گھومے پھرے اور مصر، عرب اور عراق تک کے علاقے اُن کی سیاحت و تبلیغ کی زد میں آئے، لیکن اُن کی معاشی زندگی کی بنیاد بھیڑ بکریوں اور دوسرے مویشیوں کی ملکیت پر ہی قائم تھی۔

درحقیقت عہد نامہ قدیم میں مذکور حضرت ابراہیم علیہ السلام اور اُن کے خاندان کا پورا ماحول مصر کی مہاجرت تک، خالص بدویانہ اور مویشیوں کے گلوں کے ساتھ خانہ بدوشی کا تھا اور یہی اُس دور میں صحرائے شام کے اطراف واکناف میں آباد بیشتر اقوام کا طرزِ معیشت تھا۔ اگر حضرت ابراہیم علیہ السلام اور اُن کے خاندان کے افراد کو اس عمومی بدویت کے ماحول میں کسی چیز نے ممتاز کر رکھا تھا تو وہ اُن کا کوئی تمدنی اختصاص نہیں بلکہ صرف اُن کا مخصوص مذہبی شعور تھا، جس کی تفصیل ہم ابتدا میں بیان کر چکے ہیں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بعد اگرچہ اُن کی اولاد کی ایک شاخ اُن کے ایک بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام سے بھی قائم ہوئی جو کہ مصری باندی حضرت ہاجرہ علیہا السلام کے بطن سے تھے۔ لیکن یہودی روایت میں حضرت ابراہیم علیہ السلام سے خدا کے عہد کے وارث اور اُن کے بعد خاندان کے مذہبی سربراہ ان کی آزاد بیوی حضرت سارہ علیہا السلام سے اُن کے بیٹے حضرت اسحاق علیہ السلام قرار پائے۔ اس کے بعد حضرت اسحاق علیہ السلام کے جانشین اُن کے بیٹے حضرت یعقوب علیہ السلام ہوئے جن کو خدا نے اسرائیل کے لقب سے نوازا جس سے کہ آج تک اُن کی اولاد بنی اسرائیل کہلاتی ہے۔

حضرت یعقوب علیہ السلام کثیر الاولاد تھے اور اپنی عمر کے آخری دور میں، جب اُن کے ایک بیٹے حضرت یوسف علیہ السلام مصر میں باحیثیت شخص ہو گئے تھے، حضرت یعقوب مع اپنے تمام اولاد کے مصر میں جا کر آباد ہو گئے۔ یہاں پر تاریخ کے محققین اور عہد نامہ قدیم کی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

روایت میں کچھ اختلاف ہے محققین تاریخ اگرچہ بنی اسرائیل کے مندرجہ بالا نامور بزرگوں کے وجود کو حقیقی ماننے میں زیادہ تامل نہیں کرتے۔ لیکن اُن کے باہمی رشتوں اور اُن کے روایتی زمانی فصل کو شبہ کی نظر سے دیکھتے ہیں، اور اس بات کو تو وہ بڑے اعتماد سے کہتے ہیں کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے دور میں تمام بنی اسرائیل مصر نہیں گئے تھے بلکہ اُن کا ایک حصہ بدستور فلسطین میں قیام پذیر رہا جس نے ابراہیمی مسلک اور ان متعدد قربان گاہوں کے مذہبی شعار کو قائم رکھا جو کہ بنی اسرائیل کے اجداد نے خدائے برحق کی نذر کے لئے قائم کی تھیں۔ ^۵^

بہرحال بنی اسرائیل کے جو لوگ مصر گئے تھے وہاں وہ ایک عرصہ تک پھلنے پھولنے کے بعد ایسے فرعونوں کے زیرنگیں آئے جنھوں نے بنی اسرائیل کے ساتھ سختیاں شروع کر دیں۔ اُن کے ساتھ انتہائی تعصب کا برتاؤ کیا جانے لگا اور ان سے ایسی بے گار لی جانے لگی جو اُن کے لئے ناقابل برداشت حد تک پہنچ گئی۔ یہی وہ دور تھا (اغلباً مصر کے انیسویں حکمراں خاندان کے دوسرے بادشاہ سیتی اوّل (۱۲۹۰-۱۳۰۲ق۔م) کا زمانہ جس نے اپنے تعمیراتی منصوبوں میں محکوم اقوام سے جبری محنت کا سلسلہ شروع کیا تھا) جب بنی اسرائیل کے سب سے بڑے پیغمبر حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ظہور ہوا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے پہلے بنی اسرائیل مختلف قبائل پر مشتمل ایک ایسی آبادی کا نام تھا جس کا مخصوص نسلی احساس اور ایک مشترک خدا کا تصور اس کے دوسری اقوام میں مکمل طور پر ضم ہونے میں حائل تھا۔ لیکن یہ تائیدالٰہی سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ہی کارنامہ تھا جنھوں نے ان کو ایک تفصیلی شریعت دے کر اور خدا تعالیٰ سے من حیث القوم ایک عہد میں باندھ کر ان میں اتحاد کا ایسا احساس پیدا کر دیا اور یکجہتی کی ایسی بنیاد فراہم کر دی، جس نے ان کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ایک مستقل قوم بنا دیا۔ اپنے اس کارنامے کے ساتھ یہودی روایت کے مطابق حضرت موسیٰ علیہ السلام ہی بنی اسرائیل کو مصر کی غلامی سے نجات دلانے والے اور ارض موعود کی طرف ان کی رہنمائی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کرنے والے تھے۔ تمام نبیوں میں وہی ایسے تھے جن سے خدا تعالیٰ بالمشافہ گفتگو کرتا تھا اور اُن کو اُس نے کوہ طور پر جھاڑی کی آگ میں اپنا جلوہ دکھایا تھا۔ چنانچہ اگر یہودی حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اپنے قومی مذہب کا بانی اور نبیوں میں سب سے باعظمت مانتے ہیں تو کوئی تعجب نہیں۔ توریت کی آخری آیات حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ذکر ان الفاظ میں کرتی ہیں۔

> ''اور آج تک بنی اسرائیل میں موسیٰ علیہ السلام کی مانند کوئی نبی نہیں ہوا جس سے کہ خدا تعالیٰ منہ در منہ سامنے ہوتا تھا۔ (اور وہ منفرد تھا) ان تمام نشانیوں اور معجزات میں جن کو فرعون، اس کے خادموں اور اس کی ساری سرزمین کے سامنے کرنے کے لئے خدا تعالیٰ نے اس کو مصر میں بھیجا تھا، اور اپنے قوی ہاتھ اور ان ہیبتناک کاموں میں بھی جو موسیٰ علیہ السلام نے تمام بنی اسرائیل کے سامنے کر دکھائے۔'' [9]

(کتابِ استثنا باب ۳۴: ۱۲-۱۰)

فرعون مصر سیتی اوّل کے لڑکے ریمسس دوم (۱۲۲۴-۱۲۹۰ ق۔م) کے عہد میں جو بنی اسرائیل مصر سے رہائی پا کر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی سرکردگی میں ارض موعود کی طرف روانہ ہوئے تھے، وہ ایک طویل عرصہ تک صحرائے سینا میں بھٹکتے رہے، جس کی مدت یہودی روایت نے چالیس سال بتائی ہے۔ اس دوران کوہِ سینا پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے واسطے سے اور بنی اسرائیل کے بزرگوں کے سامنے خدا تعالیٰ نے بنی اسرائیل سے اپنا عہد باندھا جس کی رو سے وہ اس کی ''چنیدہ'' قوم ٹھہرے اور ان کے لئے شریعتِ موسوی کی پابندی لازمی قرار پائی، اور اسی دوران وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی غیبت میں گئو سالہ پرستی کے مرتکب ہوئے جس کی سزا میں اس پوری نسل کو جو اس شرک کی مرتکب ہوئی تھی ارضِ موعود تک پہنچنا نصیب نہیں ہوا بلکہ یہ ان کی اولاد تھی جو ارض موعود یعنی کنعان (فلسطین) میں داخل ہوئی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام بھی بنی اسرائیل کو کنعان کی سرحدوں سے آگے نہ لے جا سکے۔ خدائی حکم کے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

مطابق وہ کنعان کی سرحد پر واقع کوہ نبو پر چڑھے جہاں سے انہوں نے کنعان کی سرزمین کا نظارہ کیا اور پھر وہیں انتقال فرما گئے۔ تورات کے بیان کے مطابق خدا ہی نے ان کو دفن کیا اور آج تک کوئی ان کی قبر نہیں جانتا[1]۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد بنی اسرائیل کی رہنمائی یشوع کے حصہ میں آئی جن کو حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنی زندگی ہی میں اپنا جانشین مقرر کر گئے تھے۔ انہیں کی قیادت میں بنی اسرائیل دریائے اردن پار کر کے مشرق کی طرف سے کنعان میں داخل ہوئے اور اس کے وسط میں واقع پہاڑی علاقے کی مقامی آبادیوں کو شکست دے کر ان کی گڑھیوں اور قلعوں پر قابض ہو گئے۔ اس پہاڑی علاقے کو اپنا مرکز بنا کر بنو اسرائیل نے شمال اور جنوب میں کنعانیوں کی چھوٹی چھوٹی شہری ریاستوں کے مقابلے میں اپنے علاقوں کی توسیع شروع کی جس میں ان کو بڑی حد تک کامیابی ہوئی، مگر وسط کے پہاڑی علاقے اور مغرب کی طرف پہاڑی سلسلے اور بحیرۂ روم کے ساحل کے درمیان جو زرخیز میدان تھے ان پر فلسطینی قابض تھے جو یونانی النسل جنگجو قوم تھی ان کے مقابلے میں یہودیوں کو اکثر شکست کا سامنا کرنا پڑا۔

ایک دفعہ کنعان میں داخل ہونے اور اس پر اپنا تسلط جما لینے کے بعد بنی اسرائیل کو مقامی آبادیوں سے کوئی خطرہ نہیں رہا، لیکن اس پورے دور میں جو بنی اسرائیل کے کنعان میں داخلے (تقریباً ۱۲۲۰ق۔م) سے لے کر ان کے یہاں بادشاہت کے قیام (۱۰۲۲ق۔م) تک کی مدت پر محیط ہے اور جو عہد نامہ قدیم میں ''قاضیوں کے دور'' سے تعبیر کیا گیا ہے۔ بنی اسرائیل مستقل اپنی ہمسایہ آبادیوں کے حملوں کا شکار رہے۔ ان ہمسایوں میں خاص طور پر مشرق اور جنوب مشرق کی طرف سے مدیانی، موآبی اور عمونی اور مغرب کی طرف سے فلسطینی اقوام کے حملوں نے بنی اسرائیل کو مستقل برسرِ پیکار رکھا، یہاں تک کہ بالآخر فلسطینی کنعان پر اپنا غلبہ قائم کرنے میں کامیاب ہو گئے۔

یہودیوں کے مذہبی شعور میں جس کی عکاسی عہد نامہ قدیم سے ہوتی ہے، یہ دور

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اس چیز سے عبارت ہے کہ یہودی قوم بار بار خدا سے کئے ہوئے اپنے عہد سے پھر جاتی ہے اوران میں مختلف برائیاں رواج پا جاتی ہیں جس کی پاداش میں خدا تعالیٰ ان پر کسی غیر قوم کو حملہ آور کر دیتا ہے جس سے وہ سخت مصیبت میں پڑ جاتے ہیں۔ ایسے موقع پر بنی اسرائیل توبہ واستغفار کرتے ہیں اور خدا کی رحمت کے طالب ہوتے ہیں۔ خدا تعالیٰ ان کو معاف کر دیتا اور حملہ آوروں کو ان پر سے دفع کر دیتا ہے۔ مگر کچھ عرصہ راہ راست پر رہنے کے بعد یہودی پھر رَوِش بدل دیتے ہیں اور پھر خدا تعالیٰ ان پر کسی حملہ آور کو مسلط کر دیتا ہے۔ اس طرح یہ سلسلہ جاری رہتا ہے۔ تاریخی اعتبار سے بنی اسرائیل کے مختلف قبائل کنعان کے مختلف علاقوں پر قابض ہو گئے تھے اور اپنی جگہ ان میں سے ہر ایک خود مختار تھا۔ لیکن نسلی و مذہبی وحدت کے احساس کی بنا پر جب کبھی کوئی بیرونی قوم حملہ آور ہوتی تھی، جس کا موقع بنی اسرائیل کا انتشار اور ان کی سیاسی وحدت کا فقدان اکثر فراہم کرتا رہتا تھا، تو وہ وقتی طور پر اپنے کسی منتخب سردار کی ماتحتی میں اس حملہ آور کا مقابلہ کرنے کے لئے متحد ہو جاتے تھے اور اس حملہ آور کو دفعہ کرنے کے بعد پھر اپنی اسی قبائلی نوعیت کی مطلق العنانی کی طرف لوٹ جاتے تھے۔ وہ سردار جو وقتی طور پر ایسے ہنگامی حالات میں چنے جاتے تھے بنی اسرائیل کی اصطلاح میں ''قاضی'' کہلاتے تھے اگرچہ مقدمات کا فیصلہ کرنے کے بجائے وہ حالات کے لحاظ سے فوجی یا مدبرانہ نوعیت کے فرائض انجام دیتے تھے۔ بہر حال اس دور کے آخر میں جب بنی اسرائیل پر فلسطینی قوم کا دباؤ بڑھتا جا رہا تھا اُن میں یہ احساس عام ہو گیا تھا کہ بغیر کسی مرکزی سیاسی تنظیم کے وہ حملہ آوروں کی منظم سیاست اور فوجی طاقت کا مقابلہ نہیں کر سکیں گے۔

بالآخر اسی احساس کے نتیجے میں جب ان کے علاقوں پر فلسطینیوں کا قبضہ ہو چکا تھا بنی اسرائیل میں سموایل نبی کی زیر نگرانی ایک بادشاہ ساؤل (۱۰۱۱۔۱۰۳۳ق۔م) کا انتخاب ہوا جس کا ذکر قرآن شریف میں طالوت کے نام سے کیا گیا ہے (سورۃ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بقرہ:۲۴۹۔۲۴۷) طالوت کے بعد بنی اسرائیل کی حکومت ایک مختصر وقفہ کے بعد اس کے داماد حضرت داؤد علیہ السلام کے قبضہ میں آ گئی، جن کے دور حکومت (۱۰۰۳۔۹۷۱ق۔م) میں بنی اسرائیل نے بہت ترقی کی اور ان کی فتوحات کے ذریعہ بنی اسرائیل کی حکومت ان کے تمام پڑوسیوں پر قائم ہوگئی اور اس کا رقبہ بہت وسیع ہوگیا۔

حضرت داؤد علیہ السلام کے بعد ان کے بیٹے حضرت سلیمان علیہ السلام (۹۷۱۔۹۳۱ق۔م) حکمراں ہوئے۔ ان کا زمانہ فتوحات اور مہم جوئی کے لحاظ سے تو زیادہ ہنگامہ خیز نہیں تھا، لیکن ان کے دور حکومت میں انتظام حکومت، بین الاقوامی تجارت، صنعت وحرفت اور تعمیرات کے لحاظ سے جو ترقیاں ہوئیں انہوں نے بنی اسرائیل کی حکومت کو اپنی معراج تک پہنچا دیا۔ دوسری طرف یہ بھی صحیح ہے کہ بنی اسرائیل کی روایات حضرت سلیمان علیہ السلام سے اس چیز کی شاکی نظر آتی ہیں کہ انہوں نے غیر اقوام میں شادیاں کیں اور ان کے تمدنی اثرات کو قبول کیا۔ نیز اپنے دربار کی شان وشوکت اور عالی شان تعمیرات کے لئے، جس میں ممتاز ترین یروشلم کا مرکزی عبادت خانہ (ہیکل سلیمانی) تھا، بنی اسرائیل کے عوام پر ٹیکسوں اور بیگار کا اتنا بوجھ لاد دیا کہ وہ اپنی زندگی سے بے زار ہو گئے[11]۔

اغلباً انہیں وجوہات کی بنا پر حضرت سلیمان علیہ السلام کے بعد بنی اسرائیل کے دس شمالی قبائل نے ان کے خاندان سے بغاوت کر کے اپنی الگ حکومت ''اسرائیل'' کے نام سے قائم کر لی جب کہ جنوب میں حضرت داؤد علیہ السلام اور حضرت سلیمان علیہ السلام کا قبیلہ یہودا اور ایک بہت چھوٹا قبیلہ بن یامین، حضرت داؤد علیہ السلام کے گھرانے کا وفادار رہا۔ اور انہوں نے حضرت سلیمان علیہ السلام کے بیٹے رحبعام کو اپنا بادشاہ بنالیا۔ جنوبی حکومت میں جو اپنی غالب ترین اکثریت کے قبیلہ کی مناسبت سے ''یہوداہ'' پکاری جاتی رہی، آخر وقت تک حضرت داؤد علیہ السلام کے گھرانے کی ہی حکومت قائم رہی، جبکہ شمال میں ''اسرائیل'' کے اندر مختلف حکمران خاندان آتے جاتے رہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بنی اسرائیل کی حکومت کی شمالی اور جنوبی ریاستوں میں تقسیم کے بعد سے تقریباً آٹھویں صدی ق۔م کے وسط تک مغربی ایشیا میں طاقت کا ایسا توازن قائم رہا جس نے کنعان و فلسطین میں کسی بڑی طاقت کی مؤثر مداخلت کو روکے رکھا اور بنی اسرائیل کی دونوں ریاستیں اپنا آزاد وجود قائم رکھ سکیں۔ لیکن ۷۴۵ ق۔م میں اسیرین بادشاہ تِگلت پائی یسر (سوم) نے مغرب کی طرف اپنی حدود کو وسیع کرنا شروع کیا۔ اس کے بعد یکے بعد دیگرے اسیرین تخت کو ایسے حکمراں میسر آتے رہے جنھوں نے بہت جلد ایسریا کو اپنے دور کی سب سے بڑی سلطنت بنا دیا۔ اسیریا کی شہنشاہیت کی طرف اس دوڑ کی لپیٹ میں بنی اسرائیل کی شمالی ریاست بھی آ گئی اور شالمانیسر (پنجم) نے اس کے دارالسلطنت سماریہ کو ۷۲۳ ق۔م میں فتح کر لیا۔ اس کے جانشین سرگون (دوم) نے وہاں کی تمام آبادی کو جبراً اسیریا کے مختلف مقبوضات میں منتشر کر دیا اور ان کی جگہ دوسری قوموں کو بسا دیا۔ یہیں سے بنی اسرائیل کے ''دس گمشدہ قبائل'' کا تصور پیدا ہوا۔

شمالی ریاست ''اسرائیل'' کی اس تباہی کی مذہبی تعبیر عہد نامہ قدیم کی اس کتاب میں موجود ہے جو عموس نبی کے نام سے موسوم ہے۔ عموس نبی نے جو کہ ''اسرائیل'' کی تباہی سے کچھ عرصہ پہلے اس ریاست میں سرگرم تھے اپنی پیشین گوئیوں اور تنبیہوں میں اسرائیل کی اخلاقی بدحالی، سماجی ناانصافی اور مشرکانہ بدعات کا بھی نقشہ کھینچا ہے، اور ان کے نتیجہ میں خدا کے غیظ وغضب اور آنے والی سزا اور تباہی کی بھی نشاندہی کی ہے۔ یہ وہ دور تھا جب کہ بنی اسرائیل کی ریاستیں ایک طویل عرصہ کی منظم حکومت اور بیرونی حملوں کی عدم موجودگی میں کافی خوشحالی اور کامرانی سے دوچار تھیں، اور اس کے نتیجے میں ان کے اعلیٰ طبقہ میں مختلف طرح کی برائیاں، جو اقتدار اور دولت کے ساتھ مخصوص ہیں در آئی تھیں۔ دوسری طرف انہوں نے خدا پرستی سے بھی غفلت اختیار کر کے غیر اسرائیلی دیوتاؤں سے متعلق رسومات اور بدعات بھی اختیار کر لی تھیں۔ انہیں چیزوں کو عموس نبی نے خدا کے خلاف ان

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کے جرائم میں شمار کیا ہے اور خدا تعالیٰ کی آتش غضب کو بھڑکانے کا سبب بتایا ہے۔ ان گناہوں کے نتیجہ میں ''اسرائیل'' کو جو سزا ملنے والی تھی عموس نبی نے اس کی مختلف تصویریں کھینچی ہیں۔ ان میں سے ایک جگہ وہ کہتے ہیں:

> ''میں نے خدا کو قربان گاہ پر کھڑے دیکھا۔ اس نے (کسی فرشتہ سے) کہا، دروازہ کی اوپر کی چوکھٹ کو مار کہ دونوں بازو ہل جائیں اور اس کو ان کے سروں پر توڑ ڈال اور میں ان کے آخری آدمی تک کو تلوار کی زو پر رکھوں گا جو ان میں سے بھاگے گا وہ بھاگ نہ سکے گا اور جو بچ نکلے گا وہ رہائی نہ پائے گا۔ اگر وہ پاتال میں بھی گھس جائیں تو میرا ہاتھ ان کو نکال لائے گا اور اگر آسمان پر بھی چڑھ جائیں تو میں ان کو نیچے کھینچ لاؤں گا۔ اگر وہ (کوہ) کارمل کی چوٹی پر بھی اپنے کو چھپا لیں تو میں ان کو تلاش کر کے باہر نکال لاؤں گا اور اگر وہ میری نظروں سے سمندر کی تہہ میں بھی جا چھپیں تو میں (تہہ میں رہنے والے) افعی کو حکم دوں گا۔ وہ ان کو ڈسے گا اور اگر وہ قیدی بن کے اپنے دشمنوں کے سامنے جائیں گے تو میں تلوار کو حکم دوں گا اور وہ ان کو قتل کرے گی اور میں ان کی طرف نگاہ بد کروں گا اور نیک نظر نہ کروں گا[12]''

(کتاب عموس، باب نہم:۴-۱)

شالمانیسر (پنجم) اور سرگون (دوم) جیسے اسیرین شہنشاہوں کی زبردست فوجوں سے اگر بنی اسرائیل کی جنوبی ریاست ''یہوداہ'' محفوظ رہ گئی تھی تو اس کی وجہ صرف یہ تھی کہ شمالی ریاست پر اسیرین حملے کے زمانے میں یہوداہ کا بادشاہ نہ صرف اسیرین شہنشاہ کا حلیف بن چکا تھا۔ بلکہ ''اسرائیل'' اور شام کے خلاف جو یہوداہ کو زبردستی آسیرین سلطنت

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کی مخالفت میں اپنے ساتھ ملانا چاہتے تھے یہوداہ کے بادشاہ اہاز (۷۱۵-۷۳۱ ق-م) نے اسیرین شہنشاہ کی مدد بھی طلب کی تھی۔ ''اسرائیل'' کی تباہی کے بعد، اسیرین شہنشاہیت جو ایک مدت کے لئے مغربی ایشیا میں سب سے بڑی طاقت بن چکی تھی، یہوداہ کی سیاسی اور تمدنی زندگی پر چھائی رہی اور یہوداہ میں نہ صرف اسیرین طور طریق اور طرز معاشرت کے اثرات ظاہر ہونے لگے بلکہ یہودیوں کی مرکزی عبادت گاہ یروشلم کے معبد تک میں اسیرین دیوی دیوتاؤں کی پوجا ہونے لگی[۳]۔

۶۱۲ ق-م میں بابل کے حکمرانوں نے اپنے آقا اسیریا کے خلاف بغاوت کر کے اس کے دارالسلطنت نینوا پر قبضہ کرلیا اور پھر اسیریا کے نقش قدم پر چلتے ہوئے انہوں نے اس کی ساری سلطنت کو اپنے زیرنگیں کرلیا۔ یہودیوں نے اس دوران چند بار ان زبردست سلطنتوں کے جوئے کو اپنی گردن سے نکال پھینکنے کی کوشش کی لیکن ہر دفعہ اُن کو زبردست نقصان اُٹھا کر اپنے گھٹنے ٹیکنے پڑے۔ اسی طرح کی ایک کوشش کے نتیجے میں ۵۸۸ ق-م میں بابل کے شہنشاہ بنوکدرضر (بخت نصر) نے یہوداہ کو تاخت وتاراج کر ڈالا اور یروشلم کا محاصرہ کرلیا جو تقریباً ڈھائی سال تک چلتا رہا اور جس کے نتیجے میں یروشلم کی آبادی کو ہولناک مصائب سے گزرنا پڑا۔ اس کی تفصیل عہدنامہ قدیم کی کتاب یرمیاہ کا نوحہ میں پڑھی جاسکتی ہے۔ ۵۸۶ ق-م میں یروشلم پر بنوکدرضر کی فوجوں کا قبضہ ہوگیا اور شہر کی فصیل، تمام عمارات اور مرکزی معبد کو ڈھا کر زمین کے برابر کردیا گیا۔ اس ریاست کے اعلیٰ طبقہ کا کچھ حصہ تو اس سے قبل کے ایک حملے کے نتیجے میں پہلے ہی بابل میں اسیر تھا، اب یروشلم کی تمام اشرافیہ کاری گروں اور کسی لحاظ سے بھی قابل قدر آبادی کو قیدی بنا کر بابل لے جایا گیا اور یہوداہ کو ایک بابلی صوبہ بنا کر اُس پر ایک حاکم مقرر کردیا گیا۔ اس طرح یہودیوں کی جنوبی ریاست یہوداہ اور حضرت داؤد علیہ السلام کے خاندان کی حکومت کا خاتمہ ہوگیا۔

بابل کے شہنشاہ کے ہاتھوں یروشلم کی تباہی اور یہودیوں کی تمام قابل لحاظ آبادی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

(سوائے مزارعین) کا گرفتار ہو کر بابل چلا جانا کئی لحاظ سے یہودی تاریخ کا ایک اہم موڑ ثابت ہوا۔ اس کے بعد سے یہودی تاریخ میں ''مہاجرت'' کا دور شروع ہوتا ہے جس میں یہودی فلسطین میں مرکوز نہ رہ کر دنیا کے مختلف ممالک میں پھیلنا شروع ہو گئے۔ چنانچہ یروشلم کی تباہی کے کچھ عرصہ بعد بچے کھچے لوگوں کی ایک بڑی تعداد مصر ہجرت کر گئی اور وہاں ایک بڑی یہودی بستی بسائی۔ اس واقعہ کا یہ پہلو بھی ہے کہ اس کے بعد سے جدید دور تک یہودی ہمیشہ دوسری قوموں کے ماتحت محکومی اور زیردستی کی زندگی گزارنے پر مجبور ہوئے اور بیسویں صدی عیسوی کے وسط تک ایک مختصر وقفہ کے علاوہ جب دوسری صدی قبل مسیح میں مکابی خاندان نے کسی حد تک آزاد حکومت قائم کرنے کی کوشش کی تھی، ان کی کبھی کوئی خودمختار حکومت نہیں قائم ہو سکی۔ ان کے لئے اپنی آزاد ریاست کا تصور اور حضرت داؤد علیہ السلام اور حضرت سلیمان علیہ السلام کی سلطنت کی تاریخ، ماضی کی سنہری یادوں کے طور پر باقی رہ گئی۔

لیکن دوسری طرف اپنے بابل کے قیام کے دوران یہودیوں نے بابلی تمدن سے بہت کچھ استفادہ بھی کیا۔ اُن کے قومی تشخص میں گہرائی پیدا ہوئی اور اپنی روایت کو معدوم ہونے سے بچانے کے لئے اُس کو محفوظ کرنے کی فکر ہوئی۔ چنانچہ ۵۳۹ ق۔م میں جب ایران کی پہلی سلطنت کے بانی کورش اعظم نے بابلی سلطنت کو فتح کر لیا اور یہودیوں کو یروشلم واپس جانے کی اجازت دے دی اور پھر کچھ عرصہ بعد دارا اوّل نے اُن کو وہ ہیکل سلیمانی کی دوبارہ تعمیر کا پروانہ بھی دے دیا تو یہودیوں کے ایک مذہبی رہنما عزرا (قرآنی عزیر) نے توریت کا متن مرتب شدہ شکل میں، مجمع میں پڑھ کر سنایا اور اس طرح یہودیوں کے مذہبی ادب کا مقدس ترین حصہ محفوظ کر لیا گیا۔ قومی تشخص کے شدید احساس کے تحت عزرا نے یہ مہم بھی زور و شور سے چلائی کہ یہودیوں نے یروشلم کی تباہی اور بابل کی اسیری کے دوران جن غیر یہودی عورتوں سے شادیاں کر لیں تھیں، اُن سے اور اُن سے پیدا ہوئی اولادوں سے علاحدگی اختیار کر لیں۔ یہ تجویز بالآخر بروئے کار آ کر رہی۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کورش اعظم اور اُس کے جانشینوں نے ہنخامنشی خاندان کے نام سے جو وسیع سلطنت قائم کی تھی وہ وسطِ ایشیا سے لے کر شمالی افریقہ اور یونان کی سرحدوں تک پھیلی ہوئی تھی۔ بابلی سلطنت کے مقبوضات جس میں یہوداہ اور فلسطین بھی شامل تھے اب اس عظیم الشان ایرانی سلطنت کا ایک حصہ تھے اور اُن پر ایرانی گورنر حکومت کرتے تھے۔ اس کے باوجود ہنخامنشیوں نے اپنی مخصوص مذہبی رواداری سے کام لیتے ہوئے یہودیوں کو اُن کے مذہبی معاملات میں آزاد چھوڑ دیا تھا۔ البتہ ان کی سیاسی حیثیت اب بالکل ختم ہو چکی تھی۔ عہد نامہ قدیم کی ایک کتاب اشتر دارا کے لڑکے خشیارش (زرکسیز ۴۶۵-۴۸۶ ق-م) کے عہد کا ایک افسانہ سناتی ہے، جس سے ایرانی سلطنت میں یہودیوں کی کیفیت کے بارے میں کئی اندازے لگائے جا سکتے ہیں۔ اس کتاب سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ہنخامنشی سلطنت میں بعض اوقات یہودی النسل لوگ اعلیٰ عہدوں پر بھی فائز ہو جاتے تھے۔ وقتاً فوقتاً اپنے مذہبی کٹر پن کی وجہ سے یہودی لوگ بعض حکمرانوں کے تعصب کا شکار بھی ہوتے تھے اور یہ کہ وہ فلسطین کے علاوہ ایرانی سلطنت کے مختلف شہروں میں بھی آباد ہو چکے تھے۔

ایرانی حکومت کے تحت یہودی قوم کا یہ دور جس میں بعض مختصر ادوار کو چھوڑ کر یہودی قوم باطمینان اپنی گزر بسر کر سکی، ۳۳۳ ق-م میں ایرانی حکومت پر سکندر یونانی کی فتح کے ساتھ ختم ہو گیا، جس کے بعد سے یہودیوں کے لئے ایرانیوں کے بجائے یونانیوں کی ماتحتی کا دور شروع ہوتا ہے۔ ایرانی حکومت کے دور میں جہاں یہودیوں نے ایرانیوں کے دوسرے اثرات قبول کئے وہاں بعض دانشوروں کے خیال میں، یہودیت کے بعض مذہبی تصورات بھی ایران کے قومی مذہب زرتشتیت سے متاثر ہوئے۔ مثال کے طور پر، بابل کی اسیری کے دور سے قبل یہودی مذہب میں آخرت اور اس کے بعد کی زندگی سے متعلق کوئی واضح تصور نہیں ملتا، جب کہ اس کے بعد کی مرتب مذہبی تحریروں میں مسیح کی آمد، اُن کی شیطانی قوتوں پر فتح، قیامت، یوم حساب، جزا و سزا کے تصورات پائے جاتے ہیں۔ چونکہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

زرتشتیت میں آخرت کی زندگی سے متعلق یہ اور دوسرے تصورات نہایت واضح طور پر ابتدا ہی سے موجود تھے۔ اس لئے یہ گمان کیا گیا ہے کہ اس سلسلہ میں یہودیت نے زرتشتیت سے استفادہ کیا ہوگا۔ اسی دور میں یہودیوں نے آرامی زبان کو جو ایرانی سلطنت کے مغربی حصہ میں عام تھی اور آرامی رسم الخط کو بھی اختیار کر لیا جس سے کہ موجودہ عبرانی خط ماخوذ ہے۔ اس وقت عبرانی زبان محض مذہبی امور کے لئے مخصوص ہو کر رہ گئی تھی۔

سکندر یونانی کے بعد اُس کی وسیع و عریض سلطنت اُس کے سرداروں میں تقسیم ہو گئی جو تاریخ میں ڈیاڈوچی یا ملوک الطّوائف کے نام سے مشہور ہیں اور اس کے ساتھ ہی اُن میں خانہ جنگی کا بھی سلسلہ شروع ہو گیا جس کی وجہ سے متعین سرحدوں کے قیام سے پہلے فلسطین کبھی ایک اور کبھی دوسری یونانی ریاست کے ماتحت رہا۔ مستقل یونانی حکومتوں میں سے فلسطین پہلے مصر کے بطلیموسی خاندان کے، اور پھر مغربی ایشیا کے سیلوکسی حکمرانوں کے تحت، یونانی تہذیب وتمدن کا نمونہ بن گیا۔ سیلوکسی خاندان کے آخر ادوار میں ایسے بادشاہ ہوئے جنہوں نے شدید قومی اور مذہبی تعصب کا مظاہرہ کیا اور یہودیوں کے مذہب کو جڑ سے اُکھاڑ ڈالنے کی سعی کی جس کے نتیجہ میں یہودیوں میں بغاوت کی ایک تحریک شروع ہوئی اور یونانی حکومت کی کمزوری کے باعث اس تحریک کے رہنماؤں نے بڑی حد تک اپنی ایک خودمختار حکومت قائم کر لی۔ یہودیوں کی یہ حکومت جو اس تحریک کے ایک رہنما یہود مکابی کے نام سے موسوم ہے۔ ۱۶۰ ق۔م سے لے کر تقریباً ایک صدی تک قائم رہی جس کے بعد فلسطین اور وہاں کی یہودی آبادی رومیوں کے زیر حکومت آ گئی۔

اگرچہ اسیرین شہنشاہوں کے ہاتھوں فلسطین کی پے در پے تباہی کے بعد سے مغربی ایشیا کے مختلف علاقوں میں یہودیوں کے سکونت پذیر ہونے کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا۔ لیکن ان میں یہودیوں کے چند مراکز ایسے بھی تھے جو یہودیوں کی بڑی آبادی اور اُن کی روایت میں اپنی دین کے لحاظ سے خصوصی اہمیت کے حامل بن گئے۔ ان میں خود بابل میں

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

رہائی کے بعد جو لوگ فلسطین واپس نہیں گئے، اُن کی آبادی، اور یروشلم کی تباہی کے بعد ایک جماعت کے مصر ہجرت کر کے اسوان کے قریب ایک یہودی بستی قائم کرنے والے قابل ذکر ہیں۔ موخرالذکر کے آثار اسی صدی میں دریافت ہوئے ہیں۔ جن سے اندازہ ہوا کہ اُنہوں نے بنیادی یہودی روایت سے اپنا رشتہ استوار رکھنے کے ساتھ ساتھ بہت کچھ مقامی حالات اور ماحول سے سمجھوتہ بھی کر لیا تھا۔ اسی طرح کی یہودی آبادی فلسطین پر بطلیموس قبضہ کے دوران اسکندریہ میں قائم ہو گئی تھی، جو مصر کے یونانی حکمرانوں کے روادارانہ برتاؤ کی وجہ سے بہت جلد کافی ترقی کر گئی۔ اسی یہودی بستی میں دوسری صدی قبل مسیح میں عہد نامہ قدیم کا یونانی ترجمہ ہوا، جو موجودہ عہد نامہ قدیم کے نسخوں میں اپنی الگ حیثیت رکھتا ہے اور جس کو ابتدائی عیسائی کلیسا نے اپنے مقدس صحیفہ کے طور سے استعمال کیا، (عیسائی عہد نامہ جدید کے علاوہ، عہد نامہ قدیم کو بھی اپنی مقدس کتابیں مانتے ہیں اور بائبل کا لفظ دونوں کے مجموعہ کے لئے استعمال ہوتا ہے۔)

پہلی صدی قبل مسیح کے وسط میں جب روم نے سیلوکسی حکومت پر اپنی آخری ضرب لگانے کی تیاریاں کر لی تھیں، تو ساتھ ہی فلسطین میں مکابی خاندان کی کمزور اور زوال آمادہ حکومت کو ہڑپ کر لینے میں اُن کو کوئی دشواری نہیں ہوئی، چنانچہ ۶۳ ق۔م میں رومی جنرل پومپی آئی نے فلسطین پر براہِ راست حملہ کر کے اُس کو رومی حکومت کا ایک حصہ بنا لیا۔ اگرچہ یہودیوں کے مخصوص قومی تشخص کا خیال رکھتے ہوئے اُن کے مذہبی اور اندرونی معاملات رومی حکومت کی طرف سے مقرر کردہ ایک یہودی سربراہ کے ماتحت کر دیئے گئے۔ اس طرح رومی عہد میں فلسطین میں بیک وقت دو قسم کے حاکم ہوتے تھے ایک رومی حاکم جو حکومت کے مفادات اور انتظامات کو دیکھتا تھا۔ دوسرے یہودی سربراہ جو مرکزی معبد کے لئے ٹیکس وصول کرتا تھا اور مذہبی اُمور کا ذمہ دار تھا۔ یہی صورتِ حال رائج تھی جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش ہوئی اور اپنی مختصر تبلیغی زندگی کے بعد اُن کو رومی نگران پوائنٹس پائیلٹ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اور یہودی سربراہ ہیروڈ اینٹی پاس کے عہد میں ملزم قرار دیا گیا اور (عیسائی عقیدہ کے مطابق) مصلوب کیا گیا۔

رومی سلطنت اپنے وقت کی عظیم ترین حکومت تھی۔ اس کی سیاسی طاقت کے ساتھ ساتھ رومی تہذیب وتمدن بھی اُس وقت کا رائج سکہ تھا جس کے مقابلے میں رومی کسی دوسری قوم کی روایات اور مخصوص تمدن کو خاطر میں نہیں لا سکتے تھے۔ چنانچہ بہت جلد اُنہوں نے فلسطین میں مظالم شروع کر دیئے اور ایسے قواعد نافذ کئے جو یہودیوں کی شریعت اور طرز معاشرت کے سرتاسر خلاف تھے۔ یہودی جو ہمیشہ اپنی خودمختاری کے خواب دیکھا کرتے تھے، اس صورتِ حال سے مزید اضطراب میں مبتلا ہو گئے۔ ان نئی رسومات میں یہودیوں کے لئے سب سے زیادہ تکلیف دہ رومی شہنشاہ کی پرستش کا مسلک رہا ہوگا، جس کو سرکاری حکم سے تمام رومی مملکت میں نافذ کیا جاتا تھا، اور جو یہودیوں کے مذہبی عقیدہ سے براہ راست ٹکراتا تھا۔

رومی حکومت کی زیادتیوں اور یہودیوں کے مذہب اور معاشرت میں اس دخل اندازی کے خلاف یہودیوں کے پُرجوش طبقے نے ۶۶ عیسوی میں ایک تحریک آزادی شروع کی جس کا مقصد رومی حکومت کے جوئے کو اپنے کندھے سے اتار کر اپنی ایک خودمختار حکومت قائم کرنا تھا۔ چند سال تک اس تحریک نے فلسطین میں ہنگامہ برپا رکھا، اُس کے بعد روم جیسی طاقتور حکومت کے سامنے غیر منظم عوام کا جو حشر ہونا چاہیے تھا وہی ہوا۔ ۷۰ عیسوی میں رومی فوج نے یروشلم پر قبضہ کر کے قتل وغارت گری کی ایک بھیانک مثال قائم کر دی۔ خود مرکزی معبد ہیکل سلیمانی کا سامان لوٹ لیا گیا اور اس کی عمارت کو جلا کر خاکستر کر دیا گیا۔ اس کے بعد یہودی کچھ عرصہ بہت دبے رہے لیکن شہنشاہ ہیڈریان (۱۳۸۔۱۱۷) کے عہد میں جو کہ روم کے مشرکانہ مذہب کا زبردست حمایتی تھا اور اُس کو تمام مملکت میں بجبر نافذ کرنا چاہتا تھا، بعض احکامات سے تنگ آ کر، جس میں ختنہ کی ممانعت اور ہیکل سلیمانی کے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

مقام پر رومی دیوتا جیوپیٹر کے مندر کی تعمیر شامل تھی، یہودیوں نے رومی حکومت سے آزاد ہونے کی ایک اور کوشش کرنی چاہی، جس میں کچھ عرصہ کے لئے ان کو کامیابی کی امید بھی بندھ گئی تھی یہودیوں کی اس آخری آزادی (۱۳۵۔۱۳۲ء) کا سردار سائمن بن کسیبا نامی ایک شخص تھا، جس نے ایک مختصر مدت کے لئے یروشلم پر بھی تسلط حاصل کر لیا تھا۔ لیکن تقریباً ساڑھے تین سال کے بعد رومی شہنشاہ نے ایک زبردست فوج بھیجی جس نے اس تحریک کو مکمل طور سے کچل دیا اور اس کے حامیوں کو غاروں اور وادیوں میں ڈھونڈھ ڈھونڈھ کر قتل کیا۔

یروشلم کو جہاں سے تمام یہودیوں کو نکال کر دوسرے لوگ بسا دیئے گئے تھے، ایک رومی طرز کا شہر بنا دیا گیا، صیہون پہاڑی پر جہاں ہیکل سلیمانی واقع تھا رومی دیوتاؤں کے مندر تعمیر کر دیئے گئے، اور کسی بھی یہودی کے لئے یروشلم کے قریب بھی پھٹکنے پر فوری قتل کی سزا تجویز کی گئی۔ اس طور پر یہودی قومیت کا آخری نشان بھی اٹھارہ صدیوں تک کے لئے مٹ گیا۔

عہد مہاجرت میں یہودیوں کا مذہبی ارتقا

۷۰ء میں رومیوں کے خلاف یہودیوں کی پہلی بغاوت اور اس کے نتیجہ میں ہیکل سلیمانی کی تباہی کے بعد سے ہی فلسطین کے ایک ساحلی شہر جامنیا میں ربی (عالم) یوحنا بن ذکائی اور دوسرے علما کی زیر نگرانی، مذہبی تدریس و تعلیم کا ایک مرکز قائم کر دیا گیا تھا۔ اس کا مقصد یہ تھا کہ مرکزی معبد ہیکل سلیمانی کی عدم موجودگی اور وہاں کے باضابطہ مُہنتوں کا نظام درہم برہم ہو جانے کے بعد بھی یہودیوں کی مذہبی رہنمائی کا کوئی سلسلہ قائم رہ سکے۔ یہاں پر یہودی عالموں کے درمیان یہودیت کی ایک ایسی تشریح عمل میں آنے لگی جس نے یہودی مذہبیت کو مرکزی معبد اور اُس سے متعلق رسومات سے مستغنی کر دیا۔ ہیکل سلیمانی کی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

موجودگی تک یہودیوں کے مذہبی شعائر اور عبادت بنیادی طور پر ہیکل سے ہی متعلق تھیں۔

ہیکل کی اجتماعی عبادت میں شرکت تہواروں یا دوسرے موقعوں پر اس کی زیارت اور وہاں قربانی کی رسم کی ادائیگی قدیم یہودی مذہب کے مرکزی فرائض تھے لیکن اب ہیکل سلیمانی کی تباہی کے بعد ربیوں نے یہودیت کی جو تشریح کی اُس کے مطابق قدیم رسومات کی جگہ مقدس صحیفوں کی تلاوت، اجتماعی اور انفرادی دعاؤں پر زور اور شریعت کے مطابق نیک اعمال نے مذہب میں مرکزی مقام حاصل کر لیا۔ اس طرح یروشلم کا معبد خاکستر ہو جانے کے بعد بھی یہودی روایت کا مذہبی سلسلہ ٹوٹنے نہیں پایا گو اس کی ظاہری صورت قدیم یہودیت سے کافی مختلف ہو گئی۔

اگرچہ ۱۳۵ء میں یہودیوں کی دوسری بغاوت کو مکمل طور پر کچل دیا گیا تھا اور رومی شہنشاہ ہیڈریان (۱۳۸۔۱۱۷ء) کے حکم سے یہودیوں کی اجتماعی اور سیاسی زندگی کو نیست و نابود کرنے کے تمام انتظامات کر دیئے گئے تھے۔ لیکن اس کی وفات کے کچھ عرصہ بعد رومی حکومت نے یہودیوں کے سلسلے میں بعض رعایتیں گوارا کر لیں۔ اُن کو خاص فلسطین میں اُشا کے مقام پر ایک دینی مدرسہ قائم کرنے کی اور اپنے مذہبی معاملات کی سربراہی کے لئے ربیوں کی ایک کمیٹی تشکیل کرنے کی اجازت مل گئی اس کمیٹی کے صدر کو جو بطریق کہلاتا تھا رومی حکومت نے بھی تسلیم کر لیا اور اس طرح اُس کو ایک قانونی حیثیت حاصل ہو گئی۔

تیسرے بطریق یہود دی پرنس (۲۲۰۔۱۷۵ء) نے یہودیوں کے مذہبی معاملات کو منظم کرنے کی خصوصی کوشش کی، اور اس سلسلے میں یروشلم کی تباہی کے بعد سے بدلے ہوئے حالات میں یہودی شریعت کی جو نئی تشریح اور اجتہادات ہو رہے تھے اُن کو اُس نے ایک فقہی مجموعہ میں مرتب کرایا، جو مشنا کے نام سے موسوم ہے۔ اس نوع سے ان اجتہادات کے ایک منضبط شکل میں آ جانے سے جس کو بطریق کی سیاسی و مذہبی حیثیت کے پیش نظر تمام یہودیوں کے لئے استناد کا درجہ حاصل کرنے میں کوئی دقت نہیں ہوئی۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

یہودیوں کے منتشر قوم کو بدلے ہوئے حالات میں اپنی وحدت اور اجتماعیت باقی رکھنے کے لئے ایک مستقل سہارا مل گیا۔ لیکن دوسری طرف ان اجتہادات اور تفسیرات کے مشنا کی صورت میں دائرۂ تحریر میں آجانے اور مستند قرار دے دیئے جانے کے بعد سے ان میں مزید نشوونما اور اضافہ کا سلسلہ رُک گیا۔ وقت گزرنے کے ساتھ اور حالات میں مزید تبدیلی کی مناسبت سے اب اس مشنا کے متن کو بنیاد بنا کر نئے فقہی مسائل کا استخراج اور فتاویٰ کا سلسلہ شروع ہوا جو بعد میں مرتب کیا گیا اور تلمود کے نام سے موسوم ہوا۔

مشنا کی تشریح اور اپنے مذہبی وفکری رجحانات کے لحاظ سے یہودیوں کے دو بڑے مرکز، یعنی بابل کی (دورِ اسیری سے قائم) یہودی بستی اور فلسطینی مرکز میں اہم اختلافات تھے۔ فلسطینی ربی اپنی تشریحات اور فتاویٰ میں قدیمی روایت کے پیرو تھے اور فلسطین ہی میں مقیم رہنے کی وجہ سے اُن کے نئے مسائل سے اتنا زیادہ سابقہ بھی نہیں پڑ رہا تھا جتنا دوسرے علاقے میں رہنے والوں کو اس کے مقابلے میں بابل میں رہنے والے یہودی جو مختلف ایرانی سلطنتوں کے ماتحت زندگی گزارتے رہے تھے اور جن کو دوسرے مذاہب کے ماننے والی اکثریت کے ساتھ مختلف النوع پیشے اختیار کر کے گزر بسر کرنا تھی، واضح طور پر ایسے رجحانات رکھتے تھے جن کے ذریعہ وہ یہودیت کے وفادار رہتے ہوئے اجنبی ماحول اور غیر قوموں کے ساتھ ہم آہنگی کی زندگی گزار سکیں۔ اس طرح ماحول اور حالات کے اختلاف کی وجہ سے فلسطین اور بابل میں دو الگ الگ تلمودی روایات نشوونما پا رہی تھیں۔

چوتھی صدی عیسوی میں جب عیسائیت رومی حکومت کا سرکاری مذہب قرار پا گئی تو عیسائیوں کے اس عقیدہ کی وجہ سے کہ یہودی ہی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے صلیب پر چڑھائے جانے کے ذمہ دار تھے، رومی حکومت اور عیسائیوں کے ہاتھوں فلسطین کے یہودیوں کو متعصّبانہ اور سخت رویہ کا شکار ہونا پڑ گیا۔ دوسری طرف بابل اور ایران کے دوسرے شہروں

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

میں رہنے والے یہودیوں نے شروع سے ہی ساسانی حکمرانوں سے بہترین تعلقات رکھے تھے اور اُن کو ایرانی سلطنت میں خوشحالی اور مذہبی آزادی کے ساتھ باعزت زندگی حاصل تھی۔ ان حالات کا نتیجہ یہ تھا کہ اگر ایک طرف فلسطینی مکتب فکر تعصب اور سخت گیری کی فضا میں گھٹ کر نیم مردہ ہوتا جا رہا تھا تو دوسری طرف بابلی مرکز توانائی اور زندگی سے بھرپور اپنے حلقۂ اثر کو بڑھاتا چلا جا رہا تھا۔

۴۲۵ء میں جب رومی حکومت نے سرکاری حکم کے ذریعہ فلسطینی بطریقیت کو ختم کر دیا تو بابلی روایت بلاشرکت غیرے یہودیوں کی مذہبی سربراہی کی ذمہ دار رہ گئی۔ اس کے ساتھ ساتھ چونکہ بابلی روایت اجنبی ممالک میں بسنے والے یہودیوں کے زیادہ حسب حال تھی اس لئے رفتہ رفتہ تمام یہودی بستیوں میں جو ایران کے علاوہ رومی حکومت تمام علاقوں میں پھیلی ہوئی تھیں۔ بابلی تلمود کو ہی مستند یہودی روایت کا ترجمان تسلیم کر لیا گیا۔ چنانچہ پورے عہدِ وسطیٰ میں بابلی تلمود پر منحصر یہودیت ہی تمام یہودیوں کا شعار رہی اور فلسطینی روایت محض چند مخصوص محققین کے مطالعہ کا موضوع بن کر رہ گئی۔

یروشلم کے مرکزی معبد اور یہودی حکومت کی تباہی کے بعد سے یہودی شریعت کا ایک بڑا حصہ جو ہیکل کی رسومات اور حکومت سے منسلک تھا غیر متعلق ہو گیا تھا، اس کے علاوہ ربیوں نے یہودیت کی جو تشریح کی اُس میں شریعت اور مذہب کے اخلاقی اور روحانی پہلو پر زیادہ زور دیا، اس طرح یہودیت میں اب زیادہ معنویت اور آفاقیت پیدا کرنے کی کوشش کی گئی۔ اگرچہ اس کے ساتھ ساتھ یہودی روایت کے بنیادی عناصر، یہودیوں کے چنیدہ قوم ہونے کا عقیدہ سبت سے متعلق قوانین، ماضی سے منسلک رکھنے والے تہوار اور ان سے متعلق رسومات بدستور باقی رکھی گئیں۔

ہیکل سلیمانی کی عدم موجودگی میں اب اجتماعی عبادت کے لئے کنائس (واحد کنیسہ) کا استعمال شروع کر دیا گیا تھا جہاں دیندار عوام کے سامنے مقدس صحیفوں کی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

تلاوت، مرکزی عبادت کا درجہ رکھتی تھی۔ ربیوں نے، خاص طور پر بابلی روایت سے متعلق علما نے یہودیوں کی تمام بستیوں میں مکاتیب اور مدارس کا جال بچھا دیا تھا۔ ان مدارس کے ذریعہ اور تبلیغ و تعلیم کے دوسرے طریقے استعمال کر کے یہودی علما نے ربیائی یہودیت کی جڑیں بہت مستحکم کر دیں۔ یہودیوں کی دوسری بغاوت کی ناکامی کے بعد سے ہی ربیوں نے بطور مستحکم پالیسی کے سیاست کو خیر آباد کہہ دیا تھا۔ بہت جلد انہوں نے رائج الوقت حکومت کی وفاداری اور ملک کے غیر مذہبی قوانین کی پابندی کو ایک مذہبی فریضہ کا درجہ دے دیا، اور پورے عہد وسطیٰ میں دورِ جدید کی شروعات تک، تمام ملکوں کے یہودیوں نے اس پر بہت سختی سے عمل درآمد جاری رکھا اگرچہ اپنی ذاتی اور جماعتی زندگی میں وہ یہودی شریعت کی پیروی کرتے رہے۔

تاریخی انقلابات اور جغرافیائی حالات نے عہد وسطیٰ کے یہودیوں کو دو بڑے گروہوں میں تقسیم کر دیا تھا۔ ایک گروہ تو وہ تھا جو رومی عہد میں جنوبی یورپ کے راستے جرمن اور فرانسیسی علاقوں تک پہنچ گیا تھا اور اپنا رشتہ اٹلی اور فلسطین کی پرانی یہودی بستیوں سے جوڑتا تھا۔ یورپی یہودیوں کی یہ جماعت جو اشکنازی کہلاتی تھی، اپنے لکھنے پڑھنے اور علوم میں عبرانی کے استعمال کی سختی سے پابند تھی اور اپنے گردوپیش کے ماحول میں بیگانہ وار اجنبیت کی زندگی بسر کرتی تھی۔ یہ جماعت مذہب کے معاملے میں تنگ نظر اور اپنے طور طریق میں قدیم روایت کی کٹر مقلد تھی۔ اس رویہ کا نتیجہ یہ تھا کہ یورپ کے شہروں کی عیسائی اکثریت کے درمیان یہ یہودی ایک ناگوار اور بمشکل قابل برداشت، مذہبی فرقہ کی صورت میں رہتے تھے اور اپنے علاقوں کی عام زندگی اور ملکی حالات سے ان کا محض دور کا واسطہ ہوتا تھا مختلف اوقات میں ان کو عیسائی عوام کی نفرت اور تعصب کا تشدد کی شکل میں بھی مقابلہ کرنا پڑتا تھا اور ان کی جان و مال کی سلامتی یا خوش حالی و بدحالی ملک پر قابض حکمران کے رویے پر منحصر ہوتی تھی۔ ان حالات کی وجہ سے عہد وسطیٰ میں اکثر یہودی آبادی یورپ کے ایک

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

علاقے سے دوسرے علاقے میں مخصوص ملکوں کے سازگار یا ناسازگار حالات کے تحت منتقل ہوتی رہتی تھی۔

اس کے مقابلے میں یہودیوں کا دوسرا بڑا حصہ وہ تھا جو مسلمان حکومتوں کے ماتحت اسلامی علاقوں میں آباد تھا۔ یہ یہودی جو سفرادیم کہلائے یورپی یہودیوں سے واضح طور پر مختلف تھے۔ مسلک کے اعتبار سے یہ بابلی روایت کے پیرو تھے، اگر چہ ان میں سے بیشتر اُن علاقوں میں آباد تھے جو پہلے رومی سلطنت کے ماتحت تھے۔ اسلامی علاقوں مثلاً ایران، عراق، شام، مصر، شمالی افریقہ اور اسپین میں رہنے والے یہودیوں نے شروع سے ہی اسلامی حکومت کے ساتھ تعاون اور سیاست میں مطلق غیر جانبدارانہ رویہ رکھا تھا۔ دوسری طرف، اسلامی شریعت کا اہل کتاب کے سلسلے میں ''ذمہ'' کا قانون بنیادی طور پر اسلامی علاقوں کو یہودیوں کے لئے ایک سازگار مسکن بنانے میں کامیاب رہا، اگر چہ بعض اوقات اُن کو مسلم اکثریت یا بعض مسلمان حکمرانوں کے تعصب کی وجہ سے ناخوشگوار صورت حال کا سامنا بھی کرنا پڑتا تھا لیکن خود مسلم سماج میں ایسے افراد اور طبقے موجود تھے جو مسلمان عوام اور حکومت کو اہل ذمہ کے حقوق یاد دلانے میں پیچھے نہیں رہتے تھے۔

اس طرح اسلامی علاقوں میں خود اپنے وسیع المشرب رویہ اور اسلامی شریعت کی پشت پناہی کے باعث یہودی کافی خوش حال اور علمی وفنی لحاظ سے یورپی یہودیوں کے مقابلہ میں بدرجہا زیادہ ترقی یافتہ زندگی گزارتے رہے۔ اسلامی علاقوں کے یہودی نہ صرف (اعلیٰ ترین عہدوں کو چھوڑ کر) حکومت میں معزز عہدوں کو حاصل کرنے میں کامیاب ہوتے رہے، بلکہ بحیثیت طبیب، ادیب، شاعر، مختلف علوم کے دانشور، تاجر، مختلف صنعتوں کے ماہر اور دوسری حیثیتوں سے عام زندگی میں پورے طور پر شریک رہتے تھے۔ انہوں نے مخصوص مذہبی عبادات کو چھوڑ کر دوسرے تمام امور اور بول چال کے لئے عربی زبان کو اختیار کر لیا تھا، اور اپنی طرزِ معاشرت اور بود باش میں بھی عربی طریقے کی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

پیروی کرنا قابل فخر سمجھتے تھے۔

عباسی حکومت کی ابتدا سے مشرق میں اور اُموی حکومت کے قیام کے ساتھ اسپین میں اسلامی تمدن وتہذیب نے جو علمی اور فکری کارنامے سرانجام دیئے تھے اس سے یہودی بھی پورے طور پر متمتع ہو رہے تھے اور اُس میں بڑی حد تک شریک بھی تھے۔ چنانچہ مسلمانوں کے علم وحکمت کے اسپین سے یورپ تک پہنچنے میں اندلسی یہودیوں نے ایک واسطہ کا کام دیا تھا۔ ان ہی اثرات کے ماتحت ہم دیکھتے ہیں کہ بہت سے وہ مدارج جو فلسفہ و حکمت کے زیر اثر مسلمانوں کی مذہبی فکر میں طے کیے گئے، مثلاً یونانی فلسفہ سے متاثر مذہب کی عقلی تشریح علم کلام کا ارتقا اور پھر اس کے بعد ادوار میں مذہب کی متصوفانہ تعبیر، یہ سب ہم کو اسلامی علاقوں کے یہودی مفکرین اور علما کی تصانیف میں بھی ملتے ہیں۔ جس وقت دسویں صدی عیسوی کے بعد مسلم سماج میں تصوف کا غلبہ بڑھنے لگا، اُسی زمانے میں ہم کو یہودیوں میں بھی ایک قسم کے تصوف کا ارتقا ملتا ہے جو بعد کو کبالا اور ہسادیم کی صورت میں ظاہر ہوا۔

۱۴۹۲ء میں جب اندلس پر عیسائی قبضہ مکمل ہو گیا تو مسلمانوں کے ساتھ یہودی بھی وہاں سے ہجرت کرنے پر مجبور ہوئے۔ ان اندلسی یہودیوں میں سے بیشتر نے اٹلی یا عثمانی سلطنت کے مقبوضات میں پناہ لی۔ ان میں سے خاص طور پر اٹلی کے پناہ گزین یہودیوں نے وہاں پر اُس وقت کے نشاۃ ثانیہ کے عمل میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اور اندلس کی مسلم تہذیب سے عقلی علوم کی جو روایت لے کر وہ اٹلی پہنچے تھے اُس کے زیر اثر انہوں نے وہاں اِن علوم کی ترویج واشاعت کا کام سرانجام دیا۔ لیکن یہ بات تعجب خیز ہے کہ جس وقت سفرادیم یا مسلم علاقوں کے یہودیوں کی اٹلی میں ہجرت کے باعث وہاں عقلی علوم کو ترقی مل رہی تھی جس کے اثرات بہت جلد یورپ کے دوسرے علاقوں تک پہنچنے والے تھے، خود جرمنی اور فرانس کے یہودیوں میں اسپین اور فرانس کی سرحدوں سے منتقل ہونے والے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

تصوف کو بہت سرعت کے ساتھ مقبولیت حاصل ہو رہی تھی۔ چونکہ یہ تصوف جو کبالا کے نام سے موسوم ہوا اور جس کی بنیادی کتاب ''ظہر'' جنوبی فرانس میں اسی دور میں لکھی گئی تھی، شریعت کی پابندی پر سختی کے ساتھ زور دیتا تھا۔ نیز مقدس صحیفوں کی عظمت کو (خواہ محض برائے خانہ پُری) تسلیم کرتا تھا، اس لئے یورپ کے راسخ العقیدہ اور کٹر یہودیوں کے لئے بھی اس میں کوئی قابل اعتراض بات نہیں تھی۔ البتہ اس کا اثر یہ ضرور ہوا کہ عہد وسطیٰ کی بعد کی صدیوں میں جب یورپ کے عیسائی روشن خیالی اور عقلیت پرستی کی منازل طے کر رہے تھے یورپ کے شہروں میں یہودی اپنے اچھوتوں جیسے جداگانہ علاقوں (گھیٹو) میں محدود اور یورپ کے عام ذہنی ماحول سے علاحدہ اپنے مخصوص تمدن کے ساتھ متصوفانہ یہودیت میں مستغرق تھے۔

دورِ جدید اور یہودیوں کی نشاۃ ثانیہ

اوپر ہم نے جس صورتِ حال کی طرف اشارہ کیا ہے اُس کا یہ نتیجہ تھا کہ روشن خیالی اور تجدد کی لہریں جو یورپ میں سولھویں اور سترھویں صدی میں اٹھ رہی تھیں۔ وسطی یورپ کے یہودیوں کو، جن کا جرمن ریاستوں میں ایک بڑا اجتماع تھا، اٹھارہویں صدی سے پہلے نہیں چھو سکیں اور مشرقی یورپ کے یہودیوں کو جن کا پولینڈ اور رُوس میں دوسرا بڑا مرکز تھا، یہ لہریں انیسویں صدی کے وسط تک ہی حرکت میں لا سکیں۔ اٹھارہویں صدی میں جرمن یہودیوں کے درمیان موسیٰ مینڈلیسان اور نفتالی ہرٹز ویسلی جیسی شخصیتیں پیدا ہوئیں، جنھوں نے یہودیوں کو اپنا مخصوص طرز معاشرت اور عبرانی زبان چھوڑ کر، جو اُن کو اپنے علاقے کی اکثریت سے علاحدہ رکھے ہوئے تھا، جرمن زبان اور تمدن اختیار کرنے پر اُکسانا شروع کیا۔ ان کے شاگردوں کی ایک جماعت نے ان تصورات کو ایک تحریک کی شکل دے دی اور جگہ جگہ یہودیوں کے ایسے اسکول اور مرکز قائم کئے جو جرمن زبان اور

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

دنیاوی علوم کی تعلیم دینے کے ساتھ ساتھ جرمن تہذیب کے ترجمان تھے۔ مگر اس تحریک کا نتیجہ یہ نکلا کہ یہ اپنے جوش ترقی میں اُس حد کو پہنچ گئی جہاں اس کا سلسلہ اپنی یہودی روایت سے تقریباً منقطع ہو گیا۔ اس سے متاثر لوگ جرمن تو ضرور بن گئے لیکن یہودی محض برائے نام ہی رہ گئے۔

بہر حال اگرچہ وسطی یورپ میں بہت جلد اس آزاد خیالی کے خلاف جو ہسکلا کے نام سے یاد کی جاتی تھی، ردِعمل شروع ہو گیا، لیکن جرمن اور فرانسیسی مہاجر یہودیوں کے ذریعہ اس کو نئی دنیا یعنی امریکہ اور کناڈا میں زیادہ سازگار ماحول ملا۔ اور وہاں اب تک اس کے ترجمان یہودیوں کا ایک بڑا طبقہ موجود ہے جو ''اصلاح شدہ'' یہودیت کے حامی کہلاتے ہیں۔ ہسکلا یا روشن خیالی کی لہر جب انیسویں صدی میں پولینڈ اور رُوس کے یہودیوں میں پہنچی جو تقریباً سب کے سب روسی حکومت کے ماتحت تھے، تو وہاں بھی اس نے وطن پرستی، عقلیت اور ماضی کے تنقیدی جائزے کا ماحول پیدا کیا وسطی یورپ کے روشن خیالوں کی طرح روسی یہودیوں کا بھی یہ خیال تھا کہ وہ اپنی علاحدگی پسندی اور مخصوص زبان و تمدن کو چھوڑ کر اگر روسی تہذیب کے ساتھ ہم آہنگ ہو جائیں تو اُن کو آزاد اور باعزت روسی شہریوں کی طرح قبول کر لیا جائے گا اور عیسائی اکثریت کے تعصب و نفرت کے اُس رویہ کا، جس کا شکار وہ صدیوں سے چلے آرہے ہیں، خاتمہ ہو جائے گا۔

اس رجحان کے زیرِ اثر روسی یہودیوں میں بھی بہت کچھ حرکت پیدا ہوئی اور انہوں نے روسی قوم پرستی کا ساتھ دینے کے لئے شعوری کوششیں کیں، لیکن انیسویں صدی کے آخر، خاص طور پر ۸۲۔۱۸۸۱ء میں ہونے والے فسادات اور روسی حکومت و عوام کے رویہ نے اُن کے تمام خیالی قلعوں کو مسمار کر دیا۔ اس کے بعد سے جہاں ایک طرف مشرقی یورپ اور روس کے یہودیوں میں امریکہ و کناڈا کی طرف بڑی تعداد میں ہجرت کرنے کا رجحان پیدا ہوا وہاں ان علاقوں میں باقی رہ جانے والے یہودیوں میں روشن خیالی کے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بجائے نئی شکلوں میں تصوف اور قدامت پرستی کا احیا ہوا۔ اسی دوران جرمنی میں ایک طرح کی ''نو راسخ العقیدگی'' کی بنیاد ڈالی گئی جس کا مرکزی تصور یہ تھا کہ مذہب اور تمدن و معاشرت دو الگ الگ چیزیں ہیں، اور یہودیوں کو اگر مذہب کے لحاظ سے یہودیت کو مکمل وفادار رہنا چاہیے تو تمدن و معاشرت کے لحاظ سے مغربی یورپی تہذیب کو پورے طور اپنا لینا چاہیے۔

اِس رجحان کو بھی جو ''راسخ العقیدہ یہودیت'' کے نام سے موسوم ہوا۔ خود یورپ سے زیادہ امریکہ میں مقبولیت حاصل ہوئی اور وہاں کے یہودیوں میں دوسرا بڑا طبقہ اِسی ''نو راسخ العقیدگی'' کے پیروؤں کا ہے۔ یہودیوں کا تیسرا طبقہ یورپ اور امریکہ دونوں جگہ قدامت پرستوں کا ہے جو پرانی روایت سے جو بھر بھی ہٹنے کو تیار نہیں ہوتے اور اب بھی ذہنی اور معاشرتی اعتبار سے عہد وسطیٰ میں ہی رہنا چاہتے ہیں۔ قطع نظر اس کے کہ یہودیت جیسی قدیم روایت کی جدید دور کے خیالات اور طرز زندگی کے ساتھ عہد برا ہونے کی یہ کوششیں اُن تمام روایتوں کے لئے سبق آموز ثابت ہو سکتی ہیں اور جو اسی نوع کی کشمکش میں گرفتار ہیں۔ یہ بات قابلِ اطمینان حل نہیں پیش کر سکی ہے۔ امریکی یہودیوں کی جماعت میں جو کہ اپنے ہم مذہبوں میں سب سے زیادہ خود اعتماد اور مرفہ الحال کہے جا سکتے ہیں، مندرجہ بالا تین بڑے رجحانات موجود ہیں، اور ابھی مستقبل قریب میں ان کے اختلافات کے حل ہونے اور کوئی واحد لائحہ عمل سامنے آنے کا امکان نہیں نظر آتا۔

اس سے پہلے کہ ہم جدید دور میں اسرائیل کے قیام اور اُس کے محرکات پر روشنی ڈالیں، یہودیت سے متعلق ایک اہم تصور کا ذکر کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے۔ اگرچہ صحیح معنوں میں یہ تصور یہودیوں کی ماضی اور عہد وسطیٰ کی تاریخ سے متعلق ہے، لیکن یہودی عقیدہ میں اس کی بنیادی اہمیت کے پیشِ نظر، اور یہ دیکھتے ہوئے کہ اسرائیلی حکومت کا قیام ایک اعتبار سے اس عقیدہ کی گرفت سے آزاد ہوئے بغیر ممکن نہیں تھا، یہاں اس کا ذکر

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

نامناسب نہیں معلوم ہوتا۔

ہماری مراد یہاں یہودیت میں ''مسیح'' کے تصور سے ہے۔ یہ لفظ عبرانی ''مشیح'' سے ماخوذ ہے جو عربی ''مسح'' کی طرح چھونا ملنا، ہاتھ پھیرنا وغیرہ کے معنی رکھتا ہے۔ ''مسیح'' کے معنی ہیں جس پر خدا نے برکت کا ہاتھ پھیر دیا ہو یعنی خدا تعالیٰ کا مخصوص فرستادہ خدا تعالیٰ کی عنایت کردہ خصوصی قوتوں کا مالک، اور اُس کا آلۂ کار، دانشوروں کا خیال ہے کہ قدیم فلسطین میں اسرائیلی حکومتوں کے درمیان آس پاس کی مشرک قوموں کے زیرِ اثر یہ تصور اُبھرا تھا کہ اُن کے شہنشاہوں کی طرح بنی اسرائیل کے بادشاہ بھی اس دنیا میں خدا تعالیٰ کے نمائندہ اور اُس کی عطا کردہ خصوصی قوتوں کے مالک ہیں۔ جب بنی اسرائیل کی حکومتیں کمزور پڑنے لگیں اور ان کے بادشاہ ناکارہ ہونے لگے تو یہ ''خدا کے نائب بادشاہ'' کا تصور مستقبل میں آنے والے ایک زبردست بادشاہ کے لئے مخصوص ہو گیا جو بنی اسرائیل کی کھوئی ہوئی شان و شوکت کو واپس لائے گا[1]۔ لیکن یروشلم کی پہلی تباہی (۵۸۶ ق۔م) سے پہلے پہلے یہ تصور بہت مبہم تھا اور عہد نامہ قدیم کی اُن کتابوں میں جو اُس دور میں مرتب قرار دی گئی ہیں اس تصور کے آثار محض کہیں کہیں نظر آتے ہیں۔ البتہ یروشلم کی تباہی بابل کے زمانۂ اسیری اور اس کے بعد جب یہودیوں کی سیاسی قوت ایک قصۂ پارینہ ہو کر رہ گئی تھی اور یہودیوں کے لئے اپنی محکومی اور قعرِ مذمت سے نکلنے کی دور دور کوئی سبیل نہیں باقی رہی تھی، مستقبل کے اس خدا کے فرستادہ بادشاہ کا تصور جو یہودیوں کو اُن کی محکومی اور ذلت سے نجات دلائے گا بہت قوت اختیار کر گیا۔

چنانچہ ایرانی اور یونانی غلبہ کے دوران مرتب شدہ مقدس کتابوں مثلاً کتابِ دانیال نبی اور کتاب حزقی ایل نبی میں اس آئندہ آنے والے ''مسیح'' اور اُس کے ہاتھوں بدکرداروں اور یہودیوں کے دشمنوں کی شکست اور ایک الٰہی حکومت کے قیام کا نقشہ، پرزور الفاظ میں کھینچا گیا۔ رومی عہد حکومت میں جب ۱۳۵ ق۔م میں یہودیوں کی آزادی حاصل

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کرنے کی آخری کوشش کو اس طرح کچل دیا گیا کہ اس کے بعد تقریباً اٹھارہ صدیوں تک کے لئے وہ آزادی کی جھلک سے بھی محروم ہو گئے۔ تو اُس کے بعد عہد جدید تک کے پورے دور میں اُن کے اپنے مخصوص تشخص اور مذہبی روایت کو بہر طور زندہ رکھنے اور ایک قوم کی حیثیت سے باقی رہ جانے میں ایک بڑا ہاتھ اسی ''مسیح'' کے تصور کا تھا۔

عہد وسطی کی تاریک صدیوں میں عیسائی عوام کے تعصب اور یورپی ریاستوں کے حکمرانوں کے ظلم وستم کے سامنے اگر اُن کے لئے کوئی امید کا چراغ تھا تو یہی تھا کہ بہت جلد خدا کا فرستادہ ''مسیح'' آئے گا اور ان کے دشمنوں کو نیست و نابود کر کے یہودیوں کے لئے حکومت، کامرانی اور خوشحالی کے دروازے کھول دے گا۔ یہاں یہ امر قابل توجہ ہے کہ اگرچہ عیسائی سنہ کی ابتدا سے بھی پہلے سے ''مسیح'' کا تصور یہودیت کے بنیادی عقائد میں شامل ہو چکا تھا، لیکن عہد جدید تک کی طویل تاریخ کے تمام ادوار میں عیسائیت کے برخلاف جنھوں نے ''مسیح'' کو ایک روحانی مملکت کا علمبردار قرار دیا، یہودیوں کے لئے وہ اسی دنیا میں ایک نئے سماجی اور سیاسی دور کا آغاز کرنے والا مادی انسان اور حکمران تھا۔

اٹھارویں صدی عیسوی میں جب روشن خیالی، عقلیت اور عہد جدید کے دوسرے خیالات و افکار یورپی یہودیوں کی گھیٹو بستیوں کی درازوں میں سے گھس کر ان کے نوجوانوں اور حساس لوگوں کو متاثر کرنے لگے تو اُن میں جدید علوم اور افکار حاصل کرنے کا ایسا جذبہ پیدا ہوا کہ معلوم ہوتا تھا کہ وہ اُن تمام صدیوں کی کسر، جب یورپ کے عیسائی ترقی اور جدیدیت کی منزلیں طے کر رہے تھے۔ جلد از جلد پوری کر لیں گے ان نئے خیالات و افکار میں ایک زبردست تصور قومیت اور وطنیت کا تھا، جس نے جدید نظام فکر میں تقریباً وہی مقام حاصل کر لیا تھا جو عہد قدیم اور عہد وسطی میں مذہب کو حاصل تھا۔ اس کے علاوہ صنعتی انقلاب کی بڑھتی ہوئی تیز رفتاری نے یورپ کی تمام بستیوں اور آبادیوں کے پرانے نظام کو درہم برہم کر دیا تھا۔ یہودی بھی بالآخر اس صورتِ حال سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے اور

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

یہودی گھیٹو کی مرکزیت ختم ہوتے ہی اُن اقدار اور روایات کی گرفت، جو گھیٹو کی اجتماعی زندگی سے وابستہ تھیں، کمزور پڑ گئی اور نئے افکار و خیالات کے لئے زمین ہموار ہوگئی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ یہودیوں کا ایک ذہین طبقہ ملی انتشار، بے بسی اور ظلم و تعصب کے خلاف اپنے روایتی سہارے یعنی ''مسیح'' کے تصور کو چھوڑ کر یہودی قومیت اور یہودی ریاست کی اصطلاح میں سوچنے لگا۔

انیسویں صدی میں یہودیوں کے خلاف تعصب اور فسادات کے بعض ایسے واقعات ہوئے جو یورپ کے یہودیوں کے لئے نئے نہیں تھے۔ لیکن وقت کے بدلے ہوئے حالات میں ان واقعات نے کئی یہودی دانشوروں کو اس اعلان پر مجبور کر دیا کہ یورپ کی عیسائی اکثریت کے درمیان رہتے ہوئے کسی نوع بھی یہودیوں کے لئے باعزت اور آزاد شہری کا مقام حاصل کرنا ممکن نہیں ہوسکتا اور یہ کہ یہودیوں کے لئے اگر کوئی نجات کی راہ ہے تو یہی ہے کہ وہ اپنے لئے ایک آزاد اور خود مختار ریاست کے قیام کی کوشش کریں۔ اس سلسلے میں ایک یہودی عالمِ زوی کالسچر (۱۷۹۵۔۱۸۷۴ء) نے اپنی تصنیف دریشت صیہون میں عہد نامہ قدیم اور تلمود کے حوالے سے یہ بھی ثابت کرنے کی کوشش کی کہ ایک یہودی ریاست کے قیام کے لئے کسی ''مسیحا'' کی آمد کا انتظار کرنا ضروری نہیں ہے۔ کالسچر اور ایک دوسرے دانشور موسیٰ ہیس (۱۸۱۲۔۷۵ء) کی تحریروں کے نتیجے میں انیسویں صدی کے وسط کے قریب ''محبانِ صیہون'' کے نام سے ایک تنظیم قائم ہو گئی (صیہون اُس پہاڑ کا نام ہے جس پر یروشلم کا قدیم معبد واقع تھا) جس کی شاخیں وسطی اور مشرقی یورپ میں ہر طرف پھیلی ہوئی تھیں۔ اگرچہ اس تحریک میں اصل زور ۸۲۔۱۸۸۱ء کے روسی فسادات کے بعد ہی پیدا ہوا۔

اس تحریک کا مقصد یہ تھا کہ یورپ کے یہودی ہجرت کر کے جوق در جوق فلسطین پہنچیں اور وہاں اپنی بستیاں بسائیں، سیاسی اقتدار کا مسئلہ بعد میں دیکھا جائے گا۔ اس سلسلے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

میں یہ تنظیم امیر یہودیوں سے مالی تعاون کی امید کرتی تھی جو فلسطین کی ان نئی یہودی بستیوں کا کام چلانے اور انہیں باقی رکھنے کے لئے بہت ضروری تھی ۱۸۸۲ء میں اس تحریک کے نتیجے میں فلسطین میں یہودی مہاجرین کی پہلی مستقل بستی رِشون لےصیہون کے نام سے قائم ہوئی اور اُس کے بعد اس طرح کی بستیوں کا ایک سلسلہ قائم ہو گیا یہاں تک کہ انیسویں صدی کے اختتام تک فلسطین میں اس نوع کی تقریباً ۲۱ یہودی بستیاں قائم ہو گئی تھیں جن میں تقریباً تین ہزار مہاجر یہودی آباد تھے۔ یہ بستیاں جو زراعتی فارم کی صورت رکھتی تھیں عرب مزدوروں سے کام لینے میں کوئی تکلف نہیں محسوس کرتی تھیں اور عمومی اعتبار سے پرانے ماحول کو نئی سرزمین میں جاری رکھے ہوئے تھیں۔ اس اعتبار سے اور اپنی قلیل آبادی کے لحاظ سے بھی یہ سلسلہ بیسویں صدی کے سیلابِ مہاجرت سے کوئی مناسبت نہیں رکھتا جب کہ لاکھوں کی تعداد میں جرمن اور مشرقی یورپ کے یہودی نازی اور کمیونسٹ حکومتوں سے اپنی جان بچا کر اور اسرائیلی ریاست کے تصورات سے متاثر ہو کر دوسرے علاقوں کے یہودیوں کے ساتھ فلسطین پہنچنے لگے۔

درحقیقت جس زمانے میں مشرقی یورپ اور روسی حلقے کے یہودیوں میں ''محبان صیہون'' کی تحریک مقبول ہو رہی تھی مغربی یورپ یعنی فرانس انگلینڈ وغیرہ کے یہودی اس سے بہت کم متاثر تھے۔ روسی علاقوں کے فسادات کو وہ ایک مقامی مسئلہ اور روسی حکومت کی پس ماندگی اور بربریت کا ایک مزید ثبوت سمجھتے تھے۔ لیکن ۱۸۹۴ء میں فرانس میں الفرڈ ڈریفوس (فرانسیسی فوج کے ایک یہودی کپتان) کے مقدمہ کے بعد جس میں یہودیوں کے خلاف فرانسیسی حکومت اور عوام کا متعصبانہ رویہ کھل کر سامنے آ گیا تھا مغربی یورپ کے یہودیوں میں بھی اضطراب کی ایک لہر دوڑ گئی اور ویانا کے ایک اخبار نویس تھیوڈور ہرزل (۱۹۰۴-۱۸۶۰ء) نے جوڈن اشٹاٹ (یہودی ریاست) نامی کتاب لکھ کر ''سیاسی صیہونیت'' کے رجحان کو ایک باقاعدہ شکل دے دی۔ اگر ''محبان صہیون'' کی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

جماعت فلسطین میں بتدریج مہاجرت کے ذریعہ ایک معقول یہودی آبادی کا قیام اور پُرامن طریقے سے فلسطین میں یہودی سماج قائم کرنے کے انداز میں سوچتی تھی، تو تھیوڈور ہرزل کے تحریک ''صہیونیت'' بڑی سیاسی طاقتوں کی مداخلت اور پشت پناہی نیز امیر و کبیر یہودیوں کے تعاون سے ایک اسرائیلی ریاست قائم کرنا چاہتی تھی۔

مگر یہ اسرائیلی ریاست یہودیوں کے نزدیک صرف فلسطین میں ہی قائم ہوسکتی تھی۔ ارضِ موعود کا جو تصور عہد نامہ قدیم کی ابتدائی کتابوں (توریت) میں مذکور ہے۔ اُس نے شروع سے ہی یہودیوں کے لئے فلسطین کی سرزمین کو ایک مذہبی اہمیت دے رکھی تھی۔ یروشلم کی دوسری تباہی (۷۰ء) کے بعد جب رومی فوجوں نے یہودیوں کو ساری دنیا میں منتشر ہونے پر مجبور کر دیا تو اپنے اس طویل دورِ مہاجرت میں وہ کبھی اس تصور سے غافل نہیں رہے کہ اُن کا اصل وطن جو انہیں خدا کی طرف سے ودیعت کیا گیا ہے فلسطین ہی ہے موقع موقع سے خصوصی عبادات اور تہواروں کے موقعوں پر ''اگلے سال یروشلم میں'' کا جملہ مندرجہ بالا تصور کو زندہ رکھتا تھا۔ چنانچہ ''صہیونی'' تحریک کے ابتدائی دور میں اگر کسی بڑی سیاسی طاقت کی طرف سے فلسطین کے علاوہ کسی اور علاقے مثلاً افریقہ وغیرہ میں اسرائیلی ریاست قائم کرنے کا اشارہ بھی ہوا تو اُس کی یہودیوں نے من حیث القوم شدید مخالفت کی۔ یہاں یہ امر بھی نظر میں رہنا چاہیے کہ انیسویں صدی کے آخر تک یورپ اور دنیا کے بعض دوسرے علاقوں میں ذرائع آمدورفت اور رسل ورسائل نے جو حیرت انگیز ترقی کر لی تھی اُس نے یہودیوں کی منتشر جماعتوں کو ایک دوسرے سے مربوط کرنے میں سہولت بہم پہنچا کر ''صہیونی'' تحریک کے کام کو آسان کر دیا تھا۔

بہرحال اگرچہ یہودیوں کی ان دو بڑی تنظیموں یعنی ''محبان صہیون'' اور ''صہیونیت'' میں پالیسی کا بنیادی اختلاف تھا، لیکن درحقیقت دونوں تحریکیں مل کر ''اسرائیل'' ریاست کی تشکیل کا باعث ہوئیں۔ اگر پہلی تحریک کی ایما پر فلسطین میں

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

یہودی مہاجرین کی آبادکاری کا ایک نہ ختم ہونے والا سلسلہ جاری رہا، تو دوسری تحریک کی کوششوں سے بالآخر ۱۹۱۷ء میں برطانیہ نے صہیونیوں کو بالفر ڈیکلیریشن سے نواز دیا، جس میں فلسطین میں یہودیوں کے ایک ''قومی وطن'' کی تشکیل کو اصولی طور پر تسلیم کر لیا گیا تھا اور اُس کے حصول میں برطانیہ کے تعاون کا یقین بھی دلایا گیا تھا[15]۔

یہ امر برطانیہ کے لئے اس وجہ سے اور بھی آسان ہو گیا کہ پہلی جنگ عظیم کے اختتام پر فلسطین کا علاقہ خلافتِ عثمانیہ سے لے لیا گیا اور لیگ آف نیشنز کی طرف سے برطانیہ کی نگرانی میں دے دیا گیا۔ ۱۹۲۰ء میں فلسطین کے برطانیہ کے زیرِ انتداب جانے سے لے کر ۱۵ مئی ۱۹۴۸ تک اقوام متحدہ کے فیصلہ کے مطابق فلسطین کی تقسیم اور خود مختار یہودی ریاست ''اسرائیل'' کے قیام تک یورپ اور فلسطین میں بہت سے اُتار چڑھاؤ آئے۔ اس پورے دور میں ایک طرف تو یورپ سے یہودی مہاجرین کی تعداد بڑھتی چلی گئی، خاص طور پر جرمنی پر ہٹلر کے قبضہ اور اس کی یورپی یہودیوں کو نیست و نابود کر دینے کی کوششوں کے بعد تو جرمن اور فرانسیسی یہودیوں کی فلسطین کو مہاجرت ایک سیلاب کی صورت اختیار کر گئی، اور دوسری طرف صہیونی تحریک کے رہنماؤں کے زیرِ قیادت فلسطین میں نوآباد یہودیوں نے ہر سطح پر اپنے آپ کو منظم کر کے زیادہ سے زیادہ خود اعتماد، خود کفیل اور اپنی خود مختاری کے لئے خواہاں سماج کا نمونہ پیش کیا، یہاں تک کہ دوسری جنگ عظیم کے دوران انہوں نے اتحادیوں کے لئے اپنی ایک بے ضابطہ فوج کی تشکیل بھی کر لی۔ اس دفاعی تنظیم کی اُن کو اس لئے بھی ضرورت تھی کہ بالفر ڈیکلیریشن کے بعد سے ہی مقامی عربوں سے اُن کے اختلافات شروع ہو گئے تھے جو یہودی مہاجرین کی تعداد میں اضافے کے ساتھ ساتھ زیادہ سے زیادہ شدید خون خرابے کی صورت اختیار کرتے جا رہے تھے۔

بہر حال مختلف النوع اسباب کی بنا پر جن میں سے چند پر ہم نے روشنی ڈالنے کی کوشش کی ہے، اور اس بنا پر بھی کہ صہیونی تحریک جرمنی میں یہودیوں پر مظالم کے بعد

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

یورپ کے ایک بڑے طبقہ کی نظر میں ہمدردی کی مستحق سمجھی جانے لگی تھی، بالآخر تقریباً دو ہزار سال کے بعد یہودی فلسطین میں پھر اپنی ایک خودمختار ریاست قائم کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ البتہ یہاں مختصراً یہ واضح کر دینا نامناسب نہ ہو گا کہ جن صہیونی رہنماؤں کی کوششوں سے اسرائیل کا قیام عمل میں آیا ہے، اور جو لوگ اس کے قیام کے بعد اسرائیل میں برسراقتدار آئے ہیں، اُن کی اکثریت روسی اور مشرقی یورپ کے یہودی دانشوروں پر مبنی رہی ہے جو سوشلسٹ رجحانات کے حامل ہیں اور مذہب کے روایتی تصور سے کوئی خاص ہمدردی نہیں رکھتے۔ شاید اسی لئے اسرائیل کا دستور بھی ایک سیکولر جمہوریت کا ہے اور شاید اسی لئے اسرائیل کے برسراقتدار حکمرانوں اور ملک میں موجود راسخ العقیدہ یہودیوں کی جماعتوں میں ایک اندرونی کش مکش اسرائیل کی سماجی و سیاسی زندگی کا مستقل خاصہ بن گئی ہے۔

یہودی تہوار

سبت

یہودی تہوار اگرچہ مختلف النوع اور سال کے مختلف موسموں اور تاریخی واقعات کی مناسبت سے ہیں، لیکن یہودی جنتری میں سبت کی جو مرکزی حیثیت ہے وہ سال میں ایک بار آنے والے تہواروں کو بھی نہیں ہے۔ سبت کا تصور توریت کی پہلی کتاب پیدائش کے پہلے باب سے ہی ماخوذ ہے جس میں خداتعالیٰ کی تخلیق کائنات کا بیان ہے۔ اس کی رو سے خداتعالیٰ نے چھ دن میں کائنات اور مخلوقات کی تخلیق کی اور ساتویں دن اُس نے آرام کیا۔ اس مثال پر عمل کرتے ہوئے یہودیوں کے لئے ہفتہ کے ساتویں دن سنیچر کو ہر طرح کے کاموں سے باز رہنے (اور عبادت و آرام میں مشغول رہنے) کا حکم توریت میں مختلف

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

جگہوں پر دیا گیا ہے سبت کا حکم موسوی شریعت کے اہم ترین احکام عشرہ میں شامل ہے اور ہر دور میں یہودیوں نے اس کی پابندی ایک اہم فریضہ مذہبی کے طور پر کی ہے۔ جمعہ کے دن سورج چھپنے کے بعد سبت شروع ہو جاتا ہے۔ اس رات کا کھانا خصوصی دعاؤں کے ساتھ اور راسخ العقیدہ یہودیوں کے یہاں موی شمعوں کی روشنی میں کھایا جاتا ہے کیونکہ اُن کے نزدیک بجلی کی روشنی جلانا بھی کام کی نوعیت میں داخل ہو جاتا ہے جس کی سبت کے دوران ممانعت ہے۔

شاید تلمود (یہودیوں کی فقہی روایت) میں جتنی بحث اور جزوی تفصیلات سبت کے احکام کے سلسلے میں اور اس بارے میں ہیں کہ کیا چیز ''کام'' کی شق میں داخل ہے اور کیا نہیں ہے، اتنی تفصیل اور مواد کسی اور موضوع پر نہیں ہے۔ لیکن جدید دور میں سبت کے ان احکامات پر عمل کرنے میں جو دقتیں پیش آتی ہیں اُس کے پیش نظر یہودیت کے مختلف مسلک اپنی اپنی تشریح کے مطابق اس سلسلے میں متشددانہ یا آزادانہ رویہ اختیار کئے ہوئے ہیں۔ البتہ آزاد ترین مسلک بھی سبت کے سلسلے میں اُن غیر ضروری کاموں کو جائز نہیں سمجھتے جو ہفتے کے اور دنوں میں سرانجام دیئے جا سکتے ہیں۔ مثلاً اشیا کی خریداری یا دوسرے گھریلو کام وغیرہ۔ سبھی مسلک کے عبادت خانوں میں سنیچر کی صبح کو خصوصی عبادت ہوتی ہے جس کا اہم جز توریت کی تلاوت ہے۔ اور سبھی مسلک کے نزدیک ہنگامی حالات یا بیماری وغیرہ میں سبت کے احکام کی خلاف ورزی کی جا سکتی ہے۔ سبت کا دن سنیچر کے دن سورج چھپنے تک رہتا ہے۔

پِشاخ

یہ تہوار جس کو ہم ''عبوری دریا'' سے تعبیر کر سکتے ہیں یہودیت کے اہم تہواروں میں سے ہے اور بنی اسرائیل کی مصر کی غلامی سے چھٹکارے کی یاد میں منایا جاتا ہے۔ بنی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اسرائیل کی مصر سے روانگی نیسان کے مہینے میں بہار کے موسم میں بتائی جاتی ہے اور چونکہ یہودی مہینے اسلامی مہینوں کی طرح قمری ہوتے ہیں، اس لئے نیسان کا مہینہ بھی وقت گزرنے کے ساتھ دوسرے موسم میں آجاتا۔ لیکن یہودی علما نے قدیم زمانے سے ایسا حساب لگا رکھا ہے کہ پشاخ کا تہوار ہمیشہ نیسان کے مہینے اور بہار کے موسم میں ہی پڑے۔ اس کے لئے ان کو ۱۹ سال میں وقتاً فوقتاً سات مہینے جنتری میں اضافہ کر دینے پڑتے ہیں۔

اس تہوار میں جو ایک ہفتہ پر پھیلا ہوا ہے، مرکزی حیثیت سیدر کے کھانے کی ہے جو پہلے دن شام کو ہوتا ہے اور خصوصی پکوان اور رسومات کے سبب ممیّز ہوتا ہے بنی اسرائیل کی مصر سے روانگی کے وقت جو کھانا اُن کو میسر تھا۔ اُس کی یاد میں بغیر خمیر کی روٹی اور تلخ سبزیاں جیسے مولی وغیرہ اور بعض ایسی اشیا جو مصر کی غلامی کے استعارہ کے طور پر استعمال ہوتی ہیں۔ اس موقعہ کے کھانے کے خصوصی اجزا ہوتی ہیں۔ اس دعوت کے وقت یہ رسم ہے کہ کسی چھوٹے بچے کے سوال پوچھنے پر مصر میں یہودیوں کی غلامی کی کیفیت، حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شخصیت اور اُن کی رہنمائی میں یہودیوں کی مصر کی محکومی سے رہائی کی پوری داستان سنائی جاتی ہے۔

اسطرح ہر سال یہودی تاریخ کے اس عظیم واقعہ کی تفصیلات بچوں اور بڑوں کے ذہن میں تازہ ہوتی رہتی ہیں اور وہ خدا کے اس احسان کو جو خدا نے اُن کی قوم پر فرعون کی غلامی سے رہائی کی صورت میں کیا تھا، شکر بجالاتے ہیں۔ اس تہوار کی ایک خصوصیت خمیر سے ہر صورت میں پرہیز ہے جو پورے ہفتہ جاری رہتا ہے اور اس سلسلہ میں خمیر کے معنوں میں اس قدر وسعت دے دی گئی ہے کہ ہر طرح کی پھپھوند اور میل کچیل کو خمیر ہی کے زمرہ میں شامل کر دیا گیا ہے۔ چنانچہ پشاخ شروع ہونے سے پہلے تمام گھر کی صفائی، سفیدی اور جھاڑ پونچھ وغیرہ کا اہتمام کیا جاتا ہے۔ پشاخ سے پہلی رات کو لوگ خصوصاً بچے کونے کھدروں میں میل کچیل کی تلاش میں منہمک رہتے ہیں اور پورے گھر کو چمکا کر رکھ دیتے ہیں۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

شووس

پشاخ یا ''عبوری دریا'' کے تہوار کے پچاس دن بعد شووس کا تہوار منایا جاتا ہے جو کوہِ سینا پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کو توریت کی تختیاں ملنے کی یاد میں ہے جن میں احکام عشرہ لکھے ہوئے تھے۔ دوسرے الفاظ میں یہ تہوار یہودیوں کے لئے شریعت ملنے کی خوشی ہے جو اُن کی قومی اور مذہبی زندگی کی بنیاد ہے۔ اس تہوار کی خصوصیت رات کو توریت کی تلاوت اور دودھ سے بنے ہوئے مختلف پکوانوں کا خصوصی اہتمام ہے۔ دوسرے دن صبح کو عبادت خانوں میں خصوصی عبادت ہوتی ہے۔

یوم کپور

گرمیوں کے بعد خزاں میں (عام طور پر ستمبر اکتوبر میں) یہودی کیلنڈر کا ساتواں مہینہ تسری پڑتا ہے۔ اس مہینہ کے پہلے دن کو بہت سے یہودی نئے سال کے تہوار کے طور پر مناتے ہیں جو روش ہشنہ کہلاتا ہے لیکن اس کی کوئی بنیاد توریت یا تلمود میں نہیں پائی جاتی۔ البتہ اس پہلی تاریخ سے توبہ واستغفار کا زمانہ شروع ہوتا ہے جو دس دن تک چلتا رہتا ہے۔ اس مہینہ کا دسواں دن یہودی جنتری کا سب سے مقدس دن ہے اور اس کی اہمیت پر توریت میں کافی زور دیا گیا ہے۔ چنانچہ کتاب احبار کا پورا سولہواں باب اس دن کی جو یوم کپور (توبہ واستغفار کا دن) کہلاتا ہے۔ رسومات کی تفصیل کے لئے وقف ہے۔ یہ دن خواہ ہفتہ کے کسی بھی دن میں آ کے پڑے سَبت قرار دیا گیا ہے اور اس دن سبت کے احکام کی خصوصی سختی کے ساتھ پابندی کی جاتی ہے تمام یہودیوں کے لئے اس دن روزہ رکھنا اور پورا دن توبہ واستغفار میں بسر کرنا ضروری سمجھا جاتا ہے۔ اس دن کی خصوصی عبادت بھی تمام عبادتوں سے زیادہ طویل ہوتی ہے اور مذہب سے بیگانہ یہودی بھی اس دن کنیسہ کی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

عبادت میں شریک ہونا ضروری سمجھتے ہیں۔ اس عشرہ کے دوران جب یہودی خدا سے مغفرت اور رحمت کے طالب ہوتے ہیں۔ تو یہودیوں میں آپس میں ایک دوسرے سے معافی تلافی اور تمام جھگڑوں کو بھلا کر صلح کا ماحول پیدا کرنے کی روایت بھی اس تہوار کا اہم جزہے۔

سُکوت

یوم کپور کے چار دن بعد سُکوت کا زمانہ شروع ہو جاتا ہے جو آٹھ دن کا تہوار ہے۔ یہ تہوار بھی یہودیت کے اہم تہواروں میں سے ہے یعنی اُن تہواروں میں سے ہے جن کی بنیاد توریت یا تلمود کے احکامات پر مبنی ہے۔ سکوت کا تہوار بنی اسرائیل کے چالیس سال صحرائے سینا میں بھٹکنے کی یادگار کے طور پر مقرر کیا گیا ہے۔ اس تہوار کے آٹھ دنوں میں توریت کا حکم یہ ہے کہ یہودی اپنے گھروں کو چھوڑ کر چھپر ڈال کر رہیں۔ جدید دور میں سوائے بہت زیادہ مذہبی لوگوں کے دوسرے یہودی اُن جھونپڑی نما پناہ گاہوں میں جو عموماً گھروں کے صحن، چھت یا عبادت خانے کے احاطے میں بنائی جاتی ہیں، محض کھانے اور عبادت وغیرہ کا وقت گزارتے ہیں۔ یہ تہوار خوشی کا تہوار سمجھا جاتا ہے اور اُن جھونپڑوں کو جن کے نام پر اس تہوار کو سکوت (ضیمہ) کہا جانے لگا ہے، مختلف پودوں کی شاخوں پھولوں، پھلوں اور سبزیوں سے آراستہ کیا جاتا ہے۔ دوسرے دن صبح کو تاڑ کے پتوں اور چند دوسرے مخصوص پودوں کی ٹہنیوں کو ہاتھوں میں لے کر جلوس کی شکل میں یہودی اُن کو ہلاتے چلتے ہیں اور اس موقع کے نغمے گاتے ہیں۔ اس تہوار کا آٹھواں دن (اسرائیل میں) اور نواں دن (اسرائیل سے باہر) بھی خاص تقریبات کے ساتھ منایا جاتا ہے، اور اپنی نوعیت کے اعتبار سے تقریباً ایک الگ تہوار ہو گیا ہے جس کو سمخاس تورہ یعنی ''ختم توریت'' کی تقریب کہا جاتا ہے۔ اس موقع پر توریت کی پانچویں اور آخری کتاب استثنا کی تلاوت ختم

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کی جاتی ہے اور پھر سے پہلی کتاب پیدائش کی تلاوت شروع کر دی جاتی ہے اس کے بعد عبادت خانے میں شادی بیاہ کی تقریب جیسا ماحول پیدا ہو جاتا ہے اور کھانے پینے کی فراوانی کے ساتھ موسیقی و رقص شروع ہوتا ہے۔ یہاں تک کہ کنیسہ کا خاص عالم بھی توریت کا نسخہ ہاتھ میں لے کر رقص کرنے والوں میں شامل ہو جاتا ہے۔

ان اہم تہواروں کے علاوہ یہودیوں کے چند ایسے تہوار بھی ہیں جو توریت میں مذکور نہیں ہیں، بلکہ یا تو عہد نامہ قدیم کی بعد کی کتابوں پر مبنی ہیں یا یہودی تاریخ کے اہم واقعات سے متعلق ہیں ان میں سے بعض تو کچھ علاقوں میں اہم تہواروں سے زیادہ دھوم دھام سے منائے جاتے ہیں۔ ان تہواروں میں پیوریم، تیشا باؤ اور ہنوخا خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

پیوریم

یہ تہوار جو ادر کے مہینے یعنی اخیر فروری یا یکم مارچ میں پڑتا ہے عہد نامہ قدیم کی کتاب اشتر میں مذکور واقعہ کی یاد میں منایا جاتا ہے۔ اس کتاب کے مطابق ایرانی شہنشاہ خشیارش اول کے وزیر ہامان نے تمام یہودیوں کو نیست و نابود کرنے کا حکم بادشاہ سے حاصل کر لیا تھا لیکن بادشاہ کی نئی ملکہ جس کا نام اشتر تھا یہودی النسل تھی۔ اُس کی اور اُس کے رشتہ کے بھائی مردکائی کی کوششوں سے ہامان کا زوال ہوا اور یہودیوں کو اپنے دشمنوں سے نبٹنے کی اجازت مل گئی جس کے نتیجہ میں انہوں نے اپنے تمام دشمنوں کو چن چن کر ختم کر ڈالا۔ یہودیوں کی اپنے دشمنوں سے نجات کی خوشی میں ملکہ اشتر اور مردکائی نے پیوریم کے تہواروں کی بنیاد ڈالی جو اب تک بہت دھوم دھام سے اور پُر مسرت ماحول میں منایا جاتا ہے۔ یہ تقریب اپنی اصل اور رسومات کے لحاظ سے غیر مذہبی ہے۔ اس کا مذہبی جز صرف یہ ہے کہ کنیسہ میں اس دن سے قبل شام کو کتاب اشتر کی تلاوت ہوتی ہے لیکن وہ بھی غیر سنجیدہ ماحول

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

میں کیونکہ عبارت پڑھنے کے دوران جب بھی ہامان کا نام آتا ہے، جو کہ اکثر ہوتا ہے، تو تمام مجمع (خاص طور پر بچے) بہت ہنگامہ کرتے ہیں اور بآواز بلند ہامان پر نفریں بھیجتے ہیں۔

قاری کو اس دوران خاموش ہو جانا پڑتا ہے، شور وغل فرو ہونے پر وہ پھر تلاوت شروع کرتا ہے لیکن جیسے ہی ہامان کا نام آتا ہے پھر وہی ہنگامہ شروع ہو جاتا ہے۔ دوسرے دن دعوتوں، تحائف کے تبادلے اور خوشیاں منانے کا سلسلہ جاری رہتا ہے۔ تلمود کے حکم کے مطابق اس دن یہودیوں کو اتنا مدہوش ہو جانے کی اجازت ہے کہ وہ ''مردکائی زندہ باد'' اور ''ہامان مردہ باد'' میں تفریق نہ کر پائیں، چنانچہ بہت سے لوگ اس اجازت سے اُس دن فائدہ اٹھانے کی کوشش کرتے ہیں۔ (عیسائیوں کی طرح یہودی شریعت میں بھی شراب کا استعمال منع نہیں ہے بلکہ اکثر مذہبی رسومات میں بھی اس کا استعمال کیا جاتا ہے)

تیشا باؤ

یعنی ''آب مہینے کا نواں دن'' جو عام طور سے جولائی ورنہ اگست کے شروع میں پڑتا ہے۔ یہ دن یہودیوں کے لئے جنتری کا سب سے افسوس ناک دن ہے ان کی قومی تاریخ کے دو عظیم ترین حادثے اسی تاریخ کو پیش آئے تھے۔ ۵۸۶ قبل مسیح میں آب نویں تاریخ کو بابل کے شہنشاہ بنوکدرضر نے یروشلم کے مرکزی معبد کو تاخت وتاراج کیا تھا اور یہودیوں کے تمام اعلیٰ طبقوں کو قیدی بنا کر بابل لے گیا تھا پھر چھ سو پچپن ۶۵۵ سال کے بعد ۷۰ء میں اِسی تاریخ کو رُومی فوج نے دوبارہ تعمیر شدہ معبد کو لوٹنے کے بعد جلا کر خاک کر دیا جو پھر آج تک تعمیر نہیں ہو سکا ہے۔ اس دوہری قومی تباہی کی یاد میں اس دن کو یہودی بہت سوگواری کی رسومات کے ساتھ اور یوم کپور (یوم توبہ واستغفار) جیسے ماحول میں مناتے ہیں۔ اس دن بھی یوم کپور کی طرح چوبیس گھنٹہ کا روزہ رکھا جاتا ہے۔ توریت میں مذکور نہ ہونے کی وجہ سے اس دن کے سلسلہ میں موسوی شریعت کے سبت والے احکام نہیں لاگو

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

ہوتے اور عبادت کے بعد جو نہایت خاموشی سے انجام دی جاتی ہے۔ لوگ چپ چاپ کنیسہ سے چلے جاتے ہیں اور عموماً اپنے کاروبار وغیرہ میں مصروف ہو جاتے ہیں۔ اگرچہ مذہبی لوگ پورا دن مقدس کتابوں کی تلاوت اور مراقبے وغیرہ میں گزارتے ہیں۔

ہنوخا

یہ تہوار جو ۲۵ کسلیو کو دسمبر کے مہینے میں پڑتا ہے اُس دن کی یاد میں ہے جب ۱۶۵ ق۔م میں یہودیوں نے یونانی (سیلوکسی) حکمرانوں کے مظالم سے تنگ آ کر اُن کے خلاف کامیاب بغاوت کی تھی اور یہودا مکابی کی فوج نے یروشلم پر قبضہ کر لیا تھا۔ مکابی نے مرکزی معبد کو پاک کرنے کی جو رسومات کی تھیں وہ آٹھ دن تک جاری رہیں تھیں۔ اُسی کی یاد میں ہنوخا کا تہوار دسمبر میں آٹھ دن تک منایا جاتا ہے، اگرچہ اس کا پہلا دن ہی زیادہ اہم ہوتا ہے۔ یہ تہوار خوشی کا ہے کیونکہ اس دن یہودیوں کو اپنے مذہب اور قوم کے دشمن سیلوکسی بادشاہ انیٹوکس اپی فینس کی غلامی سے نجات ملی تھی جو اُن پر یونانی مذہب اور تمدن مسلط کرنے کا مکمل ارادہ کر چکا تھا۔

تہوار کے ان آٹھ دنوں میں اور خصوصاً پہلے دن چراغاں کا اہتمام کیا جاتا ہے اور خوشی و مسرت کا ماحول رہتا ہے۔ اس تقریب پر آلو کے تلے ہوئے پکوان لٹکا کر پکائے جاتے ہیں، اور بعض جگہوں پر یونانیوں اور یہودیوں کی لڑائی کو سوانگ بھر کر پیش کیا جاتا ہے۔ چونکہ یہ تہوار نہ تو تورات میں مذکور ہے، اور نہ ہی اس کی کوئی مذہبی حیثیت ہے، اس لئے اس میں غیر سنجیدگی کی فضا رہتی ہے اور مذہبی لوگوں کے لئے اس کی خاص اہمیت بھی نہیں ہے۔ البتہ یورپ اور خصوصاً امریکہ میں کرسمس کے زمانے سے اس کی قربت کی وجہ سے یہودی جو اپنے عیسائی ہمسایوں کی کرسمس کی دھوم دھام کو غالباً رشک کی نگاہ سے دیکھتے ہوں گے، جدید دور میں اس تہوار کو بہت اہتمام سے منانے لگے ہیں۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

مقدس کتابیں

یہودی کسی ایک مقدس کتاب کو نہیں مانتے بلکہ یہ کئی صحیفے ہیں جو مختلف زمانوں میں مختلف شخصیتوں کے ذریعے مرتب کئے گئے اور اجماع امت سے مستند قرار پائے۔ یہودیوں میں مستند صحف کا یہ مجموعہ محض ''کتابیں'' (اسفار، واحد: سفر) کے نام سے موسوم رہا البتہ عہد وسطی میں اس کے ساتھ امتیاز کے لئے ''مقدس'' کا لفظ بھی استعمال کیا جانے لگا تھا۔ عیسائیوں کی بائبل میں پہلا تین چوتھائی حصہ انہیں ''کتب'' پر مشتمل ہے اور عہد نامہ قدیم کہلاتا ہے کیونکہ عیسائی بھی ان ''کتب'' کی حقانیت کو تسلیم کرتے ہیں۔ اب یہودی بھی عہد نامہ قدیم کی اصطلاح کو استعمال کر لیتے ہیں۔ یہودیوں کی ان مقدس کتب یا عہد نامہ قدیم کی پہلی پانچ کتابیں توریت کہلاتی ہیں اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی مرتب کردہ سمجھی جاتی ہیں۔ انہیں میں وہ حصہ بھی شامل ہے جو ''احکام عشرہ'' پر مشتمل ہے جو یہودیوں کے نزدیک خدا کے ہاتھ کی لکھی ہوئی الواح کی صورت میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کوہِ طور پر دیا گیا تھا۔

توریت یا پہلی پانچ کتابیں جو بالترتیب کتاب پیدائش، کتابِ خروج، کتابِ احبار، کتاب گنتی، اور کتاب استثنا، پر مشتمل ہیں پورے عہد نامۂ قدیم میں سب سے زیادہ مقدس اور اہم سمجھی جاتی ہیں اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی لائی ہوئی شریعت انہیں میں مذکور ہے۔ حضرت موسیٰ اور اُن کے علاوہ دوسری تمام مقدس کتب کے مرتبین یہودیوں کے نزدیک نبوت کے درجے پر فائز تھے اور اب بھی راسخ العقیدہ یہودیوں کے نزدیک ان تحریروں کی عبارت اور الفاظ بعینہ منزل من اللہ سمجھے جاتے ہیں۔ البتہ جدید دور میں یہ تصور یہودیوں اور عیسائیوں میں کافی مقبول ہو چکا ہے کہ گو اس اعتبار سے کہ ان کو مرتب کرنے والے پیغمبر ''روح خداوندی'' نے بنی اسرائیل کا ساتھ چھوڑ دیا، اس لئے اس کے بعد بنی اسرائیل میں پیغمبر آنے کا سلسلہ ختم ہو گیا۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

عہدنامہ قدیم کے زمانۂ تحریر کے آخری دور میں یا اُس کے کچھ عرصہ بعد ہی اسی مرتبہ کی اور کتابیں بھی بنی اسرائیل میں تحریر کی گئیں مگر یہودی علما کے خیال میں ان کے مرتبین پیغمبر نہیں تھے۔ اس لئے ان کتابوں کو "محرف" قرار دیا گیا اور ان کو مقدس کتابوں میں نہیں شامل کیا گیا۔ تلمود یا بعد کی مذہبی روایت کے مطابق سب سے پہلے حضرت عزیر علیہ السلام نے پانچویں صدی قبل مسیح میں بابلی مہاجرت کے بعد توریت اور ان مقدس کتابوں کو منظّم شکل میں پیش کیا تھا، مگر جدید تحقیق کے مطابق یہ بیان توریت کی حد تک تو صحیح ہو سکتا ہے لیکن دوسری مقدس کتابوں کی موجودہ تنظیم اور ان کا متن دوسری صدی قبل مسیح تک ہی طے ہو پایا تھا۔ یہودیوں کے مقدس کتابوں کے مجموعہ میں چوبیس کتابیں شامل ہیں جب کہ بائبل میں اُن کی تعداد انتالیس ہے، وجہ اس کی یہ ہے کہ کئی کتابیں جو بائبل میں دو حصوں میں تقسیم کر دی گئی ہیں وہ یہودیوں کے مجموعہ میں ایک ہی کتاب شمار کی گئیں ہیں اس کے علاوہ بارہ چھوٹے انبیا جن کی کتابیں بائبل میں الگ دی گئی ہیں، وہ سب یہودیوں کے مجموعہ میں ایک ہی کتاب میں درج ہیں۔ یہودیوں کے مجموعے اور بائبل میں کتابوں کی ترتیب میں بھی فرق ہے، اگرچہ کتابیں سب کی سب وہی ہیں یہودی روایت میں تمام مقدس کتب تین حصوں میں تقسیم ہیں، جن میں مرتبہ کے لحاظ سے بھی بالترتیب فرق سمجھا جاتا ہے۔ سب سے پہلے توریت جس کے مرتبہ کو کوئی بھی مقدس کتاب نہیں پہنچ سکتی، دوسرے درجہ پر انبیا کا حصہ ہے جس میں بڑے اور چھوٹے انبیا کی تحریروں میں فرق کیا گیا ہے اور تیسرے یہودی مقدس کتب کا متن دوسری صدی عیسوی میں ربی عقیبہ اور ان کے ساتھیوں کی کوششوں سے جامنیا کے مدرسہ میں تیار کردہ نسخہ پر مبنی ہے، جو کہ مزوریت نسخہ کہلاتا ہے، جب کہ عیسائی کلیسا میں ابتدا ہی سے مقدس کتب کا جو نسخہ استعمال ہوا وہ ایک دوسری روایت کے دوران ہوا تھا۔ اس طرح یہودی اور عیسائی مقدس کتب کے جو نسخے استعمال کرتے ہیں وہ ابتدا سے ہی دو الگ روایتوں پر مبنی ہیں، البتہ یہ امر تعجب خیز ہے کہ اس کے باوجود ان نسخوں میں کچھ ایسے اہم اختلافات نہیں ہیں۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

حوالہ جات اور حواشی

1. دی ہولی بائبل، نسخہ کنگ جیمز، ۱۶۱۱ء امریکن بائبل سوسائٹی، نیویارک (غیر مورخہ) صفحہ ۶۰ (اس اقتباس کا اور بائبل کے اگلے تمام اقتباسات کا اردو ترجمہ اس کتاب کے مصنف کے قلم سے ہے۔)
2. ایضاً، صفحہ ۷۸۔
3. ایضاً، صفحہ ۸۰۔
4. ایضاً، صفحہ ۱۲۔
5. ایضاً، صفحہ ۱۸۔
6. ایضاً، صفحہ ۶۵۔
7. دیکھئے اقتباس بالا کے آخری جملے۔
8. اس نقطۂ نظر کی تشریح کے لئے دیکھئے: ہیرل۔ الف۔ بیک، دی ہسٹری آف اسرائیل، (حصہ اوّل) مقالہ مشمولہ چارلس۔ ایم۔ لیمن، کمنٹری آن دی بائبل، نیشوِل (ٹینیسی) ۱۹۷۱ء صفحات ۱۹۔۱۔۱۰۱۸۔
9. دی ہولی بائبل، حوالہ مذکورہ بالا، صفحہ ۱۹۵۔
10. ایضاً، (کتاب استثنا، باب ۳۴۔۵۔۶) صفحہ ۱۹۵۔
11. ایضاً، (کتاب سلاطین اوّل، باب گیارہ ۱۔۱۳) صفحہ ۳۱۷۔
12. ایضاً، صفحہ ۷۸۹۔
13. کمنٹری آن دی بائبل، (مرتبہ) چارلس۔ ایم۔ لیمن، نیشوِل، ۱۹۷۱ء صفحہ ۱۰۲۵۔
14. انسائیکلوپیڈیا آف بریٹینکا، (میکروپیڈیا) شکاگو، ۱۹۷۵ء مقالہ بر "میسیاہ" صفحہ ۱۰۱۸۔
15. خائیم برمانٹ، اسرائیل، لندن، ۱۹۶۷ء صفحہ ۱۶۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

عیسائیت

(Christianity)

متیٰ کی انجیل کے مطابق حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے ایک وعظ کے دوران فرمایا:

''یہ نہ سمجھو کہ میں توریت یا (بنی اسرائیل کے) نبیوں کی کتابوں کو منسوخ کرنے آیا ہوں۔ منسوخ کرنے نہیں بلکہ پورا کرنے آیا ہوں کیونکہ میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ جب تک آسمان اور زمین ٹل نہ جائیں ایک نقطہ یا ایک شوشہ توریت سے ہرگز نہ ٹلے گا جب تک سب کچھ پورا نہ ہو جائے۔''

(عہد نامہ جدید، متی، باب ۵ آیات ۱۸۔۱۷)

درحقیقت عیسائیت کا بیان یہودی روایت کے پس منظر کو سامنے رکھے بغیر بہت مشکل ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ایک یہودی خاندان میں پیدا ہوئے۔ یہودی روایت سے وہ اس طرح بخوبی واقف تھے کہ اُن کے شاگرداُن کو یہودی عالموں کے لئے مخصوص اصطلاح ربی کے نام سے پکارتے تھے۔ پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے عام طور پر یہودی معاشرت اور قوانین کی پابندی کو اختیار کیے رکھا۔ اپنی تعلیمات کو انہوں نے یہودیت کی ہی ایک نئی اور صحیح تعبیر کے طور پر پیش کیا اور اپنی سند کے لئے یہودیت کی مقدس کتابوں پر ہی تکیہ کیا۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

گو یہودیت کی اپنی اس نئی تعبیر میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے مروجہ یہودی رسومات سے اختلاف بھی کیا، لیکن ایسا اس لئے تھا کہ اپنی تعلیمات میں انہوں نے یہودیت کی ظاہری رسومات کے برخلاف اُس کی روح اور مقصد کو اپنا مطمح نظر بنایا اور اسی کو سچی مذہبیت قرار دیا۔

دوسری طرف یہ کہا جا سکتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیمات کو جاننے کا ہمارے پاس براہ راست کوئی ذریعہ نہیں ہے۔ ان کے جو بھی حالات اور تعلیمات ہم تک پہنچی ہیں وہ اُن کے حواریوں، بلکہ حواریوں کے بھی شاگردوں کے، بیانات پر مبنی ہیں، اور پھر یہ بھی حقیقت ہے کہ عیسائیت کی تشکیل میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی اپنی تعلیمات کی حیثیت محض ثانوی ہے۔ عیسائی مذہب کی بنیاد، درحقیقت، اُن تصورات اور عقائد پر ہے جنہیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں اور ابتدائی شاگردوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اس دنیا سے اُٹھ جانے کے بعد اُن سے متعلق اپنانا شروع کر دیا تھا۔

دوسرے الفاظ میں عیسائیت کی بنیاد حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیمات پر نہیں، بلکہ اُن کی شخصیت پر ہے اور وہ بھی اُس صورت میں جیسا کہ اُن کے حواریوں اور ابتدائی شاگردوں نے اُن کی دنیوی زندگی کے بعد اُن کو ماننا اور جاننا شروع کیا۔ لیکن ہم کو یہ نہیں بھولنا چاہیے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے یہ حواری اور ابتدائی شاگرد بھی یہودی تھے اور انہوں نے جن غیر قوم والوں کو عیسائیت کا پیغام پہنچایا اُن کو یہ پیغام یہودی روایت کے پس منظر اور یہودی تصورات کے ساتھ ہی پہنچایا تھا۔ اس طرح عیسائیت کو خاطر خواہ سمجھنے کے لئے یہودیت سے اس کے تعلق اور اس تعلق کی نوعیت کو سمجھنا ناگزیر ہو جاتا ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش اور ابتدائی عیسائیت کی تشکیل جس یہودی ماحول میں ہوئی وہ کئی اعتبار سے مخصوص حالات و رجحانات کا حامل تھا۔ اسیری بابل کے بعد سے یہودیوں کے سیاسی، سماجی مذہبی اور تمدنی حالات میں جو غیر معمولی تبدیلیاں آئیں انہوں نے اپنے اثرات ان کی زندگی کے مختلف شعبوں میں بہت گہرے چھوڑے تھے۔ ایران کی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

عظیم الشان ہخامنشی سلطنت کے بانی کورش اعظم کے دور سے لے کر، جس نے بابلی حکومت کو شکست دے کر (۵۲۹ ق۔م) یہودیوں کو ان کے پنجے سے رہائی دلائی اور ایرانی سلطنت پر سکندر یونانی کی فتح (۳۳۲ق۔م) تک یہودی ایرانی سلطنت کی رعایا بن کر رہے۔ اس دور میں جہاں انہوں نے عام طور پر اپنی قومی زبان عبرانی کا استعمال چھوڑ کر ایرانی سلطنت کے مغربی حصوں میں رائج آرامی زبان کو اختیار کر لیا تھا، وہاں اُن کو اس دور میں ایران کے قومی مذہب زرتشتیت کے اثرات قبول کرنے کا بھی پورا پورا موقع ملا۔

قدیم یہودی مذہب اسی مادّی دنیا سے متعلق گہرے تاریخی اور نسلی شعور پر مبنی مذہب تھا۔ اس مذہب میں دنیا کے بعد کی زندگی یا آخرت کا کوئی تصور نہیں تھا۔ جب کہ زرتشتی مذہب میں قرب قیامت کی علامات، مہدی موعود (سوشیانت) کی آمد اور اُس کی مدد سے خیر کی باطل پر مکمل فتح، قیامت کا واقع ہونا، مردوں کا زندہ ہونا، میدان حشر، پل صراط، میزان، نیک و بد اعمال کا وزن ہونا اور اُس کے اعتبار سے جنت یا دوزخ کی تقسیم اور آخرت میں ہمیشہ ہمیشہ کی زندگی، ایسے موضوعات تھے جو نہایت تفصیل سے اور پُر زور طریقے پر بیان ہوئے ہیں۔ اِسی طرح قوتِ شر کے نمائندے شیطان (انگرامینیو) اور فرشتوں کے وجود کے بارے میں بھی قدیم یہودیت تقریباً خاموش تھی، جب کہ یہ دونوں موضوعات بھی زرتشتیت میں بہت اہمیت رکھتے ہیں۔ ایرانی حکومت کی ماتحتی کے دوران یہودیوں کو ان خیالات و تصورات سے واقفیت حاصل کرنے کا خاصہ موقع ملا۔ چنانچہ اس دوران تصنیف شدہ یہودی مذہبی ادب میں ہم اس نوع کے تصورات کو موجود پاتے ہیں۔

۳۳۵ ق۔م۔ میں جب سکندر یونانی دنیا فتح کرنے کے ارادے سے نکلا تو نہ صرف مصر اور مغربی ایشیا بلکہ ایرانی حکومت پر اُس کی فتح کے ساتھ ہی اس حکومت کے مشرقی مقبوضات بھی اُس کے دائرۂ سلطنت میں شامل ہو گئے۔ سکندر کی موت کے بعد اُس کی حکومت اُس کے یونانی سرداروں میں تقسیم ہو گئی اور فلسطین کا علاقہ جہاں یہودیوں کی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اکثریت آباد تھی پہلے مصر کی طلیموسی یونانی حکومت کے تابع رہا پھر ۲۰۰ق۔م۔ کے بعد ایران اور مغربی ایشیا پر قابض سیلوکسی سلطنت کے قبضہ میں آ گیا۔ یہ یونانی حکمران ایران شہنشاہوں کے طرز پر مذہبی و تمدنی رواداری کے قائل نہ تھے جو صرف دوسری اقوام کی سیاسی اطاعت پر قانع ہو جاتے تھے بلکہ یونانی تمدن و تہذیب پر نازاں سکندر کے ان جانشینوں کے نزدیک دوسری قومیں وحشیوں اور جنگلیوں سے زیادہ حیثیت نہ رکھتی تھیں، جن کو یونانی تہذیب کے سانچے میں ڈھال کر متمدن بنانا وہ اپنا فرض منصبی خیال کرتے تھے خواہ اس مقصد کے لئے انہیں ظلم و تعدی سے ہی کیوں نہ کام لینا پڑے۔

اس صورتِ حال میں اگر ایرانی مذہب اور تمدن کے اثرات یہودیوں نے ایک رواداران ماحول میں فطری عمل کے طور پر خود بخود قبول کئے تھے تو یونانی حکومت کے باجبر و اکراہ یونانی تہذیب لادنے پر ان میں غم و غصہ اور بے بسی کی کیفیت پیدا ہو چکی تھی۔ چنانچہ دوسری صدی قبل مسیح میں سیلوکسی حکمراں انیٹوکس اپی فینس کے یہودی شریعت کو پامال کرنے والے انتہائی متعصبانہ قوانین اور یہودیوں کے مرکزی معبد کو ناپاک کر کے اُس میں یونانی دیوتاؤں کے بُت نصب کرانے کی کوششوں کے بعد یہودیوں نے اپنی آزاد حکومت قائم کرنے کی صدیوں کی دبی ہوئی آرزو کو عملی جامہ پہنانے کی سوچی۔ ۱۶۵ق۔م میں مکابی بھائیوں کے زیر قیادت یہودیوں کی انقلابی جماعت اپنی خود مختار حکومت قائم کرنے میں کامیاب ہوگئی۔

مکابیوں کا یہ حکمراں خاندان جو یہودیوں کی خودمختاری کی قدیم آرزوؤں کا نمائندہ بن کر سامنے آیا تھا کئی اعتبار سے مایوس کن ثابت ہوا نہ صرف یہ کہ مکابی حکمراں یہودیوں کی عظمتِ رفتہ اور قدیم زمانے کی خوش حالی و فراوانی کی کوئی جھلک واپس لانے میں قطعی ناکام رہے بلکہ انہوں نے خود اپنی عوام پر ظلم و غارت گری کا پہاڑ توڑا یہاں تک کہ بہت جلد یہودی ان سے ہر طرح کی امید منقطع کر بیٹھے۔ تقریباً ایک صدی کی منتشر حکومت

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کے بعد جب مکابیوں کی اندرونی کمزوریوں اور باہمی خانہ جنگیوں کے نتیجہ میں رومی جنرل پومپی آئی نے فلسطین پر قبضہ کرلیا اور فلسطین کے رومی دورِ حکومت کا آغاز کیا تو یہودیوں کے مختصر دورِ خودمختاری کا بھی خاتمہ ہوگیا۔

اس نوع کے سیاسی اور تمدنی حالات کے پیشِ نظر یونانی دورِ حکومت میں تقریباً اُسی وقت سے جب کہ مکابی اپنی سیاسی جدوجہد شروع کررہے تھے (دوسری صدی ق۔م کے نصف اوّل میں) یہودیت میں ایک نیا اور مخصوص طرز کا مذہبی ادب منظر عام پر آنا شروع ہوا جس کا سلسلہ ۱۳۵ء میں رومیوں کے ہاتھوں یہودیوں کے مکمل قومی انتشار تک جاری رہا۔ یہ مذہبی ادب جو یہودی اور عیسائی روایات میں ایپاکلپسے (مکاشفات) کے نام سے معروف ہے، اپنے مخصوص تصورات اور اثرات کے ذریعہ یہودیوں کے نامساعد حالات میں اپنے وجود کو برقرار رکھنے اور ان کی مذہبی اور قومی خوداعتمادی کی گرتی ہوئی دیواروں کو سنبھالا دینے میں بڑی حد تک معاون ثابت ہوا۔ یہ صحیح ہے کہ اس مذہبی ادب کو کبھی راسخ العقیدہ مذہبی رہنماؤں نے مقدس کتابوں کے ہم پلہ نہیں سمجھا (سوائے کتاب دانیال کے جو مقدس کتابوں میں شامل ہے) مگر مندرجہ بالا تقریباً تین صدیوں کے دوران یہودی عوام میں اس کی مقبولیت میں کوئی کلام نہیں ہے، اور بعد کے دور میں ان تحریرات کے کئی مرکزی تصورات راسخ العقیدہ یہودیت کے لازمی جز بن گئے۔ (دیکھئے یہودیت سے متعلق باب میں ''مسیح'' کا تصور)

ان تحریروں کے اندر جن کو بیشتر قدیم زمانے کی مشہور شخصیات کے ساتھ موسوم کر دیا گیا تھا، یہودیوں کو مستقبل میں آنے والے ایک خوش آئند دور کی خبر دی گئی تھی جب خدا کا فرستادہ ''مسیح'' آکر یہودیوں کے دشمنوں اور باطل قوموں کو شکست فاش دے گا اور خوش حالی اور مسرت پر مبنی خدا کی براہِ راست حکومت کا آغاز کرلے گا جس میں خدا کے نیک بندے یعنی یہودی ہمیشہ ہمیشہ حکمرانی کریں گے۔ اس کے علاوہ شیطانی قوتوں فرشتوں،

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

آخرت اور انفرادی جزا و سزا کے زرتشتی تصورات جن کی طرف ہم اوپر اشارہ کر چکے ہیں، ان تحریروں کا حصہ ہیں۔

اِس بات کے شواہد موجود ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے قبل کی دو صدیوں میں مخصوص حالات کے تحت یہ تصورات اور رجحانات اِس قدر مقبولیت حاصل کر چکے تھے کہ ان کی بنیاد پر ایسی مذہبی تحریکیں شروع ہو گئی تھیں جو اپنے آپ کو خدائی حکومت میں حصہ لینے کے لئے تیار کر رہی تھیں اور اُس کے آغاز کے لئے ''مسیح'' یا ''مسیحاؤں'' کی آمد کا انتظار کر رہی تھیں۔ مثال کے طور پر ایسینیز کا فرقہ جس کا مرکز بحیرۂ مردار کے ساحل پر وادی قمران میں تھا اور جس کے آثار اُن تحریروں میں دریافت ہوئے ہیں جو ۱۹۴۷ء کے بعد اسرائیل میں آثار قدیمہ کی کھدائیوں میں نکلی ہیں اور بحیرۂ مردار کے صحائف کے نام سے موسوم ہیں۔ یا انجیلوں میں مذکور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بھائی یوحنا (حضرت یحییٰ علیہ السلام) کی دعوت جو ایک درویش کی طرح صحرا نشین تھے اور لوگوں کو خدائی حکومت کے عنقریب انعقاد کی اور اپنے بعد آنے والے (مسیح) کی خبر دیتے تھے۔ اس طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ظہور کے وقت یہودیت کی فضا مکاشفات میں مذکور تعلیمات اور مسیح کے تصور سے معمور تھی اور اُن پیش گوئیوں کے واقع ہونے کا بے چینی سے انتظار کیا جا رہا تھا جن کی تصویر کشی ان تحریرات میں کی گئی تھی۔

عیسائیت کی تشکیل اور اُس کے مرکزی تصورات کو سمجھنے کے سلسلے میں عیسائیت کے یہودی پس منظر کی بنیادی اہمیت کے باوجود فکری اور تمدنی اثرات کے لحاظ سے ہم ایک اور جہت کی طرف سے صرفِ نظر نہیں کر سکتے جس نے ابتدائی عیسائیت پر گہرا اثر چھوڑا بلکہ اُس کی تعمیر میں ایک اہم عنصر کے طور پر شریک تھی۔ ہماری مراد وسیع تر یونانیت (ہیلینزم) کے نام سے معروف اُس تمدن سے ہے جس میں خالص یونانی عناصر کے ساتھ مشرق کے فکری اور مذہبی سرمایہ کی آمیزش سے ایک مخصوص تمدنی مرکب تیار ہو گیا تھا۔ یہ تمدن مع

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

یونانی زبان وادب پہلے سکندر کے جانشینوں کے اور پھر رومی سلطنت کے کاندھوں پر سوار مؤخرالذکر کے زوال تک بحیرہ روم کے چاروں طرف دور دور تک کے علاقوں میں اپنے وقت کے موثر ترین تمدنی سرمایہ کی حیثیت سے قبول عام کے اعلیٰ درجہ تک پہنچ گیا تھا اس کے ساتھ ساتھ عظیم الشان رومی سلطنت جس کی حکومت تین براعظموں پر محیط تھی، اس کے انتظامی وحکومتی ادارے اور خود روم کا اپنا قومی ورثہ ایسے عناصر تھے جنہوں نے وسیع تر یونانیت کے ساتھ مل کر ایک مخصوص سیاسی وتمدنی ماحول ترکیب دے رکھا تھا اور جس کی آغوش میں ابتدائی عیسائیت کو پروان چڑھنا تھا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواری اور اُن کے دوسرے شاگرد جن کے تصورات اور افکار عیسائیت کی تشکیل کا باعث ہوئے، یہودی النسل ہونے کے باوجود اس حد تک اس رائج الوقت یونانی رومی تمدن سے فیضیاب تھے کہ ان کی تمام کی تمام تحریریں یونانی زبان میں لکھی گئیں اور ان میں یونانی تمدن سے مستعار اصطلاحات اور اسالیب بیان کا استعمال اُن تصورات کے لئے بھی کیا گیا ہے جو کہ خالص یہودی روایت کی دین تھے۔ اس صورت حال کی دو بنیادی وجوہات تھیں۔ پہلی تو یہ کہ یونانیوں کے طویل دورِ حکومت اور اس کے بعد رومی سیاسی تسلط کے دوران خود یہودیوں کی ایک بڑی جماعت خصوصاً ان یہودیوں کی جو فلسطین کے علاوہ مغربی ایشیا مصر اور رومی سلطنت کے دوسرے شہروں میں آباد تھے، یونانی تمدن سے گہرے طور پر متاثر ہو چکی تھی۔

ان یہودیوں کے لئے یونانی زبان اور یونانی اُسلوب میں کسی بات کا سمجھنا عبرانی یا آرامی کی بنسبت زیادہ آسان تھا۔ دوسری طرف ابتدائی دور سے ہی عیسائی جماعت کا رخ رومی سلطنت کے غیر یہودی یا مشرک باشندوں کی طرف پھر گیا تھا جو اپنے تمدن کے لحاظ سے یونانیت میں رنگے ہوئے تھے۔ رومی سلطنت کی یہ غیر یہودی آبادی اپنی اکثریت اور عیسائیت کو قبول کرنے کی آمادگی کے باعث عیسائی رہنماؤں اور مبلغین کی توجہ کی زیادہ سے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

زیادہ حقدار ہوتی چلی گئی، یہاں تک کہ ۷۰ء میں یروشلم کی تباہی کے بعد تو عیسائی رہنماؤں کی تمام تر توجہ ان غیر یہودی باشندوں کی طرف مرکوز ہوگئی۔ چونکہ حواریوں اور اُن کے شاگردوں کے بنیادی مخاطب یونانیت میں رنگے ہوئے یہودی یا یونانیت سے پوری طرح متاثر رومی سلطنت کے دوسرے باشندے تھے، اس لئے انہوں نے اپنی تحریروں کے لئے یونانی زبان اور اُسلوب ہی کو اختیار کیا۔

عیسائیت کی یہ اولین مقدس تحریریں جو عہد نامہ جدید نام کے مجموعہ میں شامل ہیں۔ نہ صرف عیسائیت کے ابتدائی عقائد بلکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں بھی جاننے کے لئے ہمارے واحد بنیادی ماخذ ہیں۔ اس مجموعہ میں چار اناجیل (واحد: انجیل) یعنی انجیل بروایت متی، انجیل بروایت مرقس، انجیل بروایت لوقا اور انجیل بروایت یوحنا شامل ہیں، جو کہ درحقیقت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مذہبی نقطۂ نظر سے لکھی گئی سوانح ہیں اور اُن کے اس دنیا سے اُٹھ جانے کے تقریباً ۳۷ سال کے بعد سے لے کر ستر، اسی سال بعد تک لکھی گئیں۔

اناجیل کے ان مرتبین میں پہلے اور چوتھے یعنی متی اور یوحنا کے علاوہ بقیہ دو شخصیتیں روایتاً بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے براہ راست شاگردوں یا حواریوں میں شامل نہیں ہیں، بلکہ ان کی حیثیت حواریوں کے اصحاب کی ہے۔ اس کے علاوہ عہد نامہ جدید میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد اُن کے حواریوں کی ابتدائی سرگزشت بعنوان رسولوں کے اعمال نیز حواریوں کے خطوط اور ایک مکاشفہ شامل ہیں۔ خطوط کا بیشتر حصہ پولس (پال) رسول کے خطوط پر مبنی ہے جو ابتداً اگرچہ حواری نہ تھے۔ بلکہ عیسائیوں کے جانی دشمن ایک یہودی عالم تھے مگر ایک روحانی تجربہ کے بعد جس میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ان کو براہِ راست مخاطب کیا تھا، وہ نہ صرف عیسائیت کے پیرو اور سب سے پُرجوش مبلغ بن گئے بلکہ اُن کو حواری کا درجہ بھی دے دیا گیا۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

طویل طویل سفروں کے ذریعہ غیر یہودی اقوام میں عیسائیت کی کامیاب اشاعت کے باعث عیسائی روایت میں اُن کو "رسول مشرکین" کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے۔ ابتدائی عیسائیت کی تشریح اور اس کے عقائد کی تشکیل میں پولس کی تبلیغ اور اُن کے خطوط نے نہایت اہم کردار ادا کیا ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی زندگی اور تعلیمات

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی حیات اور تعلیمات کے لئے ہم اگر عہد نامہ جدید سے باہر کوئی ماخذ تلاش کرنا چاہیں تو ہم کو قطعاً مایوس ہونا پڑتا ہے۔ اس عہد کی غیر عیسائی تحریروں اور مؤرخین کے لئے شاید ابھی عیسائیت کے بانی یا خود عیسائی تحریک کی ایسی اہمیت نہیں تھی کہ اس کا کسی قدر تذکرہ وہ اپنی تاریخوں میں کر سکیں۔ یہودی تلمود میں چند مختصر حوالوں اور یہودی مورخ یوسفس فلاویس کے سرسری ذکر کے علاوہ رومی مورخین ٹے سی ٹس اور پلنی خورد کی تحریروں میں عیسائیت کا محض برائے نام ذکر آتا ہے۔ جس سے صرف یہ اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نام کی ایک شخصیت کا وجود تھا اور اُن کے کچھ معتقدین بھی تھے[3]۔

لامحالہ اس سلسلے میں ہم کو عہد نامہ جدید کی تحریروں، خصوصاً اناجیل کی طرف رجوع کرنا پڑتا ہے۔ لیکن جیسا کہ ہم اوپر ذکر کر چکے ہیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی یہ سوانح نہ صرف اُن کی حیات کے بعد مختلف وقفوں سے لکھی گئیں بلکہ (زیادہ اہم بات یہ ہے کہ) وہ تاریخ نویسی کا مظہر ہونے کے بجائے مذہبی نقطہ نگاہ سے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں تاریخی حقائق کے تعین سے زیادہ اُن کو اس صورت میں لوگوں کے سامنے پیش کرنا تھا جیسا کہ ابتدائی عیسائیت نے اُن کے بارے میں طے کر لیا تھا۔

اس صورت حال میں جہاں عقیدہ تاریخ کے ساتھ اس طور مدغم ہو، ہمارے لئے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

دونوں کو الگ کرنا ناممکن ہے۔ البتہ ذاتی قیاس کی بنا پر اناجیل کی روشنی میں خصوصاً پہلی تین اناجیل کی روشنی میں جو کہ یوحنا کی انجیل کے مقابلے میں نسبتاً پہلے اور بدرجہا غیر دینیاتی انداز پر مرتب کی گئیں، کچھ اندازے لگائے جا سکتے ہیں۔

یہ بات تو یقینی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شخصیت اتنی غیر معمولی اور پُر تاثیر تھی کہ اُن کے دنیا سے اٹھ جانے کے بعد اُن کے بعد اُن کے حواریوں اور ابتدائی عیسائیت نے نہ صرف اُن کو "مسیح" اور دنیا کا نجات دہندہ قرار دیا بلکہ اُن کے خداوند اور الوہیت کا حامل ہونے پر بھی اصرار کیا۔ نیز انہوں نے یہ ضروری سمجھا کہ وہ اناجیل لکھ کر لوگوں کو اُن کے بارے میں بتائیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی اس غیر معمولی شخصیت کا اظہار اُن کی عمر کے آخری تین برسوں میں اُن کی نبوت کے زمانے میں ہی ہوا، اس لئے یہی وہ عہد ہے جو اناجیل کی خصوصی توجہ کا میدان ہے۔ اُن کی پیدائش اور عمر کے ابتدائی برسوں کے حالات کا ذکر صرف متی اور لوقا کی اناجیل میں ملتا ہے۔ گو اُن کی زیادہ تر تفصیلات بھی اُسی نوعیت کی ہیں جو بعد میں رائج ہونے والے مخصوص عقائد کی ترجمان ہیں۔

لوقا کے بیان کے مطابق حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش قیصر روم آغسٹس کے عہد حکومت میں اُس زمانے میں ہوئی جب کہ اُس نے فلسطین میں مردم شماری کے لئے حکم جاری کر رکھا تھا۔ محققین کے اعتبار سے یہ ۶ ق۔م کا واقعہ ہوگا۔[1] حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش کے وقت اُن کی والدہ حضرت مریم علیہا السلام کی شادی نہیں ہوئی تھی۔ کنواری حضرت مریم علیہا السلام سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش انجیلوں میں صرف لوقا نے بیان کی ہے اور بہر نوع اس کی حیثیت ایک معجزہ کی ہے جس کو عقیدہ کی بنیاد پر ماننا ہوگا۔

حضرت مریم علیہا السلام اور اُن کے منگیتر یوسف، جنہوں نے بعد میں حضرت مریم علیہا السلام سے شادی کر لی اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پرورش کی ذمہ داری نبھائی، دونوں حضرت داؤد علیہ السلام کی نسل سے تھے اور اس اعتبار سے یہودیوں میں باعزت گھرانے سے تعلق رکھتے تھے لیکن

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اس میں شک نہیں کہ دونوں کافی غریب تھے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش کے موقع پر، دستور کے مطابق جو قربانی کا جانور مقدس ہیکل میں پیش کیا جاتا تھا، وہ دو کبوتروں سے زیادہ کی گنجائش نہیں نکال سکے تھے۔

اُن کی پیدائش کے زمانے سے متعلق جو غیر معمولی واقعات لوقا نے بیان کئے ہیں، اُن سے صرف نظر کرتے ہوئے، ہم اُن کی ابتدائی زندگی کے بارے میں صرف یہ قیاس کر سکتے ہیں کہ انہوں نے یقیناً یہودی شریعت اور مذہبی کتابوں کا خاصہ علم حاصل کیا ہو گا جیسا کہ انہوں نے اپنے لڑکپن اور پیغمبری کے دور میں یہودی عالموں سے گفتگو میں اس کا اظہار کیا۔ اس کے علاوہ یوسف نے جو کہ پیشے کے اعتبار سے بڑھئی تھے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بھی اس ہنر کی تربیت دی تھی اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنی نوجوانی میں روزی کمانے کے لئے اس پیشہ کو اختیار کیا تھا۔

اسی زمانے میں (۲۶ء کے لگ بھگ) حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ایک رشتہ کے بھائی حضرت یحییٰ علیہ السلام جو حضرت زکریا علیہ السلام کے لڑکے تھے، جذبۂ الٰہی کے زیر اثر گھر سے نکل گئے اور بیابان میں دریائے اُردن کے کنارے ڈیرا ڈال کر منادی کرنے لگے کہ خدائی حکومت میں شرکت کی تیاری کے لئے توبہ کروا کے بپتسمہ (بیعت کی مخصوص رسم) بھی ادا کرواتے تھے اور کچھ اخلاقی تعلیم بھی دیتے تھے۔ اس دور میں یہودیت کے مخصوص ذہنی ماحول کے پیش نظر، جس کی طرف ہم اوپر اشارہ کر چکے ہیں۔ یہودیوں کے درمیان ''مسیح'' کا انتظار انتہائی شدت اختیار کر چکا تھا، یہاں تک کہ حضرت یحییٰ کے رویہ سے بہت سے لوگوں کو انہیں پر ''مسیح'' ہونے کا شک گزرا، اگرچہ ''مسیح'' کے بارے میں عام تصور یہی تھا کہ وہ کوئی شان و شوکت کی مظہر شخصیت ہو گا اور یہودیوں کی بادشاہت تمام اقوام پر قائم کرنے کے لئے آئے گا۔ جن لوگوں کو حضرت یحییٰ پر ''مسیح'' ہونے کا شک تھا اُن کی تردید کرتے ہوئے حضرت یحییٰ علیہ السلام نے اپنے پیچھے ''مسیح'' کے آنے کی خبر دی اور خود کو اُس کا خادم ظاہر کیا۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

حضرت یحییٰ علیہ السلام کی تحریک توبہ واصلاح کو بظاہر لوگوں میں کافی مقبولیت حاصل ہوئی اور بڑی تعداد میں عوام اُن سے استفادہ کی غرض سے صحرا میں اُن کے ڈیرے پر پہنچنے لگی یہاں تک کہ یہودی عالموں اور مہنتوں کے طبقے کے لوگ بھی اُن کے پاس جانے لگے جن سے وہ بہت سختی سے گفتگو کرتے تھے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی جن کی عمر اُس وقت تقریباً تیس سال کی تھی اسی غرض سے اپنے گاؤں ناصرہ سے (جس کی نسبت سے وہ اور اُن کے ماننے والے نصرانی کہلائے) حضرت یحییٰ علیہ السلام کے پاس پہنچے۔ پہلے تو حضرت یحییٰ علیہ السلام نے اُن کو بپتسمہ دینے سے انکار کیا اور اُن کی غیر معمولی حیثیت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ وہ خود حضرت عیسیٰ سے بپتسمہ لینے کے محتاج ہیں۔ لیکن حضرت عیسیٰ کے اصرار پر وہ اس رسم کی ادائیگی پر آمادہ ہو گئے۔

جس وقت حضرت عیسیٰ علیہ السلام دریائے اردن کے پانی میں سے بپتسمہ لے کر باہر نکلے تو انجیلوں کے بقول انہوں نے دیکھا کہ آسمان کھل گیا اور روح القدس کبوتر کی شکل میں اُن پر نازل ہوا، نیز آسمان سے یہ آواز آئی کہ "یہ میرا پیارا بیٹا ہے جس سے میں خوش ہوں" پہلی تینوں انجیلوں کے بیان سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ذاتی مذہبی تجربہ تھا، اور دوسرے لوگ یہاں تک کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی جو وہیں موجود تھے، اس مشاہدہ میں نہیں شریک تھے۔ لیکن چوتھی انجیل حضرت یحییٰ علیہ السلام کو اس واقعہ کا گواہ بناتی ہے۔

جیسا کہ دوسرے مذاہب کے بانیوں یا عظیم روحانی شخصیتوں کی زندگی سے ظاہر ہے کہ ایسے کسی غیر معمولی واقعہ کے بعد ہی ان کا دورِ پیغمبری یا مخصوص روحانی تحریک کا زمانہ شروع ہوتا ہے، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا بپتسمہ کے فوراً بعد یہ روحانی تجربہ بھی اُن کے دورِ پیغمبری کا آغاز بن گیا جو ایک مختصر مدت یعنی تقریباً تین سال تک جاری رہا۔ اس تین سال کے مرکزی واقعات زیادہ نہیں ہیں اور ان کی ترتیب و تذکرہ میں پہلی تین اناجیل تقریباً متفق ہیں۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اس ترتیب کے مطابق بپتسمہ اور اپنے روحانی تجربہ کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام صحرا میں تنہا رہنے کے لئے چلے گئے اور اپنی تطہیر و تزکیہ کے لئے چالیس دن تک مسلسل روزے سے رہے۔ اس مدت کے بعد، جب کہ وہ فاقہ سے نیم جان ہو رہے تھے، شیطان نے موقع غنیمت جان کر اُن کو راہِ راست سے بھٹکانے کی آخری کوشش کی۔ ان کوششوں میں دو تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے مخصوص معجزات کی فرمائش سے متعلق ہیں، جن سے غالباً شیطان کا مقصد اُن کے اندر ادعا اور تکبر پیدا کرنا تھا، اور تیسری دنیاوی حکومت اور اقتدار کی لالچ تھی جو شیطان اپنے آگے سجدہ کرنے پر یعنی اپنی بندگی اختیار کرنے پر، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو دینے کے لئے تیار تھا۔

شیطان کے ہر بہلاوے کے جواب میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے مقدس کتابوں کے حوالے دے کر اُس کی فرمائش کو رَد کر دیا اور اس طرح اس سخت امتحان میں پورے اترے۔ یہاں بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی زندگی میں ایک ایسا لمحہ آتا ہے جو دنیا کی بڑی روحانی شخصیتوں میں مشترک ہے۔ تقریباً تمام مذہبی رہنماؤں کی زندگی میں کسی نہ کسی صورت میں ایسا وقت آیا ہے جب کہ شیطانی قوتوں، نفس یا سماج نے انہیں راہ راست سے بھٹکانے کی کوشش کی ہے اور اس طرح کے امتحان سے گزر کر ہی وہ اپنے نصب العین کی طرف کامیابی سے قدم بڑھا سکے ہیں۔

اسی اثنا میں یہودی حاکم ہیرودیس نے حضرت یحییٰ علیہ السلام کو اُن کی حق گوئی اور تنقید سے تنگ آ کر گرفتار کر لیا۔ اس خبر کو سن کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام گلیل کے ضلع میں اپنے وطن کی طرف لوٹ پڑے۔ گلیلی جھیل کے کنارے اُن کو اپنے ابتدائی شاگرد شمعون عرف پطرس اور اُن کے بھائی اِندریاس ملے جو کہ ماہی گیر تھے اور جھیل میں مچھلیاں پکڑنے کے لئے جال ڈال رہے تھے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اُن سے نہایت معنی خیز جملہ کہا:

"میرے پیچھے چلے آؤ تو تم کو آدم گیر بناؤں گا۔[5]"

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

وہ لوگ جال چھوڑ کر اُن کے پیچھے ہو لئے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے تمام بیانات، امثال اور مواعظ میں یہ معنی آفرینی اور گہرائی بہت نمایاں ہے اور اُن کے اقوال کی اہم خصوصیت ہے۔ تھوڑی دور آگے چل کر اُن کو دو اور بھائی یعقوب اور یوحنا ملے جو اپنے باپ زبدی کی کشتی کی مرمت کر رہے تھے، حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اُن کو بھی اپنے ساتھ آنے کی دعوت دی اور وہ بھی کشتی چھوڑ چھاڑ کر اُن کے ساتھ ہو لئے۔ کچھ عرصہ بعد جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے گلیل پہنچ کر اپنی تعلیمات کی عام اشاعت شروع کر دی تھی تین اور اشخاص فلپس، نفتاتی اور متی بھی اُن کے پہلے چار خصوصی شاگردوں کے زمرے میں داخل ہو گئے جو کہ حواریوں کے نام سے جانے جاتے ہیں۔ سال بھر کے اندر اندر حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے پانچ اور اشخاص کو منتخب کر کے اپنے حواریوں کی تعداد بارہ کر لی اور پھر ان سے دور دراز کے علاقوں میں اپنے مسلک کی تبلیغ کا کام لیا۔

گلیل کے شہر کفر نحوم سے اپنی تبلیغ کا آغاز کرنے کے بعد، حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے گلیل کے مختلف شہروں اور گلیل کے آس پاس کے علاقوں میں گھوم پھر کر خدائی حکومت کے عنقریب قیام اور اُس کے ضمن میں لوگوں کو اپنی اصلاح اور رجوع الی اللہ کی دعوت دینا شروع کر دی۔ اپنے مواعظ کے دوران وہ مذہب کی اپنی نئی تشریح بھی پیش کرتے تھے جو ظاہری رسم و رواج سے ہٹ کر سچی مذہبیت اور اخلاص پر مبنی تھی۔ لیکن اناجیل کے بیان میں ان تعلیمات سے زیادہ اہم اُن کے اشارات اور معجزات تھے جو اپنے مواعظ کے ساتھ ساتھ حضرت عیسیٰ علیہ السلام مستقل دکھلاتے تھے اور جو عیسائیوں کے نزدیک اُن کی خصوصی حیثیت (بطور "مسیح" اور ابن اللہ) کے آئینہ دار تھے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معجزات میں بیماریوں اور معذوروں کو اچھا کر دینے کے علاوہ مُردوں کو زندہ کر دینا اور خاص طور پر ارواح خبیثہ کے زیر اثر لوگوں کو اُن سے نجات دلانا تھا، جن میں سے کئی بدروحیں (اناجیل کے مطابق) حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مسیح اور ابن

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اللہ ہونے کا اقرار کرتی ہوئی بھاگتی تھیں۔ اُن کے معجزات، مسیحائی اور یقین و اخلاص پر مبنی مواعظ کی وجہ سے جلد ہی اُن کی شہرت دور دور تک پہنچ گئی اور مختلف مقامات سے آئے ہوئے زیارت اور جسمانی و روحانی شفا کے طالبین کی ایک بھیڑ، مستقل اُن کے ساتھ چلنے لگی۔ جس کے سبب حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور اُن کے حواریوں کے لئے کھانا پینا اور آرام دشوار ہو گیا تھا۔

اپنے بیانات اور عمل میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام بسا اوقات یہودی شریعت کے کسی مخصوص حکم کو نظر انداز بھی کر دیتے تھے۔ اس سے عوام الناس کو بڑی حیرت ہوتی تھی کیونکہ وہ انہیں ایک یہودی مذہبی رہنما ہی سمجھتے تھے۔ دوسری طرف یہودی علما میں اُن کی مخالفت ہوتی تھی۔ عوام الناس حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اس رویے کو اُن کے معجزات کی طرح اُن کی مخصوص حیثیت کا اظہار سمجھتے تھے۔ لیکن یہودی علما اس کو اپنے مذہبی اقتدار کے لئے خطرہ کی گھنٹی قرار دیتے تھے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنی مسیحائی اور ملنے جلنے میں سماج کے کمزور اور نچلے طبقہ کا خصوصی خیال رکھا۔

اُن کو ایسے لوگوں مثلاً ٹیکس انسپکٹروں (جو رومی حکومت کا نمائندہ ہونے کی وجہ سے یہودیوں میں نفرت کی نظر سے دیکھے جاتے تھے) طوائفوں، سماریوں (یہودیوں کے نزدیک ایک بدعتی فرقہ) بازاری لوگوں یا ایسے افراد سے خلا ملا رکھنے یا اُن کے ساتھ کھانے پینے میں بھی کوئی عار نہیں تھا۔ جو یہودیوں کے نزدیک سماج کا تلچھٹ سمجھے جاتے تھے۔ متی ایک جگہ اپنی انجیل میں لکھتے ہیں:

> ''اور جب وہ گھر میں کھانا کھانے بیٹھا تھا تو ایسا ہوا کہ بہت سے محصول لینے والے اور گنہگار آ کر یسوع اور اُس کے شاگردوں کے ساتھ کھانا کھانے بیٹھے۔ فریسیوں (یہودیوں عالموں) نے یہ دیکھ کر اُس کے شاگردوں سے کہا تمہارا استاد محصول لینے والوں اور

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

گنہگاروں کے ساتھ کیوں کھاتا ہے۔ اُس نے (حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے) یہ سن کر کہا تندرستوں کو طبیب درکار نہیں بلکہ بیماروں کو۔ مگر تم جا کر اس کے معنی دریافت کرو کہ میں قربانی (نذر نیاز) نہیں بلکہ رحم پسند کرتا ہوں کیونکہ میں راستبازوں کو نہیں بلکہ گنہگاروں کو بلانے آیا ہوں۔"

(متی باب نہم: آیات ۱۳۔۱۰)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا عوام کے ساتھ یہ قریبی تعلق یہودیوں کے اعلیٰ طبقہ کی برہمی اور ناراضگی کا ایک مزید سبب بن گیا۔ مگر ان سب سے بڑھ کر یہودیوں کے اعلیٰ طبقہ کو برانگیختہ کرنے والا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا وہ ادعائی انداز تکلم تھا جس سے لوگوں کو یہ محسوس ہوتا تھا کہ انہیں مذہب اور انسان کی تقدیر کے سلسلے میں اختیار کلی حاصل ہے۔ اس میں نہ صرف موقع بموقع مختلف اشخاص کے گناہ معاف کرنے کا اعلان داخل تھا۔ (یہودی کفر سمجھتے تھے کیونکہ اُن کے نزدیک کسی کے گناہ معاف کرنے کا اختیار صرف خدا تعالیٰ کو تھا) بلکہ اس چیز کا فیصلہ کہ کیا حق ہے اور کیا ناحق ہے، کون خدا کے نزدیک مقبول، کون مردود ہوگا، کون خدائی حکومت میں حصہ دار ہوگا اور کون اس سے محروم رہے گا، نیز حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا اپنا خدا تعالیٰ کے ساتھ خصوصی تعلق یا مستقبل میں خدائی حکومت کے قیام کے سلسلے میں پیشین گوئیاں وغیرہ بھی شامل تھیں۔

عوام الناس حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اس اِدّعائی اندازِ تکلم کو، اُن کے معجزات کی طرح "مسیح" (اور بعض کے نزدیک ابن اللہ بھی) ہونے پر محمول کرتے تھے۔ ان میں سے کئی ایک نے کھل کر اس کا اظہار بھی کیا جس کا حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے انکار نہیں کیا، البتہ ابتدا میں بعض موقعوں پر ایسے اشخاص کو خاموشی اختیار کرنے کے لئے کہا۔[1]

دوسری طرف یہودیوں کا اعلیٰ طبقہ جو عوام الناس کی طرح خود بھی "مسیح" کے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ظہور کا منتظر تھا، حضرت عیسیٰ علیہ السلام جیسے شکستہ حال، مزدور پیشہ اور غریب شخص کو "مسیح" تسلیم کرنے کے لئے ہرگز تیار نہیں تھا۔ اُن کے تصور میں آنے والا "مسیح" ایک کرّ وفرّ والی شخصیت تھی جس کے جلو میں فرشتوں اور انسانوں کی فوجیں ہوں گی اور جو رومیوں اور یہودیوں کے دوسرے دشمنوں کو شکستِ فاش دے کر حضرت داؤد علیہ السلام کی کھوئی ہوئی سلطنت کو پھر سے قائم کرنے والا تھا۔

اس کے برخلاف حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیم سرتاسر روحانیت پر مبنی تھی وہ جس خدائی حکومت کے قیام کی خوشخبری سناتے تھے، وہ ایمان اور روحانیت کے ذریعہ ملتی تھی اور اُس کا مکمل انعقاد قیامت واقع ہونے پر منحصر تھا۔ تمام شواہد اس طرف اشارہ کرتے ہیں نہ صرف حضرت عیسیٰ علیہ السلام بلکہ اُن کے ابتدائی عیسائی کلیسا بھی عنقریب قیامت واقع ہونے اور بہت جلد خدائی حکومت کے برملا اظہار پر یقین رکھتا تھا۔ [۱]

اس تصور کے ساتھ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی دعوت درحقیقت رجوع الی اللہ اور تزکیۂ نفس کے ذریعہ قیامت میں جو کہ بہت جلد آنے والی تھی، خدا تعالیٰ کے مکمل ظہور جلال کے وقت اپنے کو خدائی حکومت کے لئے تیار رکھنے کی تھی۔ البتہ فی الوقت ایمان و یقین کے ذریعہ انسان روحانی طور پر اس میں کسی قدر شریک ہوسکتا تھا اور یہی وہ چیز تھی جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لانے والوں کو دوسروں سے ممتاز کر رہی تھی، کیونکہ یہودیوں کی ظاہری قانون پرستی اور شریعت کی سطحی پابندی کے مقابلے میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام روح مذہب اور ایمان و یقین کی دعوت دے رہے تھے۔

اس طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام اگر کسی طرح کی کامیابی کی طرف رہنمائی کر رہے تھے تو اُس کی نوعیت قطعاً روحانی اور غیرارضی تھی، جبکہ یہودی اسی دنیا میں مادی کامرانی کے خواب دیکھ رہے تھے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا روحانی نوعیت کا "مسیح" ہونا نہ صرف یہودیوں کی آرزوؤں کو تشنہ چھوڑ دیتا تھا بلکہ یہ اُن کو اپنے تصورِ "مسیح" کے ساتھ ایک مذاق معلوم ہوتا

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

تھا۔اسی سبب سے یہودی حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے اس قدر برہم تھے کہ بالآخر اُن کے صلیب پر چڑھائے جانے سے کم پر کسی طرح راضی نہ تھے۔

اناجیل میں متی، مرقس اور لوقا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تبلیغی زندگی کا مرکز گلیل کے علاقہ کو ہی بتاتے ہیں جس کے اطراف واکناف میں دور دور تک سفر کر کے حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنی تعلیمات کی اشاعت کی تھی۔ ان اناجیل کے مطابق حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے یروشلم کا سفر اپنی حیات ارضی کے آخری ایام میں کیا، جہاں مختلف واقعات کے بعد یہودیوں کے تہوار یوم فسح کے دن اُن کی گرفتاری اور پھر مصلوب ہونے کا واقعہ پیش آیا۔ لیکن یوحنا کی انجیل اس لحاظ سے بھی پہلی تین اناجیل سے مختلف ہے کہ اس کے مطابق حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنی تبلیغی زندگی کے دوران یروشلم کے کئی سفر کیے، اور وہاں ایسے کئی واقعات پیش آئے جو پہلی تینوں اناجیل میں مذکور نہیں ہیں۔ بہرحال چاروں اناجیل کے لئے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا یروشلم کا آخری سفر خصوصی اہمیت کا حامل ہے اور اس کے واقعات کو نسبتاً زیادہ تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔

جس وقت حضرت عیسیٰ علیہ السلام یروشلم پہنچے ہیں وہاں اُن کی مخالفت کا کافی سامان مہیا ہو چکا تھا۔ یروشلم کا برسراقتدار طبقہ نہ صرف گلیل اور اُس کے اطراف میں اُن کے معجزات اور عوام کی عقیدت سے واقف تھا بلکہ اُن میں سے کئی ایک گلیل پہنچ کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے مباحثوں میں حصہ بھی لے چکے تھے، اور عوام کے ہجوم کے باعث اُن کے اوپر دل ہی دل میں پیچ و تاب کھا کر رہ گئے تھے۔ اسی طرح یروشلم کے عوام میں بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے کارنامے اچھی طرح متعارف تھے اور اُن میں بہت سے گلیل جا کر اُن کی زیارت سے مشرف ہو چکے تھے۔ پھر بھی یروشلم کے جن لوگوں کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیمات اور شخصیت کا ذاتی مشاہدہ نہیں تھا اُن کے لئے حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اب کافی مواقع فراہم کر دیئے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اپنی دنیاوی زندگی کے ان آخری ایام میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے پہلے سے کہیں زیادہ کھل کر اپنی تعلیمات کو بلند آہنگی سے پیش کیا اور یہودی رہنماؤں پر سخت تنقید شروع کر دی۔ پھر اپنے مواعظ کے لئے انہوں نے یہودیوں کے ہیکل کو مرکز بنایا اور وہاں کھڑے ہو کر نہ صرف اپنی تعلیمات پیش کیں اور معترضین کو دنداں شکن جوابات دئے بلکہ ہیکل کے طور طریق میں نہایت بااختیارانہ انداز میں اصلاح کے طالب ہوئے۔ یہودیوں کے فقیہ اور مذہبی رہنما (فریسی اور صدوقی) جو پہلے ہی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے عوام پر بڑھتے ہوئے اثرات نیز اُن کی انقلابی تعلیمات سے برافروختہ تھے، خاص اپنے ہیکل مقدس میں اپنی سخت تنقید اور اپنے اقتدار پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا چیلنج برداشت نہیں کر سکے اور اس فکر میں رہنے لگے کہ کسی وقت عوام کی دست رس سے محفوظ رہتے ہوئے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو گرفتار کر کے ختم کر دیں۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام جن کو یہودیوں کی خودسری اور مذہبی تشدد پسندی کا پورا احساس تھا، شاید اپنی انقلابی دعوت کے نتیجے میں اپنے ہونے والے انجام کا احساس رکھتے تھے، بلکہ اپنی ارضی زندگی کے آخری واقعات سے چند روز پہلے انہوں نے (عیسائیوں کے مطابق) اپنے مصلوب ہونے اور مرنے کے بعد تیسرے دن جی اٹھنے کے متعلق اپنے شاگردوں کے ذہن کو تیار کرنا شروع کر دیا تھا۔ اُس وقت انہوں نے اپنے بعد حواریوں کی زندگی میں پیش آنے والی قرب قیامت کی نشانیوں کے بارے میں بھی بتلایا اور یہ بھی کہا کہ ان نشانیوں کے واقع ہونے کے بعد وہ لوگ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو فرشتوں کے جلو میں بادلوں سے اترتا ہوا دیکھیں گے اور اس وقت حضرت عیسیٰ علیہ السلام حق پرستوں اور باطل پرستوں کے درمیان پورا پورا انصاف کریں گے۔[5]

عید فسح (پشاخ) کے دن جب کہ یہودی قربانی کرتے تھے اور شام کو خاص کھانا ہوتا تھا، حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بھی اپنے شاگردوں کو شہر میں ایک خاص جگہ بتا کر بھیجا کہ وہاں

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اُن کو دعوت کا سامان تیار ملے گا اور وہیں شام کو سب حواری اکٹھے ہوں گے۔ اُن دنوں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا معمول تھا کہ دن تو یروشلم شہر اور ہیکل مقدس میں تعلیم و ارشاد میں گزارتے تھے مگر رات شہر سے نزدیک کوہِ زیتون پر بسر کرتے تھے۔ رات کو جب جائے مقررہ پر سارے حواری کھانے کے لئے اکٹھے ہوئے تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اُن سے رُخصتی کی باتیں کیں بلکہ یہ بھی کہا کہ تمہیں حواریوں میں سے ایک شخص جو اس وقت طباق میں میرے ساتھ ہاتھ ڈال رہا ہے مجھے پکڑوائے گا۔ یہ سن کر سبھی حواری نہایت دلگیر ہوئے۔ پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے برکت کی دُعا کے ساتھ روٹی توڑی اور اُس کو شاگردوں میں تقسیم کیا اور کہا:

> ''لو کھاؤ! یہ میرا بدن ہے۔ پھر (شراب کا) پیالہ لے کر شکر کیا اور اُن کو دے کر کہا تم سب اس میں سے پیو۔ کیونکہ یہ میرا وہ عہد کا خون ہے جو بہتیروں کے لئے گناہوں کی معافی کے واسطے بہایا جاتا ہے۔ میں تم سے کہتا ہوں کہ انگور کا شیرہ پھر کبھی نہ پیوں گا۔ اُس دن تک کہ تمہارے ساتھ اپنے باپ کی بادشاہی (خدائی حکومت) میں نیا نہ پیوں۔''

(متی باب ۲۶: آیات ۲۹-۲۶)

کھانے کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام حسب معمول حواریوں کے ساتھ شہر سے باہر کوہ زیتون پر آ گئے اور شاگردوں سے فرمایا کہ:

> ''تم سب میری بابت ٹھوکر کھاؤ گے۔''

یعنی عین وقت پر وہ لوگ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ساتھ چھوڑ دیں گے۔ سبھی شاگردوں نے اپنی وفاداری ظاہر کی اور اطمینان دلانے کی کوشش کی، مگر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر اُس وقت بشریت غالب آ رہی تھی اور وہ اپنے اس بظاہر مایوس کن

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

انجام سے بہت مضطرب تھے اس وقت انہوں نے شاگردوں سے کہا:

''میری جان نہایت غمگین ہے۔ یہاں تک کہ مرنے کی نوبت پہنچ گئی ہے تم یہاں ٹھہرو اور جاگتے رہو، اور وہ تھوڑا آگے بڑھا اور زمین پر گر کر دُعا کرنے لگا کہ اگر ہو سکے تو یہ گھڑی مجھ پر سے ٹل جائے، اور کہا اے ابا! اے باپ! تجھ سے سب کچھ ہو سکتا ہے، اس پیالہ کو میرے پاس سے ہٹا لے تو بھی جو میں چاہتا ہوں وہ نہیں بلکہ جو تو چاہتا ہے وہی ہو۔''

(مرقس، باب ۱۴، آیات ۳۶۔۳۴)

اس دوران تین مرتبہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے آ کر شاگردوں کو دیکھا مگر ہر مرتبہ اُن کو سوتا ہوا پایا۔ تیسری مرتبہ جب وہ اُن کے پاس آئے تو کہا:

''اٹھو دیکھو میرا گرفتار کرانے والا آن پہنچا ہے۔''

اُسی وقت یہوداہ اسکریوتی جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارہ حواریوں میں سے تھا، فقیہوں اور کاہنوں کے آدمیوں کی جماعت لئے ہوئے جو تلواروں اور لاٹھیوں وغیرہ سے مسلح تھی، ظاہر ہوا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو گرفتار کر لیا۔ اس وقت بعض شاگردوں نے کچھ مزاحمت بھی کرنی چاہی مگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے منع کرنے پر اور یہ کہنے پر کہ جو نوشتے ہیں اُن کا پورا ہونا ضرور ہے، تمام شاگرد حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو چھوڑ کر بھاگ گئے۔

گرفتار کرنے والے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو لے کر صدر کاہن کے پاس گئے جہاں فقیہوں اور کاہنوں کی ایک جماعت اکٹھی تھی۔ انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر مختلف الزامات لگائے، مگر گواہیاں متفق نہ ہونے کے سبب کوئی فیصلہ نہ کر سکے۔ پھر صدر کاہن نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو قسم دے کر پوچھا کہ کیا تو خدا کا بیٹا مسیح ہے۔ اس پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے کہا:

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

"تو نے خود کہہ دیا بلکہ میں تم سے کہتا ہوں کہ اس کے بعد تم ابن آدم (حضرت عیسیٰ علیہ السلام) کو قادر مطلق کی داہنی طرف بیٹھے اور آسمان کے بادلوں پر آتے دیکھو گے، اس پر سردار کاہن نے یہ کہہ کر اپنے کپڑے پھاڑے کہ اس نے کفر بکا ہے۔ اب ہم کو گواہوں کی کیا حاجت رہی؟ دیکھو تم نے ابھی یہ کفر سنا ہے، تمہاری کیا رائے ہے۔ انہوں نے جواب میں کہا وہ قتل کے لائق ہے۔ اس پر انہوں نے اس کے منہ پر تھوکا اور اس کے مکے مارے اور بعض نے طمانچے مار کر کہا۔ اے مسیح ہمیں نبوت سے بتا کہ تجھے کس نے مارا۔"

(متی باب ۲۶: آیات ۶۸-۶۴)

مگر رومی حکومت کے ماتحت ہونے کے باعث یہودی خود کسی کو قتل کی سزا نہیں دے سکتے تھے۔ اس کے لئے انہیں رومی گورنر سے اجازت لینا ضروری تھا۔ چنانچہ صبح ہونے پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو رومی حاکم پیلاطس (پانٹیس پائلیٹ) کے روبرو پیش کیا گیا، مگر اس کے سوالات کے جواب میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے خاموشی کو ہی ترجیح دی۔ اُدھر یہود مستقل شور مچا رہے تھے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مصلوب ہونے کا حکم سنایا جائے۔ ایسا ظاہر ہوتا ہے کہ رومی حاکم کا دل حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف سے نرم ہو گیا تھا کیونکہ اُس نے کوشش کی کہ یہودی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو چھوڑنے پر راضی ہو جائیں، مگر جب اُس نے دیکھا کہ اس کوشش میں اُلٹا بلوے کا خطرہ ہے تو اپنے کو اس فعل سے بری الذمہ کرتے ہوئے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو مصلوب ہو کر قتل ہونے کے لئے سپاہیوں کے حوالے کر دیا۔

اناجیل کے مطابق سپاہیوں، فقیہوں اور یہودیوں کا ایک جلوس حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بے عزت کرتا ہوا اور اُن کا مذاق بناتا ہوا ایک قریبی مقام تک لے گیا جہاں انہیں صلیب پر چڑھا دیا گیا۔ یہ جمعہ کا دن تھا۔ شام کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعض شاگردوں نے حاکم کی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اجازت سے میت حاصل کی اور کفن وغیرہ کے ساتھ ایک غار میں رکھ کر بھاری پتھر سے ڈھانک دیا (اُس وقت یروشلم میں دفن کا یہی طریقہ رائج تھا۔)

اناجیل کی رُو سے جب تیسرے دن اتوار کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی چند شاگرد خواتین قبر کی زیارت کو گئیں تو انہوں نے غار پر پتھر کو ہٹا ہوا اور اس کی اندر سے میت کو غائب پایا۔ وہیں پر ایک فرشتے نے اُن خواتین کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دوبارہ جی اٹھنے کی خبر دی، پھر ان میں سے مریم مگدلینی اور ایک اور خاتون کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام خود نظر آئے اور انہیں تسلی دی۔ پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام اپنے دو شاگردوں سے راستے میں ملے۔ اُس کے بعد گیارہ حواریوں کے درمیان جب وہ کھانا کھا رہے تھے ظاہر ہوئے اور اُن کے ساتھ کھانے میں شریک بھی ہوئے اگرچہ اس کیفیت میں ان کا جسم مادی نہیں بلکہ نورانی تھا۔ اس موقع پر انہوں نے حواریوں کو تمام دنیا میں اپنی تعلیمات کی تبلیغ واشاعت کرنے اور تمام قوموں کو شاگرد بنانے کا حکم دیا۔

یوحنا کی انجیل کے مطابق وہ اپنے شاگردوں کو ایک سے زیادہ مرتبہ دکھائی دیئے اور ان سے کلام کیا۔ اس طرح اپنے جی اٹھنے کے تقریباً چالیس روز بعد تک اس دنیا میں رہ کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمان پر اٹھا لیے گئے، جہاں عیسائیوں کے اعتقاد کے مطابق، وہ خدا کے داہنی طرف بیٹھے ہیں اور قیامت کے قریب اپنے پورے جلال کے ساتھ دوبارہ اس دنیا میں تشریف لائیں گے۔

تعلیمات

اپنی تعلیمات کے لحاظ سے بنیادی طور پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا رویہ بیشتر مذہبی مصلحین کی طرح مذہبی روایت کے مردہ جسم میں سچی مذہبیت کی روح پھونکنے کے مترادف تھا۔ یہودیت کے اُس قالب کو جو صدیوں سے ظاہر پرستی اور فقہی قیل وقال کا ایک بے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

جان ڈھانچہ بن چکا تھا، حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے مذہب کی باطنی تعبیر وتشریح کے ذریعہ ایک ایسی جہت سے آشنا کرایا جس کے بغیر مذہب زندگی پرور قوت ہونے کے بجائے انسانی روح کو کچل ڈالنے والا بوجھ بن جاتا ہے۔ دوسرے الفاظ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے یہودیت کے دائرے میں رہتے ہوئے مذہب کی ایک متصوفانہ تعبیر کے ذریعہ مذہبی زندگی کی بنیاد ظاہری قانون پرستی کے بجائے ایمان اور قلبی تعلق باللہ پر رکھی۔ اس سلسلے میں ان کا رویہ واضح طور سے یہ تھا کہ مذہب شرعی احکام سے عبارت نہیں ہے بلکہ اس کی بنیاد ایمان و یقین اور اخلاص کے ساتھ تعلق باللہ قائم کرنے پر ہے، نیز شرعی احکام گو اپنی جگہ ضروری اور اہم ہیں مگر اُن کی تشریح اور اُن پر عمل درآمد مذہب کی اسی بنیادی حقیقت کے پیش نظر کیا جانا چاہیے۔ چنانچہ ایک سوال کے جواب میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے مذہب کی حقیقی روح اس طرح بیان کی ہے:

> ''اور اُن میں سے ایک عالم شرع نے آزمانے کے لئے اُس سے (حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے) پوچھا: اے استاد توریت میں کون سا حکم بڑا (یعنی مرکزی) ہے؟ اُس نے اُس سے کہا کہ خداوند اپنے خدا سے اپنے سارے دل اور اپنی ساری جان اور اپنی ساری عقل سے محبت رکھ، بڑا اور پہلا حکم یہی ہے، اور دوسرا اُس کی مانند یہ ہے کہ اپنے پڑوسی سے اپنے برابر محبت رکھ۔ انہیں دو حکموں پر تمام توریت اور انبیا کے صحیفوں کا مدار ہے۔''

(متی باب ۲۲: آیات ۴۰-۳۵)

یا ایک دوسرے موقع پر انہوں نے فقیہوں اور فریسیوں (یہودی عالموں) پر تنقید کرتے ہوئے کہا:

> ''اے ریاکار فقیہو اور فریسیو، تم پر افسوس! کہ پودینہ اور سونف اور

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

زیرہ پر تو وہ یکی (عشر، جو یہودیوں پر زکوٰۃ کی طرح فرض تھا) دیتے ہو پر تم نے شریعت کی زیادہ بھاری باتوں یعنی انصاف اور رحم اور ایمان کو چھوڑ دیا ہے۔ لازم تھا کہ یہ بھی کرتے اور وہ بھی نہ چھوڑتے، اے اندھے راہ بتانے والو جو مچھر کو تو چھانتے ہو اور اونٹ کو نگل جاتے ہو۔

''اے ریاکار فقیہو اور فریسیو! تم پر افسوس! کہ پیالے اور رکابی کو اوپر سے صاف کرتے ہو مگر وہ اندر لوٹ اور ناپرہیزگاری سے بھرے ہیں، اے اندھے فریسی! پہلے پیالے اور رکابی کو اندر سے صاف کر تاکہ اوپر سے بھی صاف ہو جائیں۔''

(متی باب ۲۳: آیات ۲۸-۲۳)

اسی طرح اپنے بعض قول اور عمل کی تشریح کرتے ہوئے جن میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے یہودی شریعت کی کھلم کھلا خلاف ورزی کی، انہوں نے یہ واضح کر دیا کہ شریعت کا مقصد انسان کو فائدہ پہنچانا ہے نہ کہ اُس کو آزمائش میں ڈالنا اور اس کے لئے تنگی پیدا کرنا۔ اس کے ساتھ ساتھ مذہب کی یہ تشریح و تعبیر کرتے وقت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا رویہ محض کسی مجتہد یا مصلح کا نہیں تھا، بلکہ انہوں نے اپنی تعلیمات اُس اختیار اور اعتماد کے ساتھ پیش کیں جو اُن کے ذاتی روحانی تجربہ یا نبوت کا نتیجہ تھا۔

مذہب کے سلسلے میں اپنی نئی تشریح پیش کرتے ہوئے حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے خدا تعالیٰ کی شخصیت اور اُس کے بندوں سے تعلق کی نوعیت کے بارے میں بھی روایتی یہودیت سے بعض باتوں میں اختلاف کیا۔ مثلاً یہودیت میں خدا کا تصور ایک پُر جلال حاکم کا تھا، جس سے بنی اسرائیل بحیثیت اسامیوں اور غلاموں کے ایک خاص معاہدے میں بندھے ہوئے تھے۔ یہودی شریعت درحقیقت اسی معاہدے کی شرائط پر مشتمل تھی۔ جس کی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

خلاف ورزی حاکم کے غصہ کو بھڑکاتی تھی اور وہ نافرمانبردار غلاموں پر اُن کی بدعہدی کے سبب طرح طرح کے مصائب نازل کرتا تھا۔ پھر خدا سے متعلق حاکمی کے اس تصور کے ساتھ یہودیوں نے حسد، غضب، نفرت، کینہ پروری اور منتقم المزاجی جیسی خصوصیات بھی خدا کی طرف منسوب کر رکھی تھیں۔ جس سے ایک نہایت سخت گیر اور غضب ناک حاکم کا تصور اُبھرتا تھا۔ اس طرح بنی اسرائیل کے خدا کے ساتھ تعلق میں غلامی، بندھوا، مزدوری اور خوف کے تاثرات غالب تھے۔

اس کے برخلاف حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے خدا تعالیٰ کو بحیثیت باپ کے مشفق ہستی کے روپ میں پیش کیا۔ جس کا تعلق اپنے بندوں اور مخلوق سے سرتا شفقت اور محبت پر مبنی ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے تصور میں خدا تعالیٰ سزا دینے کے مقابلے میں معاف کر دینے کے بہانے کا متلاشی نظر آتا ہے اور اُس کی ہر مشیت کا محرک رحم و کرم کا جذبہ ہے نہ کہ انتقام اور بدلہ کا اپنی اسی عالمگیر شفقت اور محبت کی وجہ سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیمات میں خدا تعالیٰ امیروں کے مقابلے میں غریبوں اور متقیوں کے مقابلے میں گنہگاروں سے زیادہ قریب ہے۔ اس کے علاوہ یہودیوں کے تصور میں خدا تعالیٰ کا معاہدہ یہودیوں سے من حیث القوم تھا۔ اس میں افراد کی ذاتی طور پر کوئی نمایاں حیثیت نہیں تھی، لیکن حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے خدا تعالیٰ کے باپ کی حیثیت سے تصور دے کر ہر شخص کو خدا کی پدری شفقت میں حصہ دار بنایا اور اس طرح بندوں کے خدا تعالیٰ کے ساتھ شخصی تعلق پر زور دیا۔ خدا تعالیٰ کے ساتھ اس نوع کے تعلق کی تبلیغ کا لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیمات میں اخلاص، فقر، توکل، غنا اور ایثار جیسی نیکیاں بہت نمایاں ہیں۔

دوسری طرف خدا اور بندوں کے مابین تعلق کی بنیاد محبت کے جذبہ پر رکھنے کا ایک دوسرا پہلو یہ تھا کہ بندوں کے مابین آپس میں بھی تعلقات محبت ہی کے واسطے سے ہوں۔ کیونکہ محبت ایک ایسی شمع ہے کہ جس دل میں بھی روشن ہو جائے اُس کے تمام تعلقات

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

میں اُسی کا عکس نظر آئے گا۔ چنانچہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیمات میں بندوں کے درمیان برادرانہ تعلق پر بہت زور دیا گیا ہے جیسا کہ اوپر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیمات کے ضمن میں سب سے پہلے اقتباس سے ظاہر ہے۔ اس ضمن میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے جن خوبیوں کو خصوصی اہمیت دی ہے اُن میں مساوات، عفوودرگزر، عیب جوئی سے پرہیز، عجز وانکسار اور اپنے دشمنوں اور بُرا چاہنے والوں کے ساتھ بھی نیکی کا سلوک سرفہرست ہیں۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیم کی ایک اور خصوصیت یہ تھی کہ اس میں نیت کو بنیادی اہمیت دی گئی ہے۔ چنانچہ اپنے 'پہاڑی کا وعظ' میں جو کہ اُن کی تعلیمات میں مرکزی حیثیت کا حامل ہے، حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے یہودیت کے بیشتر اخلاقی احکام کو محض ظاہری حکم تک محدود نہ رکھتے ہوئے اُس کے پیچھے جو نیت کارفرما ہے اس کے مطابق حُکم لگایا ہے۔ مثلاً:

> "تم سن چکے ہو کہ اگلوں سے کہا گیا تھا کہ خون نہ کرنا اور جو کوئی خون کرے گا وہ عدالت کی سزا کے لائق ہوگا۔ لیکن میں تم سے یہ کہتا ہوں کہ جو کوئی اپنے بھائی پر غصے ہوگا وہ عدالت کی سزا کے لائق ہوگا اور جو کوئی اپنے بھائی کو پاگل کہے گا وہ صدر عدالت کی سزا کے لائق ہوگا اور جو اس کو احمق کہے گا وہ آتشِ جہنم کا سزاوار ہوگا۔"
>
> "پھر تم سن چکے ہو کہ اگلوں سے کہا گیا تھا کہ جھوٹی قسم نہ کھانا بلکہ اپنی قسمیں خداوند کے لئے پوری کرنا۔ لیکن میں تم سے کہتا ہوں کہ بالکل قسم نہ کھانا، نہ تو آسمان کی کیونکہ وہ خدا کا تخت ہے، نہ زمین کی کیونکہ وہ اس کے پاؤں کی چوکی ہے۔ نہ یروشلم کی کیونکہ وہ بزرگ بادشاہ کا شہر ہے۔ نہ اپنے سر کی قسم کھانا کیونکہ تو ایک بال کو بھی سفید یا کالا نہیں کر سکتا۔"

(متی باب ۵: آیات ۲۲-۲۱، ۳۶-۳۳)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

وعلیٰ ہذا القیاس، اس طور پر اخلاقی احکام کے پیچھے جا کر انسان کے باطن میں برائیوں کو جڑ سے اکھاڑ پھینکنے کی کوشش کرتے ہوئے، حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اس وعظ میں تزکیہ نفس کا وہ لائحہ عمل پیش کیا ہے۔ جس پر ہر زمانے میں عیسائیوں کو ناز رہا ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ایک عام طریقہ یہ تھا کہ وہ بہت سی نصیحت کی باتیں تمثیلوں میں بیان کرتے تھے۔ تمثیل کا طریقہ یہودی طرز کلام میں غیر معروف نہیں تھا۔ لیکن حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اُس کو جس بڑے پیمانے پر اور جس خوبی کے ساتھ استعمال کیا وہ یقیناً غیر معمولی تھا۔ اپنی متعدد تعلیمات کے لئے تمثیلوں کا جامہ پسند کرنے کے سلسلے میں ایک خیال یہ ہوسکتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام وقت اور ماحول کو دیکھتے ہوئے اپنی بہت سی تعلیمات کو کھلم کھلا واضح الفاظ میں پیش کرنا موزوں نہیں سمجھتے تھے، اس لئے اُن کو تمثیل کے پیرایہ میں بیان کرتے تھے، اس لئے اُن کو تمثیل کے پیرایہ میں بیان کرتے تھے جس سے سمجھنے والے بات کو سمجھ لیتے تھے مگر مخالفین کے لئے ایک پردہ رہ جاتا تھا۔

دوسری طرف تمثیل کے ذریعہ بعض اوقات مطلب زیادہ واضح اور زود فہم ہو جاتا ہے، اس لیے ہوسکتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے کئی موقعوں پر تمثیلوں کا استعمال اسی اعتبار سے اختیار کیا ہو کہ اُن کے بغیر پڑھے لکھے سادہ لوح مخاطبین اُن کے مفہوم کو آسانی سے سمجھ سکیں۔ اس کے علاوہ اکثر اوقات حضرت عیسیٰ علیہ السلام اپنے حواریوں اور شاگردوں کو ان تمثیلوں کا مطلب بھی سمجھا دیتے تھے۔ مثلاً حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بعثت کے ابتدائی زمانے کا ذکر کرتے ہوئے مرقس اپنی انجیل میں لکھتے ہیں:

> ''وہ پھر جھیل کے کنارے تعلیم دینے لگا اور اس کے پاس ایسی بڑی بھیڑ جمع ہوگئی کہ وہ جھیل میں ایک کشتی میں جا بیٹھا اور ساری بھیڑ خشکی پر جھیل کے کنارے ہی رہی، اور وہ اُن کو تمثیلوں میں بہت سی باتیں سکھانے لگا اور اپنی تعلیم میں اُن سے کہا: سنو! دیکھو ایک بونے والا

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

بیج بونے نکلا، اور بوتے وقت یوں ہوا کہ کچھ راہ کے کنارے گرا اور
پرندوں نے آکر اُچک لیا، اور کچھ پتھریلی زمین پر گرا جہاں اُسے
بہت مٹی نہ ملی اور گہری مٹی نہ ملنے کے سبب سے جلد اُگ آیا اور جب
سورج نکلا تو جل گیا اور جڑ نہ ہونے کے سبب سے سوکھ گیا اور کچھ
جھاڑیوں میں گرا اور جھاڑیوں نے بڑھ کر اُسے دبا لیا اور وہ پھل نہ
لایا، اور کچھ اچھی زمین پر گرا اور وہ اُگا اور بڑھ کر پھلا اور کوئی تیس گناہ
کوئی ساٹھ گنا کوئی سو گنا پھل لایا۔ پھر اُس نے کہا جس کے سُننے
کے کان ہوں وہ سن لے۔"

(مرقس باب چہارم: آیات ۹۔۱)

بھیڑ کے چھٹ جانے کے بعد جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام اکیلے رہ گئے تو اُن کے خصوصی شاگردوں نے اُن سے اِن تمثیلوں کی بابت پوچھا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے پہلے اس رمز کی طرف اشارہ کیا کہ یہ باتیں تمثیلوں میں اس لئے ہیں تا کہ جو ایمان والے ہیں وہ تو بات کو سمجھ لیں۔ لیکن جو لوگ غیر ہیں وہ سنتے ہوئے بھی نہ سمجھیں، پھر انہوں نے مذکورہ بالا تمثیل کا حوالہ دیتے ہوئے کہا کہ اگر تم اس تمثیل کو نہیں سمجھے تو دیگر تمثیلوں کو کیسے سمجھو گے۔ اس کے بعد انہوں نے اس تمثیل کی تفصیل بیان کہ کہ بونے والے سے مراد نصیحت کرنے والا ہے (یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام خود) بیج سے مراد نصیحت کی باتیں ہیں۔ جو بیج راہ کے کنارے گرے اور اُن کو پرندوں نے چُگ لیا وہ لوگ ہیں جو نصیحت سنتے ہیں مگر فی الفور شیطان اُن کے دل سے اُس کو اُچک لے جاتا ہے، اور پتھریلی زمین سے مراد وہ لوگ ہیں جو ابتدا خوشی سے کلام کو قبول کر لیتے ہیں مگر اُن کے دل میں اس کا قیام جڑ نہیں پکڑ پاتا اور جب بھی کوئی امتحان کا موقع آتا ہے تو وہ ٹھوکر کھا جاتے ہیں۔ جن بیجوں کو جھاڑیوں نے دبا لیا اُن سے مراد ایسے لوگ ہیں جنہوں نے کلام کو سنا مگر دنیوی فکر اور مال و دولت کے لالچ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

نے اُس نصیحت کے اثر کو دبا دیا اور وہ بے ثمر رہ گئی، اور اچھی زمین سے مراد وہ لوگ ہیں جو کلام کو سنتے ہیں، قبول کرتے ہیں اور پھل لاتے ہیں (اچھے عمل کرتے ہیں) کوئی تیس گنا، کوئی ساٹھ گنا اور کوئی سو گنا۔[9]

عیسائی عقائد کی تشکیل

گو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی مندرجہ بالا اور دیگر تعلیمات ہر دور میں عیسائیوں کے لئے رہنمائی کا سامان فراہم کرتی رہی ہیں، لیکن جیسا کہ ہم نے شروع میں ذکر کیا ہے، عیسائیت کی بنیاد ان تعلیمات پر نہیں ہے۔ کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو عیسائیت کبھی بھی یہودیت کے اندر ایک متصوفانہ سلسلے سے ہٹ کر اپنی جگہ ایک الگ خود مختار مذہب کی حیثیت نہیں اختیار کر سکتی تھی۔ عیسائیت کی ابتدائی تاریخ، فکر اور عقائد کے اعتبار سے، درحقیقت اسی کش مکش سے عبارت ہے جس میں ایک طرف تو اُس کو یہودیت کے مقابلے میں اپنا آزادانہ وجود قائم کرنا تھا اور دوسری طرف رومی سلطنت میں رائج مشرکانہ مذاہب کے سامنے اپنے سامی تصور مذہب کی حقانیت کو ثابت کر دکھانا تھا۔ اس سلسلے میں عیسائیت کو پہلا سابقہ تو یہودیت سے ہی پڑا، کیونکہ اسی کے درمیان عیسائیت کی ابتدا ہوئی تھی، البتہ اس کے بعد بہت جلد ہی عیسائیت رومی تہذیب سے بھی براہ راست نبرد آزما ہو گئی۔

عیسائی روایت کے مطابق حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی دنیوی زندگی کا اختتام جن حالات میں ہوا تھا وہ بظاہر بے کسی، ذلت اور لاچاری کی انتہا ہونے کے علاوہ، مختلف قوتوں کے مقابلے میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شکستِ فاش سے ہی تعبیر کیا جا سکتا ہے۔ اُن کے حواریوں کے لئے جنہوں نے خود بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی گرفتاری کے وقت راہِ فرار اختیار کی، یا اُن کے دیگر شاگردوں اور معتقدین کی نظر میں جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو (بقول عیسائیوں کے) مصلوب ہونے سے بچانے کے لئے کچھ بھی نہ کر سکے، یہ صورتِ حال

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

انتہائی المناک اور تکلیف دہ رہی ہو گی۔ دوسری طرف حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دورانِ حیات اُن کے حواری اور شاگرد اُن کی شخصیت کے بارے میں کسی قطعی نتیجہ تک پہنچنے سے قاصر رہے تھے۔ ''مسیح'' کا جو تصور اُس وقت یہودی معاشرہ پر چھایا ہوا تھا، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شخصیت بظاہر اُس سے کوئی مطابقت نہیں رکھتی تھی۔ خود حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اس سلسلے میں ہمیشہ مبہم انداز اختیار کیا اور واضح الفاظ میں اپنے ''مسیح'' ہونے کے اقرار سے کتراتے رہے۔

چنانچہ گو اناجیل اربعہ کا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی مسیحائی پر پورا یقین ہے، لیکن سوائے چوتھی انجیل کے بارے میں ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں کہ وہ دینیاتی تصورات سے مملو ہے اور ابتدائی عیسائی عقائد کی توضیح اس کا اہم مقصد معلوم ہوتا ہے۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ سارے حواری اور تمام شاگرد حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شخصیت سے غیر معمولی طور پر متاثر اور اُن کی تعلیمات کی حقانیت کے قائل تھے۔

عیسائی روایت کے مطابق حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مصلوب ہو جانے کے بعد یہ حقیقت یقیناً ایک لاینحل مسئلہ کے طور پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے شاگردوں کے سامنے آئی ہو گی کہ اس قدر غیر معمولی روحانیت کی حامل، اور ایسی شخصیت جو اپنے معجزات کی وجہ سے خدا تعالیٰ سے خصوصی تقرب رکھتی ہوئی معلوم ہوئی تھی، ایسی بے کسی کی موت کا شکار ہو۔ چنانچہ غالباً اس مسئلہ سے متعلق شاگردوں کے روحانی اضطراب کا نتیجہ سب سے پہلے اس عقیدہ کی صورت میں ظاہر ہوا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام موت سے مغلوب نہیں ہو سکے، اور اگرچہ اُن کا صلیب پر چڑھایا جانا خدائی مصلحتوں کی وجہ سے اور اُن کی مرضی سے عمل میں لایا گیا، لیکن اپنے مرنے کے بعد تیسرے دن وہ زندہ ہو گئے اور اپنی حقیقی نوعیت کے اعتبار سے نورانی جسم کے ساتھ چالیس دن تک مختلف اوقات میں شاگردوں سے ملتے اور کلام کرتے رہے۔ چالیس دن کے بعد وہ آسمان پر اٹھا لئے گئے جہاں وہ اپنی خصوصی حیثیت کے مطابق خدا کے داہنی طرف بیٹھے ہیں۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اس تصور کا بصورتِ عقیدہ بیان اور مندرجہ بالا توجیہہ اس معاملے کو سمجھنے کی ہماری ذاتی کوشش ہے، ورنہ عیسائی روایت میں تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا مرنے کے بعد زندہ ہونا اور چالیس روز کے بعد آسمان پر اٹھایا جانا ایک امر واقعہ کے طور سے بیان ہوا ہے جس کے عینی شاہد گیارہ حواری (بارہواں حواری غداری کی بنا پر امت سے خارج ہو گیا تھا) اور چند دیگر شاگرد تھے جس میں کچھ عورتیں بھی شامل تھیں۔ ان حواریوں اور شاگردوں نے نہ صرف حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا اس کیفیت میں مشاہدہ کیا۔ بلکہ پہلی مرتبہ وہ اس سلسلے میں یقین حاصل کر سکے کہ حقیقۃً حضرت عیسیٰ علیہ السلام ایک غیر معمولی اور ''خصوصی'' شخصیت کے حامل تھے، یعنی وہ وہی ''مسیح'' موعود تھے۔ جس کا مدتوں سے یہودیوں کو انتظار تھا گویا اُس یقین اور اطمینان کے حصول کے لئے جس کی کمی کا ذکر بارہا حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے حواریوں سے کیا تھا۔ اسی سب سے بڑے معجزے یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مصلوب ہو کر زندہ ہونے کا انتظار تھا۔ بہر حال اب جب کہ یہ بات حواریوں کے لئے واضح ہو گئی کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہی ''مسیح موعود'' تھے تو اُن کے جوش اور ایمان کی حد نہ رہی اور وہ ہر قیمت پر پچھلی تمام بے یقینیوں کا کفارہ ادا کرنے پر تیار ہو گئے۔

اِس ضمن میں یہ چیز بھی قابل ذکر ہے کہ جب روح القدس کے نزول کے بعد (اس کی تفصیل آگے آرہی ہے) حواریوں کا ایمان مزید پختہ ہو گیا تو انہوں نے یہودی مقدس کتابوں (عہدنامہ قدیم) سے وہ حسب حال پیشین گوئیاں اور متعلقہ عبارتیں ڈھونڈ نکالیں جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر صادق آتی تھیں اور اُن کے ''مسیح'' ہونے پر دلالت کرتی تھیں۔ چنانچہ رسولوں کے اعمال میں پطرس (جو حواریوں کا سردار تھا) کی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد پہلی عام تقریر میں زبور سے تین حوالے ایسے دیے گئے ہیں جو اُس کے خیال میں حضرت داؤد علیہ السلام کی زبانی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مرنے کے بعد جی اٹھنے اور اُن کے ''مسیح'' ہونے پر دلالت کرتے ہیں[11]۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اس سلسلے میں آگے چل کر یسعیاہ نبی کے الہام میں امت کے ''مظلوم خادم'' کے تصور کو بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر صادق آئے ہوئے دکھایا گیا ہے۔[11]

اگر چہ اناجیل کی رو سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے آسمان پر اٹھائے جانے سے قبل حوارئین کو تمام دنیا میں پھیل جانے اور آسمانی بادشاہت کے جلد قائم ہونے کی خوشخبری سنانے کا حکم دیا تھا لیکن لُوقا کی انجیل اور رسولوں کے اعمال کے مطابق حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے یہ بھی فرمایا تھا کہ میرے بعد اُس وقت تک یروشلم میں ہی رُکے رہنا جب تک کہ آسمان سے تم پر روح القدس نازل نہ ہو جائے۔ کیونکہ روح القدس کے ذریعہ ہی حوارئین کو وہ ''قوت کا لباس'' عطا ہونے والا تھا جو اُن کے ایمان کامل اور اُن کو روحانی طاقت سے بھر دینے والا تھا۔

روح (عبرانی: روحا)

روح کا تصور ایک قدیم یہودی روایت رہی ہے جو ابتداً اپنے لفظی معنی ''ہوا'' کے لئے بھی استعمال ہوتا تھا۔ چونکہ جانداروں میں سانس زندگی کی علامت ہے اس لئے اس کا استعمال قوتِ زندگی کے لئے بھی ہونے لگا۔ جب اس کو خدا کے ساتھ مخصوص کیا جاتا تھا جیسے روح الوہیم تو اس سے مراد خدا کی قوت اُس کا دم وغیرہ ہونے لگا۔ رفتہ رفتہ یہ تصور عام ہوگیا کہ خدا تعالیٰ جس بندے کو مقرب فرماتے ہیں اس کو اپنی روح (اپنے سانس، اپنی قوت) سے مس کر دیتے ہیں۔ یہودی روایت میں روح ہمیشہ قوت، تندی اور اپنے معمول کو مغلوب کر دینے کی خصوصیات سے متصف رہی، البتہ بعد میں اُس کو اعلیٰ اخلاقی صفات کا منبع بھی تصور کیا جانے لگا۔

اسیری بابل کے بعد روح الٰہی کے ساتھ یہ تصور بھی وابستہ ہوگیا کہ یہ پیغمبروں پر نازل ہوکر ان کی ہدایت اور ان پر خدا کی مرضی ظاہر کرنے کا ایک ذریعہ ہے۔ اس کے ساتھ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ساتھ روح الٰہی پیغمبروں میں تبلیغ کی صلاحیت اور مخالفت برداشت کرنے کی قوت بھی پیدا کرتی تھی۔اس سے پہلے پہلے روح الٰہی کے تصور میں بطور ایک قوت کے جسمانی اور نفسیاتی تبدیلیاں پیدا کرنے کی صفت سب سے نمایاں تھی مگر اب اسیری بابل کے بعد جسم کے اس روحانی پہلو پر بہت زور دیا جانے لگا اور اُس میں قدوسیت کے صفت کے تسلسل میں عیسائیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ماں کے پیٹ میں آنے کے وقت سے ہی روح القدس کے زیر اثر سمجھا۔ان کی معجزانہ پیدائش اور بچپن کے غیر معمولی واقعات روح القدس کی قوت کے واسطہ سے ہی عمل میں آئے۔ پھر حضرت یحییٰ علیہ السلام سے بپتسمہ لینے کے بعد جب روح القدس فاختہ کی شکل میں ان پر نازل ہوا تو وہ مزید اس کی قوت سے معمور ہو گئے۔

چنانچہ اپنی پیغمبری کی ابتدا میں چالیس دن کی ریاضتیں اور ابلیس کے ذریعہ کی جانے والی آزمائش میں کامیابی اُسی روحانی طاقت کی بدولت تھی جو روح القدس کا عطیہ تھی۔اپنے دورِ پیغمبری میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا مختلف مصائب کا برداشت کرنا،اُن کا یقین و خود اعتمادی اور اُس سے بڑھ کر اُن کی مسیحائی کے معجزات،اسی روح القدس کی قوت کا کرشمہ تھے۔عیسائیوں کے نزدیک حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا مرنے کے بعد جی اٹھنا بھی خدا کے حکم سے اسی روح القدس کے ذریعہ سے تھا[13]۔

دوبارہ زندہ ہو جانے پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام انسانی جامہ کی کثافت کو اتار پھینک کر روح القدس میں سرتا سر غرق ایک نورانی جسم کے ساتھ ظاہر ہوئے۔اُس وقت حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور روح القدس تقریباً ایک ہو گئے تھے۔اگرچہ دینیاتی اعتبار سے ان کو ایک دوسرے کا مترادف نہیں کہا جا سکتا،لیکن عملی اعتبار سے اُن میں سے ایک سے بہرہ ور ہونا دوسرے سے بہرہ ور ہونا تھا،اور عہد نامہ جدید کے مختلف مرتبین،خصوصاً پولس نے اپنے خطوط میں مستقل مبعوث حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور روح القدس کو ایک دوسرے کی جگہ استعمال کیا ہے،بلکہ ایک موقع پر تو پولس نے یہاں تک کہہ دیا ہے کہ:

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

''اور خداوند (حضرت عیسیٰ علیہ السلام) روح ہے اور جہاں کہیں خداوند کا
روح ہے وہاں آزادی ہے۔''

(کرنتھیوں دوم باب سوم: آیت ۱۷)

اسی تصور کا نتیجہ یہ عقیدہ تھا کہ اپنے نزول کے بعد عیسائی کلیسیا میں روح القدس کی موجودگی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی موجودگی ہے، جو قیامت کے قریب اپنے دوبارہ جسمانی طور پر ظاہر ہونے تک اسی صورت میں اپنے معتقدین کو فیض پہنچاتے اور اُن کی رہنمائی کرتے رہیں (عیسائی نقطۂ نظر سے اس فیض کا حصول بپتسمہ لے کر عیسائی کلیسیا میں شامل ہوئے بغیر ممکن نہیں ہے۔)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے آسمان پر اٹھائے جانے کے تقریباً دس دن بعد جب حواری یہودی تہوار شووس کے لئے ایک گھر میں جمع تھے۔ روح القدس حسب وعدہ اُن پر نازل ہوا اور اُن کو جوش و سرمستی سے بھر دیا۔ رسولوں کے اعمال میں اس واقعہ کے اثرات کے طور پر کئی غیر معمولی باتیں بتائی گئی ہیں، مثلاً آندھی کا زناٹا سنائی دینا، آگ کے شعلوں کا دکھائی دینا اور حواریوں میں سے ہر ایک پر ٹھہر جانا، حواریوں کا اجنبی زبانیں بولنے لگ جانا وغیرہ، لیکن روح القدس کے نزول کا بڑا فائدہ اخلاقی و روحانی تھا، جس کے سبب حواریوں کو کامل یقین و ایمان، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شخصیت میں نئی بصیرت (اُن کی ''اُلوہی'' حقیقت اور اُن کے مسیح ہونے کا واضح انکشاف)

مقدس کتابوں کی پیشین گوئیوں کے حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر منطبق ہونے کا علم مصائب و مشکلات میں استقلال اور برداشت مختلف النوع کرامات اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرح مسیحائی کی صلاحیت، مؤثر قوت بیان و عمل اور مستقبل کے بارے میں پیشین گوئیاں کرنے کا علم وغیرہ حاصل ہوا۔ اُس وقت سے روح القدس عیسائی کلیسیا یعنی عیسائیوں کی جماعت میں مقیم ہو گیا اور اس جماعت کے رہنما ہونے کی حیثیت سے، حواریوں کے ذریعہ،

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

نئے عیسائی ہونے والوں کو بخشا جانے لگا۔ حواریوں میں یہ صلاحیت بھی تھی کہ وہ جس کو مناسب سمجھتے اپنا خلیفہ بنا سکتے تھے اور وہ بھی ان کی طرح بپتسمہ (بیعت کی رسم) پوری کرا کے روح القدس کو دوسروں تک پہنچا سکتا تھا[14]۔

روح القدس کے نزول کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی حسب ہدایت حواری تندہی کے ساتھ تبلیغ کے کام میں مصروف ہو گئے اور انہوں نے پوری جرأت اور بے باکی سے نہ صرف یروشلم اور مختلف شہروں میں آباد یہودیوں کے درمیان حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی مسیحائی، ان کی اُلوہی حقیقت اور اُن کے ذریعہ عنقریب قائم ہونے والی آسمانی بادشاہت میں شرکت کی دعوت دینی شروع کر دی، بلکہ حواریوں میں سے چند نے غیر یہودی اقوام کے لوگوں کو بھی اس دعوت میں شریک کر لیا اور اُن کو بھی بپتسمہ دے کر عیسائی بنانے لگے۔

اس امر میں کوئی شبہ نہیں کہ ان حواریوں اور ابتدائی عیسائی جماعت کے نزدیک قیامت بہت جلد آنے والی تھی، یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی دوبارہ واپسی اور ''آسمانی بادشاہت'' کے قیام میں، جس میں یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معتقدین اُن کے ساتھ حکمرانی میں شریک رہیں گے۔ کچھ بہت زیادہ دیر نہیں تھی۔ ان میں سے بہتوں کو یقین تھا جیسا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ان سے وعدہ بھی کیا تھا، کہ وہ یہ سب واقعات اپنی زندگی میں ہی دیکھ لیں گے[15]۔

بہر حال اس یقین کے ساتھ جس نے ان کے جوش وخروش اور خود اعتمادی میں اضافہ ہی کیا تھا، انہوں نے زیادہ سے زیادہ لوگوں کو اس خوش قسمتی میں شریک کرنے کے لئے دن رات تبلیغ کے کام کو جاری رکھا اور بڑی تعداد میں لوگوں کو عیسائی بناتے گئے۔

اسی ابتدائی دور میں عیسائیت کے پھیلنے کے ساتھ یہ مسئلہ بھی باقاعدہ طور پر سامنے آ گیا کہ یہ جو چند حواریوں نے غیر یہودیوں کو اس روحانی دعوت میں شریک کر لیا ہے یہ کہاں تک جائز ہے، اور آیا کہ غیر اقوام کے لوگ بھی ''آسمانی بادشاہت'' میں شریک ہو

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

سکتے ہیں یا یہ صرف یہودی نژاد لوگوں کے لئے مخصوص ہے۔ یہاں یہ امور پیشِ نظر رہنے چاہئیں کہ یہودی ہمیشہ سے اپنے نسلی اور مذہبی افتخار پر یقین رکھتے رہے ہیں۔ وہ دیگر اقوام کو نہ صرف حقیر و کمتر بلکہ خدا کی رحمت و برکت سے باہر بھی سمجھتے تھے۔ ''مسیح'' کا تصور اسی مذہبی و قومی برتری کو ثابت کر دکھانے کا سہارا تھا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام یہودیوں میں اصلاح و تربیت کا کام کرتے رہے۔

اب جب کہ اُن میں سے کچھ یہودیوں پر جو کہ عیسائی ہو گئے تھے یہ ثابت ہو گیا تھا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہی ان کے ''مسیح'' تھے تو گویا یہ بات بھی ظاہر ہو گئی تھی کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ذریعہ ہی یہودیوں کو وہ خیر و برکت اور کامیابی (گو روحانی نوعیت کی ہی سہی) ملنے والی تھی جس کا قدیم مقدس کتابوں میں وعدہ کیا گیا تھا۔ اس لئے اُن یہودی عوام کے سامنے جنہوں نے عیسائیت کو قبول کر لیا تھا لازماً یہ سوال پیدا ہوا کہ ایک ایسی خیر و برکت میں جو ہمیشہ سے صرف بنی اسرائیل کے لئے مخصوص سمجھی جاتی رہی ہے غیر یہودی کس طرح شریک ہو سکتے ہیں۔

اب تک جو یہودی بھی عیسائی بنے تھے انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی سنت کے مطابق موسوی شریعت کے ساتھ ساتھ عیسائیت کو قبول کیا تھا، چنانچہ انہوں نے اور خاص طور پر اُن عیسائیوں نے جو یہودیوں کے طبقۂ علما میں سے عیسائی بنے تھے، یہ موقف اختیار کیا کہ دیگر اقوام کے لوگ جب تک حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لانے کے ساتھ ساتھ ختنہ اور موسوی شریعت کو بھی پورے طور پر نہیں اپنائیں گے اُن کی نجات نہیں ہو گی۔ اس کے برخلاف اہم حواری، جن میں اُن کا رہنما پطرس بھی شامل تھا، یہ تصور رکھتے تھے کہ نجات کا انحصار صرف حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لانے ہی پر ہے اور موسوی شریعت کی پابندی یہودی عیسائیوں کے لئے تو ضروری ہو سکتی ہے کہ اُن کے لئے یہ خدا کی طرف سے نازل کی گئی تھی۔ لیکن دیگر اقوام کے لوگوں کو اس کی تکلیف دینا مناسب نہیں ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اُن کی نظر میں نجات کا دارومدار ایمان پر تھا نہ کہ شریعت پر۔اس کش مکش کا خاتمہ حواریوں کے اس اجتماعی فیصلہ پر ہوا کہ غیر یہودی عیسائیوں کے لئے بتوں کی قربانی کا گوشت، خون اور گلا گھونٹے ہوئے جانوروں کے کھانے پینے، اور حرام کاری سے پرہیز کے علاوہ موسوی شریعت کی اور کوئی پابندی لازم نہیں ہے[16]۔

ان چیزوں کے ساتھ ایمان لانے کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ذریعہ جاری ہوئے فیض و برکت اور نجات میں وہ بھی اسی طرح شریک ہیں جیسے کہ یہودی نژاد عیسائی۔ بہت جلد وہ وقت آنے والا تھا کہ غیر یہودی اقوام میں عیسائیت کی کثیر اشاعت کے باعث یہودی نژاد عیسائی آٹے میں نمک کے برابر رہ جانے والے تھے اور پھر رومی حکومت کے ذریعہ یروشلم کی تباہی کے بعد یہ گروہ تقریباً معدوم ہی ہو جانے والا تھا۔

رومی حکومت کے اندر غیر یہودی اقوام میں عیسائیت کی اس بڑے پیمانے پر ترویج و اشاعت کی واحد ذمہ دار شخصیت پولس رسول کی تھی۔اس کی دن رات کی جانفشانی اور دور دراز کے مستقل سفروں کے ذریعہ عیسائیت کی کامیاب تبلیغ کے پیش نظر ہی رسولوں کے اعمال کا بیشتر حصہ صرف اُن کی اس دور کے حالاتِ زندگی پر ہی مشتمل ہے۔اس حصہ سے یہ اندازہ بھی ہوتا ہے کہ کس طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد ایک مختصر مدت کے اندر ہی عیسائیت رومی سلطنت کے مشرقی حصے کے تمام اہم شہروں میں چھوٹی چھوٹی جماعتوں کی شکل میں مستحکم ہو چکی تھی اور ان جماعتوں کا دائرۂ مستقل وسیع ہوتا جا رہا تھا۔یہی وہ دور بھی تھا جب عیسائیت کے بنیادی عقائد تشکیل پا رہے تھے۔ان میں سے بیشتر کہ ترویج اور خصوصاً نسبتاً پیچیدہ تصورات کو واضح عقائد کی شکل دینے کا سہرا بھی پولس ہی کے سر ہے۔

پولس جیسا کہ ہم اوپر بیان کر چکے ہیں، اپنے عیسائی ہونے سے پہلے ایک یہودی عالم تھے۔وہ یہودی فقیہوں کے ایک ایسے خاندان سے تھے جو یونانی تمدن اور علوم عقلیہ سے بھی بہرہ ور تھا چنانچہ اُن کو پیدائشی طور پر رومی شہریت بھی حاصل تھی جو ان کے خاندان کی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

یونانیت پسندی کی علامت سمجھی جاسکتی ہے۔اپنے عیسائی ہونے کے بعد سے وہ جس جوش و خروش سے تبلیغ کے کام میں لگ گئے تھے۔اُس کے نتیجہ میں مشرقی رومی سلطنت کے تقریباً تمام شہروں کی عیسائی جماعتیں (چرچ) اپنے قیام کے لئے انہیں کی منت گزار تھیں اور اُن کو اپنا پیرو مرشد گردانتی تھیں۔اپنے تبلیغی سفروں کے دوران پولس نے پچھلے قائم کردہ عیسائی مرکزوں سے تعلق قائم رکھنے کا اہتمام رکھا اور جب کبھی اُن عیسائی مراکز کی ابتدائی زندگی میں کوئی بحرانی دور آیا تو اگر وہ خود موقع پر پہنچنے کی صلاحیت نہیں رکھتے تھے۔تو انہوں نے تفصیلی خطوط کے ذریعہ اُس علاقے کے مراکز، یا کسی مخصوص مرکز کے عیسائیوں کو نظری و عملی ہدایات بہم پہنچائیں۔

ان خطوط میں سے چودہ خطوط آج عہد نامہ جدید میں شامل ہیں جن میں سے دس دانشوروں کے نزدیک، تقریباً یقینی طور پر پولس کی طرف منسوب کئے جاسکتے ہیں۔یہ تمام خطوط کم وبیش دینی تعلیمات اور سچا عیسائی بننے کے لئے عملی ہدایات سے پُر ہیں۔ان خطوط میں وہ تمام عقائد جو عیسائیت کی بنیاد بنے، منظم طور پر پیش کیے گئے ہیں اور گو یہ کہا جاسکتا ہے کہ ان میں سے بیشتر عقائد دوسرے حواریوں کی نظر میں بھی رہے ہوں گے، لیکن اس وقت عہد نامہ جدید کی تحریروں میں سب سے قدیم تحریریں جن میں یہ عقائد بیان ہوئے ہیں پولس (پال) کے خطوط ہی ہیں۔

اناجیل اربعہ یا بعض دوسرے حواریوں کے خطوط اور رسالے، تاریخی اعتبار سے پولس کے خطوط کے بعد ہی تحریر میں لائے گئے ہیں اپنی پچھلی زندگی میں ایک یہودی عالم دین ہونے اور ساتھ ساتھ یونانی علوم عقلیہ سے واقف ہونے کے ناتے پولس کی نگاہ دینی تصورات اور اُن کے منطقی مدلولات پر بہت گہری تھی۔چنانچہ اپنے خطوط (مثلاً، رومیوں کے نام یا گلیتیوں کے نام) میں جب وہ عیسائی عقائد اور دینیات پر لکھتے ہیں تو اس میں ایسی منطقی ہم آہنگی پائی جاتی ہے، اور عیسائیت کا بحیثیت ایک ممتاز اور منفرد مذہبی روایت کے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ایسا مکمل تصور ابھرتا ہے، جو سوائے یوحنا کی انجیل کے عہد نامہ جدید کی کسی اور تحریر میں نہیں ملتا۔

اُن عقائد کے علاوہ جن کی طرف ہم اوپر اشارہ کر چکے ہیں، مثلاً حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی حیات بعد الموت، اُن کی الوہیت (ابن اللہ کی حیثیت سے) اور اُن کا ''مسیح'' ہونا، آسمان پر اٹھائے جانے کے بعد اُن کا خدا کے داہنے ہاتھ پر بیٹھا ہونا قیامت کے قریب اُن کی دوبارہ آمد اور اس دوران روح القدس کے ذریعے اُن کا عیسائی امت میں قیام وغیرہ جو کہ عیسائیت کے سب سے ابتدائی عقائد کہے جا سکتے ہیں، پولس اپنے خطوط میں پُر زور طریقہ سے مندرجہ ذیل عقائد کی بھی تشریح و تبلیغ کرتے ہیں۔

اگر چہ اس فیصلہ میں کہ غیر یہودی اقوام کے لئے موسوی شریعت کی پابندی ضروری نہ قرار دی جائے دوسرے حواریین بھی شریک تھے مگر جس شد و مد کے ساتھ پولس نے یہودی شریعت کو ایک طوق غلامی سے تعبیر کیا ہے اور صرف حضرت عیسیٰ علیہ السلام مسیح پر ایمان کو ہی وسیلہ نجات قرار دیا ہے، وہ صرف انہیں کا حصہ ہے۔ اپنے خطوط میں پولس اس موضوع کو بار بار اٹھاتے ہیں اور اس میں اتنی شدت اختیار کرتے ہیں کہ ایک جگہ تو وہ پطرس (حواریوں میں سب سے معزز) پر بھی اس بارے میں منافقت کا الزام لگاتے ہیں کیونکہ اُن کے خیال میں پطرس یہودیوں کے خوف سے شریعت کے لئے کسی قدر گنجائش نکالنے پر آمادہ ہو گئے تھے حالانکہ حضرت عیسیٰ مسیح علیہ السلام انسانوں کو اس سے مستغنی کر چکے ہیں۔[1]

دوسری طرف عیسائی تصور کے مطابق حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مصلوب ہونے کا سانحہ اگر چہ اُن کی حیات بعد الموت اور آسمان پر اٹھائے جانے کے عقیدوں کے بعد سے اپنی تلخی کسی حد تک کھو چکا تھا، مگر یہ تصورات بھی پولس کے نقطۂ نظر سے اس عظیم واقعہ کے ساتھ پورا انصاف کرنے سے قاصر تھے۔ چنانچہ اپنے خطوط میں انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مصلوب ہونے کی حقیقت بعض نئے تصورات کے ساتھ واضح کی ہے جو کہ آگے چل کر

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

عیسائی عقیدہ کے اساطین بن گئے۔

اپنی منطقی اور مجتہدانہ بصیرت سے کام لیتے ہوئے پولس نے یہ تصور قائم کیا کہ جنت میں حضرت آدم علیہ السلام کی خدا کی نافرمانی کے سبب سے اُن کی تمام اولاد یعنی بنی نوع انسان خدا سے دور ہوگئی اور ابدی طور پر گناہ اور شیطان کے قبضۂ قدرت میں آ گئی۔ مغربی ایشیا کے قدیم اور معروف نقطۂ نظر کے مطابق جہاں کسی غلام یا قیدی کو آزاد کرانے کے لئے مالک کو ایک متعینہ قیمت ادا کرنی پڑتی تھی اور اسی صورت میں اُس کی آزادی مستند و مسلم قرار دی جا سکتی تھی، انسان کو شیطان کے پنجے سے رہائی دلانے کے لئے اس عظیم آزادی کے مساوی ہی کوئی عظیم اور بے مثال قیمت ہو سکتی تھی۔

پولس نے یہ تصور دیا کہ خدا تعالیٰ نے اس لامحدود شفقت کے پیش نظر جو اُس کو بندوں سے ہے اپنے نور کو بطور اپنے بیٹے کے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی انسانی شکل میں دنیا میں بھیجا، تاکہ وہ انتہائی دکھ اٹھا کر صلیب پر چڑھے اور اس طرح اپنے خون سے وہ قیمت ادا کرے جس کے سبب بنی نوع انسان ہمیشہ کے لئے شیطان اور گناہ سے نجات پاسکے۔

اس طرح عیسائیوں کے عقیدہ کے مطابق حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا صلیب پر چڑھایا جانا، کوئی شخصی اور مخصوص حالات کے تابع معمولی حقیقت نہ تھی بلکہ اُس کا تعلق آفاقی حقائق سے تھا جس میں کائنات کا مقصد اور بنی نوع انسان کا مقدر جیسے معاملات داؤں پر لگے ہوئے تھے۔ البتہ یہ ضرور ہے کہ اس نجات کا مستحق وہی شخص ہو سکتا ہے جو حسب دستور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مسیح اور ابن اللہ ہونے پر ایمان لانے اور ان کو اپنا نجات دہندہ تسلیم کرے۔

اس کے ساتھ ساتھ پولس نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی آفاقی حیثیت کو مسلم کرنے کے لئے یہ تصور بھی دیا کہ وہ ازل سے اُلوہیت میں شریک تھے، انہیں کے واسطے سے تمام

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

مخلوقات پیدا کی گئی، انہیں میں ساری کائنات قائم ہے اور پھر انہیں کے واسطے سے تمام اشیا کا خدا کے ساتھ دوبارہ میل ہوا۔[18]

بعض جگہ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ پولس اپنے جوش اور جذبہ میں بظاہر کچھ متناقض فیہ تصورات بھی بیان کر جاتے ہیں۔ کیونکہ اس میں شک نہیں کہ پولس کے خطوط کی ایک نمایاں خصوصیت اُن کا دینی جوش سے معمور ہونا ہے جس کی وجہ سے یہ خطوط ہمیشہ عیسائیوں کے لئے ایمان اور عقیدہ کا نہایت مؤثر ماخذ بنے رہے ہیں۔ مثلاً ایک جگہ تو وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا تعالیٰ کے ساتھ عظمت و کبریائی میں شریک کہتے ہیں اور دوسری جگہ اُن کو سب سے پہلی مخلوق ہستی بتاتے ہیں[19]۔

لیکن یہ محض ظاہری تناقض ہوسکتا ہے کیونکہ درحقیقت اُن کا مقصد ایک طرف تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اُلوہیت میں شریک کرنا ہے اور دوسری طرف غالباً غناسطی فلسفہ کے زیر اثر جو کہ اُس وقت رومی سلطنت میں ایک مقبول فکری رجحان تھا، پولس حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ''عقلِ اوّل'' کے طور سے مخلوقات کا مبدا بھی ثابت کرتے رہتے تھے اور مراد ان تمام تصورات سے ایک ایسی دینیات کی تشکیل تھی جس میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو نہ صرف مذہبی زندگی بلکہ تمام کائنات کے نظام میں اَساسی حیثیت دی جاسکے۔

پولس کے خطوط میں اگر محض ان دینیاتی تصورات کی تبلیغ ہی ہوتی تو وہ ایک کلامی انداز کی فلسفیانہ تحریر ہو کر رہ جاتے، لیکن ایک جامع مذہبی رہنما کی حیثیت سے پولس نہ صرف مختلف عیسائی جماعتوں کو روز مرّہ زندگی سے متعلق تفصیلی ہدایات دینے میں تکلف نہیں کرتے بلکہ اس سلسلے میں وہ عیسائی عقائد کے اخلاقی پہلو کو بہت اہمیت دیتے ہیں مثلاً مقدونیہ کے ایک شہر فلپی کی عیسائی جماعت کو خط لکھتے ہوئے پولس اُن کو آپس میں ہمدردی، رحم دلی، خاکساری، محبت اور ایثار کی تلقین کرتے ہیں اور اس ضمن میں کہتے ہیں:

''ویسا ہی مزاج رکھو جیسا مسیح یسوع کا تھا۔ اُس نے اگرچہ خدا کی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

صورت پر تھا خدا کے برابر ہونے کو قبضہ میں رکھنے کی چیز نہ سمجھا۔ بلکہ اپنے آپ کو خالی کر دیا اور خادم کی صورت اختیار کی اور انسانوں کے مشابہ ہو گیا، اور انسانی شکل میں ظاہر ہو کر اپنے آپ کو پست کر دیا اور یہاں تک فرمانبردار رہا کہ موت بلکہ صلیبی موت گوارا کی، اسی واسطے خدا نے بھی اُسے بہت سر بلند کیا اور اُسے وہ نام بخشا جو سب ناموں سے اعلیٰ ہے۔"

(فلپیون باب دوم: آیات ۹۔۵)

اس طرح یہاں وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے باوجود اپنی انتہائی عظمت اور بڑائی کے، خاکساری، دُکھ اور تکلیف دہ موت اختیار کرنے کو ایک مثال کے طور پر عیسائیوں کے سامنے پیش کر رہے ہیں کہ اُن کو اس سے سبق حاصل کرنا چاہیے اور جہاں تک ممکن ہو اس کی تقلید کی کوشش کرنی چاہیے۔

تثلیث کا عقیدہ جو عرف عام میں عیسائیت کی نمایاں خصوصیت قرار پایا، ابتدا کسی مرتب اور واضح شکل میں نہیں بیان ہوا تھا۔ البتہ یہ صحیح ہے کہ عہد نامہ جدید میں اس کے اجزا متفرق طور پر مذکور ہیں۔ اپنے خطوط میں ایک جگہ جب کہ وہ کرنتھیوں کے نام خط میں آخر میں دُعائیہ کلمات لکھ رہے ہوتے ہیں۔ پولس تثلیث کے تینوں ارکان خدا باپ، خدا بیٹا اور روح القدس کو اکٹھا ایک جملے میں استعمال کرتے ہیں۔

"خداوند یسوع مسیح کا فضل اور خدا کی محبت اور روح القدس کی شراکت تم سب کے ساتھ ہوتی رہے۔"

(کرنتھیوں دوم، باب ۱۳: آیت ۱۴)

اس کے علاوہ عہد نامہ جدید کی بعد کی تحریروں مثلاً متی کی انجیل یا یوحنا کی انجیل میں بھی ان تینوں کا ایک ساتھ ذکر موجود ہے، بلکہ اول الذکر یعنی متی کی انجیل کے آخر میں

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

حضرت عیسیٰ علیہ السلام حواریوں سے خطاب کرتے ہوئے اُن کو تمام اقوامِ عالم کو اپنا شاگرد بنانے اور باپ، بیٹے اور روح القدس کے نام پر بپتسمہ دینے کا حکم دیتے ہیں

(متی، باب ۲۸: آیت ۱۹)

لیکن پھر بھی تثلیث کا عقیدہ تمام باریکیوں کے ساتھ بعد کی عیسائی دینیاتی بحثوں کے دوران ہی اپنی مکمل شکل اختیار کر سکا۔

اس عقیدے کے مطابق خدا کی ایک حقیقت تین شکلوں میں موجود ہے، ایک خدا باپ، جو تخلیق و رُبوبیت کا سرچشمہ ہے، دوسرے خدا بیٹا جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شکل میں اس دنیا میں مجسم ہوا اور عالم کی نجات کا باعث بنا، اور تیسرے روح القدس جو مومنوں اور عیسائی امت میں بحیثیت مجموعی سرایت کئے ہوئے ایمان و یقین اور رہنمائی کا باعث بنتا ہے۔ عیسائیت کے متکلمین اور دینیات کے عالموں نے صدیوں اپنی بہترین دماغی صلاحتیں اس کوشش میں کھپا دیں کہ ایک طرف تو وہ تثلیث کو اس تصور سے محفوظ رکھ سکیں کہ یہ تین الگ الگ خداؤں کو ماننا ہے، کیونکہ یہ صریحی شرک ہوتا ہے اور عیسائیت کا ہمیشہ یہ اصرار رہا ہے کہ وہ توحید پرستار اور شرک سے اتنا ہی بے زار ہے جتنا کوئی بھی توحیدی مذہب ہو سکتا ہے۔ دوسری طرف ایک اُلوہی حقیقت میں تین مخصوص صورتوں (خدا، بیٹا اور روح القدس) کا اقرار اور تینوں کی مخصوص انفرادی حیثیت کی پہچان بھی عیسائی علما کے نزدیک عیسائیت کے لئے بنیادی اہمیت رکھتی تھی۔

صدیوں کی اس دماغ سوزی کا نتیجہ جو تثلیث کی ایک ایسی قابلِ اطمینان تشریح کے سلسلے میں کی گئی جس میں ایک طرف تثلیث کو تین خداؤں کی پرستش کے تصور سے محفوظ رکھا جا سکے، اور دوسری طرف اس میں اُلوہیت کی تینوں صورتوں کا اختصاص بھی باقی رہے، تثلیث کے اُس مفہوم کی صورت میں نکلا جس کو "تینوں ایک میں اور ایک تینوں میں" یا "ایک حقیقت میں تین رُوپ" کے مقولے سے ظاہر کیا گیا، ور اس کے بعد تثلیث کی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

حقیقت کو انسانی فہم سے بالاتر ایک بھید قرار دے کر اُس میں مزید موشگافیوں کا دروازہ بند کر دیا گیا۔

عیسائی چرچ کا ارتقا

عیسائیت میں انگریزی لفظ چرچ، یونانی اِکلیسیا (کلیسا) کا مترادف اور اپنے اصل کی طرح تین معنوں میں مستعمل ہے۔ چرچ یا کلیسا کے ایک معنی تو اُس عمارت کے ہیں جہاں عیسائی عبادت کے لئے جمع ہوتے ہیں، دوسرے معنی اس کے عیسائی امت کے ہیں جس میں تمام عیسائی خواہ وہ کسی قوم و ملک کے ہوں برابر کے شریک ہیں، اور اپنے تیسرے معنی میں چرچ یا کلیسا عیسائیت کے مذہبی رہنماؤں کی وہ جماعت ہے جو مذہبی امور میں تمام عیسائیوں کی سربراہ اور ذمہ دار ہے۔ یہاں ہم چرچ کا استعمال اس کے دوسرے اور تیسرے معنوں میں کریں گے، یعنی عیسائیت بحیثیت ایک امت اور بحیثیت اپنے مذہبی سربراہوں کی تنظیم کے اور ہم یہ دیکھنا چاہیں گے کہ عیسائیت جو ابتدا میں ایک یہودی فرقہ کی طرح اُبھری تھی کیونکر بعد کی صدیوں میں ایک عالمی مذہب بن گئی، یہاں تک کہ اس وقت دنیا میں سب سے زیادہ تعداد اسی مذہب کے ماننے والوں کی ہے۔

اس سے پہلے عیسائی عقائد کی تشکیل کے ضمن میں یہ ذکر آچکا ہے کہ کس طرح حواریوں اور خصوصاً پولس کی کوششوں سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اس دنیا سے رخصت ہو جانے کے بعد تقریباً بیس سال کے عرصہ میں ہی عیسائیت فلسطین سے باہر رومی سلطنت کے چھوٹے بڑے شہروں میں مختصر جماعتوں کی شکل میں قائم ہو گئی تھی۔ یہ مقامی عیسائی جماعتیں اگرچہ اپنی روزمرہ کی زندگی میں حواریوں کے مقرر کردہ اپنے مقامی ذمہ داروں کے زیرِ نگرانی تھیں، لیکن اُن کو دوسرے شہروں کے عیسائیوں کے ساتھ اپنی دینی اخوت اور تمام عیسائیوں کے ایک اُمت ہونے کا پورا احساس تھا۔ انہیں مقامی عیسائی جماعتوں میں رومی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

سلطنت کی راجدھانی شہر روم کی عیسائی جماعت بھی تھی۔ روم میں عیسائیت کی ابتدا کا کوئی سراغ نہیں ملتا۔ اغلباً اس کی شروعات اُن یہودی عیسائیوں کے ذریعہ ہوئی ہوگی جو فلسطین اور روم کے درمیان سفر کرتے رہتے تھے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے تقریباً بیس سال بعد جب ہم پولس رسول کا خط رومی عیسائیوں کے نام پڑھتے ہیں تو اُس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اُس وقت تک روم میں عیسائیوں کی ایک باقاعدہ جماعت بن چکی تھی، اگرچہ اُس وقت تک کسی حواری نے روم میں قدم نہیں رکھا تھا۔ بعد کے چند برسوں میں نہ صرف پولس بلکہ حواریوں کے سربراہ پطرس (پیٹر) بھی روم پہنچ گئے، اور رومی عیسائی روایت کے مطابق ان دونوں عظیم حواریوں کو شہنشاہ نیرو (۵۴-۶۸ء) کے دورِ ابتلا (۶۴ء) میں روم میں ہی شہادت نصیب ہوئی۔ ان دونوں حواریوں، خصوصاً پطرس کا وارث ہونے کے ناتے جس کو اناجیل کے مطابق حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے امت کی سربراہی کے لئے منتخب کیا تھا، رومی چرچ (رومی عیسائی جماعت کے رہبروں نے) ہمیشہ اپنے آپ کو دوسرے شہروں کی عیسائی جماعتوں کا نگرانِ اعلیٰ تصور کیا، اور ابتدا سے ہی اپنے اس منصب کا اظہار مختلف انداز میں کرنا شروع کر دیا۔

دوسری طرف دوسری صدی عیسوی کے دوران ہی مخصوص حالات کے تحت یہ رجحان عام ہوگیا تھا کہ ہر علاقے کے مختلف شہروں کی عیسائی جماعتیں اپنے علاقے کے مرکزی شہر کے چرچ سے منسلک سمجھی جانے لگی تھیں اور اس مرکزی شہر کا دینی سربراہ جو بشپ یا بطریق کے نام سے یاد کیا جاتا تھا اپنے پورے علاقہ کی تمام مقامی جماعتوں کا ذمہ دار سمجھا جاتا تھا۔ اس دور میں اور بعد میں بھی جب تمام عیسائی امت سے متعلق کوئی فیصلہ کرنا ہوتا تو ان تمام مختلف علاقوں کے بطریقوں کی انجمن عیسائیت کی مختار اعلیٰ تصور کی جاتی تھی اور اپنے اجلاس کے ذریعہ اہم امور کا فیصلہ کرتی رہی۔ بطریقوں کی یہی انجمن رومی چرچ کے سربراہ کا بھی انتخاب کرتی تھی جو رومی چرچ کی مرکزیت کے پیشِ نظر تمام عیسائیوں کا سربراہ اعلیٰ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

مانا جاتا تھا اور پوپ کے نام سے معنون تھا۔

مقامی عیسائی جماعتوں کی نگرانی مقامی بشپ کے سپرد تھی جو اپنے شہر اور اس کے اطراف واکناف کے عیسائیوں کا ذمہ دار ہوتا تھا۔ مقامی طور پر اس کی مدد کے لئے پادریوں اور ڈیکن (منتظم) کی جماعت ہوتی تھی جو عبادات، وعظ و تلقین اور رفاہِ عام کے کاموں میں بشپ کی مدد کرتے تھے۔ البتہ یہ تقریباً یقینی ہے کہ اگرچہ مقامی عیسائی جماعتوں کی سربراہی کا انتظام کسی نہ کسی طور ابتدا سے ہی موجود تھا مگر ان سربراہوں کی باقاعدہ تنظیم، اور نجات کا محض ان کے وسیلہ سے حاصل ہونے کا تصور، پختہ طور پر دوسری اور تیسری صدی عیسوی تک ہی اپنی تکمیل کو پہنچ پایا تھا۔

اس دوران اپنی تاریخ کی ابتدائی تین صدیوں میں نامساعد حالات کے باوجود عیسائیت بدستور پھیلتی رہی اور نئے نئے علاقوں میں تبلیغ واشاعت کا کام جاری رہا۔ مشرق کی طرف نہ صرف شام، ایشیائے کوچک، آرمینیا بلکہ ایران کی سرحد تک عیسائیت عام ہو چکی تھی اور اگرچہ بعض شہروں میں عیسائی اب بھی اقلیت میں تھے لیکن چند شہروں میں اُن کی غالب اکثریت بھی قائم ہو گئی تھی۔ اسی طرح جنوبی روس، بلقان اور مشرقی یورپ کے بعض علاقوں میں بھی عیسائیت کے قدم اسی دور میں پہنچ گئے تھے۔

مغرب میں اٹلی کے بیشتر شہروں میں روم کے براہِ راست توسط سے عیسائی جماعتیں قائم ہو گئی تھیں۔ اس کے علاوہ جنوبی فرانس، اسپین اور انگلینڈ تک میں عیسائیت کے اثرات پہنچ گئے تھے اگرچہ ان ممالک میں اکثریت بہت عرصہ بعد تک مشرکانہ مذاہب کی پیروی رہی۔ جنوب میں شمالی افریقہ میں قرطاجنہ اور مصر میں اسکندریہ پہلی صدی عیسوی کے بعد سے ہی عیسائی مراکز کی حیثیت سے نمایاں اہمیت کے حامل ہو گئے تھے اور یہیں سے ان علاقوں میں عیسائیت کی تبلیغ کا کام جاری تھا۔

ابتدائی تین صدیوں میں اشاعت و تبلیغ کی اس غیر معمولی کامیابی کی وجہ سے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

مغربی ایشیا جنوبی یورپ اور شمالی افریقہ میں عیسائیت قابلِ لحاظ مذہبی تحریک بن چکی تھی۔ لیکن ہم کو یہ حقیقت بھی پیشِ نظر رکھنی ہوگی کہ یہ وہ دور ہے جس میں خارجی اور داخلی دونوں اعتبار سے عیسائیت شدید خطرات اور ناسازگار حالات کا شکار تھی۔ اپنے بالکل ابتدائی دور میں عیسائیت کو یہودی روایت سے اپنا دامن چھڑانے اور اس کے مقابلے میں اپنا خودمختار اور مستقل وجود قائم کرنے کے سلسلے میں جس کشمکش سے گزرنا پڑا اس کی طرف ہم اوپر کسی قدر تفصیل سے اشارہ کر چکے ہیں۔

رومی حکومت کے ذریعہ فلسطین میں یہودیوں کی تباہی کے بعد عیسائیت کے لئے اس کشمکش کا ہمیشہ کے لئے خاتمہ ہو گیا۔ لیکن رومی سلطنت کے وسیع دائرے میں عیسائیت کی اشاعت کے ساتھ ہی عیسائی افکار و عقائد کے لئے نئی نئی مشکلات ابھرنا شروع ہو گئیں۔

رومی سلطنت قدیم دنیا کی وسیع ترین سلطنتوں میں سے تھی۔ اس کے مغربی ایشیا، یورپ اور شمالی افریقہ پر محیط صوبہ جات، جو آج کل کے مختلف ممالک پر مشتمل تھے، متعدد اقوام و ملل اور تہذیبی و تمدنی روایات کا گہوارہ تھے۔ عظیم رومی سلطنت نے ان تمام مختلف النوع عناصر کو ایک حکومت کے ماتحت کر کے ان میں باہم اختلاط اور تہذیبی لین دین کے ایسے مواقع فراہم کر دیئے تھے جن کا کسی اور صورت میں عمل پذیر ہونا مشکل تھا۔ اس اجمال کی تفصیل بیان نہ کرتے ہوئے یہ کہا جا سکتا ہے کہ اس تہذیبی اختلاط کا سب سے بڑا نتیجہ اُس تمدنی آمیزہ کی صورت میں ظاہر ہوا تھا جس کا ذکر ہم ہیلینیزم (وسیع تر یونانیت) کے نام سے پہلے کر چکے ہیں۔

ہیلینیزم ایک کثیر الجہات تمدنی فکر و عمل کا اظہار تھا، جس کی مذہبی اور فکری جہت کو سرسری طور پر مشرقی تصوف اور یونانی عقلیت کے امتزاج سے تعبیر کیا جا سکتا ہے، اور جس کے نتیجے میں نوافلاطونیت جیسے متعدد غناسطی فلسفے رومی سلطنت کے تعلیم یافتہ طبقوں میں قبول

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

عام حاصل کئے ہوئے تھے۔اس کے علاوہ عوامی سطح پر، متعدد مشرقی مذاہب اور باطنی فرقے رومی عوام کو سہل الحصول مذہبی تجربوں کی کامیاب دعوت دے رہے تھے۔رومی سلطنت کے اس آزاد مذہبی ماحول میں، جہاں مشرق و مغرب کے مختلف مذہبی اور فکری رجحانات کا سنگم ہو رہا تھا، عیسائیت کو اپنی اشاعت کے ساتھ ہی اس نظریاتی چیلنج کا سامنا کرنا پڑا کہ اُس کے عقائد کی تشریح و تعبیر اُن مختلف رائج الوقت افکار اور مذاہب خصوصاً غناسطی رجحانات کے پیش نظر کی جانے لگی جو رومی سلطنت میں قبول عام کا درجہ حاصل کئے ہوئے تھے۔یہی وجہ ہے کہ عیسائیت کے ابتدائی دور میں ہی ہم کو اس کی مختلف تعبیرات پر مبنی متعدد فرقوں اور مسلکوں کا ظہور نظر آتا ہے جن کے مقابلے میں عیسائیت کے راسخ العقیدہ مذہبی رہنماؤں کو حواریوں کے واسطہ سے ملی ہوئی روایتی عیسائیت کو برقرار رکھنے میں سرتوڑ کوششیں کرنی پڑیں۔

دوسری طرف اگرچہ رومی سلطنت کسی معروف مذہبی روایت کی پابند نہیں تھی اور اس معاملے میں اس کے عوام کو ایک طرح سے مکمل مذہبی آزادی حاصل تھی، لیکن بحیثیت ایک مضبوط اور منظم سلطنت کے اس نے ریاست سے وفاداری کو بذاتِ خود ایک مذہبی تصور کا درجہ دے رکھا تھا، جس کا عملی اظہار حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے وقت تک قیصر روم کی پرستش کی صورت میں ہونے لگا تھا۔متعدد مشرکانہ مذاہب یا متصوفانہ مسالک کے ماننے والوں کو اپنے ذاتی عقائد و نظریات کے ساتھ قیصر روم کے مجسمہ کے سامنے اظہار عقیدت میں کوئی اشکال نہیں تھا۔

البتہ یہودیوں نے اپنے موحد ہونے کے ناطے اس رسم سے قانونی طور پر استثنا حاصل کر لیا تھا عیسائی جب تک ایک یہودی فرقہ سمجھے جاتے رہے یہودیوں کے ساتھ وہ بھی اس استثنا سے فائدہ اٹھاتے رہے۔لیکن عیسائی مذہب کی اشاعت اور یہودیوں اور عیسائیوں کی ایک دوسرے سے برأت کے ساتھ ساتھ رومی سلطنت پر عیسائیوں کی آزاد اور

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

علاحدہ مذہبی حیثیت واضح ہوتی چلی گئی اور اُن سے رومی قانون کے تحت قیصر روم کی پرستش کا مطالبہ کیا جانے لگا جس کے لئے عیسائی خدا پرست ہونے کے ناتے کسی طرح تیار نہیں تھے۔ اس کشمکش اور عیسائیوں کی بحیثیت ایک مذہبی جماعت کے روز افزوں ترقی کے باعث، رومی سلطنت نے انہیں ریاست کا دشمن اور باغی تصور کرنا شروع کر دیا۔ جس کے نتیجہ میں مختلف وقفوں کے ساتھ اور مختلف مدتوں کے لئے رومی سلطنت میں عیسائیوں کا وہ دورِ ابتلا شروع ہوا جس کا زمانہ تقریباً تین صدیوں پر محیط ہے، اور جس کے دوران ہزاروں عیسائیوں کو جرمانہ، قید و بند اور شہادت کی آزمائشوں سے گزرنا پڑا۔

اس صورت حال میں رومی حکومت کے سامنے اپنے معقولیت اور مذہبی آزادی کا استحقاق ثابت کرنے، نیز عیسائیت کو غلط تعبیرات و تشریحات سے محفوظ رکھنے کے لئے اُن عیسائی علما کا سلسلہ سامنے آیا جنھوں نے اپنی مدافعانہ اور تشریحاتی تصانیف کے ذریعہ مندرجہ بالا مقاصد کو حاصل کرنے کی کوشش کی۔ بعد کی صدیوں میں جب عیسائیت کو اس نظریاتی مدافعت کی ضرورت باقی نہیں رہی تو عیسائیوں کے باہمی فرقہ وارانہ جھگڑوں کے دوران ان ابتدائی مصنّفین کی جگہ عیسائی متکلمین اور دینیات کے عالموں نے لے لی، جنھوں نے اپنی تحریروں کے ذریعہ مسلمہ عیسائی عقائد و نظریات کو منطقی اعتبار سے منظّم و مرتب کیا۔

اس اثنا میں دوسری صدی عیسوی کے دوران مشرق بعید کے وحشی قبائل میں پیچیدہ تمدنی اسباب کی بنا پر نقل مکانی اور پھیل جانے کی ایک ایسی حرکت پیدا ہو چکی تھی جو سلسلے وار اثرات کی صورت میں شرقی اور شمالی یورپ کے جنگجو قبائل کو رومی سلطنت پر بے انتہا دباؤ ڈالنے پر آمادہ کر رہی تھی ایک مدت تک ان قبائل کو سرحدوں پر ہی روکے رکھنے میں رومی سلطنت کی جو قوت صرف ہوئی اس نے بالآخر رفتہ رفتہ اس میں شکست و ریخت کا وہ عمل شروع کر دیا جس کا پہلا اہم اثر تیسری صدی عیسوی کے اواخر میں سلطنت کے مشرق اور

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

مغرب کے دو شہنشاہوں کے درمیان تقسیم اور تقریباً مزید ایک صدی کے بعد رومی سلطنت کے مغربی حصے کی وحشی قبائل کے ہاتھوں تاراجی کی صورت میں ظاہر ہوا۔ مگر اس سے پہلے کہ رومی سلطنت کا مغربی حصہ شمال مشرقی یورپ کے وحشی قبائل کی ملکیت بن جائے اور اُس کا مشرقی حصہ بازنطینی سلطنت کے نام سے عظیم رومی سلطنت کا تنہا وارث رہ جائے، ۳۱۲ء میں مغربی رومی شہنشاہ قسطنطین نے اپنی جنگ تخت نشینی کے موقعہ پر اپنے آپ کو عیسائیوں کا طرف دار اور اُن کا مسلک کے پیرو ظاہر کر دیا تھا۔ جنگ تخت نشینی میں اُس کی کامیابی کے ساتھ ہی رومی حکومت میں عیسائیوں کے تین سو سالہ دور ابتلا کا خاتمہ ہو گیا بلکہ تاریخ کے چکر سے قسطنطین کے بعد کے شہنشاہوں نے عیسائیت کو رومی حکومت کا واحد مذہب قرار دیا اور مشرکانہ مذاہب کو قانوناً ممنوع قرار دے دیا۔ اس طرح جب چوتھی اور پانچویں صدی عیسوی کے دوران شمالی یورپ کے جرمن، فرنچ، گاتھ اور لومبارڈ قبائل نے انگلینڈ سے شمالی افریقہ تک کے علاقے کو تہذیب و تمدن کا قبرستان بنا دیا تو اُس میں صرف عیسائی چرچ ہی تھا جو قدیم رومی تمدن اور علم و فن کا چراغ روشن کئے رہا۔ یہاں تک کہ تمدن کی پرانی منطق کے مطابق وحشی فاتح خود مفتوح تمدن سے مغلوب ہونے لگے اور اُن حملہ آور قبائل نے جنھوں نے یورپ میں اپنی مختلف ریاستیں قائم کر لی تھیں۔ عیسائیت کو بڑے پیمانے پر قبول کرنا شروع کر دیا۔ البتہ شمالی افریقہ اس تاخت و تاراج سے پھر کبھی نہ پنپ سکا اور مسلمانوں کی فتوحات تک بدوی بربر قبائل کے زیرِ تسلط رہا۔

ان صدیوں کے دوران جب کہ یورپ کی تمدنی زندگی قبائلی حملوں کے نتیجے میں تہہ و بالا تھی اور منظم رومی سلطنت کے دوران ترتیب پائے ہوئے زندگی کے سانچے اس طرح بکھر چکے تھے کہ اب صدیوں تک کے لئے ایک عامیانہ اور دیہاتی وضع کا تمدن ہی یورپ کے لئے معیار قرار پا چکا تھا، عیسائیت میں ایک نئی تحریک ابھری جس نے اُس کو نئے حالات میں عوام کی مذہبی رہنمائی کرنے میں پوری مدد بہم پہنچائی۔ رومی حکومت کے دوران

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

قیامِ عیسائیت بنیادی طور پر ایک شہری مذہب رہی تھی، لیکن اب بڑے بڑے شہروں کے اُجڑ جانے کے بعد عیسائیت میں رُہبانیت کی اُس تحریک نے اُبھرنا شروع کیا جس کے پیرو عوام کے درمیان اپنے مراکز قائم کر کے یا اُن کے درمیان گھوم پھر کر اُن کو عیسائیت کے سادہ اخلاقی اصولوں، فقر، استغنا، پاکبازی اور اطاعت شعاری کی عملی تعلیم دے رہے تھے۔ راہبانہ تحریک کے رہنما جو اولیا اور صوفیا کے درجہ پر فائز سمجھے جاتے تھے عیسائی چرچ کے مسلمہ عہدے داروں اور ذمہ داروں سے قطعاً الگ اور مختلف ہوتے تھے، البتہ یہ ضرور ہے کہ عیسائی چرچ نے رُہبانیت کے ان علمبرداروں کی روحانی حیثیت کو تسلیم کرتے ہوئے عیسائیت کے فروغ میں راہبوں کے مختلف سلسلوں کو اپنے آلۂ کار اور معاون کے طور پر استعمال کیا۔

دوسری طرف آٹھویں صدی عیسوی تک فرانسیسی قبائل کے سرداروں میں سے ایک خاندان وسطی اور مغربی یورپ کے ایک بڑے علاقہ پر جس میں موجودہ فرانس بھی شامل تھا، اپنا تسلط قائم کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ اس خاندان کے پہلے بادشاہ پیپن نے اپنی تاجپوشی عیسائیت کلیسا کے سربراہ اعلیٰ پوپ سے کرائی اور کلیسا اور فرانسیسی ریاست کے درمیان تعلق کی وہ بنیاد رکھی جس نے پیپن کے لڑکے شارلیمان کو اپنی حکومت کے، مغربی رومی سلطنت کے وارث اور عیسائی کلیسا کے سرپرست کی حیثیت سے ''مقدس رومی سلطنت'' ہونے کا دعویدار بنا دیا۔

تختِ فرانس اور عیسائی کلیسا کے اس تعلق کا ایک اہم نتیجہ یہ بھی نکلا کہ حکومت فرانس نے بزورِ شمشیر اٹلی کے لومبارڈ قبائل کو ہٹا کر شہر روم اور اُس کے نواح میں پوپ کی براہ راست حکومت کے لئے ایک ریاست کی بنیاد ڈال دی۔ اس طرح اب سارے عیسائیوں کا روحانی پیشوا پوپ روم کے اطراف میں ایک دُنیوی ریاست کا تاج دار بھی بن گیا۔ پوپ کی ذات میں اس روحانی اور دنیوی تاج داری کے اجتماع، نیز عیسائی کلیسا کے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

فرانسیسی سلطنت کے ساتھ پیوند نے عیسائی کلیسا میں جو پیچیدگیاں پیدا کیں اُس کا اندازہ اس چیز سے لگایا جاسکتا ہے کہ اس کے بعد صدیوں تک کلیسا کے بڑے بڑے مذہبی عہدے نامی گرامی تعلقداروں اور فوجی سرداروں کے لئے وقف ہو گئے، جن کی روحانی و اخلاقی حالت عام زمینداروں اور فوجی سرداروں سے کسی طرح مختلف نہیں تھی۔

نویں صدی عیسوی کے دوران، جب کہ یورپ کی مذہبی اور روحانی زندگی اس طرح تیزی سے زوال پذیر تھی ان پر ایک بار پھر بیرونی حملہ آوروں کی شکل میں ایسے مصائب نازل ہونے کو تھے جو اس کی مادّی زندگی کو بھی تہہ و بالا کر دینے والے تھے۔ مسلمان حملہ آور جو دو ڈھائی صدیوں پیشتر مشرق میں شام و مصر اور جنوب میں شمالی افریقہ اور اسپین سے عیسائیوں کو بے دخل کر چکے تھے، نویں صدی کے دوران بحیرۂ روم پر اپنے جنگی بیڑوں کے ذریعہ مکمل قابو پا کر جنوبی یورپ کے ساحلی علاقوں کے لئے زبردست خطرہ بن گئے۔ اس سے اُن عیسائی علاقوں کی تجارت اور معیشت کو جو نقصان ہو رہا تھا وہ تو اپنی جگہ پر لیکن فرانس اور اٹلی کے ساحلی شہروں پر ان کے حملوں نے تہلکہ مچا دیا تھا۔ یہاں تک کہ ۸۴۴ء میں خود شہر روم بھی عارضی طور پر ان کے قبضہ میں جانے سے نہ بچ سکا۔ لیکن مسلمانوں کی بحری طاقت کے عروج سے یورپ کے ساحلی علاقوں کو جو نقصان پہنچ رہا تھا، وہ اس آفت اور مصیبت کے مقابلے میں کچھ بھی نہ تھا جو یورپ کے انتہائی شمالی علاقے اسکینڈی نیویا (ڈنمارک، ناروے، سویڈن وغیرہ) کے جنگجو قبائل کی صورت میں نویں صدی کی ابتدا سے ہی یورپ پر نازل ہونا شروع ہو گئی تھی۔ تقریباً ایک صدی تک اس نیم وحشی قوم نے جو انتہائی ماہر جہاز راں بھی تھے، اپنے پے در پے حملوں کے ذریعہ انگلینڈ سے اٹلی تک لوٹ مار اور قتل و غارت گری کا بازار گرم رکھا۔

اس مادّی اور روحانی ابتری سے جس نے اس دور کو یورپ کا تاریک ترین دور بنا دیا یورپ کو اُس وقت سے سنبھالا ملنا شروع ہوا جب دسویں صدی کے وسط سے جرمن

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

شہنشاہوں نے مغربی رومی سلطنت کی زمام کار اپنے ہاتھوں میں منتقل کر لی اور اپنی اس نئی حیثیت میں عیسائی کلیسا میں بھی اصلاحات کے درپے ہوئے۔ اس کے ساتھ ساتھ ہی اسی وقت سے عیسائیت میں ایسے نئے نئے رُہبانیت کے سلسلوں کا قیام بھی عمل میں آنا شروع ہوا۔ جنہوں نے ایک بار پھر مذہبی دینی زندگی کے احیا کی کوششیں شروع کر دیں۔ یورپ میں سیاسی اور مذہبی حلقوں کی طرف سے اصلاح اور احیا کی ان کوششوں کی تان بالآخر اُس عمومی تحریک پر جا کر ٹوٹی جو ''صلیبی جنگوں'' کے نام سے معروف ہے اور جو بعد کی تین صدیوں تک یورپ کے مذہبی جوش و جذبہ کے لئے ایک نقطہ ارتکاز کا کام دیتی رہی۔

اب تک ہماری توجہ بیشتر عیسائی دنیا کے مغربی حصہ کی طرف مبذول رہی ہے۔ اس کی یہ وجہ ہے کہ اپنی ابتدا کے بعد بہت جلد عیسائیت کا مرکزِ ثقل مشرقی دنیا سے ہٹ کر رومی سلطنت کی راجدھانی روم میں منتقل ہو گیا تھا جو ہمیشہ کے لئے رومن کیتھولک عیسائیت کا مرکز قرار پایا۔ لیکن عیسائیت کی طویل تاریخ میں روم کی یہ مرکزیت ایک سے زائد مرتبہ مختلف فیہ ٹھہری ہے اور ہر مرتبہ جب روم کی مرکزیت سے اختلاف کیا گیا ہے یہ اختلاف عیسائیت میں تقسیم اور فرقہ بندی کا سبب بنا ہے۔ اس نوع کا پہلا اختلاف قدیم رومی سلطنت کے مشرقی مرکز قسطنطنیہ اور رومی چرچ کے درمیان باہمی چشمک کے نتیجہ میں پیدا ہوا۔

تیسری صدی عیسوی کے اواخر اور چوتھی صدی کی ابتدا میں رومی سلطنت کے مشرقی اور مغربی دو حصوں میں تقسیم ہو جانے اور قسطنطنیہ کے مشرقی رومی یا بازنطینی سلطنت کا پایہ تخت قرار پا جانے کے بعد سے ہی مشرقی علاقے کے تمام چھوٹے بڑے عیسائی کلیساؤں کا پایہ تخت قرار پا جانے کے بعد سے ہی مشرقی علاقے کے تمام چھوٹے بڑے عیسائی کلیساؤں نے قسطنطنیہ کے کلیسا کو اپنا سربراہ مان لیا تھا اور اسی کے توسط سے وہ روم کے مرکز اعلیٰ سے متعلق تھے۔

پانچویں اور چھٹی صدی عیسوی کے دوران جب مغربی رومی سلطنت جرمن، فرنچ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اور گاتھ قبائل کے ہاتھوں تباہ و برباد ہوگئی، تو مشرقی یا بازنطینی سلطنت نے تنہا اپنے آپ کو قدیم رومی سلطنت کا وارث متصور کرلیا اور اس کے ساتھ ہی اس کو لٹے پٹے رومی کلیسا کے مقابلے میں اپنے عیسائی مرکز، یعنی قسطنطنیہ کے چرچ کی اہمیت کا احساس بھی شروع ہوگیا۔ ایک ایسے دور میں جب کہ مغربی یورپ کے تمدنی وتہذیبی ویرانے کے مقابلے میں بازنطینی سلطنت تمام تر رومی یونانی ثقافت کا گہوارہ بنی ہوئی تھی۔ اُس کو اپنا رومی چرچ کے ماتحت رہنا انتہائی گراں گزر رہا تھا۔ اس دور میں ابھرنے والے متعدد دینیاتی اور کلامی جھگڑوں نے جن میں بیشتر میں قسطنطنیہ اور روم کے چرچ ایک دوسرے کی مخالف صفوں میں شریک رہے، قسطنطنیہ اور روم کے درمیان اختلافات کی خلیج کو اور گہرا کر دیا۔ یہاں تک کہ ۱۰۵۴ء میں روم اور قسطنطنیہ کے مراکز نے ایک دوسرے کو خارج از امت قرار دے دیا اور اُن کے اپنے اپنے حلقۂ اثر سے متعلق تمام عیسائی مراکز اس فیصلے میں شریک ہوگئے۔ اُس وقت سے قسطنطنیہ کے مرکز نے یونانی راسخ العقیدہ کلیسا کے نام سے اپنے آپ کو الگ عیسائی امت بنالیا اور عقائد اور رسوم ورواج کے خفیف سے اختلاف کے علاوہ، رومی کیتھولک کلیسا سے تعصب کو اپنا شعار سمجھا۔ اس کے بعد جب صلیبی جنگوں کے دوران ۱۲۰۴ء میں رومن کیتھولک فوجوں نے قسطنطنیہ پر قبضہ کرلیا اور وہاں زبردستی رومن کیتھولک مسلک کو رائج کرنے کی کوشش کی تو فریقین کے درمیان تنفر اور اختلاف کی بنیاد مستقل ہوگئی۔

رومن کیتھولک کلیسا سے دوسرا اہم اختلاف ۱۵۱۷ء میں جرمنی کے مارٹن لوتھر کی شروع کردہ تحریک اصلاح کے ذریعہ عمل میں آیا۔ تحریک اصلاح کا یہ اختلاف یونانی راسخ العقیدہ کلیسا کے پہلے اختلاف کے مقابلے میں نہایت گہرا اور دینیاتی وفکری اعتبار سے بنیادی مذہبی رویوں کے فرق پر قائم تھا۔ صلیبی جنگوں کے دور سے سولہویں صدی عیسوی کے اس ابتدائی زمانے تک یورپ میں فکری اور ثقافتی لحاظ سے ایک عظیم انقلاب آچکا تھا۔ اس انقلاب کی جس کا ایک پہلو نشاۃ ثانیہ کی صورت میں ظاہر ہوا تھا تفصیلات میں نہ جاتے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہوئے یہاں مختصراً اتنا ذکر کر دینا مناسب ہوگا کہ جہاں صلیبی جنگوں کے دوران مغربی یورپ کے عوام کو پہلی مرتبہ مشرق وسطیٰ کے اسلامی ممالک میں ایک متمدن تہذیب کا سامنا کرنا پڑا، وہاں اسپین کے یہودی اور عیسائی دانشوروں کے ذریعہ مسلمانوں فلسفیوں کے لاطینی تراجم نے یورپ کی خانقاہوں اور مدارس کو پہلی مرتبہ یونانی علم وحکمت سے بھی روشناس کیا۔

علم وحکمت عقلیت اور دانشوری ثقافت وتمدن کے جن رومی مظاہر ومراکز پر شمال مشرقی یورپ کے وحشی قبائل پانچویں صدی عیسوی میں سیلاب بربریت بن کر نازل ہوئے تھے اب تقریباً ایک ہزار سال کے بعد اُسی تمدنی وفکری سرمایہ کو عرب اور اسلامی واسطہ سے پا کر اُن کی ذہنی وروحانی قحط سالی میں زندگی کی لہر دوڑ گئی تھی۔ صلیبی جنگوں کے دوران مشاہدہ میں آئے مشرقی تمدن کے مظاہر نے جہاں یورپ کے عوام وخواص میں اعلیٰ ثقافتی وتہذیبی نمونوں کا ذوق پیدا کر دیا تھا وہاں عرب فلسفیوں کے تراجم نے یورپ کے عیسائی علما اور پڑھے لکھوں کو یونانی علم ودانش کا شیدائی بنا دیا۔ اس کے نتیجہ میں جو ذہنی وفکری تشنج شروع ہوا اور روایتی مذہب اور عقلیت کے درمیان جو کشمکش شروع ہوئی اُس نے آنے والی کئی صدیوں تک یورپ والوں کو مشغول رکھا۔ مگر اس دوران جہاں ایک طرف اس کشمکش نے عیسائی علم کلام کو جنم دیا تو دوسری طرف ''تحریک اصلاح'' میں بھی اس کے اثرات نمایاں ہیں۔

''تحریک اصلاح'' کی ابتدا اور اس کی کامیابی میں اس دور کے ''رومن کیتھولک کلیسا'' میں رائج بعض بدعات، مذہبی مناصب کے بے جا استعمال اور کلیسا کے ذمہ داروں کے عام اخلاقی تنزل کا دخل بھی سمجھا جاتا ہے اور یہ تو ظاہر ہے کہ اتنی بڑی اور انقلابی نوعیت کی تحریک کا کوئی ایک سبب نہیں پیش کیا جا سکتا ہے۔ بہرحال اس کی ابتدا مارٹن لوتھر (۱۵۴۶ء۔۱۴۸۳ء) کے کلیسا کی اصلاح سے متعلق ۹۵ نکات سے ہوئی جو انہوں نے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

۱۵۱۷ء میں وٹن برگ (جرمنی) کے عوام اور چرچ کی طرف ''نجات کی خرید وفروخت'' کے دستور کے سلسلے میں تنقیدی رویہ اپنایا گیا تھا لیکن اس کے علاوہ کئی دوسرے دینی مسائل بھی، جن کی طرف سے مارٹن لوتھر مطمئن نہیں تھے۔اُن کے اس مقالہ میں موجود تھے۔

اس سلسلے میں جب کیتھولک کلیسا کی طرف سے مارٹن لوتھر کی باز پُرس شروع ہوئی تو انہوں نے اور کھل کر اپنے خیالات کا اظہار شروع کر دیا۔انہوں نے عہد نامہ جدید وقدیم کے اقتباسات پیش کر کے اپنی تحریروں سے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی کہ مذہب کی وہ تشریح جس میں خدا اور بندے کے درمیان کلیسا کے عہدہ داران نے ایک واسطہ کی حیثیت اختیار کر لی ہے سر تا سر ایک بدعت ہے، جس کا عیسائیت کی اصل تعلیمات سے کوئی تعلق نہیں ہے۔انہوں نے اس طور پر یہ ثابت کیا کہ عیسائیت میں چرچ (مذہبی رہنماؤں کی تنظیم) کی مخصوص حیثیت قطعاً بے بنیاد ہے۔تمام عیسائی خدا کی نظر میں برابر ہیں، اور عیسائی کلیسا تمام عیسائیوں پر مشتمل امت نصرانیہ کا نام ہے۔اُن کے خیال میں، نجات اور بخشش کا انحصار انسان کی ذاتی کوشش اور اعمال پر نہیں بلکہ اس کے ایمان پر ہے اور اس صورت میں یہ کسی استحقاق کے بجائے مکمل طور پر خدا کی رحمت وشفقت کا عطیہ ہوتی ہے۔

دوسری طرف انہوں نے عیسائی مذہب کو سمجھنے کے لئے مقدس کتابوں یعنی عہد نامہ جدید وقدیم کی بنیادی حیثیت کو مستحکم کیا۔مذہب کی تشریح کو ''کیتھولک چرچ'' کے عہدے داروں نے جس طرف صرف اپنی رائے اور اقوال تک محدود کر دیا تھا، اس کی سخت تنقید کرتے ہوئے مارٹن لوتھر نے خود ''مقدس کتابوں'' کے مذہب کا ماخذ ہونے اور ہر شخص کے ان سے براہ راست استفادہ کرنے کی تبلیغ کی، بلکہ اس مقصد کے لئے انہوں نے عہد نامہ جدید کا جرمن زبان میں ترجمہ بھی کر ڈالا۔

مارٹن لوتھر کے یہ خیالات اور تحریریں ایسی نہیں تھیں جن کے ساتھ رومن کیتھولک کلیسا سے کوئی سمجھوتہ ممکن ہوسکتا چنانچہ بالآخر ۱۵۲۱ء کی ابتدا میں کیتھولک کلیسا کی طرف سے

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

اُن کے اوپر کفر کا فتویٰ صادر ہو گیا۔ دستور کے مطابق کافر اور ملحد قرار دیے دیئے جانے کے بعد حکومت کے حکام کو مارٹن لوتھر کو گرفتار کر لینا چاہیے تھا۔ تاکہ چرچ کی طرف سے اس کے لئے جو سزا تجویز ہو اس پر عمل درآمد کیا جائے، لیکن جرمن ریاستوں میں متعدد کے حکمرانوں کی کیتھولک چرچ سے بے زاری اور مارٹن لوتھر کے خیالات سے ہمدردی نے اس کو شاہی افسران کی دست رس سے دور رکھا اور ہر نازک موقعہ پر اس کے لئے کہیں نہ کہیں پناہ گاہ فراہم کرتی ہی رہی۔ یہاں تک کہ مارٹن لوتھر کی شروع کردہ تحریک اصلاح نے جرمنی کے عوام کی ایک بڑی تعداد کو متاثر کر لیا اور متعدد شہروں میں اصلاح شدہ عیسائیوں کی اکثریت ہو گئی۔ اس طرح اب کیتھولک کلیسا کے لئے اس تحریک کو کچلنے یا حالات کا رخ موڑ دینے کا کوئی امکان باقی نہیں رہ گیا۔ اس دوران مارٹن لوتھر نے وٹن برگ کو اپنا مرکز بنا لیا اور وہاں کی مذہبی زندگی کو اصلاح شدہ عیسائیت کے معیار پر ڈھال کر اُس کو سارے جرمنی کے لئے ایک نمونہ بنا دیا۔

یہاں یہ وضاحت ضروری ہے کہ تحریک اصلاح کی ابتدا اور اس کی اشاعت صرف مارٹن لوتھر کی واحد شخصیت سے متعلق نہیں کہی جا سکتی۔ سولہویں صدی عیسوی میں ایسے متعدد مفکرین اور مذہبی رہنما تھے جو مارٹن لوتھر کی طرح اپنے اپنے مختلف نقطۂ نظر کے مطابق عیسائیت میں اصلاح کا پیغام دے رہے تھے اور ان میں سے بعض، مثلاً کالونِ نمد ونگلی اور مینو سائمن وغیرہ، مارٹن لوتھر کی طرح اپنا ایک وسیع حلقۂ اثر بھی رکھتے تھے۔ اس طرح بعد میں اصلاح شدہ عیسائیت کے اندر جو چرچ در چرچ مسالک اور مکاتیب فکر کی کثرت نظر آتی ہے اس کا رجحان بھی تحریک اصلاح کے ابتدائی ایام سے ہی نمایاں تھا۔ اس کے باوجود ۱۵۸۰ء تک جب کہ آٹھ ہزار پادریوں اور مذہبی معلمین اور تقریباً نوے لوتھرین چرچوں کے نمائندوں نے ایک مشترک رسالہ 'عقائد' پر دستخط کئے اور اس طرح پروٹسٹنٹ کلیسا کے بنیادی عقائد طے پا گئے، ماضی کی مقدس رومی سلطنت، کا بڑا حصہ شمالی یورپ انگلینڈ اور

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

پولینڈ کے کچھ حصے تحریک اصلاح کے زیر اثر آ چکے تھے۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ کیتھولک اور پروٹسٹنٹ کلیسا کی حمایت میں یورپ کے ریاستی حکمرانوں اور بادشاہوں کے درمیان جو صف بندی ہوئی اُس نے جہاں پروٹسٹنٹ کلیسا کو ایک مستقل حیثیت اختیار کرنے میں مدد دی، وہاں کیتھولک اور پروٹسٹنٹ ریاستوں کے درمیان ایک ایسی جنگ کا آغاز کیا جو تقریباً ایک سو سال تک جاری رہ کر سترہویں صدی عیسوی کے وسط میں ہی جا کر ختم ہو پائی۔

سولہویں صدی کے وسط سے سترہویں صدی کے وسط تک کا زمانہ جہاں کیتھولک اور پروٹسٹنٹ کلیسا کے درمیان تنازع للبقا سے عبارت ہے، وہاں اس دور کی عیسائیت کا یہ پہلو بھی قابل ذکر ہے کہ اس زمانے میں پروٹسٹنٹ اعتراضات اور تنقید کی روشنی میں نیز اُس کے ردّعمل کے طور پر کیتھولک چرچ کے اندر اصلاح معکوس (کاونٹر رفارمیشن) کا عمل شروع ہوا جس کا سلسلہ تقریباً سترہویں صدی کے اختتام تک جاری رہا اور جس کے نتیجے میں کیتھولک چرچ کو ان تمام برائیوں اور نقائص سے پاک کرنے کی کوشش کی گئی جو عہدِ وسطیٰ کے عیسائی کلیسا کی خصوصیت بن گئی تھیں۔

البتہ ہیومانزم، عقلیت اور مذہب اور ریاست کی علاحدگی، کے جن تصورات نے تحریک اصلاح کو تقویت پہنچائی تھی وہ اب آزاد خیال فلسفیوں اور ایک سو سال کی فرقہ وارانہ جنگوں کے بعد مذہبی رہنماؤں سے دل برداشتگی، مذہب بیزاری، مادہ پرستی اور الحاد کے رجحانات کی شکل میں یورپ کو اپنی لپیٹ میں لینے کے لئے تیار تھے۔ اٹھارویں اور انیسویں صدی کے بارے میں کہا جا سکتا ہے کہ اس دوران یہی رجحانات یا ان کی نئی نئی شکلیں مغربی دنیا میں قبول عام کے منصب پر فائز رہیں، اور زندگی کے تمام گوشوں کو متاثر کرتے ہوئے انہوں نے مذہب کو زندگی کے ہر میدان سے خارج کر کے گرجا کی عمارت میں مقید کر دیا جہاں سے اب تک اس کی رہائی کی کوئی مؤثر صورت عمل میں نہیں آسکی ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

حوالہ جات اور حواشی

۱۔ یہ اور اس کے بعد اس باب میں عہد نامہ جدید کے تمام اقتباسات بائبل کے اردو ترجمہ، کتابِ مقدس، مطبوعہ بائبل سوسائٹی ہند، بنگلور، ۱۹۸۰ء سے ماخوذ ہیں۔
۲۔ دیکھئے مورٹن۔ ایس۔ انسلن کا مقالہ، دی ایپوکلپٹک لٹریچر، مشمولہ دی انٹرپریٹرس ون والیوم کمنٹری آن دی بائبل، مرتبہ چارلس۔ ایم لیمن نیو یارک، ۱۹۷۱ء صفحات ۱۱۱۰۔ ۱۱۰۶
۳۔ جیمس۔ سی۔ جی۔ گریگ، دی نیو ٹسٹامنٹ اینڈ کرسچین اور یجنز، حوالہ مذکورہ بالا، صفحہ ۱۱۸۷۔
۴۔ لارڈ لانگ فورڈ، دی لائف آف کرائسٹ لندن ۱۹۷۴ء صفحہ ۳۵۔
۵۔ متی، باب چہارم آیت ۱۹ مرقس، باب اوّل آیت ۱۷۔
۶۔ متی باب ۱۶ آیت ۲۰۔
۷۔ مرقس، باب نہم آیت ۱۱ اور باب ۱۳ الوقا، باب ۲۱، اس موضوع کی تفصیل کے لئے دیکھئے چارلس۔ ایم۔ لیمن، نیو ٹسٹامنٹ انٹرپریٹیشن آف جیسس مشمولہ کمنٹری آف دی بائبل، حولہ مذکورہ، صفحات ۱۱۷۵۔ ۱۱۷۴۔
۸۔ ایضاً۔
۹۔ مرقس، باب چہارم آیات ۲۰۔ ۱۰۔
۱۰۔ دیکھیے رسولوں کے اعمال، باب دوم آیات ۳۶۔ ۲۲ جس میں زبور سے مزمور ۱۶، آیات ۱۱۔ ۸، معلوت (گیت) ۱۳۲، آیت ۱۱ اور مزمور ۱۱۰ آیت ا سے اقتباس لئے گئے ہیں۔
۱۱۔ ایضاً، باب ہشتم، آیات ۴۰۔ ۲۶، بحوالہ الیسعیاہ باب ۵۳ آیات ۹۔ ۷۔
۱۲۔ انسائیکلو پیڈیا آف ببلیکل تھیالوجی، مرتبہ جو ہانس، بی بائر۔ لندن ۱۹۷۶ء صفحہ ۸۷۴۔
۱۳۔ ایضاً صفحہ ۸۸۰۔
۱۴۔ ایضاً صفحات ۸۸۳۔ ۸۸۲۔
۱۵۔ دیکھئے مذکورہ بالا حوالہ نمبر ۷۔
۱۶۔ رسولوں کے اعمال باب ۱۵ آیات ۲۹۔ ۱۔
۱۷۔ گلتیوں باب دوم، آیات ۲۱۔ ۱۱۔
۱۸۔ کلوسیوں، باب اوّل، آیات ۱۷۔ ۱۵۔
۱۹۔ دیکھئے مثلاً حوالہ مذکورہ بالا اور فلپیوں باب دوم آیت ۶۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اِسلام

(Islam)

اِسلام کا نام لیتے ہی ہمارے ذہن میں نہ صرف ایک مخصوص مذہب بلکہ ایک مخصوص تمدن، مخصوص طرزِ معاشرت اور ایک مخصوص تہذیب کی تصویر آ جاتی ہے۔ یہ صحیح ہے کہ مذہب اور تمدن و تہذیب کا آپس میں بہت گہرا تعلق ہے، بلکہ اگر یہ کہا جائے تو کچھ ایسا غلط نہ ہوگا کہ کسی بھی مخصوص تمدن و تہذیب کو جو چیز معنویت عطا کرتی ہے یا دوسرے الفاظ میں اُس کے لئے مابعد الطبعیاتی بنیادیں فراہم کرتی ہے، وہ اس تہذیب کے نمائندہ مذہبی تصورات ہی ہوتے ہیں۔ یہ بات ہندوستانی تہذیب پر بھی اسی طرح صادق آتی ہے جس طرح قدیم چینی، آشوری، بابلی یا مصری تہذیب پر بلکہ بسا اوقات تاریخ کے نگار خانے میں یہ بھی دیکھنے میں آیا ہے کہ اگر کسی تمدن و تہذیب کے اجزائے ترکیبی میں ابتداءً کوئی مرکزی مذہبی روایت شامل نہ ہو سکی تو پھر اس کو بعد میں ایک بھرپور تمدن بننے کے لئے کسی مذہبی رنگ کی تحریک کا سہارا لینا پڑا ہے، جو اِس خلا کو پُر کر سکے اور اُس تمدن کو اپنی خود مختار بنیادوں پر کھڑا ہونے میں مدد دے سکے۔

اس کی مثال قدیم تاریخ میں رومی تمدن اور جدید دور میں یورپ کی مادّی تہذیب ہے۔ اوّل الذکر میں ''شہنشاہ کی پرستش'' کے مسلک نے اور ثانی الذکر میں ''وطنیت''

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

(نیشنلزم) کی نیم مذہبی تحریک نے تہذیبی نظام کے سانچے میں مذہب کا کردار ادا کرنے کی کوشش کی ہے، پھر بھی تاریخ عالم پر ایک سرسری نظر ڈالنے سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ شاید کسی مذہبی روایت نے کسی مخصوص تہذیب کے خدوخال اور رنگ روپ متعین کرنے میں اتنا نمایاں اور مرکزی کردار نہیں ادا کیا ہے جتنا مذہب اسلام نے اسلامی تہذیب وتمدن کو متعین کرنے میں۔ اس حقیقت کے سامنے آنے سے جہاں تہذیب عالم کے جھرمٹ میں اسلامی تہذیب کی مخصوص نوعیت واضح ہوتی ہے، وہاں مذاہب عالم کے درمیان اسلام کی انفرادیت متعین کرنے میں بھی مدد مل سکتی ہے۔

اپنے بنیادی تصورات کے لحاظ سے، مذاہب عالم کے طالب علم کے لئے، اسلام، سامی مذاہب کی اُس روایت سے تعلق رکھتا ہے جس میں تاریخی عوامل کے تحت ایرانی عناصر بھی شامل ہو کر اُس کا جزو لاینفک بن چکے تھے، جہاں تک اسلام کے سامی روایت سے متعلق ہونے کا تصور ہے، خود قرآن پاک میں اس بات پر انتہائی زور دیا گیا ہے، اور اسلام کو دینِ ابراہیمی اور پیغمبرانِ بنی اسرائیل کی لائی ہوئی ہدایت کے مطابق بتایا گیا ہے[1]۔

اس سلسلے میں اگر ان پہلے پیغمبروں کے پیروؤں یہود ونصاریٰ، اور اسلامی تعلیمات میں کچھ اختلاف نظر آتا ہے، تو قرآنی نقطۂ نظر کے مطابق، وہ یہود ونصاریٰ کی بعد کی تحریفات اور بدعات کا نتیجہ ہے، چنانچہ، جیسا کہ یہودیت سے متعلق باب کی ابتدا میں ہم سامی روایت کے مرکزی تصور توحید اور اس سے متعلق مخصوص تصورِ الٰہ سے بحث کر چکے ہیں، اسلام ان تصورات کو اپنے مذہبی نظام میں مرکزی مقام عطا کرنے کے لحاظ سے، سامی روایت کا سچا وارث نظر آتا ہے، البتہ، جیسا کہ ہم نے اس بحث کے دوران بھی ذکر کیا تھا، سامی روایت سے متعلق رہتے ہوئے اپنا اپنا انفرادی رنگ بھی رکھتے ہیں اور مختلف پہلوؤں کے لحاظ سے ایک دوسرے سے الگ نظر آتے ہیں، مثلاً اسلام کے اپنے مخصوص تصورِ الٰہ کو ہی لے لیجئے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اگر چہ یہودیت اور عیسائیت کی طرح اسلام کے تصورِ الٰہ میں بھی توحید کو ایک مرکزی حیثیت حاصل ہے (عیسائیت میں تثلیث کے عقیدہ کا مفہوم تین الگ الگ خداؤں پر ایمان سمجھنا ایک غلط فہمی ہوگی، جیسا کہ ہم نے عیسائیت سے متعلق باب میں اس مذہب کی مستند کتابوں کے حوالے سے واضح کیا ہے) لیکن عیسائیت سے قطع نظر جہاں اسلامی تصورِ الٰہ سے اس کا فرق بہت نمایاں ہے، خود یہودیت کے مقابلے میں اسلامی تصور کئی پہلوؤں سے مختلف ہے، چنانچہ باوجود اس کے کہ یہودیوں کے مقدس صحیفوں (عہد نامہ قدیم) میں توحید کو خدا تعالیٰ کی سب سے بنیادی صفت کے طور پر پیش کیا گیا ہے، ہم نے یہودیت سے متعلق باب میں مختلف مثالوں کے ذریعہ یہ ثابت کیا ہے کہ عہد نامہ قدیم میں بیان کردہ تصورالٰہ کے اندر انسانی خصوصیات و صفات سے مشابہت اور خدا تعالیٰ کے جسمانی تصور (تشبیہ و تجسیم) کے عناصر بہت قوی ہیں۔ اس کے برخلاف قرآن پاک میں توحید فی الذات کے ساتھ ساتھ توحید فی الصفات کا بھی پورا اہتمام رکھا گیا ہے۔

دوسرے الفاظ میں خدا تعالیٰ کی اپنی ذات میں یکتائی اور انفرادیت پر زور دینے کے ساتھ ساتھ اگر چہ اس کی شخصیت کا ایک مکمل تصور پیش کرنے کے لئے ایسی صفات کا بیان بھی ناگزیر تھا جن کا پرتو انسانوں میں بھی نظر آ سکتا ہے، لیکن قرآن پاک نے مختلف مقامات پر خدا تعالیٰ کے ہر اعتبار سے (اپنی ذات میں بھی اور اپنی صفات میں بھی) یگانہ اور منفرد ہونے پر اس طرح اصرار کیا ہے کہ تمام صفات الٰہی اپنی نوعیت میں انسانی یا جسمانی صفات سے مختلف قرار پاتی ہیں، اگر چہ اپنے ظاہری مفہوم کے اعتبار سے وہ انسانی فہم و احساس کے لئے ایسی تصویر پیش کر دیتی ہیں جو اُس کی عبادت و محبت کا مقصود بن سکے۔

اسلامی تصورِ الٰہ یہودی تصور سے، باوجود بہت کچھ مشترک رکھنے کے، اس لحاظ سے بھی مختلف ہے کہ یہودیت میں خدا تعالیٰ کی رحمت و ہدایت، توجہ و تعلق نیز اس کی انسانوں کے کام آنے والی تمام خصوصیات، بنی اسرائیل کے لئے مخصوص ہیں، جو کہ ایک نسلی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بنیاد پر قائم جماعت تھی۔ یہودی روایت میں خدا تعالیٰ کا عہد من حیث الجماعت بنی اسرائیل سے تھا۔ جس میں دوسرے بنی نوع انسان نہیں شریک تھے۔ اسلامی تصورالٰہ میں اللہ تعالیٰ کی رحمت و ہدایات اور فائدہ پہنچانے والی صفات تمام انسانوں (اور بہت سی خصوصیات تمام مخلوقات) کے لئے عام ہیں۔

قرآن پاک میں نجات و ہدایت کا وعدہ نسلی یا جغرافیائی اعتبار سے کسی مخصوص قوم یا جماعت سے نہیں ہے بلکہ ایمان اور عملِ صالح کی شرط کے ساتھ بنی نوع انسان کو محیط ہے۔ دوسری طرف یہودیت کے برخلاف جہاں عہدِ خداوندی، نجات، جزا و سزا وغیرہ اجتماعی حیثیت سے بنی اسرائیل کی پوری قوم کے لئے ہے، اسلام میں اللہ تعالیٰ کا عہد ہر انسان سے انفرادی حیثیت سے ہے، اس لئے اس کی نجات، جزا یا سزا بھی انفرادی حیثیت سے ہوگی۔

یہ آخری نکتہ، یعنی قرآن پاک اور اسلام کی نظر میں ہر انسان کا انفرادی طور پر اخلاقی ذمہ داری کا حامل ہونا نہایت اہم ہے۔ درحقیقت قرآن پاک نے توحید کے ساتھ انسان کی بحیثیت ایک باشعور فرد کے اخلاقی ذمہ داری اور اس کے لازمی تتمہ کے طور پر آخرت کے تصور پر جہاں انسان اس اخلاقی ذمہ داری کے اچھے یا بُرے نتائج سے جنت یا جہنم کی صورت میں دوچار ہوگا، انتہائی زور دیا ہے اور اس کو اپنے فکری نظام کے مرکزی عناصر میں جگہ دی ہے۔ اس کے برخلاف جب ہم یہودی روایت پر نظر ڈالتے ہیں تو ہم کو صاف نظر آتا ہے کہ نہ صرف توریت میں بلکہ اس کے بعد کی کتابوں میں بھی ایک عرصہ تک آخرت یا مرنے کے بعد کی زندگی کا کوئی واضح تصور نہیں ہے۔

بنی اسرائیل کا خدا تعالیٰ سے عہد اسی دنیا میں اپنے آپ کو خدا تعالیٰ کی وفادار قوم بنا کر رکھنے کا تھا اور اس کی جزا یا سزا قومی عروج یا زوال کی شکل میں اُن کو اسی دنیا میں ملنے والی تھی البتہ اغلباً بابل کی اسیری اور اس کے بعد ایران کی محکومی کے ایک طویل دور کے نتیجے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

میں ہم یہودیوں میں حیات بعد الموت اور آخرت سے متعلق معروف تصورات کو ابھرتا ہوا محسوس کرتے ہیں، اور خیال گزرتا ہے کہ شاید یہ زرتشتی روایت کے اثرات ہوں گے جس میں آخرت کا تصور نہایت واضح ہے۔

عیسائیت میں جو سامی روایت کے ساتھ ایرانی اثرات کے امتزاج کے بعد ظہور میں آئی آخرت کا مطلب بنیادی اعتبار سے خدائی حکومت کا قیام تھا جہاں خدا تعالیٰ کی طرف سے قیامت کے قریب تمام اقتدار حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ودیعت ہو گیا جس میں عیسائی مومنین بھی شریک رہیں گے اور یہ لوگ برسر اقتدار رہتے ہوئے بدعقیدہ لوگوں اور کافروں کو ہمیشہ کی جہنم کا فیصلہ سنا سکیں گے۔ اس طرح یہودی اور عیسائی دونوں سامی روایتوں کے پس منظر میں جب ہم دیکھتے ہیں تو اس دنیا میں انسان کی بحیثیت فرد اخلاقی ذمہ داری کا احساس اور اس کے نتیجہ میں آخرت میں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے انفرادی جزا یا سزا کا تصور، اسلامی روایت کی ایک امتیازی خصوصیت معلوم ہوتی ہے۔

اس تصور نے اسلام کے اپنے مخصوص تصور توحید کے ساتھ نہ صرف یہ کہ مذہب اسلام کے اپنے مخصوص طرز کی تشکیل میں بنیادی کردار ادا کیا، بلکہ اسلامی تہذیب وتمدن کے ارتقا پر بھی اپنے گہرے اثرات ڈالے، چنانچہ اسلامی شریعت کا پورا نظام، جس نے بعد کی فقہی نشو ونما کے نتیجہ میں زندگی کے تقریباً تمام پہلوؤں اور انسان کی انفرادی اور اجتماعی زندگی کی ہر تفصیل کا احاطہ کرنے کی کوشش کی ہے اور جس سے تہذیب اسلامی کے تمام گوشے کم وبیش متاثر ہوئے ہیں، انسان کی انفرادی اخلاقی ذمہ داری ہی کے تصور پر قائم ہے۔

عربی لفظ اسلام جس مادے سے نکلا ہے اس کے معنوں میں خود سپردگی، اطاعت وفرمانبرداری، تسلیم ورضا کے مفہوم شامل ہیں۔ قرآن شریف میں یہ لفظ اپنی مختلف شکلوں میں ان معنوں میں کئی جگہ استعمال ہوا ہے، چنانچہ جب سورۃ البقرہ کی آیات ۱۱۱ اور ۱۱۲ میں

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

یہود و نصاریٰ کے اس دعوے کے مقابلے میں کہ جنت میں صرف اُن کی امتوں کے ہی لوگ داخل ہو سکیں گے، قرآن پاک یہ اعلان کرتا ہے:

"بَلٰى مَنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَ هُوَ مُحْسِنٌ فَلَهٗ اَجْرُهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ."

ترجمہ: "نہیں! بلکہ جو کوئی بھی خدا کے سامنے اپنے کو مکمل طور سے جھکا دے اور وہ نیک کام کرنے والا ہو تو اس کا انعام اپنے ربّ کے پاس ہے۔"

یا جب اسی سورت کی آیت ۱۳۱ میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے سلسلے میں قرآن پاک کہتا ہے:

"اِذْ قَالَ لَهٗ رَبُّهٗ اَسْلِمْ قَالَ اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ."

ترجمہ: "اور دیکھو جب اُس کے ربّ نے کہا (میرا) مطیع ہو جا، اس نے (حضرت ابراہیم علیہ السلام نے) کہا میں ساری دنیاؤں کے ربّ کا فرمانبردار ہو گیا۔"

یا جب بدوؤں کے اسلام لانے کا ذکر کرتے ہوئے سورۃ الحجرات آیت ۱۴ میں قرآن پاک کا یہ قول ہے:

"قَالَتِ الْاَعْرَابُ اٰمَنَّا قُلْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا وَلٰكِنْ قُوْلُوْا اَسْلَمْنَا وَ لَمَّا يَدْخُلِ الْاِيْمَانُ فِيْ قُلُوْبِكُمْ."

ترجمہ: "اہل بادیہ یہ کہتے ہیں کہ ہم ایمان لے آئے ہیں۔ کہہ دو نہیں تم ایمان نہیں لائے ہو، ہاں یہ کہو کہ ہم نے اطاعت قبول کر لی ہے، اور ایمان تو ابھی تمہارے دلوں میں داخل بھی نہیں ہوا ہے۔"

تو ان آیات اور ان جیسی دوسری آیات میں اسلام کا لفظ اسی اطاعت اور

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

خود سپردگی کے معنوں میں استعمال ہوا ہے۔ یہ اطاعت اور تسلیم و رضا جو ایک داخلی رویّے کا نام ہے، درحقیقت اُسی انفرادی اخلاقی ذمہ داری کے قبول کرنے کا اعلان ہے جس کی طرف ہم اوپر اشارہ کر چکے ہیں۔ اس طرح اسلام قبول کرنے کے ساتھ ہی انسان اُس پورے نظامِ اخلاقیات اور مجموعہ قوانین پر عمل کرنے کے لئے تیار ہو جاتا ہے جو شریعت اسلامی میں شامل ہیں، اور جو قرآن پاک اور احادیثِ نبوی ﷺ (حضور پاک ﷺ کا قول و عمل) سے مستنبط اور اُن پر مبنی ہونے کی وجہ سے خداتعالیٰ کی مرضی و منشا کے ترجمان ہیں۔ اب یہ اسلامی شریعت کی خصوصیت ہے کہ اس کا دائرۂ اثر صرف عبادات تک محدود نہ رہ کر خاندانی اور سماجی زندگی سے گزرتے ہوئے تہذیب و تمدن کے مختلف میدانوں تک پھیلا ہوا ہے۔

بنیادی عقائد اور تعلیمات

مذہب اسلام کے بنیادی اور مرکزی تصورِ توحید کے سلسلے میں ہم اوپر مختصراً کچھ ذکر کر چکے ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ باوجود مختلف مباحث پر محیط ہونے کے، اگر قرآن پاک کا کوئی ایک مرکزی موضوع کہا جا سکتا ہے، تو وہ توحید ہی ہے۔ وہ کائنات میں فطرت کے مختلف مظاہر کا ذکر کر کے اُن سے خدا کی قدرت اور حکومت پر استدلال ہو، یا انسان کی اپنی ذات میں اس کے جسم و ذہن کے پیچیدہ نظام کے حوالے سے خداتعالیٰ کی صناعی کے محاسن اور احسانات کا تذکرہ ہو، زمانہ قدیم کی مختلف اقوام اور اُن کے پیغمبروں کی تاریخ دہرا کر خداتعالیٰ کے مقرر کردہ قوانین عروج و زوال کا بیان ہو، یا عہدِ رسالتمآب ﷺ میں کفارِ مکہ اور منافقین کی نافرمانیوں کا تذکرہ کرتے ہوئے آئندہ اسی دنیا میں، اور آخرت میں، ان کے لئے ذلت اور عذابِ الیم کی بشارت ہو، یا پھر براہِ راست خداتعالیٰ کی مختلف صفات کو واضح کیا گیا ہو، ان سبھی مباحث، اور اس طرح کے دوسرے موضوعات کا مقصد

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

خدا تعالیٰ کی ہستی، اُس کی اہم صفات کے تصور، اُس کی خلاقیت، ربوبیت، حکومت واقتدار، حکمت وصناعی اور یوم حساب یعنی آخرت میں اُس کی جزا وسزا پر مکمل قدرت، کو ذہن نشین کرانا ہے۔

اس طرح یہ سبھی مباحث خدا تعالیٰ کی یکتائی اور اُس کے بلاشرکت غیرے کائنات کا مالک، حکمراں، فاعلِ مطلق اور معبودِ حقیقی ہونے کی طرف متوجہ کرتے ہیں، جو کہ اصل توحید کا مطلوب ومقصود ہے۔ ایسی آیات جن کا موضوع انسانی معاملات کے متعلق براہِ راست ہدایت واحکامات ہوں یعنی فقہی نوعیت کی آیات کی تعداد قرآن پاک میں مجموعی اعتبار سے بہت کم ہے، اس لحاظ سے قرآن پاک کے پیش کردہ مذہبی فکر میں توحید کی مرکزی نوعیت خود بخود واضح ہو جاتی ہے، اور یہی وجہ ہے کہ اسلام کا اقرار کرنے والے بنیادی کلمے یعنی کلمہ طیبہ:

"لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ."

ترجمہ: "نہیں ہے کوئی معبود سوائے اللہ کے اور محمد (ﷺ) اللہ کے رسول ہیں۔"

کا نصف اوّل توحید کے واضح اعلان پر ہی مبنی ہے۔ چنانچہ اسلامی عقائد میں سرفہرست توحید کے قلبی وقولی اقرار یعنی دل سے توحید کو ماننے اور زبان سے اُس کا اقرار کرنے کو ہی رکھا گیا ہے۔

اس سلسلے میں یہ نکتہ بھی قابلِ غور ہے کہ قرآن پاک کہیں بھی منطقی یا فلسفیانہ نوعیت کے دلائل سے خدا تعالیٰ کا وجود خالص عقلی بنیادوں پر ثابت کرنے کی کوشش نہیں کرتا۔ اس کے برخلاف خدا تعالیٰ کی ہستی کے بارے میں قرآن پاک یہ موقف اختیار کرتا ہے کہ اس کے وجود کا احساس انسانی روح میں فطری طور پر پوشیدہ ہے، البتہ غفلت اور نفسانیت کی وجہ سے وہ احساس مدھم پڑ چکا ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

چنانچہ قرآن پاک کائنات میں خدا کی قدرت کی مختلف نشانیوں کی طرف انسان کو متوجہ کر کے اس کی روح میں دبے ہوئے فطری احساس کو جگانا چاہتا ہے، جو اگر ایک مرتبہ بیدار ہو جائے تو انسان خود بخود اپنی طبعِ سلیم کے تقاضے سے خدا کی طرف متوجہ ہو جائے گا اور اُس کو کسی طرح کے فلسفیانہ اور منطقی دلائل کی حاجت نہیں ہوگی، جو یوں بھی ایک عام آدمی کی فہم سے بالاتر ہوتے ہیں۔ اِس طرح قرآن پاک میں پیش کردہ مثالوں اور دلیلوں کے مخاطب انسان کی منطقی فہم اور عقل محض سے زیادہ اُس کے قلب اور روح ہیں، جن کی بیداری ایمان اور یقین کا سبب بنتی ہے، جب کہ کسی بات کو منطقی طور پر ثابت کر کے زیادہ سے زیادہ وقتی طور پر مخاطب کو خاموش کیا جا سکتا ہے۔ لیکن اس طرح اُس کے قلب اور روح کو نہیں جیتا جا سکتا۔

قرآن پاک کے اس نظریہ کا کہ خدا کی ہستی کا اقرار روحِ انسانی کی فطری پکار ہے، سب سے واضح اظہار سورۃ الاعراف کی آیت ۱۷۲ میں ملتا ہے جس میں عالم غیب میں اجتماعی طور پر انسانی ارواح اور خدا تعالیٰ کے بیچ کیے گئے ایک میثاق کا ذکر ہے جس کی رُو سے ہر انسان کی روح نے ازل میں ہی خدا تعالیٰ کی رُبوبیت اور اپنی بندگی کا اقرار کر لیا تھا۔ چنانچہ مذکورہ بالا آیات میں قرآن پاک کہتا ہے:

ترجمہ: ''اور جب تمہارے ربّ نے بنی آدم کے صلب سے اُن کی اولادوں کو نکالا اور اُن کو اُن کی جانوں پر گواہ بنایا (کہ) کیا میں تمہارا ربّ نہیں ہوں؟ (اس وقت) سب نے کہا بے شک (تو ہی ہمارا ربّ ہے) ہم اس کی گواہی دیتے ہیں۔ (ایسا اس لئے تھا) کہ تم قیامت کے روز کہنے لگو کہ ہمیں تو اس کی کچھ خبر ہی نہ تھی۔''

اس تصور کے ساتھ قرآن پاک اپنے دلائل و نظائر میں تمام کارخانہ قدرت اور خود ذاتِ انسانی کو بحیثیت نشانِ راہ اور شواہد کے استعمال کرتا ہے جو ایک طرف تو ہستی،

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

خداوندی کی طرف رہنمائی کرتے ہوئے انسانی روح میں اُس کے پوشیدہ احساس کو جگاتے ہیں اور دوسری طرف تمام فطرت اور انسان کے ذاتِ الٰہی پر مکمل انحصار اور مطیع ومحکوم ہونے کو ظاہر کرتے ہیں۔

قرآنی تصور میں انسانوں کو خوابِ غفلت سے جگانے اور خدا تعالیٰ کی طرف متوجہ کرنے کی ذمہ داری جن ہستیوں کو سونپی جاتی رہی وہ پیغمبرانِ گرامی کی ذات تھی، جنہوں نے اپنی اپنی قوموں، یا مختلف ادوار میں کسی ایک ہی قوم کو نفسانیت اور غیر اللہ سے منہ موڑ کر اللہ تعالیٰ سے تعلق استوار کرنے کی تلقین کی اور اس دنیا میں انسانوں کے لئے خدا تعالیٰ کی منشا ومرضی کو واضح کیا۔ یہ برگزیدہ اشخاص جو منصب نبوت ورسالت کے لئے انسانوں میں سے ہی منتخب کئے جاتے تھے۔ اپنی سیرت وکردار کے لحاظ سے اپنے ہم قوموں کے لئے مثالی نمونہ ہوتے تھے۔

خدا تعالیٰ کی منشا ومرضی جو آسمانی کتابوں یا پیغامِ الٰہی کی شکل میں اُن کے پاس آتی تھی۔ بذریعہ وحی ان تک پہنچتی تھی جس کی شکلیں مختلف ہوسکتی تھیں۔ کبھی یہ وحی خدا کی طرف سے براہِ راست گفتگو کی شکل میں بھی ہوسکتی تھی جیسا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ تھا، کبھی پیغمبر کے دل پر القا کی شکل میں ہوتی تھی اور کبھی کسی فرشتہ یا حضرت جبریل علیہ السلام کے ذریعہ بھی جیسا کہ احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں مذکور ہے قرآن پاک میں براہِ راست حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے دل پر اور بذریعہ ''الرّوح'' نزولِ وحی کا تذکرہ موجود ہے[1]۔

یہ قرآنی تصور نبوت ورسالت کی خصوصیت ہے کہ اُس نے وحی آسمانی اور ہدایت الٰہی کا فیضان کسی ایک قوم یا جغرافیائی خطہ سے مخصوص نہ کرتے ہوئے اس کو تمام بنی نوع انسان کے لئے عام قرار دیا ہے۔ چنانچہ قرآن پاک اس عقیدہ پر اصرار کرتا ہے کہ اسلام لانے والے حضور پاک محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کے علاوہ ان سے پہلے آئے ہوئے پیغمبروں کی رسالت کو بھی، خواہ وہ دنیا کے کسی خطے میں آئے ہوں تسلیم کریں، اور جو آسمانی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کتابیں ان پر نازل ہوئی ہیں ان کی حقانیت کا اقرار کریں، کیونکہ قرآنی تصور کے مطابق یہ ایک ہی پیغام حق، توحید الٰہی اور عمل صالح کی دعوت تھی، جس کے لئے مختلف جگہوں اور زمانوں میں انبیا کرام مبعوث ہوتے رہے۔

اس سلسلے میں کئی انبیا اور چار آسمانی کتابوں کی قرآن شریف میں نام کے ساتھ تصریح موجود ہے اور دوسرے انبیا اور آسمانی صحیفوں کے وجود کو اصولی حیثیت سے اجمالی طور پر مان لیا گیا ہے۔ جہاں تک دوسرے مذاہب کی موجودہ روایات اور اسلامی تعلیمات میں اختلاف کا مسئلہ ہے تو اس کو "تحریف" کے تصور کے ذریعہ سمجھایا گیا ہے جیسا کہ سامی مذاہب سے اسلام کے اختلاف کے سلسلہ میں ہم اوپر ذکر کر چکے ہیں۔ البتہ یہ ضرور ہے کہ دین حق کی جو کہ ہر زمانے میں پیغمبروں کے ذریعہ آتا رہا، آخری صورت شریعت اسلامی کی شکل میں حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ پر نازل ہوئی۔ قرآنی تصور میں آپ ﷺ کی رسالت کو اسی لئے خصوصی اہمیت حاصل ہے اور اسی لئے اس کا اظہار نہ صرف پچھلی امتوں کے لوگوں سے آپ ﷺ کی رسالت و شریعت کی قبولیت پر اصرار، بلکہ آپ ﷺ کی ذاتِ گرامی کے ساتھ ختم نبوت کے عقیدہ کی صورت میں ہوا۔

توحید و رسالت کے علاوہ بنیادی اسلامی عقائد میں آخرت کا تصور بھی شامل ہے۔ اس تصور کے انسان کی انفرادی اخلاقی ذمہ داری سے تعلق اور دنیوی اعمال کی جنت یا جہنم کی صورت میں جزا و سزا کے سلسلے میں ہم اوپر روشنی ڈال چکے ہیں۔ اخلاقی ذمہ داری کا لازمی نتیجہ ہونے کے علاوہ آخرت کا عقیدہ انسان کے مرنے کے بعد ایک دوسری اور ہمیشہ ہمیشہ کی زندگی کا تصور پیش کر کے اُس کے لئے اِس قید خانۂ آب و گل سے آزادی کا دروازہ کھول دیتا ہے۔ یہ تصور انسان کے سامنے حیات ابدی کا ایک ایسا اُفق روشن کر دیتا ہے جو بیک چشم زدن اُس کو ایک فانی، مجبور اور عارضی مخلوق سے لافانی مقدر کا حامل اور عناصر قدرت کی گرفت سے آزاد ایک ابدی مخلوق بنا دیتا ہے۔ انسانی روح کے لئے جو اپنے آپ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کو اس دنیا میں محصور و مجبور دیکھتی ہے، آخرت کا عقیدہ ایک ایسا زندگی پرور تصور ہو سکتا ہے جو اُس کا نصب العین بن کر اُس کی دنیوی زندگی کو معنی و مقصد سے آراستہ کر سکتا ہے اور حیاتِ ارضی کے مدو جزر میں اُس کے لئے ایک مضبوط لنگر کا کام دے سکتا ہے۔

دوسری طرف اس دنیا کے اعمال کی جزا و سزا کے آخرت سے متعلق کر دیئے جانے کی وجہ سے خود اس دنیوی زندگی کے مادّی اعمال و افعال کو ایک اَبدی جہت حاصل ہو جاتی ہے جس میں خدا کی مرضی کے مطابق کئے گئے اعمال، خواہ وہ کتنے ہی مادی اور دنیوی نوعیت کے کیوں نہ ہوں، ایک مذہبی تقدیس اور روحانی کیفیت حاصل کر لیتے ہیں جس سے پوری زندگی ابدیت کی مہک سے متصف ہو سکتی ہے۔

بنیادی عقائد کا چوتھا جُز فرشتوں یا ملائکہ پر یقین ہے۔ قرآن کے مطابق فرشتے خدا تعالیٰ کی ایسی مخلوق ہیں جو سرتاسر اطاعت و فرمانبرداری کے لئے بنائی گئی ہیں اور ہر طرح کے نفسانی وساوس اور نافرمانی کے جذبہ سے عاری ہیں، چنانچہ اسی بنیاد پر انہوں نے قرآن کے بیان کے مطابق تخلیق آدم کے وقت یہ سوال اٹھایا تھا کہ آدم جیسی مخلوق کو بنانے میں کیا مصلحت ہو سکتی ہے جو کہ فساد اور نافرمانی کا باعث ہو گی جب کہ فرشتے ہر وقت خدا تعالیٰ کی تسبیح و تقدیس میں مشغول رہتے ہیں[۲]۔

صحیح مسلم کی ایک حدیث میں یہ ذکر موجود ہے کہ فرشتوں کو خدا تعالیٰ نے نور سے پیدا کیا[۳]۔ قرآن پاک اور احادیث میں فرشتوں کے مختلف فرائض منصبی بیان ہوئے ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ اُن کی مختلف جماعتیں ہیں۔ فرشتوں کی ایک جماعت اگر ہمہ وقت خدا تعالیٰ کی حمد و ثنا میں مشغول رہتی ہے تو دوسرے فرشتے کائنات میں خدا تعالیٰ کے احکام و مرضیات کی بجا آوری، انسانوں یا پیغمبروں کے پاس خدا تعالیٰ کی پیغام رسانی، جنت اور جہنم کی نگرانی اور مختلف دوسرے امور پر متعین ہیں۔ بعض اہم فرشتے جیسے حضرت جبریل علیہ السلام، حضرت میکائیل علیہ السلام، حضرت اسرافیل علیہ السلام اور حضرت عزرائیل علیہ السلام وغیرہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

مخصوص کاموں پر بھی مامور ہیں۔

تقدیر کا عقیدہ بھی اسلام کے بنیادی عقائد میں سے ہے۔ قرآن پاک میں یہ لفظ ''اندازہ مقرر کر دینے''، ''ناپ کر الگ کر دینے، چیزوں کی فطرت کے تعین'' جیسے معانی میں استعمال ہوا ہے، جیسے سورۃ القمر کی آیت ۴۹ میں، جہاں کہا گیا ہے:

''اِنَّا كُلَّ شَيْءٍ خَلَقْنٰهُ بِقَدَرٍ.''

ترجمہ: ''بے شک ہم نے ہر چیز کو ایک حساب اور اندازے سے پیدا کیا ہے۔''

یا سورۂ یٰسین کی آیت ۳۸، جہاں فرمایا گیا ہے:

''وَالشَّمْسُ تَجْرِيْ لِمُسْتَقَرٍّ لَّهَا ذٰلِكَ تَقْدِيْرُ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ ○ وَالْقَمَرَ قَدَّرْنٰهُ مَنَازِلَ حَتّٰى عَادَ كَالْعُرْجُوْنِ الْقَدِيْمِ○''

ترجمہ: ''اور سورج اپنے مستقر کی طرف چلتا رہتا ہے۔ یہ حساب اُسی قوت اور علم والے کا بتایا ہوا ہے، اور چاند کے لئے ہم نے منازل متعین کر دیئے ہیں یہاں تک کہ وہ کھجور کی پرانی (سوکھی) شاخ کی طرح رہ جاتا ہے۔''

یا سورۃ الحجر کی آیت ۲۱ میں:

''وَ اِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا عِنْدَنَا خَزَآئِنُهٗ وَ مَا نُنَزِّلُهٗ اِلَّا بِقَدَرٍ مَّعْلُوْمٍ.''

ترجمہ: ''اور ہمارے پاس ہر چیز کے (لامحدود) خزانے ہیں۔ لیکن ہم اُس میں سے ایک متعین پیمانے کے مطابق اتارتے ہیں۔''

لیکن احادیث میں (دیکھئے بخاری شریف، کتاب القدر) ''قدر'' کو ایک

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اصطلاحی مفہوم میں استعمال کیا گیا ہے اور اس چیز پر زور دیا گیا ہے کہ انسان کے ساتھ جو کچھ بھی بُرے یا بھلے حالات و واقعات پیش آتے ہیں وہ خدا تعالیٰ کے مقرر کردہ ''اندازے'' یعنی ''قدر'' کے مطابق ہوتے ہیں۔ بعد کے دور میں بعض متکلمین نے قضا و قدر میں جو کہ قرآن میں قریبی معنوں میں استعمال ہوئے ہیں، فرق کیا اور ان میں سے پہلی نوع کو خدا تعالیٰ کے کائنات اور انسان کے بارے میں ان بنیادی احکام و مرضیات سے متعلق قرار دیا جو ازل سے ہی طے کر دیئے گئے ہیں، جب کہ ''قدر'' انفرادی طور پر ہر انسان کی روزمرہ زندگی اور موجودہ صورتِ حال سے متعلق ہے۔ بہرصورت قضا و قدر کو (دو الگ تصورات کی شکل میں یا ایک ہی اصطلاح ''قدر'' کے معنوں میں) ابتدائے اسلام سے ہی بنیادی اسلامی عقائد کا حصہ سمجھا گیا ہے۔

''قدر'' کے عقیدے کی اہمیت کا اندازہ اس حقیقت سے بھی لگایا جا سکتا ہے کہ عقائد میں سب سے پہلے یہی تصور ہے جو دینیاتی اختلاف کا سبب بنا اور بنو اُمیہ کے ابتدائی دور (ساتویں صدی عیسوی کے اواخر) میں ہی ''قدر'' کے سلسلے میں مختلف آرا کی بنیاد پر مذہبی فرقوں یا مختلف مکاتبِ فکر کی بنیاد پڑ گئی۔ اس دور میں قدریہ، اس کے کچھ عرصہ بعد معتزلہ، اور آج کل شیعہ، ''قدر'' یا تقدیر کے مذکورہ بالا مفہوم کو، جس میں انسان کے تمام افعال اور اُس کے ساتھ پیش آنے والے واقعات و حالات کا خالق اور ذمہ دار خدا تعالیٰ کو مانا گیا ہے، نہیں مانتے۔ مذکورہ بالا جماعتیں انسان کو اپنے اعمال میں مکمل طور پر خودمختار تسلیم کرتی ہیں۔ اُن کے خیال میں بغیر انسانی اختیار کو تسلیم کیے ہوئے خدا تعالیٰ کی طرف سے آخرت میں جزا و سزا کو بر بنائے انصاف نہیں تسلیم کیا جا سکتا۔

اس کے برخلاف جمہورِ امت کے نمائندہ علما متکلمین جو بعد میں اہل سنت و الجماعت کہلائے، ابتدائی دور سے ہی خدا تعالیٰ کی مکمل حکومت اور اس کی ہمہ گیر قدرت و اختیار کے تصور میں کسی قیمت پر کوئی کمی یا نقصان برداشت کرنے پر تیار نہیں تھے۔ چنانچہ ان

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

علما نے ''قدر'' یا تقدیر کے اُسی تصور سے وفاداری استوار رکھتے ہوئے جس پر احادیث میں زور دیا گیا ہے اور جو تمام انسانی افعال وحالات کو امرِ الٰہی کا پابند قرار دیتا ہے، ایسی دینیاتی توجیہیں کرنے کی کوششیں کیں جو بغیر خدا تعالیٰ کے قدرت واختیار میں فرق ڈالے ہوئے انسان کو کسی درجہ میں اُس کے افعال کا ذمہ دار اور قیامت میں اُس کو پیش آنے والی جزا یا سزا کا مستحق قرار دے سکیں۔

اس سلسلے میں ایک مشہور نظریہ امام ابوالحسن الاشعری (م ۹۳۵ء) کا تصور ''کسب'' ہے جس کی رو سے انسان کے افعال کا خالق اور اُن کا صادر کرنے والا خدا تعالیٰ ہی ہے، لیکن انسان خدا کے حکم اور مرضی سے اُن کو اپنا لیتا ہے۔ بعد کے ادوار میں اہل سنت والجماعت خصوصاً حنفی علما نے بعض دوسرے مسائل کی طرح اس مسئلے میں بھی ابومنصور محمد ماتریدی رحمۃ اللہ علیہ (م۔۹۴۴ء) کے مسلک کو ترجیح دی۔ اُن کا نظریہ انسان کو اپنے اعمال کا ارادہ کرنے (اختیار) اور اُن کو اپنانے (اکتساب) میں، ابوالحسن الاشعری کے مقابلہ میں زیادہ خود مختاری اور ذمہ داری عطا کرتا ہے اور اس طرح روزِ جزا کے حساب کتاب کو زیادہ منصفانہ اور معقول بنیادوں پر قائم کرتا معلوم ہوتا ہے[۵]۔

اس ضمن میں الماتریدی نے اس فرق کو بھی واضح کیا ہے کہ اگرچہ کسی فعل کو انسان اپنے ارادہ سے اختیار کرتا اور آزادانہ طور سے اپناتا ہے لیکن خدا تعالیٰ کو اپنے علم کی بنا پر ازل سے ہی اُس عمل کے لئے حکم ہو چکا تھا، لیکن انسان کو جو سزا یا جزا ملے گی وہ اُس آزادانہ اختیار اور اکتساب کی ہے جو اُس نے خود سرانجام دیا۔

مندرجہ بالا اہم عقائد کے علاوہ جن پر ایمان لانا ہر مسلمان کے لئے قطعاً ضروری سمجھا گیا ہے، کچھ اور عقائد بھی اہل سنت والجماعت کے نزدیک راسخ العقیدہ اسلام کا جز سمجھے گئے ہیں۔ اِن عقائد میں عذابِ قبر، سوالِ منکر نکیر، پلِ صراط، میزان (جس پر نیک و بد اعمال تولے جائیں گے) حوضِ کوثر، لوحِ محفوظ، شفاعت (یعنی یہ عقیدہ کہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

قیامت کے روز خدا تعالیٰ کی اجازت سے اُس کے حضور اپنی امت کی شفاعت فرمائیں گے) پر یقین رکھنا، جنت وجہنم کا ہمیشہ سے موجود ہونا، فاتحہ وخیرات کا ثواب مردوں کی روح کو پہنچنا، رسولوں کی عصمت (یعنی یہ کہ ان سے کوئی گناہ نہیں سرزد ہوسکتا) خلفا راشدین ﷺ کی بزرگی کا اعتراف، تمام صحابہ کرام ﷺ کی عظمت، گناہ کبیرہ سے کفر لازم نہ آنا اور قیامت میں دیدارالٰہی کا یقین وغیرہ شامل ہیں۔

جیسا کہ ان عقائد پر ایک نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے، کہ قرآن، حدیث اور تواتر کے ذریعہ منقول اسلامی تعلیمات میں سے عقائد کی کتابوں میں مذکورہ بالا کا خصوصی انتخاب، بیشتر کسی مختلف فیہ مسئلہ یا دوسرے اسلامی فرقوں کے مقابلے میں اہل سنت کے اپنے موقف کی وضاحت کے سلسلہ میں کیا گیا ہے، ورنہ عمومی اعتبار سے قرآن اور حدیث کی تمام تعلیمات پر یقین رکھنا ایک مسلمان کے لئے ضروری سمجھا جاتا ہے۔شیعہ مسلک کے حضرات اپنے بنیادی عقائد میں، تقدیر کو نہیں شامل کرتے بلکہ اُس کی جگہ خدا تعالیٰ کے ''عدل'' پر ایمان ضروری سمجھتے ہیں۔اس کے علاوہ امامت کا تصور بھی ان کے بنیادی عقائد میں شامل ہے۔

مذکورہ بالا عقائد کے علاوہ متعدد تعلیمات ایسی ہیں جن پر قرآن پاک اور احادیث میں زور دیا گیا ہے اور انہیں ہمیشہ سے اسلامی تعلیمات کا اہم جز قرار دیا گیا ہے۔ ان میں سب سے ہمہ گیر کائنات کا وجود کسی اتفاق یا غیر شعوری طور پر کارفرما ازلی قوانین فطرت کے نتیجے میں نہیں ہوا، بلکہ یہ خدائے علیم وحکیم کے سوچے سمجھے منصوبے کے تحت ایک بامقصد تخلیق ہے (دیکھئے سورۃ الدخان آیات ۳۸،۳۹) فلسفہ وسائنس کی نظر میں اندھے مادے اور خودکار قوانین فطرت کی پیداوار بے روح کا کائنات کے مقابلے میں سامی مذاہب بشمول اسلام کا تخلیق کائنات کو ایک علیم وخبیر ہستی کے منصوبہ وارادہ سے متعلق کر دینا کائنات کو خالص مادّی سطح سے بلند کر کے ایک ایسی معنویت اور روحانیت عطا کر دیتا ہے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

جس کے بعد انسان کے لئے اس سے ایک مثبت رشتہ قائم کرنا ممکن ہو جاتا ہے۔ پھر یہ کائنات نہ صرف خدا تعالیٰ کی تخلیق ہے بلکہ اُس کی اطاعت گزار اور پابند بھی ہے، جس کو قرآن پاک ''مسلم'' ہونے سے تعبیر کرتا ہے (دیکھئے سورۃ آل عمران آیت: ۸۳) کائنات میں قوانین فطرت کی کارفرمائی جو ایک مادہ پرست ذہن کو خودمختار محسوس ہوتی ہے، قرآنی تصور میں فطرت اور کائنات کی طرف سے اُن اوامرِ الٰہی کی اطاعت ہے جو مشیت الٰہی نے ازل سے ہی اُس کے اندر ودیعت کر دیئے ہیں۔ اسی تصور کے پیش نظر قرآن پاک کثرت سے انسان کی توجہ مظاہر فطرت کی طرف مبذول کرتا ہے اور اُن میں موجود نظم و ضبط اور اُن کے قوانین میں استقلال سے خدا تعالیٰ کی قدرت و حکمت اور بالواسطہ اُس کی ہستی پر استدلال کرتا ہے۔

دوسری طرف اس مطیع و فرمانبردار کائنات میں جس میں تمام مخلوقات شامل ہیں (سوائے جنات کے جو انسانوں کی طرح ہدایت اور گمراہی اختیار کرنے میں آزاد ہیں) انسان ایک منفرد حیثیت کا مالک ہے۔ قرآن پاک کے بیان کے مطابق خدا تعالیٰ نے تخلیق آدم کے وقت انسان کو تمام مخلوقات پر افضلیت دیتے ہوئے اپنی جانشینی کے لئے منتخب کر لیا تھا۔ انسان کی یہ افضلیت، جیسا کہ اس سلسلے میں سورۃ البقرۃ کی آیات ۳۴-۳۰ سے معلوم ہوتا ہے، اُس کے علم کی بنا پر تھی، جس کا مظاہرہ حضرت آدم علیہ السلام نے فرشتوں کے سامنے کیا۔

پھر ایک اور جگہ تمام مخلوقات کے مقابلے میں انسان کے ذہنی و روحانی امتیاز اور انفرادیت کی طرف قرآن پاک نے اس طور اشارہ کیا ہے کہ (شعورِ ذات اور اس سے متعلق نیک و بد میں اختیار کی اخلاقی ذمہ داری کی) جس امانت کو قبول کرنے سے دوسری مخلوقات عاجز رہیں اُس کو انسان نے بخوشی قبول کر لیا (سورۃ الاحزاب، آیت ۷۲) خود شناسی اور اختیار سے محروم مادّی کائنات اور دیگر مخلوقات، غیر اختیاری طور پر اُن اوامرِ الٰہیہ کو جو قوانینِ فطرت یا طبعی رجحانات کے طور سے ان میں رکھ دیئے گئے ہیں، اتباع کرتی رہتی ہیں۔ یہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

صرف انسان کی خصوصیت ہے جس نے اس غیر اختیاری اطاعت سے الگ ہوتے ہوئے نیک و بد کی تمیز اور اُن میں کسی ایک کو اختیار کرنے کی اخلاقی ذمہ داری کو قبول کیا۔ یہ شعورِ ذات اور اختیار کی آزادی غالباً اس خصوصیت علم کا بنیادی حصہ ہے جس نے حضرتِ انسان کو اِس کائنات میں خدا تعالیٰ کی جانشینی کا شرف بخشا۔

انسان کی اخلاقی ذمہ داری کی اہمیت اور اس کی گراں باری اس وقت زیادہ صحیح طور پر محسوس کی جاسکتی ہے جب ہم یہ نظر میں رکھیں کہ قرآن پاک کے مطابق انسان کو خدا تعالیٰ نے مادّے کی ایک کثیف شکل گارے کی مٹی سے تخلیق کیا ہے، پھر اُس میں اپنی روح پھونکی ہے (سورۃ الحجر: آیات ۲۶، ۲۷، ۲۸) اس طرح انسان کی فطرت میں ازل سے ہی کثافت اور نورانیت کا اجتماع الضدین موجود ہوگیا۔ اگر اُس کی فطرت کا ایک حصہ انسان کو مادیت اور تاریکی کی طرف کھینچتا ہے تو رُوحِ الٰہی کا عنصر اُس کو اُلوہی صفات کی طرف دعوت دیتا ہے۔

اپنی فطرت میں نورانیت اور ظلمت کی اس کشمکش کے ساتھ انسان کو اپنے اعمال میں اختیار کے احساس نے ایسے امتحان میں مبتلا کر دیا ہے جو اس کے لئے مستقل اضطراب کا باعث بھی ہے اور جس پر اس کی تقدیر کا انحصار بھی ہے۔ اس غیر اطمینان بخش اور تشویش ناک صورتِ حال میں اگر کوئی پہلو امید اور تسکین کا ہے تو یہ کہ خدا تعالیٰ کی رحمت اور ربوبیت نے انسان کو اس امتحانی صورت حال میں تنہا نہیں چھوڑا ہے۔ قرآن پاک کے مطابق دنیا کی زندگی میں خیر و شر کی اس آزمائش میں انسان کی اعانت اور راہبری کے لئے خدا تعالیٰ نے ابتدا سے ہی اپنے رسولوں اور پیغامبروں کا ایک سلسلہ قائم رکھا جو اپنی تعلیمات کے ذریعہ بنی نوعِ انسان کے اندر ازل سے موجود اُلوہی عنصر کی ہمت افزائی اور خیر و شر میں امتیاز کیلئے واضح اصول و قوانین پیش کرتے رہے۔ اس طور انسان کیلئے ہمیشہ یہ ممکن رہا ہے کہ وہ اپنی فطرت کے صالح عنصر کی دعوت پر لبیک کہتے ہوئے خدا تعالیٰ کے طے کردہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

روحانی اور اخلاقی اصولوں کو قبول کرلے اور ان کو اپنی دنیوی زندگی میں مشعل ہدایت سمجھے۔

قرآنی تعلیمات میں انسانی مقدر کے اس تجزیہ کے بعد اگر ہم انسان کو بحیثیت ایک سماجی فرد اور جزوِ جماعت کے دیکھیں تو اس سلسلے میں بھی بعض قرآنی تعلیمات نہایت نتیجہ خیز اور دوررس تصورات کی حامل نظر آتی ہیں۔ مثلاً ایک تصور جس کے مضمرات بالکل ابتدائی آیات سے ہی نمایاں تھے اور جس کے مشمولات پر شاید توحید کے بعد سب سے زیادہ زور دیا گیا ہے۔ انسانوں کے درمیان مساوات اور باہمی رشتۂ اخوت کا تصور ہے وہ خواہ تمام بنی نوع انسان کے ایک ماں باپ حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت حوا علیہا السلام کی اولاد ہونے کی تعلیم ہو یا انسانوں کے مختلف شعوب اور قبائل میں تقسیم ہونے کی محض تعارفی اہمیت ہو (سورۂ الحجرات: آیت ۱۳) وہ امیروں کے مال میں غریبوں کے حق کی تلقین ہو (سورۃ الذّٰریٰت اور المعارج آیات ۱۹ اور ۲۵۔۲۴) یا دشمنوں کے معاملے میں بھی ناانصافی سے بچنے کی تعلیم ہو (سورۃ المائدۃ آیت ۹) وہ کسی کا تمسخر اڑانے، ٹوہ میں رہنے، بدگمانی اور غیبت کی ممانعت ہو (سورۃ الحجرات آیت ۱۲۔۱۱) یا دور اور قریب کے پڑوسیوں کے حقوق ہوں وہ تمام انسانوں کے لئے زندگی کا یکساں بنیادی مسئلہ (سورۃ الدہر آیات ۳۔۱) اور ان کا ایک ہی حقیقی معبود مقصود ہو، یا تمام انسانوں کے لئے ہدایت الٰہی کی ہمیشہ سے عمومیت۔ (سورۃ النحل: آیت ۳۶) اور پھر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا تمام انسانیت کے لئے مخصوص ہونا ہو (سورۃ سبا: آیت ۲۸) ان سبھی اور متعدد دیگر تعلیمات کے پیچھے ہم کو تمام انسانوں کے درمیان مساوات اور اُن کے ایک خاندان و برادری ہونے کا تصور کارفرما معلوم ہوتا ہے۔

اسی طرح ہم دیکھتے ہیں کہ سماجی زندگی سے متعلق قرآن پاک اور اسلام کی اہم ترین اصلاحات جو معاشرہ اور گھریلو زندگی میں عورتوں کی حیثیت اور مردوں پر اُن کے حقوق، غلاموں سے سلوک میں بہتری اور اُن کو آزاد کرنے کی ہمت افزائی، نیز غیر مذہب

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

والوں خصوصاً اہل کتاب کو اسلام کے مذہبی نظام اور معاشرہ میں ایک متعین مقام دینے کے بارے میں ہیں، براہ راست قرآن کے انسانی مساوات اور بھائی چارہ کے حق کے تصور کا نتیجہ ہیں۔ گویہ ضروری ہے کہ مندرجہ بالا اصلاحات سے متعلق احکامات میں قرآن پاک نے اپنے نزول کے وقت کے مخصوص معاشرہ اور حالات کی رعایت رکھی تھی لیکن ان احکامات سے قرآن کے بنیادی تصور انسانیت کو بخوبی سمجھا جاسکتا ہے۔

انسانوں کی اجتماعی زندگی سے متعلق قرآن پاک کا ایک اور اہم تصور انسان کی مادّی، اخلاقی اور روحانی زندگی کا کچھ یکساں، مستقل اور غیر متغیر قوانین کا تابع ہونا ہے۔ کائنات اور مادّی فطرت کے سلسلے میں اُن کے اندر موجود فطری قوانین کا ذکر ہم اوپر کر چکے ہیں۔ یہاں ہمارا اشارہ اُن اصول وضوابط کی طرف ہے جو خدا تعالیٰ نے انسانوں کی اجتماعی اور انفرادی زندگی سے متعلق کر دیئے ہیں اور جن کو قرآن پاک سُنّۃ اللہ (سورۃ بنی اسرائیل اور الاحزاب، آیات ۷۷ اور ۶۲) سے تعبیر کرتا ہے۔

ان قوانین کی یہ خصوصیت ہے کہ یہ مادّی، اخلاقی اور روحانی تینوں سطحوں کو محیط اور ان کو ایک دوسرے سے مربوط کئے ہوئے ہیں اور ان میں سے ایک سطح پر ان قوانین کی کارفرمائی دوسری سطحوں کو بھی براہ راست متاثر کرتی ہے۔ قرآن پاک نے کثرت سے پہلی امتوں کے واقعات کا تذکرہ کیا ہے۔ اس تذکرہ سے اس کی مراد انسان کی مذہبی تاریخ بیان کرنے سے زیادہ انہیں قوانین الٰہیہ کی طرف توجہ دلانا ہے جو ان قوموں کے حالات میں کارفرما رہے ہیں۔ قرآن پاک نے متعدد مثالوں سے اس قانون کو واضح کیا ہے کہ اس کی ربوبیت اور رحمت کے نتیجے میں ہدایتِ آسمانی عمومی طور پر تمام اقوام وملل کو بہم پہنچائی گئی ہے۔ پھر اس کی بھی متعدد مثالیں دی گئی ہیں کہ کس طرح بعض اقوام نے مجموعی طور پر اور بعض کے ایک حصے سے پیغام الٰہی کو رد کیا اور خدا تعالیٰ کے مقابلے میں نافرمانی اور سرکشی کا رویہ اختیار کیا۔ یہاں پر خدا تعالیٰ کا ایک اور قانون، قانون مہلت عمل میں آتا ہے، مگر اس کا

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

لازمی نتیجہ مزید سرکشی اور غفلت کی شکل میں ظاہر ہوتا ہے۔ یہاں تک کہ مہلت ختم ہو جاتی ہےاور خدا تعالیٰ سے سرکش اور باغی قوم یا اُن میں سے نافرمانوں کی جماعت عذابِ الٰہی کی شکار ہوتی ہے۔

اسی طور جس قوم یا جماعت نے انبیا کی دعوت پر لبیک کہا اور ان کے ذریعہ آئے ہوئے پیغام الٰہی کو قبول کیا وہ کامیابی اور خدا تعالیٰ کی نصرت و تائید کی مستحق ٹھہری۔ روحانی طور پر رعونت اور غفلت کو اختیار کرنے کا نتیجہ اخلاقی زندگی میں نفس پرستی اور بے راہ روی کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے جو مادّی سطح پر کسی فرد، جماعت یا قوم کی مادّی تباہی کا سبب بن جاتی ہے، جبکہ حق پرستی اور تعلق مع اللہ، اخلاقی درستگی اور مادّی غلبہ و کامرانی کی صورت میں ظاہر ہوتی ہے۔ اس طرح ارادہ عمل اور مادّی نتائج کی تینوں سطحوں کو محیط، ان الٰہی قوانین کی کارفرمائی قرآن پاک کے ان مہمات تصورات میں سے معلوم ہوتی ہے جن کو وہ اپنی تعلیمات میں نمایاں حیثیت دیتا ہےاور جن کو ذہن نشین کرانے کے لئے ان کا بار بار اعادہ ضروری سمجھا گیا ہے۔

جہاں تک دنیوی زندگی کی طرف اسلامی رویہ کا تعلق ہے اس میں بھی قرآن پاک کی تعلیم ایک منفرد خصوصیت رکھتی ہے۔ دوسرے مذاہب عالم سے صرف نظر کرتے ہوئے اگر ہم محض اسلام سے پہلے کے دونوں سامی مذاہب کو دیکھیں تو دنیوی زندگی کے سلسلہ میں ان کا رویہ بالکل متضاد خصوصیات کا حامل ہے۔ یہودی روایت میں جیسا کہ اس بات کے ابتدائی حصہ میں ہم ذکر کر چکے ہیں ایک طویل مدت تک آخرت کا کوئی تصور ہی نہیں تھا جو کچھ بھی کامیابی یا ناکامی اپنے اعمال کا بُرا یا بھلا بدلہ ان کو ملنا تھا وہ اسی دنیا میں خوشحالی و کامرانی یا بدحالی اور غیروں کی محکومی کی صورت میں ملنا تھا۔ ان کے تصور میں جو اسی دنیا تک محدود تھا دنیوی زندگی کی کامیابی یا ناکامی ہی وہ پیمانہ تھی جس سے اللہ تعالیٰ کی خوشنودی و رضا کا اندازہ کیا جا سکتا تھا، اور اسی دنیا میں کامیابی کا حصول اور ناکامی سے بچنا

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ان کا مقصود تھا دوسری طرف عیسائیت نے اس رویہ سے پوری طرح انحراف کرتے ہوئے صرف روحانی زندگی کو اپنا مطمح نظر بنایا۔

یہودیت کے برخلاف عیسائیت نے دنیوی زندگی کو قطعاً نظر انداز کرتے ہوئے حکومت الٰہیہ کو اپنا مقصود سمجھا جس میں شامل ہونے کی سعادت اس دنیا میں مومنین کو روحانی طور پر اور آخرت میں ظاہری طور پر حاصل ہوگی۔ اسی نقطہ نظر کے مطابق عیسائیت نے رہبانیت، تجرد اور ترکِ دنیا کے رجحانات کی ہمت افزائی کی اور ان کو سچی مذہبیت کا مقصود سمجھا۔

اسلام نے اپنے دونوں پیشرو سامی مذاہب سے الگ ہٹ کر اس معاملے میں ایک درمیانی راہ اختیار کی ہے قرآن پاک اگر ایک طرف آخرت کے مقابلے میں اس دنیا کو لہو ولعب (سورۃ العنکبوت: آیت ۶۴) اور متاع الغرور (سورۂ آل عمران آیت ۱۷۵) سے تعبیر کرتا ہے اور اس طرح اس دنیا کی بے ثباتی اور اس کا انسان کا مقصود نہ ہونا واضح کرتا ہے تو دوسری طرف انسان کے خاندانی اور سماجی زندگی میں فرائض متعین کر کے اور دنیوی فوائد کو خدا تعالیٰ کی نعمتوں اور احسانات میں شمار کر کے بلکہ خدا تعالیٰ کی متعینہ حدود میں ان کے استعمال کی ہمت افزائی کر کے (سورۃ الاعراف آیت ۳۱) کمتر درجہ میں ہی سہی۔ اس دنیا کی حقیقت کو تسلیم کرتا ہے۔ درحقیقت قرآن پاک کے نقطہ نظر سے یہ دنیا نہ تو سرتا سر شر ہے جس سے ہر قیمت پر فرار ہی بہتر ہے اور نہ یہ اپنے آپ میں آخرت کی طرف مستقل حیثیت کی حامل ہے کہ اس کو انسان اپنی زندگی کا اصل مقصود بنائے، بلکہ قرآنی تصور میں یہ دنیا دار العمل اور دار الامتحان ہے۔ (سورۂ ملک آیت ۲-۳) پھر انسان کے اپنے ارادے اور عمل کی مناسبت سے ہی اس کی اصل اور ہمیشہ ہمیشہ رہنے والی آخرت کی زندگی کا فیصلہ ہوتا ہے۔ اس طرح یہ دنیا باوجود انسان کا مقصود اور اصل ٹھکانہ ہونے کے انسانی تقدیر کے نقشے میں اپنی ایک افادیت اور ایک حیثیت رکھتی ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

مندرجہ بالا عمومی تعلیمات اور ان کی مناسبت سے مخصوص احکامات کے علاوہ قرآن کے بعض احکامات وتعلیمات مذہب کے اُس پہلو سے متعین ہیں جس کو ''عباوات'' سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ ان میں قرآن اور احادیث کی بنیاد پر توحید کا لسانی وقلبی اقرار، نماز، روزہ، حج اور زکوٰۃ کو مرکزی حیثیت حاصل ہے۔ اس کے علاوہ بعض علما کی رائے میں جہاد (اللہ کی راہ میں جان و مال کا خرچ کرنا) بھی ان مرکزی عبادات میں شامل ہے۔ مگر جہاد کی فرضیت اور اس کی تعریف میں خاصا اختلاف پایا جاتا ہے۔ مسلمان فرقوں میں صرف خارجیوں نے جہاد کو واضح طور پر ارکان اسلام میں شمار کیا ہے۔[1]

اسلام میں عبادات کا مقصد خدا کے حضور میں انسان کا اپنی عبدیت اور بندگی کا اعتراف واظہار کرنا ہے اور اسی مناسبت سے ان عبادات کو حقوق اللہ کے نام سے بھی یاد کیا جاتا ہے۔ اپنی مرکزی اہمیت اور ظاہری عمل سے تعلق رکھنے کی بنا پر یہ عبادات مسلمانوں کے مخصوص شعار کی حیثیت بھی رکھتی ہیں اور جزدی اختلاف کے ساتھ ہر فرقہ اور مسلک کے مسلمانوں میں مشترک ہیں۔ اپنی اس نوعیت میں یہ عبادات مسلمانوں کے درمیان باہمی رشتۂ اخوت کو مضبوط کرنے اور امتِ مسلمہ کو دوسری قوموں سے ممتاز کرنے میں نمایاں کردار ادا کرتی ہیں۔

اسلامی روایت اور تمدن کا ارتقا

تمام نوع انسانی پر مشتمل ایک بڑی برادری کے قرآنی تعلیمات اور حضور پاک ﷺ سے وفاداری کی بنیاد پر ایک مخصوص جماعت امت مسلمہ کا قیام قرآن پاک کے اہم مقاصد میں سے ہے۔ گویا ضروری ہے کہ قرآن اور اسلام نے تقدیر انسانی کا جو تصور پیش کیا ہے اس میں انسان کو بحیثیت فرد مرکزی مقام حاصل ہے اور انسان پر اس کے عمل کی ذمہ داری اس کا حساب کتاب اور جنت یا جہنم کی صورت میں اس کی تقدیر کا فیصلہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

قطعاً انفرادی طور پر ہی ہوگا۔ لیکن پھر بھی قرآنی تصور میں انسان اپنے اس مقدر تک سماج کے ذریعہ (یعنی سماج میں رہ کر اپنے فرائض ادا کرتے ہوئے) ہی پہنچ سکتا ہے۔ اس لئے سماجی زندگی کی اہمیت بھی اپنی جگہ مسلم ہے۔

دوسری طرف سماج اگرچہ افراد کے مجموعہ ہی کا نام ہے اور یقیناً مخصوص اقدار اور عزائم رکھنے والے افراد کی جماعت اُن کی ان خصوصیات کی آئینہ دار ہوگی لیکن پھر اجتماعی زندگی اپنی جگہ اپنے افراد پر اثر انداز ہوتی ہے۔ اس طرح سماج اور فرد کے درمیان ایک ایسا حیاتیاتی ربط پایا جاتا ہے جو ایک دوسرے پر منحصر بنا دیتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن پاک کی تعلیمات کے مطابق پیغمبر اسلام ﷺ نے ایک مخصوص سماج کی تشکیل کے لئے جدوجہد کی۔

یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ اپنی مدنی زندگی کے آخری دور تک ایک ایسے سماج کی تشکیل میں کامیاب ہوگئے تھے۔ عربوں کے قبائلی عصبیت اور نسلی تفاخر کے ماحول سے اوپر اٹھ کر مشترک اسلامی عقیدہ کی بنیاد پر اور مدینہ کو مرکزی حیثیت دے کر عرب کے بیشتر علاقوں پر مشتمل ایک ایسا معاشرہ وجود میں آچکا تھا۔ جس میں اہل کتاب یہودی اور عیسائی بھی جزیہ دے کر ذمیوں کی حیثیت سے شامل ہو سکتے ہے۔ یہ اسلامی معاشرہ جو قرآن پاک اور آنحضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی ہدایات پر قائم ہوا تھا، اپنی جگہ ایک خود مختار ریاست کی حیثیت بھی رکھتا تھا۔ اسلام سے پہلے عرب میں (شمال اور جنوب مغرب کو چھوڑ کر جہاں حیرہ، غسان اور یمن کی ریاستیں رہی تھیں) قبائلی سطح سے اوپر اٹھ کر کوئی واضح سیاسی تنظیم وجود میں نہیں آسکی تھی۔ اس نوعیت کے سیاسی خلا میں جب قبائلی روایات سے ناتہ توڑ کر ایک نئی وفاداری کی بنیاد پر مسلمانوں کی اجتماعی زندگی منظم ہونے لگی تو اُس کو سیاسی اعتبار سے بھی ایک خود مختار شکل اختیار کرنا ہی تھی۔

پھر اس نئی ابھرتی ہوئی امت مسلمہ کے خلاف مشرکین عرب خصوصاً قریش کے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

جارحانہ رویہ نے، جس نے کہ مکہ سے ہجرت کے بعد بھی مدنی زندگی کے آخری برسوں تک حضور نبی کریم ﷺ کو اپنی طرف متوجہ رکھا تھا، مسلمانوں کو سیاسی اعتبار سے منظم و مستحکم ہونے میں مدد دی۔ اس طرح اپنے ابتدائی دور سے ہی اسلام میں سیاست اور مذہب کا ایک ایسا اجتماع ہوگیا جس نے آئندہ اسلامی تاریخ پر اپنے گہرے اثرات چھوڑے۔ چنانچہ جب ۶۳۲ء میں حضور نبی کریم ﷺ نے اس دنیا سے پردہ فرمایا تو امت مسلمہ ایک مخصوص معاشرہ اور ایک خودمختار ریاست کی حیثیت سے اپنے بنیادی خدوخال میں واضح شکل اختیار کر چکی تھی۔

حضور نبی کریم ﷺ کی وفات کے بعد مسلمانوں کی بڑی اکثریت کے نزدیک آپ ﷺ کی روحانی جانشینی کا کوئی سلسلہ قائم نہیں ہوا۔ صرف شیعہ فرقہ کے نزدیک معاشرتی اور سیاسی جانشینی کے ساتھ ساتھ آپ ﷺ کی روحانی جانشینی بھی امامت کی صورت میں ایک عرصہ تک قائم رہی۔ شیعہ فرقوں میں زیدیہ کے خیال میں چھٹے امام، اسماعیلیہ کے عقیدہ میں ساتویں امام اور اثنا عشری شیعہ (جو اکثریت میں ہیں) کے خیال میں بارہویں امام تک یہ سلسلہ قائم رہا۔ ان میں سے ہر ایک کے خیال میں ان کے آخری امام نے انتقال نہیں فرمایا ہے بلکہ پردہ میں چلے گئے ہیں، یعنی گو ظاہری نظروں سے غائب مگر حقیقی طور پر زندہ ہیں۔

ان آخری اماموں کی غیر موجودگی میں ان کے نائبین جو وقت کے علما اور مجتہدین میں سے ہوتے ہیں امت کی سربراہی کا کام سرانجام دیتے ہیں۔ جمہوریت امت کے نزدیک ابتدا سے ہی جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ حضور نبی کریم ﷺ کے بعد مسلمانوں کے پہلے خلیفہ بنے، تو وہ محض امت مسلمہ کی عمومی سربراہی اور اسلامی ریاست کے نگرانِ اعلیٰ کی صورت میں حضور نبی کریم ﷺ کے جانشین تھے۔ آپ ﷺ کے پیغمبر یا شارع ہونے کی حیثیت میں آپ ﷺ کے بعد آپ ﷺ کا کوئی جانشین نہیں ہوا۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

حضور نبی کریم ﷺ کے بعد آپ ﷺ کے یکے بعد دیگرے پہلے چار جانشین جو سنی مسلمانوں میں خلفائے راشدین (خلیفہ بمعنی نائب اور راشد: نیک) کے لقب سے موسوم ہیں امت کی اکثریت کے نزدیک ذاتی طور پر اسلامی تعلیمات کے مثالی پیرو اور مسلم معاشرہ و ریاست کو اسلامی خطوط پر چلانے والے تھے۔ یہی وہ زمانہ تھا (۶۶۰۔۶۳۲ء) جب مسلمانوں نے جزیرہ نمائے عرب کی حدود سے باہر نکل کر آس پاس کے ممالک میں فتوحات کا سلسلہ شروع کیا اور اٹھارہ سال کی قلیل مدت میں مشرق میں ترکستان تک اور مغرب میں شمالی افریقہ کے وسط تک کے وسیع علاقے پر اپنی حکومت قائم کر لی۔ خلافتِ راشدہ کے آخری دس برسوں میں مسلمانوں کے مابین خانہ جنگی نے فتوحات کا سلسلہ روک دیا جو ۶۶۱ء میں قریش کے معزز گھرانے بنو امیہ کے ہاتھوں میں مسلم ریاست کا اقتدار آ جانے کے بعد دوبارہ پھر شروع ہو گیا۔

فتوحات کا یہ سلسلہ مختلف وقفوں کے ساتھ اُس وقت تک جاری رہا جب تک کہ خاندانِ بنو امیہ کے چھٹے حکمران ولید بن عبدالمالک کی حکومت کے دوران مسلم سلطنت کی حدود مشرق میں چین و ہندوستان، شمال میں قفقاز اور مغرب میں جنوبی فرانس تک نہ پہنچ گئیں۔

بنو امیہ کی حکومت (۷۵۰۔۶۶۱ء) خاندانی بنیاد پر قائم تھی اور اُن کے نظامِ سلطنت میں عرب نسل کو دوسری قوموں پر فوقیت حاصل تھی۔ بنو امیہ کے حکمران اپنے طرزِ حکمرانی میں اسلامی تعلیمات کے بجائے اقتدار کی مصلحتوں کو سامنے رکھتے تھے اور اگرچہ انہوں نے کبھی اپنے کو اسلام کا علمبردار ظاہر کرنے کی کوشش نہیں کی، پھر بھی وہ خود اور عرب قوم جس کی وہ ترجمانی کرتے تھے مذہب اسلام کی پیرو تھی۔ اس لئے مختلف ممالک اور اقوام وملل پر مشتمل ان کی وسیع و عریض حکومت نے وہ میدان تیار کر دیا تھا جہاں عربی زبان اور مذہب اسلام کے واسطے سے مختلف تمدنی و تہذیبی روایات باہم گلے مل سکیں یہ صحیح

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہے کہ آگے چل کر مختلف تمدنی و تہذیبی میدانوں میں بشمول مذہبی فکر و روایت کے، اسلامی تمدن نے ترقی کی جو منزلیں طے کیں اس میں عرب نسل کے لوگوں کا براہ راست حصہ بہت محدود ہے، لیکن ایک وسیع حکومت کی صورت میں محفوظ پناہ گاہ، عربی زبان کی صورت میں ایک بین الاقوامی وسیلہ اظہار اور مذہب اسلام کی انسانیت دوست اور انقلابی اقدار و تعلیمات فراہم کر کے عربوں ہی نے اس نئے تہذیبی سنگھم کو ممکن بنایا تھا۔

اسلامی روایت و تمدن میں عربوں کی دین کے ان مرکزی عناصر کے باوجود جس چیز نے اس روایت و تمدن کے ارتقا میں مذہب اسلام کے بعد سب سے زیادہ اہم رول ادا کیا ہے وہ فتوحات کے بعد ہجرت کر کے عراق، ایران، شام اور مصر میں عربوں کا سکونت اختیار کرنا ہے۔ ان ملکوں میں جو قدیم زمانے سے ہی انسانی تہذیب و تمدن کا گہوارہ رہے تھے عرب مسلمانوں کے بڑی تعداد میں آباد ہونے سے اگر ایک طرف اسلامی سماج کے لئے تہذیب و تمدن میں ترقی کے نئے نئے امکانات روشن ہوئے تو دوسری طرف خود عربوں کی فطری وسیع القلبی، اسلامی اقدار کی رہنمائی، اور ایک اُبھرتے ہوئے معاشرہ اور حکومت کی ضروریات نے تمدنی ارتقا کے اس عمل کو آگے بڑھایا۔

چنانچہ کیا انتظام سلطنت و حکمرانی اور کیا آدابِ دربار اور محلات و خلیفہ کی نگہبانی، کیا ڈاک اور سکہ کے محکموں کا قیام اور کیا فوجوں کی ترتیب و تنظیم، کیا شیشہ سازی، قالین بافی، ریشمی و سوتی پارچہ سازی، فولاد اور مختلف دھاتوں سے متعلق صنعتیں، کیا چین سے افریقہ اور جنوبی یورپ تک پھیلا ہوا بین الاقوامی تجارت کا سلسلہ، کیا انواع و اقسام کے پکوان اور نئی نئی طرز کے لباس، کیا شطرنج، چوگان اور دوسری تفریحات، کیا اسلامی تمدن کے ساتھ مخصوص فن تعمیر، کیا طرح طرح کے رقص، موسیقی، مصوری، خطاطی، آرائش کتب اور دیگر فنونِ لطیفہ، اسی طرح علمی میدان میں کیا علوم اسلامیہ، فقہ، تفسیر، حدیث کی تدوین، کیا تاریخ، جغرافیہ، عربی صرف ونحو، انشا اور علم الادب کی تصانیف، کیا یونانی طب، فلسفہ، منطق،

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ریاضی، کیمیا اور علم نجوم و ہیئت کی ترویج، کیا اُن کے زیرِ اثر علم کلام، مسلم فلسفہ اور علم العقائد کی تخلیق، غرض یہ کہ زندگی کے ہر شعبہ اور تہذیب و تمدن کے ہر میدان میں مسلم معاشرے نے اپنے دائرۂ اثر میں آئی ہوئی قدیم تہذیبی روایتوں سے پورا پورا فائدہ اٹھایا اور بہت جلد مختلف تہذیبی دھاروں کے سنگھم اور اسلامی تعلیمات کے واسطے سے ایک ایسی معیاری تہذیب کا خمیر تیار ہو گیا جو آئندہ تقریباً ایک ہزار برس تک تمام دنیا کے لئے ایک درخشاں نمونے کا کام کرتی رہی۔

مذہبی روایت میں ارتقا کے لحاظ سے ایک طرف تو عہدِ بنوامیہ میں دینی علوم یعنی فقہ، حدیث، تفسیر اور سیرت و مغازی کی روایات کی جمع و تدوین کا کام بڑے پیمانے پر ہوا (اس عمل نے مذہبی روایت کے میدان میں ایسی ٹھوس بنیادوں کی فراہمی کا کام شروع کیا جس پر آئندہ راسخ العقیدگی کی پائدار عمارت تعمیر ہوئی) اور دوسری طرف اس عہد میں مفتوحہ ممالک میں دوسرے مذاہب کے پیروؤں اور یونانی فلسفہ سے متاثر روایات سے اسلامی روایت کا اختلاط بھی شروع ہوا۔ اس کے نتیجہ میں بعض دینیاتی مسائل بہت شدت کے ساتھ اٹھ کھڑے ہوئے جن میں سب سے پہلے دینیاتی بحثوں کا موضوع بننے والا مسئلہ 'تقدیر' اور انسانی اختیار کا تھا۔ پھر اس کے ساتھ ساتھ خلافتِ راشدہ کے بعد کے زمانے، یعنی حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے آخری دور سے مسلمانوں میں سیاسی گروہ بندیوں اور خانہ جنگی کا ایک سلسلہ قائم ہوا تھا۔ اس خلفشار میں کئی سیاسی جماعتیں اُبھر کر آئیں جنہوں نے مذہبی اعتبار سے بھی اپنے مخصوص عقائد اور مسائل متعین کرنے شروع کر دیئے۔

ان جماعتوں میں سرفہرست شیعہ اور خوارج تھے۔ اس طرح خالص نظری اور دینیاتی سطح پر غیر مذہبوں کی منظم دینیات اور عقلیت پسندی کا چیلنج، سیاسی و اجتماعی میدان میں گروہ بندیوں کے مخصوص عقائد پر اصرار اور اس طرح کے دوسرے خارجی عوامل ایسے اسباب تھے جو بڑی حد تک اسلامی معاشرے میں فکری ہیجان پیدا کرنے کے ذمہ دار تھے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ایک اور بڑا عنصر جو مسلمانوں کی فکر ونظر کو فقہی میدان میں دعوتِ آزمائش دے رہا تھا، وہ مفتوحہ علاقوں میں آباد کاری کے سبب نہایت سرعت سے ابتدائے اسلام کے حالات اور ماحول کی تبدیلی تھی۔ بدلے ہوئے حالات میں عرب مسلمانوں اور کچھ عرصہ بعد غیر عرب مسلمانوں کو بھی جن نئے نئے فقہی مسائل سے دوچار ہونا پڑ رہا تھا۔ اُن کے لئے قرآن اور حدیث میں براہ راست کوئی حکم موجود نہیں تھا۔ اس صورت حال میں مسلمانوں کو قرآن اور حدیث کی روشنی میں اپنی ذاتی قوتِ فیصلہ کا استعمال کرنا پڑا۔ ذاتی رائے (قیاس اور رائے) کے کم یا زیادہ استعمال کی مناسبت سے مسلمانوں میں مختلف فقہی مکتب اُبھرنے لگے۔ یہ حقائق اور رجحانات جو مسلمانوں کے مذہبی فکر کو نئی سمتوں میں دعوتِ تحقیق دے رہے تھے راسخ العقیدگی کے لئے زبردست خطرہ ثابت ہونے والے تھے۔ اس حقیقت کو محسوس کرتے ہوئے قرآن اور سنت کا دامن مضبوطی سے تھامنے والے راسخ العقیدہ اصحابِ علم نے بھی اپنی اپنی صفوں کو درست کرنا اور اپنے انتظامات کو مستحکم کرنا شروع کر دیا۔

بیرونی اثرات کے سبب آزاد خیالی اور عقلیت پسندی کے جو رجحانات عہدِ بنوامیہ (۷۵۰۔۶۶۱ء) میں پرورش پا رہے تھے وہ عہد بنوعباس (۱۲۴۸۔۷۵۰ء) کے اوائل تک مزید شدت اختیار کر گئے۔ اسلامی معاشرہ کے اندر علمی ذوق رکھنے والے اور غور وفکر پر مائل لوگوں کا ایک بڑا طبقہ ایسا پیدا ہو گیا جو فلسفیانہ طرزِ فکر پر مبنی اور عقلی بنیادوں پر حقائق کی پرکھ کرنے والے ماخذ کا طلب گار تھا۔ اس طبقہ کی ضروریات کو پورا کرنے اور جستجو وتحقیق کی تسکین ذہنی کے لئے قدیم یونانی فلسفیوں کی کتابوں کا عربی زبان میں ترجمہ ہونا شروع ہوا۔ یہ ترجمے شروع میں اُن مقامی زبانوں مثلاً سریانی، آرامی، عبرانی اور پہلوی وغیرہ سے عربی میں کئے جاتے رہے جن میں کہ یہ علمی سرمایہ اسلام سے بہت پہلے اصل یونانی سے منتقل کیا جا چکا تھا۔ لیکن وقت گزرنے کے ساتھ جیسے جیسے ان ترجموں کا معیار بلند ہوتا گیا اور اس کام کے لئے مستند ترین نسخوں کی تلاش رہنے لگی، تو کئی ایسے مترجمین سامنے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

آئے جو اصل یونانی متن سے براہ راست ترجمہ کرنے پر قادر تھے۔ علم کا ذوق رکھنے والے افراد اور متمول خانوادوں کی طرف سے ان علمی سرگرمیوں کی جو سرپرستی ہوتی تھی وہ اپنی جگہ لیکن خود بنو عباس کے کئی اولین حکمراں ایسے ہوئے جنھوں نے اس تحریک کی پوری طرح ہمت افزائی کی۔

چنانچہ مامون الرشید (۸۱۳۔۸۳۳ء) نے بغداد میں ایک ادارہ ''بیت الحکمت'' اسی مقصد سے قائم کیا جہاں ممتاز ترین مترجمین کو مقرر کیا گیا تھا جنہیں اچھی تنخواہ ملتی تھی اور انعامات بھی دیئے جاتے تھے۔ ان کے علاوہ متعدد افراد یونانی علم و حکمت کی کتابوں کی تلاش پر متعین کئے گئے جو ترجمے کے لئے ایسی کتابوں کو ڈھونڈ کر مہیا کرتے تھے۔ خود مامون نے سرکاری طور پر بازنطینی حکمراں کے پاس تحائف کے ساتھ اپنے وفد بھیجے کہ وہ اپنی قلمرو میں جو کہ صدیوں ان علوم کا مرکز رہا تھا اس علمی سرمایہ کو تلاش کر کے بھجوائے۔ مامون الرشید کے بعد سرکاری سطح پر یونانی فلسفہ وحکمت کی یہ سرپرستی اُس کے دو جانشینوں معتصم اور واثق باللہ تک قائم رہی، پھر اُس کے بعد المتوکل کے عہد (ع:۸۴۷۔۸۶۱ء) سے حکومت نے اپنی پالیسی بدل دی اور عقلیت کے بجائے راسخ العقیدگی کو اپنا لیا۔

دینیاتی اعتبار سے عقلیت پسندی کا منظم اظہار اُس دور میں معتزلہ تحریک کی صورت میں رونما ہوا۔ معتزلی عالموں نے اسلام کے مابعد الطبعیاتی اور اخلاقی نظریوں کو عقل کی روشنی میں پرکھا اور اُن کی اُسی تعبیر کو مناسب قرار دیا جو معقولیت کے آزادانہ معیار پر پوری اُترتی تھیں۔ اسلامی عقائد و تصورات سے متعلق اُن کی تشریحیں عقل کی بالادستی تسلیم کرتے ہوئے مذہب کو اُس کا تابع بنا دیتی تھیں۔ اُن کی دینیات میں مذہب عقلی تصورات و نظریات کا ایک مجموعہ بن کر اپنی روحانیت سے تہی دامن رہ جاتا تھا۔ مگر زمانے کی عام روش دیکھتے ہوئے معتزلی علما خلوص دل سے یہ سمجھتے تھے کہ اس وقت مذہب کی وہی تشریح روشن خیال ذہنوں کو متاثر کر سکتی ہے۔ جو عقلیت کے تقاضوں کو پورا کرے۔ (نویں صدی عیسوی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کے ایک ہزار سال بعد انیسویں اور بیسویں صدی میں بعض جدید مصلحین کا بعینہ یہی تصور، قابل غور ہے) معتزلی تحریک کو مکمل عروج اُس وقت حاصل ہوا جب مامون الرشید نے اُن کے عقائد اور تشریحات کو اسلام کی ترقی کے لئے مفید سمجھتے ہوئے تمام علمائے امت کو مجبور کیا کہ وہ معتزلی عقائد خصوصاً عقیدہ ''خلق قرآن'' کو تسلیم کریں۔ حکومت کی سختیوں اور قید و بند کے خوف سے متعدد اصحاب علم نے معتزلی عقائد کو اختیار کر لیا۔

اس دورِ ابتلا میں جب کہ مامون الرشید اور اُس کے جانشین معتزلی تحریک کی حمایت پر کمر بستہ تھے راسخ العقیدہ روایت کو بھی امام احمد ابن حنبل رحمۃ اللہ علیہ اور اُن کے ساتھیوں کی صورت میں وہ جاں نثار میسر آ گئے۔ جنہوں نے عقلیت پسندی کے اس غلبہ کے دوران امت کی وفاداری کو قرآن اور سنت کے ساتھ استوار رکھا۔ اس میں شک نہیں کہ اُن کو اپنے اس کام میں تفسیر ماثور اور حدیث کے اُن مجموعوں سے بہت مدد ملی جن کی تدوین اس قسم کے متوقع خطرات کے پیش نظر پہلے ہی شروع ہو چکی تھی۔ معتزلی بحران نے دینی روایت کی جمع و ترتیب کی رفتار تیز کر دی اور بہت جلد (نویں صدی عیسوی کے اختتام تک) تفسیروں اور حدیثوں کے وہ مجموعے اور فقہی مسلکوں کی وہ منظم صورتیں ترتیب پا گئیں جو آج تک اسلامی روایت کی مستند بنیاد ہیں۔

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ اور اُن کے مکتب فکر نے معتزلہ کے ردِ عمل کے طور پر اُن سے بالکل متضاد رویہ اختیار کیا تھا۔ اگر معتزلہ عقلیت کے پرستار تھے تو حنبلی رحمۃ اللہ علیہ مکتب فکر نے اسلامی تعلیمات کی تشریح میں عقل کے استعمال کو بالکل ممنوع سمجھ لیا۔ انہوں نے پوری شدت کے ساتھ اس اصول پر زور دیا کہ قرآن اور حدیث کے براہ راست مفہوم سے آگے بڑھ کر اُس کے معنی پر غور و فکر یا اُن سے کسی طرح کا منظم نظام عقائد اخذ کرنے کے لئے تاویلات کا استعمال، حنبلی مکتب فکر کے نزدیک گمراہی کی دلیل تھی۔ یہ سخت رویہ امت کی اکثریت کے لئے قابل قبول نہیں ہو سکا۔ عقل اور فکر کے دروازے کو جو مسلم معاشرے میں

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ایک بار کھل چکا تھا اب مکمل طور سے بند کر دینا ممکن نہیں تھا۔

چنانچہ امت کا باشعور طبقہ باوجود قرآن اور سنت سے اپنی غیر مشروط وفاداری کے، ایک ایسی منظم دینیات کا متقاضی تھا جو حدیث وقرآن سے براہ راست ماخوذ عقائد کو عقلی بنیادوں پر ثابت کر سکے اس طرح نہ صرف یہ کہ راسخ العقیدہ تصورات اور تعلیمات کی تشریح وقت کے مذاق کے مطابق ایک مرتب صورت میں ہو سکے گی بلکہ معتزلہ اور دوسرے عقلیت پرستوں کے مقابلے میں راسخ العقیدہ روایت کا دفاع بھی بخوبی ہو جائے گا۔ امت کی اس ضرورت اور وقت کے تقاضوں کو دیکھتے ہوئے ایسے علما سامنے آنا شروع ہوئے جنھوں نے اس کام کا بیڑا اٹھایا اور معتزلہ اور ظاہریوں کے درمیان رہتے ہوئے عقل کو روائتی عقائد کا تابع بنا کر اسلامی دینیات یا 'علم کلام' کی بنیاد رکھی۔

ان علما میں سرفہرست امام ابوالحسن الاشعری رحمہ اللہ (م ۹۴۵ء) ہیں۔ اگرچہ ان کے معاصر مصر میں الطحاوی (م ۹۴۲ء) اور سمرقند میں ابومنصور الماتریدی (م ۹۴۴ء) بھی یہی کام سرانجام دے رہے تھے۔ اُس وقت کی اسلامی دنیا کے مرکزی علاقہ عراق میں رائج ہونے اور امام الاشعری کے بعد کئی نسلوں تک اُن کے یکے بعد دیگرے لائق جانشینوں کی کوششوں سے اشعری مکتب فکر گیارہویں صدی عیسوی تک راسخ العقیدہ دینیات کی حیثیت سے مستحکم ہو گیا۔

حدیث، تفسیر، فقہ اور سب سے آخر میں دینیات کی ترتیب و تنظیم اور ان کی مستند صورتوں کے قیام کا خوش آئند پہلو یہ تھا کہ اس طرح راسخ العقیدگی کو وہ واضح معیار میسر آ گئے جن کو امت کے اجماع کا نمائندہ قرار دیا جا سکتا تھا۔ مذہب کی منظم تشریحات کی موجودگی میں ہر طرح کی بدعت اور الحاد کو اجماع کے خلاف قرار دے کر اُن کو رد کرنا اب بہت سہل ہو گیا تھا۔ مگر اس ترتیب و تنظیم کا ایک دوسرا پہلو بھی ہے۔ مذہبی علوم کی مستند اور معیاری صورتوں کے طے ہو جانے سے پہلے ان تمام علوم میں نشوونما اور ارتقا کا ایک فطری

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

عمل جاری تھا جو ماحول اور وقت کے تقاضوں کے ساتھ اُن کا ایک گہرا ربط قائم کئے ہوئے تھا۔ مگر جب ایک بار ان علوم کی منظم صورتیں کتابی شکل میں سامنے آ گئیں اور امت کے اجماع نے ان کے مخصوص نمائندوں کو درجہ استناد دے دیا تو یہ مخصوص صورتیں ہمیشہ کے لئے معیار قرار پا گئیں، جن کی حرمت اور تقدیس میں وقت گزرنے کے ساتھ اضافہ ہی ہوتا چلا گیا۔ ایک بندھی ٹکی معیاری صورت میں مقید ہو کر مذہب کا ناتا زندگی سے کٹ کر رہ گیا۔ زندگی میں نشو ونما اور تبدیلی کی فطری قوتیں مسلم معاشرے کو اپنی راہ پر لئے جا رہی تھیں۔ لیکن مذہب کی معیاری تشریحات کا جامد نظام اُن کی رہنمائی تو کیا کرتا، اُن کا ساتھ دینے سے بھی عاری تھا۔ اس کے ساتھ ساتھ ترتیب و تنظیم کے اس عمل نے دینی علوم کے ظاہری اعمال اور ذہنی تصورات سے متعلق پہلو کو ہی نمایاں کیا تھا اور مذہب کا روحانی پہلو تقریباً دب کر رہ گیا تھا۔ دینی علوم کا سرمایہ جو اپنے دلائل اور توجیہات میں ماہرین اور علما کے لئے سرمایہ افتخار تھا، عوام کی روحانی تشنگی دور کرنے کا زیادہ سامان نہیں رکھتا تھا۔ یہ صورتحال مسلمانوں کی مذہبی زندگی کو شاید کسی بڑے سانحہ تک لے جاتی اگر اسی دوران ایک اور رجحان مسلم معاشرہ میں بہت تیزی سے نہ اُبھر رہا ہوتا جس نے بہت جلد مسلمانوں کی مذہبی فکر کو ایک نئے رخ پر ڈال دیا۔

ہماری مراد تصوف کے رجحان سے ہے جو دسویں صدی عیسوی تک ایک باقاعدہ روایت کی شکل اختیار کر گیا تھا۔ اس دور کے متعدد رجحانات اور تحریکوں کی طرح تصوف کی ابتدا کے لئے بھی کسی مخصوص علاقے یا زمانے کا صحیح تعین مشکل ہے۔ اس میں شک نہیں کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کی زندگی کا ایک پہلو ایسا تھا جسے روحانیت میں انہماک سے ہی تعبیر کیا جا سکتا ہے۔ پھر تابعین رحمہم اللہ اور تبع تابعین رحمہم اللہ میں ایسے لوگ موجود رہے جو زہاد اور البکاؤن (بہت رونے والے) کے لقب سے یاد کئے جاتے تھے۔[8]

لیکن درحقیقت آٹھویں صدی عیسوی کے نصف آخر تک ہی جب کہ عباسی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

انقلاب (۷۵۰ء) برپا ہو چکا تھا، ایسی شخصیات سامنے آنا شروع ہوئیں جن کو پورے طور پر صوفی کہا جا سکتا تھا۔ اس سے پہلے جو افراد زہد و تقویٰ سے غیر معمولی شغف رکھتے تھے جیسے حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ (م ۷۲۸ء) یا حضرت سعید المسیّب رحمۃ اللہ علیہ وہ زاہد ہونے کے ساتھ ساتھ عالم، فقیہہ اور محدث کی حیثیت سے بھی مشہور تھے۔ مگر وہ حضرات جو اُن کے بعد کی نسل میں سامنے آئے جن میں حضرت حبیب عجمی رحمۃ اللہ علیہ (م ۷۳۸ء) حضرت ابراہیم ابن ادھم رحمۃ اللہ علیہ (م ۷۹۰ء) رابعہ عدویہ رحمۃ اللہ علیہا (م ۸۰۱ء) فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ علیہ (م ۸۰۳ء) شفیق بلخی رحمۃ اللہ علیہ (م ۸۱۲ء) معروف کرخی رحمۃ اللہ علیہ (م ۸۲۱ء) بشر حافی رحمۃ اللہ علیہ (م ۸۴۱ء) اور حاتم الاصم (م ۸۵۱ء) وغیرہ شامل ہیں، صوفیا کے پہلے طبقہ سے تعلق رکھتے ہیں اور صرف اسی نسبت سے جانے گئے اور مشہور ہوئے۔ اُن کے بعد کے طبقہ میں کئی ایسی صوفی شخصیات نمایاں ہوئیں جن کے اثرات صوفی روایت پر بہت دُور تک پڑے۔ انہیں میں ایسے لوگ بھی تھے جنھوں نے صوفیانہ تصورات اور رجحانات کو تحریری شکل میں بیان کرنا شروع کیا۔

حارث المحاسبی رحمۃ اللہ علیہ (م ۸۵۷ء) جو اپنی تحریروں میں نفسانی وساوس اور احساسات کے تجزیہ کے باعث المحاسبی رحمۃ اللہ علیہ کہلائے انہیں سب سے پہلے صوفی مصنّفین میں تھے۔ محاسبی رحمۃ اللہ علیہ کے علاوہ اس طبقہ کے دو اور ممتاز ترین نمائندے حضرت سری سقطی رحمۃ اللہ علیہ (م ۸۶۷ء) اور حضرت ابوسعید الخراز رحمۃ اللہ علیہ (م ۸۹۹ء) اُن بزرگوں میں سے تھے جنھوں نے تصوف میں بغداد کی مخصوص روایت قائم کرنے میں مدد دی۔ اس صوفیانہ روایت کا گل سرسبد اور وہ شخصیت جو تمام صوفی سلسلوں میں واسطہ کی حیثیت رکھتے ہوئے ''شیخ الطائفہ'' کی حیثیت سے مشہور ہوئی، حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ (م ۹۱۰ء) تھے۔

اس دور میں جیسے جیسے راسخ العقیدہ روایت اپنے کو منظّم کرتی جا رہی تھی اور جیسے جیسے تصوف کی تحریک اپنی انفرادی خصوصیات کے ساتھ ارتقا کے منازل طے کر رہی تھی، ان دونوں کے درمیان رجحانات کا فرق بھی واضح ہوتا جا رہا تھا۔ اس اختلاف نے دونوں

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

طبقوں کے درمیان ایسی کشمکش کو جنم دیا جس میں حکومت کی پشت پناہی کے باعث راسخ العقیدگی کا پلہ بھاری تھا۔ اس اختلاف کا پہلا شدید اظہار اصحابِ جنید رحمہ اللہ سے باز پرس اور منصور الحلاج رحمہ اللہ (م ۹۲۲ء) کی شہادت کے واقعہ میں ہوا۔

کون کہہ سکتا ہے کہ علما اور صوفیا کے درمیان یہ بڑھتی ہوئی خلیج مسلمانوں کی مذہبی فکر کے لئے کس بحران کا سبب بنتی؟ مگر ایک طرف تو طبقہ صوفیا میں خود ایک ایسا رجحان پیدا ہوا جو تصوف کی آزادانہ نشو ونما پر قدغن لگا کر اس کو راسخ العقیدگی سے قریب لانا چاہتا تھا اور دوسری طرف علما تصوف کی بڑھتی ہوئی مقبولیت کے پیش نظر، اُس کی طرف سنجیدگی سے توجہ دینے اور اُس کے لئے بعض رعایتیں تلاش کرنے پر مجبور ہو گئے۔ پہلے رجحان کا ترجمان خود حضرت جنید بغدادی رحمہ اللہ کا مسلک صحو اور دسویں اور گیارہویں صدی عیسوی کے اُن جامع صوفی مصنفین مثلاً ابو طالب مکی (م ۹۸۰ء) وغیرہ کی تصنیفات ہیں جنھوں نے اپنی تحریروں میں تصوف کی تشریح راسخ العقیدگی کے معیاروں کو سامنے رکھتے ہوئے کی ہے اور خلافِ شرع صوفیانہ تصورات کی مذمت کی ہے، اور دوسرے رجحان، یعنی علما کا تصوف کو رعایتیں دینے کا اظہار (مثلاً) دسویں صدی کے نصف آخر کی تصنیف 'رسالۃ فی العقائد' سے ہوتا ہے جو کہ مشہور متکلم ابو منصور الماتریدی (م ۹۴۴ء) کی طرف منسوب ہے۔ یہ رسالہ جو عقائد کے موضوع پر راسخ العقیدگی کا ترجمان اور کلامی دینیات کا نمائندہ ہے بڑی حد تک صوفیانہ تصورات سے متاثر نظر آتا ہے۔[9]

راسخ العقیدگی اور تصوف میں ان ابتدائی صلح جو یانہ کوششوں کے باوجود ان دونوں میں صحیح گٹھ جوڑ بٹھانے والے، بلکہ دونوں کو آئندہ کے لئے بھی یک جان و یک قالب کر دینے والی ذات امام غزالی رحمہ اللہ کی تھی۔ امام غزالی رحمہ اللہ کی شخصیت صحیح معنوں میں اسلامی روایت کے لئے اپنے سے پہلے اور بعد کے دور میں حدِ فاصل کا کام کرتی ہے۔ ان کی شخصیت، خیالات اور تصنیفات نے مسلمانوں کے مذہبی فکر پر اتنا گہرا اثر ڈالا کہ ان

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کے بعد آج تک اسلامی روایت انہیں کی تشریح و تعبیر کی حامل ہے۔

اپنی کتابوں خصوصاً احیا علوم الدین میں انہوں نے مذہب اسلام کی ایک ایسی تعبیر پیش کی جس میں شریعت اگر اس کا جسم تھی تو تصوف اُس کی روح۔ اس طرح دونوں کو لازم و ملزوم بلکہ ایک ہی سکہ کے دو رخ قرار دیتے ہوئے ایک طرف تو انہوں نے تعقل کے شکار دینی علوم میں روحانیت کی جان ڈال دی اور دوسری طرف تصوف کی خود روایت کو راسخ العقیدگی کا ایک حصہ بنا دیا۔ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کے بعد کی صدیوں میں علمائے دین عموماً کسی نہ کسی کے مرید اور اکثر مستند صوفی بزرگ عالم دین ہوئے۔

اس سے پہلے کہ ہم عہد وسطیٰ میں مسلم سماج میں تصوف کے ہمہ گیر غلبہ کا ذکر اور اُس کی وجوہات پر کوئی تبصرہ کریں، مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اسلامی تمدن کے کلاسیکی دور میں تہذیبی عمل میں شریک دوسرے علوم وفنون کا بھی سرسری ذکر کر دیں۔ مختلف تمدنی روایات خصوصاً یونانی کتابوں کے ترجمہ کا ذکر بطور ایک تحریک کے، ہم اوپر کر چکے ہیں۔ ان ترجموں نے صرف دینیات میں ہی عقلیت کے رجحان کو ترقی نہیں دی تھی بلکہ مختلف سیکولر علوم سے اسلامی معاشرے کو نہ صرف متعارف کرایا بلکہ ان میں جستجو اور تحقیق کا مذاق بھی پیدا کیا تھا۔ چنانچہ عباسی خلیفہ منصور (۷۵۴-۷۷۵ء) کے زمانہ میں ابراہیم الفزاری رحمۃ اللہ علیہ (م ۷۷۷ء) موجدِ اصطرلاب کی ترجمہ کردہ سنسکرت کی مشہور تصنیف سدہانت کے عربی ترجمہ سندھند اور بطلیموس کی کتاب المجسطی پر اپنی بنیاد رکھتے ہوئے الخوارزمی نے ۸۱۳ء سے ۸۴۵ء کے درمیانی وقفے میں ریاضی اور ہیئت میں معرکۃ الآرا تحقیقات کیں۔ اُس نے ہندوستانی نژاد (جیسا کہ ان کے نام سے ظاہر ہے) ہندسوں کو عرب دنیا میں متعارف کرا کے مسلمانوں کے لیے اس میدان میں نئی نئی ترقیوں کے دروازے کھول دیئے۔

الخوارزمی کے بعد جس کے کارناموں میں مختلف زیچوں کی ترتیب، الجبرا کی ایجاد، صفر کا استعمال، اغلباً زمین کے رقبہ کی پیمائش (جس میں اُس کے علاوہ محققین کی ایک

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

جماعت شامل تھی) اور زمین اور آسمان کے ایک اٹلس (صورۃ الارض) کی تالیف شامل ہیں، اس روایت کو دوسرے محققین مثلاً مشرق میں ابوعبداللہ البطانی (م ۹۲۹ء) اور البیرونی (م ۱۰۴۸ء) اور اندلس میں مسلمہ المجریطی (۱۰۰۷ء) اور ابواسحاق الرزقالی (م ۱۰۸۷ء) وغیرہ نے زندہ رکھا اور انہیں کی کتابوں کے لاطینی ترجموں پر جدید دور کی سائنسی تحقیقات کی ابتدا ہوئی۔

اس دور میں عربوں کی بین الاقوامی تجارت اور بحری راستوں کی تلاش و تحقیق نے جغرافیہ سے متعلق نئی نئی معلومات کا انبار لگا دیا تھا۔ جغرافیہ کے ابتدائی مصنفین ابن خرداذبہ (م ۹۲۱ء) یعقوبی (نویں صدی کا آخر) اور ابن رستہ (دسویں صدی کی ابتدا) وغیرہ کو چھوڑ کر متعدد جغرافیہ نویسوں نے ان مواقع کا فائدہ اٹھاتے ہوئے تحقیقات کے لئے خود بھی دُور دراز ملکوں کے سفر کیئے۔ اصطخری (دسویں صدی کا وسط) جس نے اسلامی ممالک کے حالات مع نقشوں کے لکھے ہیں اپنی معلومات کا ماخذ تاجروں کو ہی بتاتا ہے۔ ابن حوقل (م ۹۷۷ء) نے اسپین تک سفر کیا اور اپنی کتاب المسالک والممالک لکھی۔ مقدسی (م دسویں صدی کا آخر) نے بیس سال سفر میں بتائے جس میں وہ ہندوستان بھی آیا۔ اُس کی کتاب احسن التقاسیم فی معرفۃ الاقالیم میں بہت سی نئی نئی تحقیقات موجود ہیں۔ لیکن ان جغرافیہ دانوں میں الادریسی (م ۱۱۶۶ء) کا مقام سب سے بلند ہے۔ اُس کے کارناموں میں دنیا کے ایک نقشہ کی ترتیب بھی شامل ہے۔ اُس کی محققانہ حیثیت کا اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ اس میں دریائے نیل کا منبع تقریباً اُسی جگہ دکھایا گیا ہے جہاں اُس کو انیسویں صدی کی سرتوڑ کوششوں کے بعد "دریافت" کیا گیا۔ اس نے جغرافیہ پر ایک جامع کتاب کتاب الروجر لکھی ہے۔ جس کے لئے خصوصی طور پر مختلف لوگوں کو دور دراز کے مقامات پر حالات جمع کرنے کے لئے بھیجا گیا تھا۔ اسی پایہ کی ایک اور کتاب تیرہویں صدی (۱۲۲۸ء) کی قاموسی تصنیف معجم البلدان ہے جس کی چھ جلدوں میں عربوں کی تمام

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

جغرافیائی معلومات کا احاطہ کر لیا گیا ہے۔اس کے مرتب یاقوت الحموی ایک آزاد کردہ یونانی غلام تھے جنہوں نے اس کتاب کو حروف تہجی کی بنیاد پر ترتیب دیا ہے۔

طِب میں مسلمانوں کی دلچسپی اُس کے عملی فوائد کے پیش نظر اُموی دور سے ہی قائم تھی اور اس دور میں فن کی بعض کتابوں کا ترجمہ بھی ہوا تھا۔لیکن در حقیقت صحیح معنوں میں طب کے فن میں اسلامی تمدن میں پیش رفت اُس وقت ہونی شروع ہوئی جب مامون الرشید (۸۱۳۔۸۳۳ء) کے عہد میں یونانی حکیم جالینوس کی کتابوں کا عربی میں ترجمہ ہو گیا۔

محمد ابن ذکریا ابوبکر الرازی (۸۶۵۔۹۲۵ء) سب سے پہلا طبیب ہے جس نے نہ صرف مختلف روایات (یونانی، شامی، ایرانی اور ہندوستانی) کے طبی ورثہ کو اپنی کتابوں میں اکٹھا کیا، بلکہ آزادانہ طور سے طب میں ذاتی تجربات کے ذریعہ بہت کچھ اضافہ بھی کیا۔مشہور ہے کہ بغداد میں عوامی ہسپتال کی جگہ متعین کرنے کے لئے ابوبکر الرازی نے شہر کے مختلف مقامات پر گوشت کے ٹکڑے لٹکوا دیئے اور جہاں گوشت سب سے دیر میں خراب ہونا شروع ہوا اُسی جگہ کو آب وہوا کی بہتری کے لحاظ سے ہسپتال کی عمارت کے لئے منتخب کیا۔

اس ہسپتال کا منتظم جو کہ دار الشفا کے ساتھ نوجوان طبیبوں کی تربیت گاہ کا بھی کام کرتا تھا، الرازی ہی مقرر رہا۔اُس کی جاری کردہ سند کے بغیر کسی طبیب کو علاج کرنے کی جازت نہیں تھی۔الرازی، فن طب پر تقریباً دوسو کتابوں اور رسالوں کا مصنف بتایا جاتا ہے جن میں سے تقریباً آدھی ضائع ہو چکی ہیں اس کی کتابوں میں الحاوی جو فن طب کا دائرۃ المعارف (انسائیکلوپیڈیا) ہے اور کتاب الجدری والحصبۃ جو چیچک اور خسرہ کے موضوع پر ہے۔بہت مشہور ہیں۔اسپین کے کتب خانہ'اسکوریال' میں اول الذکر ستر جلدوں میں موجود ہے، اور لاطینی زبان میں موخر الذکر رسالہ کے ۱۴۹۸ء سے ۱۸۶۶ء تک تقریباً چالیس ایڈیشن شائع ہوئے، نیز دیگر مغربی زبانوں میں بھی اس کے ترجمے ہوئے[؎]۔

رازی کی الحاوی کی ہم پلہ ایک دوسری کتاب علی عباس المجوسی (م۹۹۴ء) کی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کتاب الملکی تھی جس میں مزید نئی تحقیقات شامل تھیں۔ اسی طرح قاہرہ میں مملوک عہد کا ابن النفیس (م ۱۲۸۸ء) طب میں اپنی نت نئی تحقیقات کے لئے مشہور ہے۔ اس نے برطانوی سائنس داں ہاردے سے، جس کے سراس دریافت کا سہرا باندھا جاتا ہے، تقریبا ڈھائی صدی پیشتر جسم میں دوران خون کے نظام کی تفصیلات پیش کی تھیں۔ اس دور میں فن طب میں مسلمانوں کی دلچسپی کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ آنکھوں کے امراض پر تقریباً بتیس کتابوں میں سے صرف ایک کتاب تذکرۃ الکحالین میں ایک سوتیس بیماریوں کی تفصیل دی گئی ہے[۱]۔ لیکن اسلام کے کلاسیکی دور میں، بلکہ عصر جدید تک طبیبوں کا سرتاج اور اس فن میں سب سے آخری سند جس کو "شیخ الرئیس" کے لقب سے نوازا گیا وہ حسین بن علی ابن سینا (م ۱۰۳۷ء) تھا۔

ابن سینا نے اپنی مشہور زمانہ تصنیف القانون فی الطب میں بقراط، اور جالینوس کے ترجموں سے حاصل کردہ معلومات کو شامی، ایرانی اور ہندوستانی طبی روایات کے ساتھ ملا کر، اور پھر اُس میں اپنے تجربات اور مشاہدات کا اضافہ کر کے، اپنے وقت کی تمام طبی معلومات کا احاطہ کرلیا ہے۔ پھر اس کے ساتھ اس کتاب کا اسلوب تحریر اور اندازِ ترتیب اس قدر منظّم اور باقاعدہ ہے کہ تمام امور واضح اور مرتب انداز میں سامنے آجاتے ہیں۔ اپنی اسی خوبی کی بنا پر وہ اپنے سے پہلے کی قاموسی تصنیفوں مثلاً الحاوی یا کتاب الملکی پر سبقت لے گئی اور دسویں صدی عیسوی سے بیسویں صدی بلکہ موجودہ زمانے تک مشرق میں اور بارہویں صدی سے، جب اس کا ترجمہ لاطینی میں ہوگیا تھا، سترہویں صدی تک یورپ میں، ابن سینا کی یہی کتاب فن طب کے بنیادی ماخذ کے طور پر استعمال ہوتی رہی۔

فن طب، ریاضی، ہیئت اور جغرافیہ کی طرح مسلمانوں نے دوسرے عقلی علوم میں بھی غیر قوموں سے اخذ شدہ مواد کو اپنے ذاتی تجربات اور دریافتوں سے ترقی دی الکیمیا میں جابر بن حیان (م ۷۷۶ء) کو کیمسٹری کے دو اہم عمل کشتہ سازی اور استحالہ کو ترقی دینے، اور

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

تبخیر، تصعید اور بلور سازی میں نئی تحقیقات کا حامل ٹھہرایا جاتا ہے۔ البتہ یہ قول کہ وہ گندھک کے تیزاب کو نائٹرک ایسڈ اور نمک کے ساتھ ملا کر ماشاہی بنانے کی ترکیب جانتا تھا، مشتبہ سمجھا جاتا ہے۔ جابر بن حیان کے نام کے ساتھ کیمیا میں تقریباً سو تصنیفات ایسی ہیں جو اس وقت بھی موجود ہیں، لیکن ان کی بیشتر تعداد موضوع معلوم ہوتی ہے۔[12]

اسی طرح علم نجوم میں ابو مشعر (م ۸۸٦ء) جس کو مدوجزر پر چاند کے اثرات کا محقق سمجھا جاتا ہے، علم الحیوان اور علم الانسان میں ابوعثمان الجاحظ (م ۸٦۸ء) القزوینی (م ۱۲۸۳ء) اور سب سے بڑھ کر مصری عالم الدمیری (م ۱۴۰۵ء) علم الاحجار میں عطارد بن محمد (نویں صدی عیسوی) شہاب الدین تفاشی (م ۱۲۵۳ء) اور خود جامع العلوم البیرونی (م ۱۰۴۸ء)، علم نباتات میں عبداللہ ابن البیطار (م ۱۲۴۸ء) جس کی مشہور زمانہ کتاب الجامع فی ادویہ المفردۃ میں تقریباً چودہ سو مختلف جڑی بوٹیوں اور دواؤں کا ذکر ہے جس میں تین سو بالکل نئی تحقیقات تھیں[13]۔

علم جراحی میں ابوالقاسم الزہراوی (م ۱۰۱۳ء) جس نے اپنی کتاب التصریف لمن عجز عن التالیف میں اپنے وقت کی تشریح الابدان اور جراحی کی تمام معلومات کو سمیٹ لیا تھا۔ ایسی شخصیتیں تھیں جنھوں نے ان علوم کو اسلامی معاشرہ میں عام طور پر رائج کر دیا تھا اور ان کی تصنیفات سے متاثر ہو کر ایسے بہت سے محققین پیدا ہوئے جنھوں نے کئی صدیوں تک مسلمانوں کو ان علوم کا امام بنائے رکھا۔

علم تاریخ کا معاملہ اسلامی تمدن میں ایک خصوصی حیثیت رکھتا ہے۔ یہ نہ تو اُن خالص عقلی علوم میں سے ہے جو مسلمانوں نے ابتدا غیر قوموں سے تراجم کے ذریعہ اخذ کئے اور پھر خود اُن کو ترقی دینا شروع کیا اور نہ ہی یہ ان مذہبی علوم میں سے ہے جن کی بنیاد قرآن اور حدیث پر ہے۔ مسلمانوں میں علم تاریخ کی ابتدا سیرت پاک کے حالات جو مغازی کے نام سے مشہور تھے جمع کرنے اور مسلمانوں کی ابتدائی فتوحات سے متعلق الگ الگ مجموعوں

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کے اکٹھا کرنے سے ہوئی اسی طرح کی ابتدائی کوششوں میں صحابہ رضی اللہ عنہم کے حالات سے متعلق کتابوں مثلاً طبقات ابن سعد کو بھی تصور کیا جا سکتا ہے۔ اس کے علاوہ جب بنوامیہ کے حکمرانوں کو بڑے پیمانے پر سلطنت کا انتظام کرنا پڑا تو انہوں نے ایرانی، رومی اور دوسری قوموں کی تاریخوں میں بھی دلچسپی ظاہر کی تاکہ اُن کے حالات سے اپنے معاملات میں کچھ مدد لے سکیں۔

قرآن پاک میں یہود و نصاریٰ سے متعلق آیات کی تفسیر میں بھی ان قوموں کی اپنی تاریخوں سے مدد لی جانے لگی۔ بہرحال ان مختلف عوامل کی بنا پر مسلمانوں کو شروع سے ہی علم تاریخ سے دلچسپی پیدا ہوگئی جو وقت کے ساتھ بڑھتی چلی گئی۔ یہاں تک کہ اس فن میں ہر زمانے میں انہوں نے کثیر کتابیں تصنیف کی ہیں۔ سب سے پہلا مصنف جس نے مختلف رسائل اور متفرق مجموعوں میں بکھری ہوئی معلومات کو ایک مرتب اور منظم تاریخ کی شکل دی، احمد ابن یحییٰ البلاذری (م ۸۹۳ء) ہے جس کی فتوح البلدان اور انساب الاشراف میں ابتدائے اسلام اور فتوحات کی پوری تاریخ اکٹھی کر دی گئی ہے۔ اس کے بعد ہی مسلمانوں میں ایرانی اور یہودی و نصرانی اثرات کی بنا پر اپنی تاریخوں کو ابتدائے آفرینش سے شروع کرنے کا رواج ہوا جس میں قبل از اسلام کا حصہ زیادہ تر غیر اسلامی ماخذوں پر مبنی ہوتا تھا۔ اس نوعیت کے ابتدائی مؤرخین میں یعقوبی (م ۸۷۲ء) اور حمزہ الاصفہانی (م ۹۶۱ء) خاص اہمیت رکھتے ہیں۔

مسلمان مؤرخین کا سرخیل جس کی تصنیف تاریخ الامم والملوک نہایت تفصیل اور (اسلام کے بعد) صحت کے ساتھ دنیا کی مکمل تاریخ پیش کرتی ہے، بلاشبہ ابوجعفر محمد ابن جریر الطبری (۸۳۸-۹۲۳ء) ہے۔ اس نے نہ صرف اپنے پیش رو تمام تحریری ماخذوں کا استعمال کیا ہے بلکہ زبانی روایات کے ساتھ بھی جو کچھ معلومات اس تک پہنچیں ان کو مع اسناد اکٹھا کر لیا ہے۔ واقعات کی ترتیب میں اس کا طریقہ سنہ وار حالات لکھنے کا تھا، یعنی بالترتیب

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہر سنہ میں جو مختلف واقعات پیش آئے وہ سب اُس سنہ کے ماتحت درج کر دیئے گئے۔

طبری کا یہی انداز بعد کے اہم مؤرخین مثلاً مسکویہ (م ۱۰۳۰ء) ابن الاثیر (م ۱۲۳۴ء)، ابوالفداء (م ۱۳۳۱ء) اور ذہبی (م ۱۳۴۸ء) وغیرہ نے اختیار کیا۔ مسلمان مؤرخین میں اگر کسی کو دقتِ نظر، وسعت علم اور معیارِ تحقیق میں طبری کا ہم پلہ قرار دیا جا سکتا ہے تو وہ ابوالحسن علی المسعودی (م ۹۵۶ء) ہے۔ تلاش علم اور تحقیق میں اس نے ایشیا کے تقریباً ہر ملک اور افریقہ میں زنجبار تک سفر کیا اور آخر عمر میں اپنی تمام تاریخی و جغرافیائی معلومات کو مروج الذہب و معادن الجواہر کی تیس جلدوں میں محفوظ کر دیا۔ طبری کے برخلاف مسعودی اپنی معلومات کو مختلف قبائل، خاندانوں، قوموں وغیرہ عنوانات کے تحت درج کرتا ہے۔ طبری اور مسعودی کے ساتھ یہ کہا جا سکتا ہے کہ مسلمانوں کا علم تاریخ اپنے پورے کمال کو پہنچ گیا تھا اور بعد کے مؤرخین بنیادی طور پر انہیں دونوں کے طرز کو اپنا کر تاریخ نگاری کے کام کو آگے بڑھاتے رہے۔

لیکن غیر مذہبی اور دوسری قوموں سے اخذ شدہ علوم کا سرتاج اور وہ علم جس میں عقلیت گویا مجسم ہو کر اسلامی معاشرہ میں آ گئی تھی، فلسفہ تھا۔ فلسفہ چونکہ اپنی نوعیت کے لحاظ سے عقل کی مدد سے زندگی اور کائنات سے متعلق بنیادی حقیقتوں کی جستجو اور تحقیق کا نام ہے، اس لئے کسی تہذیب اور قوم کے فلسفے سے اُس کے فکری معیار اور پختگی کا اندازہ بخوبی لگایا جا سکتا ہے۔ قدیم زمانے میں جن قوموں نے فلسفہ میں غیر معمولی ترقی کی اُن میں یونانی قوم خاص امتیاز رکھتی تھی۔ سکندر اعظم (۳۲۳-۳۳۶ ق م) کی یونان سے وسطِ ایشیا اور ہندوستان تک وسیع فتوحات اور ان میں جا بجا سیاسی اور معاشرتی مصلحتوں کی بنا پر اس کے قائم کردہ یونانی تمدنی مرکزوں کے قیام نے یونانی علوم کو مغربی ایشیا اور مصر میں عام کر دیا۔

جب دوسری صدی قبل مسیح میں رومی سلطنت نے یونان اور اُس کے تہذیبی دائرے میں شامل علاقوں پر قبضہ کر لیا تو فلسفہ اور اس سے متعلق علوم کا چرچا رومی سلطنت

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کے تمام اہم شہروں میں بدستور جاری رہا، اور جیسا کہ تاریخ عالم میں اکثر ہوا ہے رومیوں نے گو فوجی طاقت کے بل پر یونان کو فتح کر لیا تھا لیکن خود اس کی تمدنی برتری سے مغلوب ہو گئے، اور رومی سلطنت کے اندر متعدد اداروں میں یونانی زبان وادب اور فلسفہ کی اعلیٰ تعلیم دی جاتی رہی۔ ابتدائے اسلام سے کافی پہلے جب ساسانی خاندان کے بادشاہوں نے زرتشتیت میں ایک منظم دینیات کی ترتیب اور ایران کے علمی وفنی ارتقا کا بیڑا اٹھایا تو انہوں نے یونانی علوم وفلسفہ کے متعدد اساتذہ کو رومی علاقوں سے گراں قدر معاوضوں پر بلا کر ایران میں آباد کیا۔

ان اساتذہ نے نہ صرف یونانی علوم کو پہلوی زبان میں منتقل کیا بلکہ شاہی خرچ پر قائم کی گئی اکادمیوں میں ان علوم کی درس وتدریس کا سلسلہ بھی جاری کیا۔ ان میں جنوبی ایران کی جندیشاپور اور شمالی عراق کی حران کی اکادمیاں جن میں اول الذکر طب اور فلسفے اور موخر الذکر ریاضیات اور فلکیات میں زیادہ دلچسپی رکھتی تھیں، بہت مشہور ہوئیں۔ اس کے علاوہ مصر میں اسکندریہ کی اکادمی میں بھی سکندرِ اعظم کے وقت سے لے کر عہد اسلامی تک یونانی فلسفہ اور طب کی تعلیم کا سلسلہ بڑے پیمانے پہ جاری رہا۔ ان علاقوں پر مسلمانوں کی فتوحات کے بنیادی اعتبار سے یہی وہ اکادمیاں تھیں جو مسلمانوں کے درمیان یونانی علوم کی اشاعت کے اہم مرکز ثابت ہوئیں اور یہیں کے اساتذہ اور تربیت یافتہ عالموں نے بیشتر یونانی علوم کو عربی میں منتقل کرنے کا کام سرانجام دیا۔

اگرچہ مسلمانوں میں متعدد قدیم یونانی فلسفیوں مثلاً ثالیس ملطی (تھیلز) انکسیمانس (اناکسیماندر) انبذقلس (امپڈاکلیز) فیثاغورث (پائی تھاگورس) دیموقراطیس، ابیقورس، زینون (زینو) وغیرہ کے افکار ترجمے کے ذریعہ منتقل ہوئے، لیکن کلاسیکی دور میں مستند مسلم فلاسفہ مثلاً یعقوب بن اسحٰق الکندی (نویں صدی عیسوی) محمد ابن طرخان الفارابی (م ۹۵۰ء) اور سب سے بڑھ کر ابوعلی الحسین بن سینا (۹۸۰-۱۰۳۷ء) نے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

افلاطون اور ارسطو کو ہی فلسفہ کا امام سمجھا اور بیشتر انہیں دو یونانی فلسفیوں کے افکار پر اپنے فلسفیانہ نظام کی بنیاد رکھی۔ اس امر کی دو بڑی وجہیں ہو سکتی ہیں۔ ایک تو یہ کہ ان دو فلسفیوں کی کتابیں اور ان کے افکار دوسرے قدیم فلسفیوں کے مقابلے میں کثیر تعداد میں محفوظ تھے اور دوسرے سقراط سے بیشتر قدیم یونانی فلسفیوں کے مقابلے میں، جو یا تو دہریئے تھے یا اُن کا انہماک زیادہ تر طبعیاتی (فزکس، کیمسٹری سے متعلق) تحقیقات کی طرف تھا انسانی مقدر اور بہبودی کے پیش نظر کرتے تھے۔ اس طرح افلاطون اور ارسطو ایسے بہت سے مسئلوں کو موضوع سخن بناتے ہیں جو مذہب کے مخصوص میدان سے تعلق رکھتے ہیں۔

غالباً ان کی کتابوں کے سریانی اور آرامی میں ترجمے اور اشاعت کی یہی وجہ بھی ہو گی کہ وہ اسلام سے پہلے عیسائی علما کے لئے بھی باعثِ کشش تھیں جنہوں نے ان کو مسلمانوں تک منتقل کرنے سے پہلے محفوظ رکھا۔ ان زبانوں میں افلاطون اور ارسطو کی کتابوں کا بڑا سرمایہ موجود ہونے کی وجہ سے سب سے پہلے انہیں فلسفیوں کی کتابیں عربی میں ترجمہ ہوئیں۔ ان دونوں میں بھی مسلمان ارسطو سے بے انتہا متاثر تھے۔ مسلمان عقلیت پسندوں کے نزدیک ارسطو کے افکار الہام اور وحی سے کم مستند نہیں سمجھے جاتے تھے۔ مسلمان فلسفی ارسطو کو ''المعلم الاوّل'' کے لقب سے یاد کرتے تھے۔ اس بے انتہا عقیدت کی بڑی وجہ منطق میں ارسطو کی وہ آٹھ کتابیں تھیں جو ابتداً جب عربی میں ترجمہ ہوئیں تو مسلمان دانشوروں کی عقل دنگ رہ گئی کہ اس طرح بھی کوئی علم و دانش کے اصول مرتب و منظم کر سکتا ہے۔ مسلمان ارسطو کو منطق کا موجد خیال کرتے تھے۔ منطق کی طرح فلسفہ میں بھی (کم سے کم کلاسیکی دور میں) مسلمان ارسطو کو حرف آخر سمجھتے تھے، گو متاخرین میں اس کے بعض ناقدین بھی پیدا ہونے شروع ہو گئے۔

ارسطو کی کتابوں کے عربی میں منتقل ہونے کا ایک پہلو ایسا بھی ہے جس کی مثال علمی تاریخ میں شاید مشکل سے ملے۔ ایسا کم ہی ہو سکتا ہے کہ ایک علمی غلط فہمی اپنے نتائج کے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اعتبار سے اس قدر ہمہ گیر اور وسیع پیمانے پر ظاہر ہو، ہوا یہ کہ اسلام سے پہلے فلسفہ کے عیسائی عالموں میں ارسطو کی ایک کتاب تھیولوجیا (دینیات) کے نام سے رائج تھی۔ جب سریانی سے ارسطو کی کتابیں عربی میں منتقل ہوئیں تو ان میں یہ کتاب بھی اَثولوجیا کے نام سے ترجمہ ہوئی۔ مگر درحقیقت اس کتاب کا ارسطو سے دور کا تعلق بھی نہیں ہے۔

یہ کتاب ارسطو کے تقریباً تین سو سال بعد اسکندریہ میں ہونے والے مشہور صوفی فلسفی فلاطینوس کی کتاب انی اڈ کے منتخب ٹکڑوں پر مبنی ہے جو پورے عہد وسطیٰ میں ارسطو کی تصنیف ہی سمجھی جاتی رہی۔ اس میں نکتہ یہ ہے کہ فلاطینوس ایک منفرد نظام فلسفہ نوافلاطونیت کا موجد سمجھا جاتا ہے، جو اپنے مفروضات، رویوں اور نتائج میں ارسطو کے حقیقی فلسفہ کی تقریباً ضد ہے۔ اس طرح ارسطو کی فرضی کتاب اثولوجیا نے جہاں ابتدا ہی سے مسلمانوں کو نوافلاطونیت سے متعارف و متاثر کیا وہاں اُس نے ارسطو کے نظام فلسفہ میں ایسے تضادات اور الجھنیں پیدا کر دیں جو بذاتِ خود مسلمان فلسفیوں کے لئے ایک مسئلہ بن گئیں۔ اس صورت حال میں کچھ حصہ اُن نوافلاطونی شارحین ارسطو کا بھی تھا جو اسکندریہ کے مکتب فکر سے تعلق رکھتے تھے اور جن کے ہاتھوں ارسطو کی دیگر کتابیں عربوں تک پہنچیں تھیں۔

جب ترجموں اور فلسفہ کے ابتدائی تعارف کے دور سے گزر کر مسلمانوں میں خود صاحب فکر فلسفی، مثلاً الکندی اور الفارابی وغیرہ پیدا ہونے لگے تو اُن کے سامنے فلسفے میں دو مسئلے سب سے بڑے تھے۔ پہلا تو یہ کہ یونانی فلسفیانہ ورثہ کے مختلف اجزا بالخصوص افلاطون ارسطو اور نوافلاطونیت کے جو نظریات مسلمانوں تک پہنچے تھے، اُن کو باہم دگر ہم آہنگ کر کے ایک واحد فلسفیانہ نظام کی تشکیل کا کام، تاکہ اس کو ایک عقلی اور مکمل تصور کائنات کے طور پر پیش کیا جا سکے۔ لیکن دوسرا مسئلہ جو مسلمان فلسفیوں کے لئے پہلے سے بھی زیادہ اہم تھا، وہ اس فلسفیانہ ورثہ کے تصورات کو مذہب اسلام کی تعلیمات سے ہم آہنگ کرنا اور دونوں کے تناقض کو دور کرنا تھا یہ کام اس لئے خصوصی اہمیت رکھتا تھا کیونکہ ارسطو کے متعدد نظریات، مثلاً

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

قدامت عالم کا نظریہ یا انفرادی روح کے فانی ہونے کا تصور یا خدا تعالیٰ کے محض کلیات سے باخبر ہونے کا نظریہ، قرآنی تعلیمات کے براہ راست ضد تھے۔ مندرجہ بالا دونوں اہم مسائل سے متعلق طبع آزمائی ہی درحقیقت کلاسیکی (معیاری، قدیمی) دور میں مسلمان فلسفیوں کا طرہ امتیاز اور ان دونوں مقاصد میں کامیابی اپنی جگہ ایک منفرد ''اسلامی فلسفہ'' کے فروغ کا باعث ہوئی۔

اس سلسلہ میں اگرچہ بنیادی کام الفارابی نے ہی کیا تھا، مگر مسلم فلسفہ کے ان دونوں بڑے مسائل پر محیط ایک مکمل اور مربوط فلسفیانہ نظام کی تشکیل کا سہرا ابن سینا کے سر جاتا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ ابن سینا نے اس موضوع پر اپنی جامع کتاب الشفا میں یہ فلسفیانہ بحثیں اس قدر شگفتہ اور واضح انداز میں پیش ہیں کہ اپنے دور سے لے کر آج تک اُس کی فکر کو کلاسیکی مسلم فلسفہ کی معراج تصور کیا جاتا ہے۔

بہرحال اس کلاسیکی مسلم فلسفہ کو (جس کی بنیاد ارسطو کی منطق تھی) کم سے کم اسلامی دنیا کے مشرقی حصہ میں اپنے اس عروج کی بہاریں بہت دن دیکھنا نصیب نہیں ہوئیں۔ متعدد اسباب کی بنا پر جن میں تصوف کے بڑھتے ہوئے اثرات اپنی جگہ ہیں، ابن سینا کی فکر میں اپنے کمال کو پہنچ کر مشرق میں اچانک اس فلسفہ کا زوال ہو گیا۔ گیارہویں صدی عیسوی کے آخر میں ہی امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۱۱۱ء) نے ردِ فلسفہ میں اپنی مشہور کتاب تہافۃ الفلاسفہ تحریر کی جس نے بہت منظم انداز میں بالترتیب اُن تمام اہم نکات اور مسلمات میں فلسفہ کی بے بضاعتی اور فلسفیوں کے فکری انتشار کا پردہ چاک کر دیا۔ جن پر مسلم فلسفہ کی بنیاد تھی۔ مسلم فلسفہ پر اس سنگین حملہ میں جس کو بجا طور پر فلسفہ کی تباہی کا عنوان دیا گیا ہے، امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے ابن سینا کو ہی اسلامی فلسفہ کا سب سے بڑا ترجمان سمجھ کر اُس کی فکر کو اپنے تجزیہ کے لئے منتخب کیا۔ مشرق میں کلاسیکی مسلم فلسفہ اس کے بعد پھر جانبر نہ ہو سکا گو ابن سینا کا نام بحیثیت ایک عظیم فلسفی اور طبیب کے آج تک اسلامی دنیا میں زندہ ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ارسطو کے نظریات پر مبنی مسلم فلسفہ یا فلسفہ مشائیین (ارسطو سے منسوب مکتب فکر کیونکہ وہ اپنی اکادمی میں ٹہل کر درس دیتا تھا) کا مشرقی اسلامی دنیا میں بارھویں صدی عیسوی کی ابتدا میں جو زوال ہوا وہ تقریباً مکمل تھا۔ اگرچہ اسلامی دنیا کے مغربی حصہ یعنی اندلس میں یہ مکتب فکر تقریباً سو سال اور زندہ رہا۔ وہاں سے پھر یہ فلسفہ مستقل طور پر یورپ کے ممالک میں ترجموں کے تقریباً اُسی عمل کے ذریعہ منتقل ہو گیا جس طرح کہ دوسری زبانوں سے یہ عربی میں آیا تھا۔ گو اب اس بعد کی صورت میں یہ اُن اضافوں سے مالا مال تھا جو مسلم فلسفیوں نے اپنے غور و فکر سے اس میں کیے تھے۔

مغرب کے برخلاف جہاں ابن رُشد (م ۱۱۹۸ء) کے بعد فلسفیانہ تحریک کا ہمیشہ ہمیشہ کے لئے خاتمہ ہو گیا، اسلامی دنیا کے مشرقی حصہ میں، فلسفہ ارسطو یا کلاسیکی مسلم فلسفہ کا زوال فلسفیانہ تحریک کا اختتام نہیں تھا۔ جس طرح تقریباً دو ڈھائی سو سال پہلے عقائد میں راسخ العقیدہ روایت نے عقلیت کے بڑھتے ہوئے رجحان کے پیشِ نظر اپنے نظریات کو قرآن اور حدیث کے ساتھ ساتھ عقلی دلائل سے مسلح کر کے مسلم دینیات یا علم الکلام کی بنیاد رکھی تھی، اسی طرح اب تصوف کے مقبول عام مذاق نے فلسفیانہ طرز فکر کو اپنے مقاصد کے لئے استعمال کرنا شروع کر دیا۔ ایک طرف تو شہاب الدین سہروردی مقتول (م ۱۱۹۱ء) اور محی الدین ابن عربی (۱۱۶۵۔۱۲۴۰ء) نے ارسطا طالیسی روایت سے مکمل انحراف کرتے ہوئے اپنی فکر کی بنیاد حسی مشاہدہ یا تعقل کے بجائے، وجدان ذوق اور صوفیانہ تجربات پر رکھی اور دوسری طرف ان دونوں نے ہی اپنی فکر میں ارسطا طالیسی منطق اور فلسفیانہ طرز فکر کا استعمال کرتے ہوئے متصوفانہ فلسفہ کے مکمل نظام تشکیل کیے۔

اوّل الذکر کو مسلمانوں کی علمی تاریخ میں اشراقی فلسفہ اور مؤخر الذکر کو وجودی فلسفہ کا بانی کہا جا سکتا ہے۔ فلسفیانہ تصوف یا متصوفانہ فلسفہ کے یہ دونوں مکتب فکر عہد وسطیٰ کے اسلام میں خوب پھلے پھولے۔ ان دونوں روایتوں میں ان کے بانیوں کے بعد ان کے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

نظریات کے لائق نمائندے اور فاضل شارحین پیدا ہوئے جنہوں نے ان کی فکر کو مسلم معاشرے میں عام کر دیا۔ یہاں تک کہ فلسفیانہ فکر کا یہ عمل عہد وسطیٰ کے اواخر میں مسلمانوں کی آخری سب سے بڑی فلسفیانہ شخصیت، مصدر الدین شیرازی معروف بہ ملا صدرا (۱۶۴۰ـ۱۵۷۱ء) کے پیش کردہ فلسفیانہ نظام میں اپنے منتہائے کمال کو پہنچ گیا۔ ملا صدرا نے اپنی معرکۃ الآرا تصنیف الاسفار الاربعہ میں متعدد ماخذوں سے حاصل کردہ نظریات اور رجحانات خصوصاً اشراقی روایت اور وجودی فلسفہ کے امتزاج کو ارسطاطالیسی منطق کی مدد سے نہایت واضح، منظّم اور مرتب انداز میں پیش کیا ہے۔ قدیم ماخذوں اور مندرجہ بالا دونوں صوفیانہ فلسفوں کو انہوں نے اس غیر مقلدانہ اور آزادانہ طریقہ سے اپنے تخلیقی عمل میں استعمال کیا ہے جس سے اُن کی فکر اپنی جگہ ایک الگ نظام فلسفہ کی حیثیت اختیار کر لیتی ہے۔ بعض حلقوں میں اس طرز کے فلسفہ کو حکمۃ مُتَألِہَہ یا فلسفہ مُتَألِّھِین کے نام سے یاد کیا گیا ہے[41]۔

یہاں یہ سوال اٹھایا جا سکتا ہے کہ آخر عہد وسطیٰ میں مسلم معاشرے کے مکمل طور پر تصوف سے مغلوب ہو جانے کے کیا اسباب ہو سکتے ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ امام غزالی رحمہ اللہ کی عبقری شخصیت نے تصوف اور شریعت کو جس نامیاتی طرز سے ایک دوسرے سے وابستہ کر دیا تھا اُس کے بعد کسی ایسے ''اسلامی تمدن'' کا تصور جس میں تصوف کی جھلک نہ پائی جائے بہت مشکل تھا۔ لیکن ایک پوری قوم اور تہذیب کے صدیوں پر محیط کردار کو مکمل طور پر صرف ایک شخصیت کے افکار کا پرتو قرار دینا بھی قرین قیاس نہیں معلوم ہوتا، اگرچہ اس سلسلے میں امام غزالی رحمہ اللہ کی کلیدی حیثیت اپنا مقام رکھتی ہے۔ ایک عام خیال یہ ظاہر کیا جاتا ہے کہ بارہویں اور تیرہویں صدی عیسوی کا زمانہ اپنے مادّی اور سیاسی انتشار کی وجہ سے تصوف کی اشاعت کے لئے بہت سازگار ثابت ہوا۔ سیاسی و سماجی عدم تحفظ نے جس مایوسانہ اور فراریت پسند ذہنیت کو فروغ دیا تھا۔ اُس کو تصوف کے غیر ارضی اور ماورائی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ماحول میں ہی سکون مل سکتا تھا۔ چنانچہ دنیوی زندگی کے لاینحل مسائل میں عافیت پسندی کی تلاش ہی مسلم معاشرہ کو بحیثیت مجموعی تصوف کی آغوش میں لے گئی اور جب ایک دفعہ یہ رجحان بڑے پیانے پر حرکت میں آگیا تو پھر وقت کی مناسبت سے اس نے پورے تمدن کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ لیکن ہمیں یہ خیال بھی بظاہر اس معاملے کے صرف چند سطحی پہلوؤں کی تشریح محسوس ہوتا ہے۔

ہمارے خیال میں تہذیبوں کا معاملہ بھی افراد کی طرح ہے۔ جس طرح ایک انسان کی زندگی بچپن، لڑکپن، جوانی، پختہ عمر اور بڑھاپے کے مختلف ادوار سے گزرتی ہے، اسی طرح تہذیبوں کی زندگی کے بھی مختلف ادوار ہوتے ہیں۔ انسان بچپن سے جوانی تک جسمانی اور ذہنی اعتبار سے ترقی کرتا رہتا ہے۔ جوانی تک جسمانی اعتبار سے اپنے عروج کو پہنچ کر انسان کا مادی ارتقا رک جاتا ہے گو ذہنی ارتقا اس کے بعد بھی جاری رہ سکتا ہے، لیکن اب اس میں نمایاں طور پر عقل اور احساس کے اعتبار سے پختگی کا دور شروع ہوتا ہے۔ اسی طرح تہذیبیں بھی ابتدا میں اپنی مادّی اور اس کے بعد ذہنی ترقی پر اپنی توجہ مرکوز رکھتی ہیں۔ کوئی بھی تہذیب جب مادّی اور ذہنی سطح پر ایک خاص تمدنی درجہ تک ترقی کر چکتی ہے۔ تو اُس کے بعد ہی اُس میں پختگی کا دور شروع ہوتا ہے۔ یہی وہ دور ہے جب تصوف کی مختلف شکلوں میں اُس پر روحانیت کا غلبہ ہونے لگتا ہے۔ تمدنی اعتبار سے یہ اُس تہذیب کے معراجِ کمال کا دور ہوتا ہے۔ کچھ مدت تک اپنے عروج کی اس انتہائی بلندی پر تمدنی لطافتوں سے پوری طرح لذت اندوز ہو کر پھر اسی صورت حال میں اُس تہذیب کے زوال کے اسباب پیدا ہونے لگتے ہیں۔ اپنے انہیں اداروں اور تصورات میں اسیر، جو کہ اُس کے کمال کا مظہر تھے، وہ نشوونما کی قوت سے ہاتھ دھو کر افسردگی اور شکستگی کا شکار ہو جاتی ہے۔ ظاہری اعتبار سے وہ تہذیب اس کے بعد صدیوں زندہ رہ سکتی ہے۔ لیکن تاریخ عالم میں اپنے فعال کردار سے اب وہ محروم ہو چکی ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

تہذیبی زندگی کے اس نقشے کے مطابق دسویں اور گیارہویں صدی عیسوی تک اسلام کی مخصوص کلاسیکی تہذیب اپنے ارتقا کے مختلف مراحل طے کر کے بنیادی اعتبار سے پایۂ تکمیل کو پہنچ گئی تھی۔ اب اپنی اندرونی منطق کے ماتحت تہذیب اسلامی کو بحیثیت مجموعی لازماً بیشتر توجہ روحانیت کی طرف مبذول کرنی تھی۔ ظہورِ اسلام کے ساتھ جس تہذیبی عمل کا آغاز ہوا تھا۔ اُس کی معراج پورے معاشرہ کے نزدیک روحانیت کو اپنا مقصود بنا کر حاصل ہوئی۔ چنانچہ گیارہویں صدی کے بعد بہت جلد اسلامی معاشرہ کا کوئی طبقہ ایسا باقی نہیں رہ گیا جو تصوف کے اثر سے آزاد رہا ہو۔ بادشاہ، دربار اور فوج سے لے کر امراء، علماء، تاجر، کسان، دستکار، عوام، مرد، عورت غرض پورا اسلامی معاشرہ اِسی رنگ میں رنگ گیا۔ عہدِ وسطیٰ کی تقریباً سات آٹھ صدیوں کے لئے اسلامی روایت کے معنی یہی متصوفانہ اسلام رہا، اور اس صورتِ حال سے اسلامی معاشرہ صرف اپنے عہدِ جدید کے آغاز کے ساتھ ہی اُبھرنا شروع ہوا۔

بہرحال تصوف کی ہمہ گیر مقبولیت سے قطع نظر، عہدِ وسطیٰ کی اسلامی تہذیب و تمدن سے متعلق چند اور خصوصیات وحقائق بہت نمایاں ہیں۔ ان میں سب سے زیادہ محسوس چیز پورے عہدِ وسطیٰ میں معیاری اسلامی تہذیب کے ایک مکمل مربوط، غیر متغیر اور خود کفیل تہذیبی دنیا ہونے کی حقیقت ہے۔ چنانچہ شمالی افریقہ سے لے کر وسطِ ایشیا اور ہندوستان کی سرحد تک مرکزی اسلامی ممالک میں گیارہویں صدی عیسوی کے بعد سے انیسویں صدی عیسوی تک کوئی قابلِ ذکر تمدنی تبدیلی نہیں آئی۔ اس وسیع علاقے میں اسلامی تہذیب اپنے تمدنی معیار سے مطمئن دوسری قوموں سے اپنی برتری کے سلسلے میں پُراعتماد اُن کے وجود سے باخبر، مگر اُن سے کسی تہذیبی لین دین سے بے نیاز، اپنی دنیا میں محدود اور مگن تھی۔ لیکن اسلامی دنیا کے ان وسیع اور مرکزی علاقے کے چاروں طرف جہاں "دارالاسلام" کی سرحدیں دوسری "تہذیبی دنیاؤں" سے ملتی تھیں۔ وہاں صورتحال مختلف تھی۔ مرکزی علاقے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کے برخلاف اسلامی دنیا کے ان سرحدی یا بیرونی علاقوں میں اسلام ایک متحرک اور نمو پذیر حقیقت ہونے کے ساتھ ساتھ ایک نئے تہذیبی عمل میں فعال حصہ دار بھی تھا۔ اگر عثمانی سلطنت اپنے مشرقی یورپ میں وسیع تر ہوتے ہوئے مقبوضات کے جلو میں ایک اجنبی تمدن سے متصادم تھی، تو ہندوستان میں دہلی سلطنت اور پھر مغل حکومت کا قیام اسلامی تہذیب کے سامنے ہندو تہذیب کا چیلنج پیش کر رہا تھا۔

اگر عہد وسطیٰ کے حبشی افریقہ میں اسلام کی اشاعت مقامی حالات اور ماحول کی رعایت کے ساتھ آگے بڑھ رہی تھی، تو جزائر شرق الہند جاوا اور سماترا وغیرہ میں اسلام نے اس دور میں ایک نئی ہی دنیا دریافت کر لی تھی۔ ان سبھی علاقوں میں اسلام نے انسانوں کی ایک بڑی تعداد کو اپنے حلقہ اثر میں لے لیا تھا۔ (مثلاً آج جزائرِ شرق الہند کے ملک انڈونیشیا میں مسلمانوں کی تعداد دنیا کے کسی بھی ملک سے زیادہ ہے، یا برصغیر ہند و پاک میں دنیا کی کل مسلم آبادی کا ایک بہت بڑا حصہ رہتا ہے) لیکن مسلمانوں کی تعداد میں اضافہ کرنے یا مسلم ملکوں کی سرحدیں وسیع کرنے کے ساتھ ساتھ ان علاقوں کی یہ خصوصیت بھی ہے کہ یہ اسلام اور دوسری تمدنی روایتوں میں اختلاط کے عمل کو، جو اسلام کے مرکزی علاقوں میں کلاسیکی دور کے بعد معدوم ہو چکا تھا، زندہ رکھے ہوئے تھے۔ ان سرحدی علاقوں میں اسلام کی پیش رفت کے ساتھ ان میں متعدد چھوٹی بڑی مسلم حکومتیں قائم ہوئیں۔ جن میں سے بعض حکومتیں سلطنتوں کے درجہ تک پہنچیں۔ بلکہ ان میں سے ایک یعنی عثمانی سلطنت تو اسلامی دنیا کی سب سے دیرپا اور تقریباً پانچ سو سال تک سب سے عظیم الشان حکومت ثابت ہوئی۔

عہد وسطیٰ کے ان مسلمان ملکوں میں عثمانی سلطنت کے علاوہ صحرائے اعظم کے نیچے مشرقی افریقہ سے لے کر مغرب میں بحراوقیانوس تک مسلم ملکوں کی ایک زنجیر، جزائر شرق الہند کی متعدد مسلمان حکومتیں، جنہوں نے ان علاقوں میں یورپی طاقتوں کے غلبہ کو

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

عرصہ تک روکے رکھا، ہندوستان کی مسلمان حکومتیں اور وسطِ ایشیا اور چینی ترکستان کی چھوٹی چھوٹی مسلم حکومتیں، امارات اور خانوادے شامل ہیں۔

ان مسلم ملکوں میں اسلام کی تبلیغ کا کام بیشتر مختلف سلسلوں کے صوفیوں نے ہی انجام دیا۔ اس میدان میں صوفی بزرگوں کی بڑے پیمانے پر کامیابی کی ایک اہم وجہ یہ ہوسکتی ہے کہ وحدۃ الوجود کے نظریے سے متاثر ہونے کے سبب ان کے دل ''فصل'' کے بجائے ''وصل'' کے نغموں سے سرشار تھے اور ان کا پیغام اجنبیت کے بجائے محبت تھا، چنانچہ ان علاقوں میں ابتداً صوفیوں نے بڑی تعداد میں لوگوں کو اُن کے مقامی رسوم ورواج کے ساتھ محض برائے نام ہی مسلمان کر لینے پر اکتفا کی تھی۔ پھر وقت گزرنے کے ساتھ اُن کے اندر اسلامی شعور کے بیدار ہونے اور علما کرام کی کوششوں سے مقامی تمدن میں معیاری اسلام کے اثرات بڑھتے چلے گئے۔

معیاری اسلامی تہذیب اور مقامی غیر اسلامی تمدن کا یہ اختلاط جو افریقہ میں قبائلی رسوم ورواج، جزائر شرق الہند میں ہندو، بدھ اور قبائلی تمدن کی ملی جلی تہذیب چینی ترکستان میں چینی کنفیوشسی تمدن، ہندوستان میں قدیم ہندو تہذیب اور مشرقی یورپ میں بازنطینی تمدن کے ساتھ اسلام کے ملنے سے عمل میں آرہا تھا، مسلمانوں کی تہذیبی تاریخ کا ایک بہت اہم باب ہے، گو ابھی تک معیاری اسلامی تہذیب کے مقابلے میں اس حیثیت سے اس کے مطالعہ کی طرف خاطر خواہ توجہ نہیں دی جاسکی ہے۔ تہذیبوں کے باہم ملنے اور تمدنی لین دین کے عمل کے دوران مذہبی سطح پر جن مخصوص تعبیرات اور تبدیلیوں پر اصرار کیا گیا وہ تو اپنی جگہ پر، مگر اس کا بڑا اظہار تمدنی اور معاشرتی زندگی اور فنون لطیفہ کے کارناموں میں ہوا۔

اسلام اور مقامی تہذیب کا یہ سنگم اگر ایک طرف حبشی افریقہ کی مسجدوں کے مخصوص طرز تعمیر میں ظاہر ہے تو دوسری طرف جاوا کے کٹھ پتلی تھیٹر کے اسلامی کردار اور خواتین کا مخصوص قومی رقص، اسی تہذیبی عمل کے مظہر ہیں۔ اگر ہندوستان میں مُغل مصوری،

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

موسیقی، فن تعمیر اور سب سے بڑھ کر اُردو زبان، ہند اسلامی تہذیب کے ارتقا کے منہ بولتے شواہد ہیں، تو بدھ پگوڈا سے مشابہہ بغیر گنبد و مینار کی چینی مسجدیں، اسی تمدنی لین دین کی نشاندہی کرتی ہیں۔ عثمانی سلطنت میں مذہبی اداروں اور علما کا مکمل طور پر سلاطین کے ماتحت ہونا اگر بازنطینی حکومت میں شہنشاہ اور یونانی چرچ کے باہمی تعلق کی روایت کا آئینہ دار ہے، تو استنبول کے قدیم چرچ ایا صوفیہ کا بڑا گنبد عثمانی ماہر تعمیرات سنان (۱۵۸۸ـ۱۴۹۱ء) کے لئے ایک نمونہ اور چیلنج تھا جسے اُس نے قبول کیا اور اپنی تعمیرات میں اس پر تجربے کرتا رہا اور آخر کامیاب ہوا اُس کی کئی عمارتیں اس کی شاہد ہیں اور یہ بات بھی دلچسپ ہے کہ سنان اپنے تیسرے تجربے 'ادرنہ کی سلیمیہ مسجد' میں ایا صوفیہ سے چھ ہاتھ زیادہ چوڑا اور چار ہاتھ زیادہ گہرا گنبد تعمیر کر کے اپنی اس کوشش میں کامیاب ہوا تھا[15]۔

اسلام کی مندرجہ بالا تصویر میں خواہ عہد وسطیٰ میں مرکزی ممالک کا غیر متغیر تمدنی تسلسل ہو یا سرحدی علاقوں میں تہذیبی لین دین کا عمل، دونوں جگہ یہ حقیقت نمایاں تھی کہ ان میں ہر جگہ اسلام ایک خود اعتماد غالب طاقت تھی۔ عہد وسطیٰ کا اسلام محکومی یا احساسِ کمتری سے نا آشنا تھا۔ مسلم مؤرخین تیرہویں صدی عیسوی کی منگول تخت و تاراج کو اسلامی دنیا کا سب سے بڑا سانحہ سمجھتے ہیں، لیکن یہ یاد رکھنا چاہیے کہ منگولوں کی تاخت و تاراج مشرق اسلامی دنیا میں صرف مسلمانوں کے سیاسی اقتدار تک محدود تھی۔ مسلمانوں کی مذہبی و معاشرتی زندگی اُس سے غیر متاثر رہی تھی، دوسرے یہ کہ جلد ہی منگول خود مسلمان ہو کر اسلامی تہذیب کے علمبردار اور اسلام کے محافظ بن گئے۔ عہد وسطیٰ میں مسلمانوں کے سیاسی اقتدار اور تہذیبی و تمدنی برتری کی دیوار میں درحقیقت اُس وقت دراڑیں پڑنی شروع ہوئیں، جب یورپ کے کئی ملکوں نے نوآبادیاتی طاقت کی صورت میں ساری دنیا کو اپنی حرص و آز کا نشانہ بنانے کے سلسلے کی بنیاد رکھی۔

سولہویں اور سترہویں صدی میں اپنی بیداری کے آغاز سے ہی یورپ مشرق بعید

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کے رابطہ کی راہ میں حائل اسلامی دنیا کے حصار سے نکلنے کے لئے بے چین تھا۔ بین الاقوامی تجارت کے محفوظ راستوں کی تلاش نے اُس کو طویل بحری راستوں سے واقف کرا دیا اور اس کے سامنے ان دیکھی دنیاؤں کے دروازے کھل گئے۔ اب مہم جوئی اور نشاط سے بھرپور نیا مغرب ان خداداد موقعوں سے فائدہ اٹھانے پر تل گیا۔ پھر بھی تجارتی کمپنیوں کے عہد سے لے کر نو آبادیاتی طاقتوں کے دور تک ایک طویل سفر تھا جس میں دو تین صدیاں لگ گئیں اور اس مدت میں خود یورپ کے اندر اور باہر کی دنیا میں بہت کچھ تبدیلیاں آئیں جن میں سے بیشتر یورپ کے حق میں اور اسلامی دنیا کے خلاف تھیں۔

۱۷۹۸ء میں جب نپولین نے مصر پر حملہ کیا تو اُس وقت تک یورپ اپنے جدید تہذیبی سفر پر پوری طرح گامزن ہو چکا تھا۔ وطنیت، عقلیت، صنعتی ترقی، سائنسی ایجادات، ہیومانزم، مادیت، غرض مغربی تہذیب کے سبھی بنیادی سانچے وجود میں آ چکے تھے، اور اپنے اس تمدنی انقلاب پر یورپ اُسی طرح نازاں اور خود اعتماد تھا جس طرح کبھی مسلمان اپنی تہذیبی برتری پر تھے۔

جب اٹھارویں صدی کے اواخر سے یورپی اقوام نے دنیا کے زیادہ سے زیادہ حصے پر اپنا نو آبادیاتی تسلط قائم کرنے کی جدوجہد شروع کی تو یورپی فوجوں کے بہتر اسلحوں، جدید فوجی تنظیم اور معاشی و صنعتی نظام کے سبب مسلمان طاقتوں کی مسلسل شکست نے تقریباً تمام اسلامی دنیا کو (باستثنا افغانستان اور جزیرہ نمائے عرب) بالواسطہ یا بلاواسطہ مغربی اقوام کا محکوم بنا دیا۔

ایک ایسی امت کے لئے جس نے اپنی بارہ سو سالہ تاریخ میں اقتدار اور غلبہ کے علاوہ غیر اقوام کے ساتھ کسی اور تعلق کا تصور بھی نہ کیا ہو یورپ کی عیسائی قوموں کی غلامی سخت عار اور ذلت کی بات تھی۔ لیکن یہاں صرف یہی بات نہیں تھی۔ اسلامی علاقوں پر اپنی فوجی برتری کے ساتھ مغربی طاقتوں نے مسلمان اقوام پر اپنی جدید ایجادات، بہتر

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کارکردگی، حسن انتظام، حب الوطنی میں ذاتی اغراض سے بلندی، مختلف علوم اور صنعتوں میں اپنی بدرجہا زیادہ ترقی، اپنی ہمت اور حوصلے کی بلندی کا سکہ بھی جما دیا۔ مسلمان جو ایک ہزار سال سے دوسری قوموں کے لئے تہذیب وتمدن کا معیار بنے رہنے کے عادی تھے پہلی مرتبہ اپنے آپ کو تہذیبی اعتبار سے پچھڑا ہوا سمجھنے پر مجبور ہو رہے تھے۔

دوسری طرف مغرب کے سیاسی غلبے کے ساتھ اُس کے نمایاں فکری رجحانات، دین و دنیا کی تفریق، دنیوی زندگی کی مرکزی اہمیت، مادہ پرستی، عقلیت اور عقیدہ کے مقابلے میں عقلیت کی ترجیح، خدا، انسان اور کائنات کے بارے میں جدید فلسفیانہ افکار، عورت اور مرد کی مساوات، مذہب کا ایک ذاتی معاملہ ہونا، وغیرہ ایسے تصورات تھے جو مسلمانوں کے خود اعتماد اور مستغنی تمدنی ماحول میں ایک بلائے آسمان کی طرح ٹوٹ پڑے تھے۔ لیکن ان سب سے بڑھ کر مسلمانوں کو عاجز کر دینے والا یہ تصور تھا کہ خیر الامت ہونے کے ناتے دنیا کی جو سرداری اُن کا حق تھی اور جو بارہ سو سال سے اُن کے ہاتھ میں چلی آ رہی تھی وہ اب کس طلسم کے ذریعہ ایک تثلیث پرست قوم میں منتقل ہوگئی ہے جس کے سامنے تمام مسلم اقوام بے دست و پا ہیں۔

۱۹۲۰ء تک جب کہ اتحادی ترکی کے حصے بخرے کرنے کا منصوبہ مکمل کر چکے تھے مسلمانوں کا زوال اپنی انتہا کو پہنچ چکا تھا۔ مشرق سے مغرب تک کوئی ایسا مسلمان ملک باقی نہیں رہ گیا تھا جس کو صحیح معنوں میں خود مختار کہا جا سکے۔ مگر اُسی وقت سے پھر تاریخ کا رخ بدلنا شروع ہوتا ہے۔

مراکش میں قاضی عبدالکریم کی بغاوت (۲۶۔۱۹۲۱ء)، لیبیا میں سنوسیوں کی اطالویوں کے خلاف زبردست جدوجہد (۳۱۔۱۹۲۲ء)، ترکی میں کمال اتاترک کی قیادت میں جدید ترکی ریاست کا قیام (۱۹۲۳ء)، مصر میں سعد زاغلول کی وفد پارٹی کی جدوجہد کے نتیجہ میں (محدود ہی سہی) آزادی کا حصول (۱۹۲۲ء)، جزیرہ نما عرب میں سعودی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

خاندان کا دوبارہ برسراقتدار آجانا (۱۹۲۵ء)، رضا خاں (حکمراں: ۴۲-۱۹۲۶ء) کی زیرِ قیادت ایران کا ایک خود مختار جدید ریاست میں ڈھلنا، ہندوستان میں تحریکِ خلافت (۲۴-۱۹۲۰ء) کے جلو میں ۱۸۵۷ء کے بعد پہلی مرتبہ ہندوستانی مسلمانوں کی عوامی تحریک کا اُبھرنا، انڈونیشیا میں ''شرکتِ اسلام'' نامی سیاسی پارٹی کا قیام (۱۹۱۲ء) اور اس طرح کے دوسرے واقعات عالم اسلام میں بیداری کی اس نئی لہر کی طرف اشارہ کرتے ہیں، جس کے نتیجہ میں ۱۹۶۰ء تک رفتہ رفتہ تمام اسلامی ممالک (سوائے روسی ترکستان اور فلسطین کے) نو آبادیاتی تسلط سے آزاد ہو گئے۔

تقریباً سبھی اسلامی ملکوں میں نو آبادیاتی تسلط سے آزادی ایک ایسی مخصوص جماعت کی رہنمائی میں حاصل کی گئی جو جدید مغربی تعلیم سے لیس اور مغربی طور طریق کی رمز آشنا تھی نتیجۃً آزادی کے بعد جو جدید اسلامی ریاستیں وجود میں آئیں ان میں تقریباً سب کی سب ریاست کے جدید مغربی تصور سے متاثر اور اس کے مغربی نمونوں کی مقلد تھیں۔

اُن کے مغربی طرز میں ڈھلے ہوئے رہنماؤں نے نہ صرف یہ کہ ریاست کی تنظیم میں اسلامی روایت کو نظر انداز کیا بلکہ سماجی زندگی میں بھی اُس کو محدود کرنے کی کوشش کی۔ ان میں سے بیشتر رہنماؤں نے اسلام کو ایک ذاتی معاملہ قرار دیتے ہوئے ریاست کی اجتماعی زندگی کی بنیاد کسی غیر اسلامی تصور مثلاً وطنیت، نسل، زبان، علاقائیت وغیرہ پر رکھنے کی کوشش کی۔ غرض مسلم عوام کی نظر میں ان رہنماؤں نے ہر اعتبار سے یہ ثابت کر دیا کہ گو سیاسی اعتبار سے وہ آزاد ہو گئے ہیں لیکن تمدنی اور تہذیبی اعتبار سے اب بھی وہ مغرب کے طلسم میں پہلے ہی کی طرح گرفتار ہیں۔

مغرب کے ان گہرے مقلدین کے علاوہ جن کے بیشتر نمائندے مختلف اسباب کی بنا پر برسر اقتدار طبقہ کا حصہ بن گئے تھے، مسلم ممالک میں ایک اور طبقہ روشن خیال افراد کا

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

تھا۔ یہ روشن خیال لوگ جو ایک طرف جدید علوم اور مغربی تہذیب سے پوری طرح واقف تھے اور دوسری طرف اسلام سے مکمل وابستگی رکھتے تھے، مغرب کے مقلدین اور کٹر روایت پرستوں کے بیچ ایک درمیانی درجہ کی حیثیت کے حامل تھے۔ اس چھوٹے مگر اہم طبقہ کے افراد عموماً مختلف انداز میں اسلام کی ایک نئی تعبیر کا تصور رکھتے تھے جو عصر حاضر کے تقاضوں اور اسلامی روایت کے اُصولوں، دونوں کے ساتھ پوری طرح انصاف کر سکے اور جو ایک نئی طرز کی راسخ العقیدگی کی بنیاد بن سکے۔ متعدد وجوہات کی بنا پر یہ طبقہ کوئی مربوط مستقل اور باا ثر مکتب فکر قائم کرنے میں اب تک ناکام رہا ہے۔

اس طبقہ کی دینی علوم سے نسبتاً کم واقفیت اور مسلم عوام میں اس کا مذہبی اعتبار سے عدم استناد اس ناکامی کی دو اہم وجہیں ہو سکتی ہیں، لیکن فکری اعتبار سے خود اس طبقہ کا ذہنی اُلجھاؤ میں مبتلا ہونا، اب تک کوئی واضح نظام فکر سامنے نہ لا سکنا، اور اپنے موقف کے بارے میں یقین واطمینان سے محروم ہونا بھی اس صورتِ حال کے سبب معلوم ہوتے ہیں۔

جدید دور میں مسلم ممالک کے اندر ایک اور رجحان اِحیائیت اور اساسیت (فنڈامنٹلزم) کا پیدا ہوا ہے جس نے پچھلے چند برسوں میں (خصوصاً ۱۹۷۰ء کے بعد سے) تقریباً ایک عالمی سطح کی تحریک کی صورت اختیار کر لی ہے۔ احیائیت کے اس فروغ میں جس کا دائرۂ اثر دن بہ دن بڑھتا ہی محسوس ہوتا ہے، اسلامی ملکوں سے باہر خصوصاً یورپ امریکہ اور کینیڈا میں مقیم مسلمانوں کی آبادیاں بھی پوری طرح شریک بلکہ اس کی صف اول میں شامل ہیں۔

ہمارے نزدیک احیائیت سے مراد قرونِ اولیٰ کے اسلامی معاشرے کی جدید دور میں بازیافت، اور اساسیت سے، اسلامی تعلیمات کو (جیسا کہ وہ عہدِ وسطیٰ تک سمجھی گئیں) زندگی کے ہر میدان میں جاری وساری کرنے کی کوشش ہے۔ ان دونوں صورتوں میں یہ رجحان براہ راست اُس محرومی اور مایوسی کا ردِ عمل معلوم ہوتا ہے جو مسلم عوام کو نوآبادیاتی نظام

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

سے گلوخلاصی کے بعد اپنے آزاد معاشرے سے ہوئی۔ یہ صحیح ہے کہ مغربی طرز کی تعلیم و تربیت پائے ہوئے رہنماؤں نے برسراقتدار ہونے کے ناتے پورے طور پر نو آزاد اسلامی ممالک کو مغربی سانچے میں ڈھالنے کی کوشش کی، لیکن ان کی یہ کوشش مسلم عوام کے جذبات و احساسات سے بالکل بیگانہ رہی۔ عام مسلمان جن کی اسلام سے وابستگی ان کی زندگی کی ایک گہری حقیقت تھی، جدید ریاست اور مغربی طرز کے معاشرے کو بے جھجک اپنانے کیلئے تیار نہیں تھے۔

ان کے نزدیک یہ عمل مغرب سے سیاسی آزادی حاصل ہو جانے کے بعد بھی اس کی تہذیبی و تمدنی غلامی کے مترادف تھا مغرب کی اس بے روک تقلید میں اُن کو اپنی اسلامی شناخت خطرے میں نظر آتی رہی۔ ساری دنیا پر مغربی تمدن کی زبردست یلغار کے مقابلے میں اپنی اسلامی شناخت باقی رکھنے کا گہرا جذبہ ہی وہ بنیادی محرک ہے جس نے احیائیت اور اساسیت کو ایک کٹر اور قدرے جارحانہ رویہ اپنانے پر آمادہ کیا ہے۔

لیکن احیائیت اور اساسیت ایک پیچیدہ تحریک ہے۔ اس کا کوئی ایک سبب بیان کر دینا معاملے کا ایک ہی رخ پیش کرنا ہے۔ مثلاً کئی اسلامی ملکوں میں اس کے پیچھے اٹھارویں اور انیسویں صدی کی اصلاحی تحریکوں کے متعین کردہ رجحانات، قرآن اور سنت کی طرف رجعت، ردِ بدعات، اسلامی اقتدار کی بحالی، وغیرہ کو بھی کارفرما دیکھا جا سکتا ہے اور دوسری طرف متعدد اسلامی ملکوں میں تیل کی دریافت، اُس کے ذریعہ کثیر دولت کا حصول اور آزاد ہو جانے کے بعد اس دولت پر اُن ممالک کے ذاتی تصرف، نے بھی احیائیت اور اساسیت کی ترقی میں نمایاں حصہ لیا ہے۔

ان ممالک کی یہ وافر دولت مختلف ذرائع کے ذریعہ، جس میں مہاجر اور غیر ملکی مزدور بھی شامل ہیں، بہت سے اُن اسلامی ملکوں اور آبادیوں تک بھی پہنچ رہی ہے جہاں کے مسلمان اس معدنی دولت سے بہرہ ور نہیں ہیں۔ نتیجۃً عالم اسلام کے ایک بڑے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

جسے کو موجودہ دور میں بہت تیزی سے ایسی مادّی خوش حالی حاصل ہوئی اور ہو رہی ہے جس کا نو آبادیاتی دور میں یا آزادی کے فوراً بعد اُن کو تصور بھی نہیں تھا۔ معاشی خوشحالی ان اسلامی ملکوں اور کسی حد تک باہر کے مسلمانوں کو، جہاں اپنے اوپر اعتماد اور یقین پیدا کرنے میں مدد دے رہی ہے وہاں اُن کو دنیا کے سامنے اپنی مخصوص اسلامی شخصیت کو نمایاں کرنے اور اپنی تہذیب کو مغربی تہذیب سے برتر ثابت کر دکھانے کا جذبہ بھی دے رہی ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

حوالہ جات اور حواشی

۱۔ دیکھئے قرآن پاک، الشوریٰ:۱۳، البقرۃ:۴۰-۱۳۵، النساء:۶۴-۱۶۳ اور ۱۵۲-۱۵۰۔

۲۔ قرآن پاک، البقرۃ:۹۷، الشعراء:۹۴-۱۹۳، الشوریٰ:۵۲۔

۳۔ ایضاً، البقرۃ:۳۰۔

۴۔ صحیح مسلم (انگریزی ترجمہ) عبدالحمید صدیقی، جلد۴، کتاب الزہد، حدیث نمبر ۷۱۳۴، لاہور، ۱۹۷۶ء صفحہ ۱۵۴۔

۵۔ ایم۔ ایم۔ شریف، اے ہسٹری آف مسلم فلاسفی، ویزباڈن (جرمنی) ۱۹۶۳ء صفحات ۲۶۹-۲۶۸۔

۶۔ دیکھئے اسی کتاب میں عیسائیت سے متعلق باب صفحہ ۲۸۶۔

۷۔ فضل الرحمٰن، اسلام، شکاگو، ۱۹۷۹ء صفحہ ۳۷۔

۸۔ ایضاً صفحہ ۱۳۲۔

۹۔ فضل الرحمٰن، اسلام، شکاگو، ۱۹۷۹ء صفحہ ۱۳۹۔

۱۰۔ فلپ۔ کے۔ ہٹی، اسلام۔ اے وے آف لائف، شکاگو، ۱۹۷۰ء صفحہ ۱۱۶۔

۱۱۔ فلپ۔ کے ہٹی، ہسٹری آف دی عربز، لندن، ۱۹۹۴ء صفحہ ۳۶۹۔

۱۲۔ ایضاً، صفحات ۸۱-۳۸۰۔

۱۳۔ ایضاً، صفحہ ۵۷۶۔

۱۴۔ ایم۔ ایم شریف، حوالہ مذکورہ، جلد دوم، صفحہ ۹۴۰۔

۱۵۔ فرانسس رابنس، اٹلس آف اسلامک ورلڈ: سنس ۱۵۰۰ء فیڈون، آکسفورڈ (انگلینڈ) ۱۹۸۲ء صفحہ ۷۹۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ضمیمہ نمبرا

ہندومت کی مقدس کتابوں سے اقتباس

اِندر کے نام بھجن

ابتدائی ویدک ادب میں اِندر مقبول ترین دیوتاؤں میں سے ہے۔ اِندر ایک سورما دیوتا ہے جس کا براہ راست تعلق ایک طرف تو بادلوں اور بارش سے ہے اور دوسری طرف وہ مقامی ہندوستانی قبائل (داسیوں) سے جنگوں میں آریوں کا مددگار اور ان کی کامیابی کا ضامن بھی ہے۔ بادلوں کی گرج اور بجلی کی کڑک اِندر کا خصوصی مظہر سمجھی گئی ہے۔

"اے اِندر! ماضی میں بزرگوں کو تیری قوت سے فیض حاصل رہا ہے۔ یہ (قوت) زمین پر آگ کی شکل میں ہے۔ دوسری طرف یہی آسمانوں میں سورج کی شکل میں موجود ہے۔ دونوں دو جھنڈوں کی طرح حقیقت میں ایک ہی ہیں۔"

اِندر نے زمین کو، جس پر عفریت ہنگامہ مچائے ہوئے تھے، سنبھالے رکھا۔ اس نے اِس کو قائم کیا اور وسیع کیا۔ اس نے بجلی کی کڑک سے عفریتوں کو ہلاک کیا اور بادلوں کو اُس سے مار کر اُن سے بارش برسائی۔ اس نے سانپ کی شکل کے عفریت اَہی کو شکست دی، روہنا (قحط کے عفریت) کو موت کے گھاٹ اتارا اور ویمسا (خشک سالی کے عفریت) کو لڑائی میں قتل کیا۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اپنی قوت پر مطمئن وہ داسوں (غیر آریہ قوم) کے شہروں کو اپنی کڑک سے مسمار کرتا ہوا گھومتا ہے۔

"اے کڑک دھاری! اے دانائے مطلق! اپنے ہتھیاروں کو داسیوں، ہمارے دشمنوں کی طرف چلا اور آریوں کی قوت اور شوکت کو ترقی دے۔"

دشمنوں کے خلاف استعمال ہونے والی قوت اُس قابلِ تعریف شخص کے لئے ہے جو حمد خواں اور قربانی کرنے والا ہے۔ اُس قوت سے مگھاوان (اِندر) نے زمانے کے معروف ادوار پیدا کیے۔ کڑک دھاری، اپنے مسکن سے باہر آ کر دشمنوں کی تباہی کے لئے وَجرِن (صاحبِ رعد) کا لقب اختیار کرتا ہے۔

"اے قربانی کرنے والے انسانو! ذرا دیکھو اِندر کی قوت کس قدر ترقی پر ہے اور کتنی وسعت اختیار کر گئی ہے۔ اس قوت کی عزت کرو اور اس پر بھروسہ رکھو۔ اس (قوت) کے ذریعہ اِندر نے وہ گائیں اور گھوڑے جو پانیوں (ایک مقامی قوم) نے چُرا لئے تھے واپس لوٹا لیے ہیں اور زمین پر پیڑ پودوں کو ترقی دی ہے۔ ہم اُس کی نذر کے لئے سوم (رس) تیار کرتے ہیں، وہ جو کہ عظیم کارناموں والا، پسندیدہ ترین اور سوم رس کا مستحق ہے۔ وہ، سورما، قربانی نہ کرنے والوں کی دولت لے کر قربانی کرنے والوں میں بانٹ دیتا ہے۔

اے اِندر! تو نے وہ بہادرانہ کارنامے کیے ہیں جو ہر طرف شہرت پا چکے ہیں۔ تو نے اپنی قوت کے ذریعہ مدہوش اہی کو جگایا جو تجھ سے لڑنے کا موقع پا کر بہت خوش تھا۔ اہی کی موت پر اپسراؤں اور دوسری آسمانی ہستیوں نے خوب خوشیاں منائیں۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

جب اِندر نے چاروں عفریتوں، سُشنا، پیرو، کیاوا اور وَرت کا خاتمہ کر لیا تو اس نے سَمبارا کے قلعہ کو زمین کے برابر کر دیا۔ مِتر، وَرن اَدیتی، پرتھوی (زمین) اور دِیاوَ (آسمان) ہماری اِس دعا کو قبول کریں۔"

(رگ وید ا:۱۰۳)

حقیقتِ اعلیٰ آتمن

"ہر وجود کے دل میں پوشیدہ آتمن روحِ اعلیٰ، وجودِ مطلق ہے۔ چھوٹے سے چھوٹے ذرہ سے بھی چھوٹا اور وسیع ترین فضاؤں سے بھی وسیع۔ جو انسان اپنی مرضی اور ارادہ کو ختم کر دیتا ہے وہ غموں سے پیچھا چھڑا لیتا ہے اور خالق کی مہربانی سے آتمن کے جمال کا نظارہ کرتا ہے۔ بغیر ہلے وہ دور تک سفر کر لیتا ہے، سوتے ہوئے وہ ہر جگہ پہنچ جاتا ہے۔ میرے اپنے اندر کے نورِ الٰہی کے علاوہ اور کون اس غم و مسرت کے شہنشاہ سے بہرہ یاب ہو سکتا ہے۔

جب عارف اُس روح کو جو ہر جگہ ظاہری اشیا میں بغیر دکھائی دیئے اور فانی اشیا میں لافانی عنصر کے طور پر موجود ہے پا لیتا ہے تو وہ غموں کے پار ہو جاتا ہے۔"

(کاتھا اُپنشد)

اوتار کی حقیقت اور بے غرض عمل

ارجن کے ایک سوال کے جواب میں جو سِری کرشن کی ظاہری انسانی شکل کو مدِنظر رکھتے ہوئے کیا گیا تھا، سِری کرشن اپنی حقیقت اس طرح واضح کرتے ہیں:

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

''گو میں غیر مخلوق، لافانی اور جانداروں کا پروردگار ہوں پھر بھی اپنی فطرت کو مغلوب کرتے ہوئے خود اپنی مایا کے ذریعہ جامۂ وجود اختیار کرتا ہوں، جب کبھی حق کو زوال اور باطل کو فروغ ہوتا ہے اے بھارت (ارجن)! میں ظاہری شکل میں آجاتا ہوں۔ نیکوں کی حفاظت، بروں کی تباہی اور دھرم (راستی) کے قیام کے لئے میں مختلف زمانوں میں پیدا ہوتا رہا ہوں۔

....

''وہ جو کہ عمل میں بے عملی اور بے عملی میں عمل دیکھتا ہے وہی انسانوں میں حکیم و دانا ہے، وہی یوگی اور وہی ہر چیز کو تکمیل تک پہنچانے والا ہے۔''

''وہ جس کا ہر عمل کسی نتیجہ کی تدبیر اور آرزو سے خالی ہے، جس کے عمل کو معرفت کی آگ نے خاکستر کر دیا ہے، اسی کو اہل بصیرت ہوشمند کہتے ہیں۔''

''عمل کے نتیجہ سے لاتعلق، ہر صورت میں مطمئن، کسی کا بھی سہارا نہ لیتے ہوئے، ایسا شخص عمل میں مشغول ہوتے ہوئے بھی عمل نہیں کر رہا ہے۔''

''کسی چیز کی بھی اُمید نہ رکھتے ہوئے، ذہن کو یکسو اور نفس کو قابو میں کئے ہوئے، ہر طرح کی ملکیت سے ہاتھ اٹھائے ہوئے، یہ شخص صرف جسم کے لحاظ سے عمل کر رہا ہے۔ اس لئے گناہ (عمل کے اثرات) سے ملوث نہیں ہے۔''

''(اپنی ذات کے لئے) جو کچھ بغیر کوشش کے حاصل ہو، اس سے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

مطمئن، ہر طرح کی اضداد (کیفیات وغیرہ) سے آزاد، حسد سے
مبرّا، کامیابی یا ناکامیابی میں متوازن اگرچہ وہ عمل بھی کرتا ہے پھر بھی
(اُس کے نتیجہ میں آواگون کے چکر میں) گرفتار نہیں ہوتا۔"

"ایسا لاتعلق، آزاد اور معرفت میں غرق انسان جس کا ہر عمل لِلّٰہیت کا
ترجمان ہے، اپنے تمام اعمال کو گھلا لیتا ہے۔"

(بھگوت گیتا، باب چہارم، اشلوک ۸۔۱۶ اور ۲۳۔۱۸)

ہندو عقیدہ کے مطابق ہر عمل خواہ نیک ہو یا بد (سوائے بے غرض عمل کے) جنم مرن کے چکر میں گرفتاری کا سبب بنتا ہے جس سے آزادی ہندو روایت میں مقصدِ زندگی ہے۔

پہلا اقتباس ماخوذ بہ پی۔ٹی۔راجو اور دوسرے، گریٹ ایشین ریلیجنس نیویارک، ۱۹۶۹ء

دوسرا اقتباس ماخوذ بہ جان مسکارو، دی اُپنشدس، پنگوئن بکس ۱۹۶۵ء صفحہ ۵۹۔

تیسرا اقتباس ماخوذ بہ دی بھگوت گیتا (مترجم انگریزی) سوامی چد بھاوانند، تر پارائے ترائے (تامل ناڈ) ۱۹۶۹ء، صفحات ۲۷۷۔۲۷۵، ۳۰۰۔۲۸۹

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ضمیمہ نمبر۲

بدھ مت کی مقدس کتابوں سے اقتباس

''نجات'' کی مسرت

پیپل کے پیڑ کے نیچے نِروان (معرفتِ تام اور نجات) حاصل کرنے کے بعد گوتم بدھ کچھ عرصے اس نجات کی مسرت میں غرق رہے۔ اس دوران ناگوں کے بادشاہ مکالِندا نے اُن کی حفاظت اور خدمت کی۔ کچھ عرصہ بعد اُس نے ایک نوجوان کی شکل اختیار کر کے اپنے آپ کو گوتم بدھ کے سامنے پیش کیا جس پر انہوں نے اس طرح اپنے خیالات کو ظاہر کیا:

''اُس شخص کی تنہائی کس قدر پر مسرت ہے جو مکمل خوشی سے بہریاب ہے، جس کو حق کی معرفت حاصل ہو چکی ہے، جو حق کا مشاہدہ کر رہا ہے۔ باعث مسرت ہے بغض و نفرت سے چھٹکارا پالینا اور تمام مخلوقات کے سلسلے میں ضبطِ نفس کا حامل ہونا۔ باعثِ خوشی ہے نفس پَروری سے رہائی حاصل کر لینا، تمام خواہشات کے پار ہو جانا اور اس تکبر کو جو''میں ہوں'' کے تصور سے پیدا ہوتا ہے ایک طرف اٹھا رکھ دینا۔ یہی صحیح معنوں میں اعلیٰ ترین مسرت ہے۔

(بعد میں) اَجیوکا (ننگے فقیروں) میں سے ایک شخص اپاکا نے مہاتما بدھ کو بودھی درخت اور گیا کے بیچ، راستے میں سفر کرتے ہوئے دیکھا اور اُن سے سوال کیا:

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

"دوست! تمہارا چہرہ بہت پُر سکون ہے، تمہارے بشرے سے اخلاص اور نورانیت جھلک رہی ہے۔ کس کے حوالے سے تم نے ترکِ دنیا اختیار کیا ہے؟ کون تمہارا استاد ہے؟ تم نے کس کا مسلک اپنا رکھا ہے۔"

جب اُپاکا، اَجیوکا (فقیر) نے اس طور گفتگو کی تو مہاتما نے اُس کو یوں خطاب کیا:

"میں نے تمام دُشمنوں پر فتح پالی ہے، میں داناترین، ہر صورت میں عیب سے پاک ہوں، میں ہر چیز کو ترک کر چکا ہوں اور خواہشات کو فنا کر کے نجات حاصل کر چکا ہوں۔ خود اپنی کوشش سے مغفرت حاصل کرنے کے بعد اب میں کس کو اپنا استاد کہوں؟ میرا کوئی استاد نہیں ہے، کوئی میرا ہم پلہ یا انسانوں اور دیوتاؤں میں کوئی میرا ہم جنس نہیں ہے۔ اس دنیا میں میں ہی مقدس ترین ہوں، میں ہی عظیم ترین استاد ہوں، اور اکیلا میں ہی عارفِ مطلق (سَمبُدھ) ہوں، میں نے (جذبات وخواہشات کی آگ بُجھا کر) ٹھنڈک پالی ہے اور نِروان حاصل کرلیا ہے۔ حق کی بادشاہت قائم کرنے (اب) میں بنارس کے شہر جارہا ہوں، اس دنیا کی تاریکی میں میں اَبدیت کا نقارہ بجاؤں گا۔"

(مہاواگا، ۱:۶:۴ اور ۱:۷، ۸)

خلائے محض

دنیا کی بے ثباتی واضح کرنے کے لئے گوتم بدھ نے اپنی تعلیمات میں وجود کے عناصرِ ترکیبی کا اکثر تجزیہ کیا ہے۔ بعد میں مہایان فرقہ وجود کے اِس تجزیہ کو اس کے منطقی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

نتائج تک پہنچانے کی کوشش میں ایک ایسی حقیقت تک جا پہنچا جس کو انہوں نے ''خلائے محض'' کا نام دیا ہے، مہایان فرقہ کے اس مکتبِ فکر میں یہ، خلائے محض، حقیقتِ اعلیٰ کے مترادف ہے۔

''انسانی وجود کے پانچ (بنیادی) عناصر ترکیبی ہیں اور اُن کو اُن کی اصل فطرت میں بالکل خالی تصور کرنا چاہیے۔ صورت خلائے محض ہے اور خلائے محض واقعتاً صورت ہے۔ خلائے محض صورت سے مختلف نہیں ہے اور صورت خلائے محض سے۔ صورت کیا ہے محض خلا، خلا کیا ہے محض صورت، اسی طرح شعور، نام، تصور اور علم بھی محض خلا ہیں۔ اس طور اے سَری پُتا! تمام اشیا خلائے محض سے متصف ہیں ان کی کوئی ابتدا نہیں ہے اور نہ کوئی انتہا، یہ بے عیب بھی ہیں اور بے عیب نہیں بھی، یہ غیر کامل نہیں ہیں اور غیر کامل بھی۔ اس لیے اے سَری پُتا! اس خلائے محض میں نہ تو کوئی صورت ہے نہ کوئی شعور، نہ کوئی نام ہے اور نہ کوئی تصور اور نہ ہی کوئی علم ہے۔ یہاں نہ تو کوئی آنکھ ہے نہ کان، نہ ناک ہے نہ زبان، نہ جسم ہے نہ دماغ، نہ کوئی شکل، نہ آواز، نہ بو، نہ مزا اور نہ کوئی شے .... یہاں نہ معرفت ہے اور نہ بڑھاپے اور موت کا فنا ہونا، یہاں (بدھ مت کے) چار عظیم سچ یعنی دُکھ، دُکھ کا سبب، دُکھ کا خاتمہ اور اُس کا طریقہ بھی نہیں ہیں۔ یہاں کوئی معرفت نہیں ہے، اور نہ کوئی نروان حاصل کرنا یا نہ کرنا، اس لئے اے سَری پتا! چونکہ یہاں نروان حاصل کرنے جیسی کوئی چیز نہیں ہے تو ایک شخص جو بُودھی ستواؤں کی بصیرتِ اعلیٰ (پراجنا پرامتا) کا قصد کرتا ہے کچھ عرصہ شعور کے پردوں میں لپٹا

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

رہتا رہتا ہے۔لیکن جب شعور کے پردے چاک ہو جاتے ہیں تو ہر خوف سے آزاد، ہر تبدیلی سے محفوظ اور حقیقی نروان سے لطف اندوز ہوتا ہے۔

ماضی، حال اور مستقبل کے تمام بُدھ بصیرتِ اعلیٰ تک پہنچنے کے بعد اعلیٰ ترین معرفت کو پا چکے ہیں۔اس لئے ہم کو بصیرتِ اعلیٰ کا عظیم کلمہ ضرور جاننا چاہیے، دانائی کا عظیم کلمہ جس سے آگے کوئی نہیں جاسکا، وہ کلمہ جو دُکھ کا خاتمہ کر دیتا ہے۔ یہ حق ہے اس میں کچھ باطل نہیں، بصیرتِ اعلیٰ کا یہ کلمہ: ''اے بصیرت! گئی، گئی، اُس کنارے (نروان تک) چلی گئی، اُس پار اتر گئی، سواہا!............''

(پراجنا پرامتا ہردے سوتر)

دونوں اقتباسات ماخوذ بہ وہٹ فیلڈ فوائے، مَینس رِیلجَس کوَسٹ، لندن، ۱۹۷۸، صفحات ۷۵۔۷۴ ااور ۲۲۴۔۲۲۵

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ضمیمہ نمبر ۳

جین مت کی مقدس کتابوں سے اقتباس

بنیادی حقیقتیں

جین مت کی مقدس کتابیں (ان کے حساب سے موجودہ دَور کے آخری تیرتھنکر مہاویر جین کے تقریباً ایک ہزار سال کے بعد تحریری شکل میں آئیں۔ اس لئے ان کا کافی حصہ (اور دگامبر فرقہ کے نزدیک سب کا سب) ضائع ہو گیا۔ البتہ اُن کی بنیاد پر قدیم عالموں نے جو تصانیف مرتب کیں تھیں وہ دستیاب ہیں اور جین مت میں مقدس کتابوں کا درجہ رکھتی ہیں۔ ان میں پہلی صدی عیسوی کے جین عالم اماسوتی کا تتوارتھ سوتر، جس میں سے ذیل کا اقتباس دیا گیا ہے۔ جین مت کے دونوں فرقوں، سویتامبر اور دگامبر، کے نزدیک معتبر ہے۔

"(بنیادی سات) حقائق یہ ہیں: روح غیر ذی روح، (روح میں غیر ذی روح کی ایک قسم مادہ کا)، داخلہ، (روح کی مادّہ میں) گرفتاری، (مادّہ کی مزید مداخلت کی) روک تھام، (روح میں پہلے سے موجود مادّہ کا) خاتمہ اور موکش (نجات)۔

یوگا (روح اور مادّہ کی ملاوٹ) جسمانی، قولی اور ذہنی عمل کا نام ہے اس کو اسرو (روح میں مادّہ کا داخلہ) بھی کہتے ہیں۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

روح کی گرفتاری کے اسباب غلط قسم کا علم، تجرید (ترکِ اشیا ولذات) کا نہ ہونا، غفلت (حق اور نیک اعمال کی طرف سے) آلودگی (نفسانیت کی) اور ملاوٹ (روح کی کرم کے لطیف مادّہ سے) ہیں۔

خواہشات کے سبب روح کرم (کے لطیف مادّہ) سے مل کر جسمانی صورتیں اختیار کرتی ہے۔ یہی ''گرفتاری'' ہے۔

اعمال کی بارآوری (خوشی اور غم) محسوس کرنے (کے سبب) سے ہے۔ اس (محسوس کرنے) سے (کرم کی) ملاوٹ ہوتی ہے۔

(روح میں مادّہ کے) داخلہ کو روکنا سمورا ہے۔ اس کے حصول کے لئے ان چیزوں کو اختیار کرنا ہوگا: (۱) احتیاطیں، (۲) نیکیاں، (۳) ریاضتیں، (۴) حقائق کی معرفت، (۵) تکالیف کی برداشت اور (۶) اعلیٰ اخلاقی صفات۔

(روح میں موجود مادّہ کا) خاتمہ ریاضتوں کے ذریعہ ہوتا ہے۔ جب غفلت کا پردہ چاک ہو جاتا ہے اور صحیح علم کے راستے کی رکاوٹیں دُور ہو جاتی ہیں تو پھر بے میل خالص کیفیت (کیولیہ) ہے۔

نجات، گرفتاری کے اسباب کے نہ ہونے اور (پچھلے مادّۂ کرم کے) خاتمہ سے اعمال (کے پنجے) سے رہائی کا نام ہے۔''

(تتوارتھ سوتر، ۱:۴، ۲:۶، ۱۔۲:۸، ۱۔۲۱، ۲۳، ۳:۹، ۱۔۱۰:۲، ۱۰۲)

(ماخوذ بہ دی گریٹ ایشین ریلیجنس، حوالہ مذکورہ، صفحات ۶۹۔۶۸)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ضمیمہ نمبر ۴

زرتشتیت کی مقدس کتابوں سے اقتباس

اخلاقی عمل اور اختیار کی آزادی

زرتشتیت (پارسی مذہب) کی مقدس کتاب اوستا مختلف طرح کی تحریرات پر مشتمل ہے۔ ان میں صرف گاتھاؤں کے نام سے موسوم کلام ایسا ہے جس کی نسبت اس مذہب کے پیغمبر زرتشت کی طرف کی جاتی ہے۔ اپنے کلام میں زرتشت اگرچہ باصرار اوہورا مزد کو خدائے واحد اور معبودِ اعلیٰ کے تصور میں پیش کرتے ہیں۔ مگر اس کے ساتھ ساتھ وہ اس کی اہم صفات (امیشا اسپنتا) کو الگ بطور قابل تعظیم ہستیوں کے یاد کرتے ہیں جس سے اُن کا تصورِ توحید خالص اور بے میل نہیں محسوس ہوتا۔ یہ امیشا اسپنتا (نورانی ابدی ہستیاں) وہو منہ (نیک خیال) آشا (راستی، اُلوہی قوانین)، خشترا (سلطانِ الٰہی) آرامیتی (عقیدت یا جذبۂ الٰہی)، ہورویتات (کمال اور بے عیبی) اور امیریتات (بقائے دوام) ہیں۔ دوسری طرف گاتھاؤں میں انسان کے لئے بُرائی اور بھلائی میں انتخاب کی آزادی کے ساتھ اخلاقی ذمہ داری کا تصور بھی بہت پُر زور طریقے پر پیش کیا گیا ہے جیسا کہ ذیل کے اقتباس سے ظاہر ہے۔

''اختیار کی آزادی خدائی نعمتوں میں سب سے بڑھ کر ہے۔ انسان کے (بُرے اور بھلے میں) تمیز کرنے والے عمل کے ذریعہ یہ ''الوہی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

قوانین'' کے واسطے سے اُس کی عمیق ترین آرزوؤں کو پورا کرنے کا سبب بنتی ہے۔ اسی لمحے سے میں اے مزدا! اُس پر عمل شروع کرتا ہوں جو ہمارے لئے بہترین ہے۔

اے زندگی اور حکمت کے مالک! اسی اختیار کی بدولت میں تجھ کو سب سے اوّل ''الوہی قوانین'' اور اے جذبہ الٰہی، تیرے ذریعہ سے برسرِعمل دیکھتا ہوں۔ اپنی سب سے پسندیدہ باوشاہت ''نیک خیال'' کے ذریعہ مجھ پر منکشف کر دے اور حمد وثنا کے لئے اپنی خوشنودی مجھے عطا فرما۔

اب ذرا سُن! وہی تجھ سے مل سکتے ہیں اے اہورا، جو اپنے اعمال ''راستی'' اور نیک خیال کے الفاظ و زبان کے ذریعہ جس کا کہ تو اوّلین رہنما ہے۔ اے مزد تیرے آقا ہونے کا اقرار کرتے ہیں۔

جانوروں کی دُنیا کا بلند مرتبہ محافظ کہاں ہے؟ رحم و مروّت کدھر پائے جاتے ہیں؟ ''راستی اور الوہی قوانین'' کو تلاش کرنے والے کدھر گئے؟ کہاں ہے مقدس عقیدت الٰہی (اور) کہاں ہے نیک خیال تیرا بلند ترین شعور؟ اے مزدا! تیری بادشاہت کہاں ہے؟

ان سب کا میں خواستگار ہوں تا کہ انسان الوہی قوانین کے مطابق دنیا کو ترقی دے سکے۔ محنت کش انسان، جس کا عمل انصاف پر مبنی ہوتا ہے، جو دانائی اور روحانی حکمت سے بھرا ہوا لیکن خاکسار ہوتا ہے، جو بلند کردار پیغمبر کا وفادار ہے، وہی ہستی یعنی اپنی معرفت وحکمت کے سبب دنیا کا مبارک بادشاہ ہو جائے گا۔

اہورا مزد کی قدرت سے اُس پر ایمان لانے والے کو اچھے سے بھی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بہتر خیر نصیب ہوتا ہے، لیکن اُس کے لئے جو کہ ایمان نہیں لاتا زندگی
کی آخری سانسوں میں بد سے بدتر بدلہ ہے۔"

(یاسنا،۵۱:۶۔۱)

خیر اور شر

زرتشت کے بعد اس کا تبلیغ کردہ مذہب مختلف رجحانات کے زیر اثر رہا۔ ساسانی دورِ حکومت میں تقریباً چوتھی صدی عیسوی تک جو مکتب فکر غالب آ گیا تھا اور جس نے ایران کے سرکاری مذہب کی حیثیت اختیار کر لی تھی وہ زرتشتیت کی ایک ثنوی تشریح تھی۔

اس کے بعد سے یہی راسخ العقیدہ زرتشتیت قرار پائی جو دورِ جدید تک اس مذہب کے ماننے والے پارسیوں کا عقیدہ رہی ہے۔ اس تشریح کے مطابق کائنات کی بنیادی حقیقتیں دو ہیں۔ ایک خیر اور ایک شر۔ کائنات کی حکومت ان دونوں میں تقسیم ہے اور دونوں ایک ازلی لڑائی میں مصروف ہیں۔ انسان کا فرض ہے کہ وہ خدائے خیر کے ساتھ تعاون کرے جس کو بالآخر (قیامت کے قریب) فتح ہونی ہے اور خدائے شر اور اس کی مخلوقات کا مقابلہ کرے جن کو بالآخر مارا جانا ہے۔

ذیل کا اقتباس اسی دینیات کی ترجمان ایک تصنیف سے ہے جو ایران پر اسلامی قبضہ کے بعد کی تحریر ہے مگر اپنے خیالات کے اعتبار سے ساسانی عہد کی زرتشتیت کی پیروکار ہے اور زرتشتی ثنویت کو عقلی بنیادوں پر ثابت کرنے کے لئے کوشاں ہے:

"اس چیز کا ایک اور ثبوت (خیر کے) مقابلے میں ایک مخالف اصول موجود ہے یہ ہے کہ بھلائی اور برائی دنیا میں ہر جگہ دیکھی جا سکتی ہے۔ خاص طور پر اس صورت میں کہ بھلا اور برا عمل صاف الگ الگ پہچانا جا سکتا ہے، یا جیسے کہ روشنی اور تاریکی، صحیح علم اور غلط علم،

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

خوشبو اور بدبو، زندگی اور موت، بیماری اور صحت، ناانصافی اور انصاف، غلامی اور آزادی، اور دوسرے وہ تمام اضداد جو بلا شک و شبہ موجود ہیں اور ہر زمانے، ہر ملک اور ہر علاقہ میں ظاہر ہیں۔ کیونکہ ایسا کوئی ملک یا علاقہ نہیں پایا جاتا، نہ پایا گیا ہے اور نہ کبھی پایا جائے گا جہاں خیر اور شر کا نام اور ان سے جو مراد ہے وہ نہ موجود رہا ہو یا نہ موجود ہو۔ نہ ہی کوئی ایسا دور یا جگہ بتائی جا سکتی ہے جہاں بھلائی اور برائی بنیادی طور پر اپنی فطرت بدل دیتی ہو.......... لیکن خیر اور شر، روشنی اور تاریکی اور دوسرے بنیادی اضداد کا اختلاف محض فعلی نہیں ہے بلکہ ان کی فطرت سے متعلق ہے۔

یہ چیز اس حقیقت سے ظاہر ہے کہ اُن کی فطرتیں آپس میں مل نہیں سکتیں اور ایک دوسرے کے لئے فنا کا حکم رکھتی ہیں۔ جہاں خیر ہوگا وہاں شر نہیں ہو سکتا۔ جہاں روشنی لائی جائے گی وہاں سے تاریکی دور ہو جائے گی۔ یہی حال دوسرے اضداد کا ہے، کہ یہ چیز کہ وہ باہم اکٹھا نہیں ہو سکتے اور ایک دوسرے کو ختم کر دیتے ہیں اُن کے بنیادی فطری اختلاف کے سبب سے ہے یہ فطری اختلاف اور ایک دوسرے کے لئے فنا کا حکم مادی دنیا کی اشیا میں بخوبی دیکھا جا سکتا ہے۔"

(شکند گمانِ وزار، باب ہشتم، ۱، ۱۵، ۱۹۔)

پہلا اقتباس ماخوذ بہ دستور فرماروز بود اور پیلو ناناؤتی، سونگر، آف زرتشترا، لندن ۱۹۵۲ء صفحات ۱۰۰۔۹۹۔

دوسرا اقتباس ماخوذ بہ آر۔ سی۔ زیہنر، دی ٹیچنگز آف دی ماگی، نیویارک، ۱۹۷۶ء، صفحات ۶۰۔۵۹

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ضمیمہ نمبر ۵

سکھ مت کی مقدس کتاب سے اقتباس

معرفتِ الٰہی

سِکھ مت کی مقدس کتاب گرو گرنتھ صاحب یا آدی گرنتھ میں علاوہ سکھوں کے پہلے گرو، گرونانک صاحب کے کلام کے، بعد کے مختلف گروؤں اور اُس دَور کے دوسرے صوفیوں اور سنتوں کا کلام شامل ہے۔ ذیل میں ہم عشق حقیقی کے جذبہ سے سرشار گرونانک صاحب کے کلام سے ایک اقتباس دے رہے ہیں۔ اس کے بعد سنتوں میں بھگت کبیر کے کلام سے اقتباس نقل کریں گے۔ یہاں یہ بات ملحوظِ خاطر رہے کہ سکھ مت میں نام سے مراد عشقِ حقیقی بھی ہوتا ہے۔

"دمَن ہُو نہ نام وِساری ارے نِس دِھیایئے۔

خدا کے نام سے کبھی غافل نہ ہوتے ہوئے ہمیشہ اُس پر غور و فکر کرتے رہیے۔

جت را کھ ہی رکر پادھاری تو ے سُکھ پایئے۔

اپنی مہربانی سے تُو جس طرح مجھے رکھتا ہے اے خدا! اُسی میں مجھے آرام ہے۔

میں اَندْ ھلے ہری نام لکٹی ٹہوڑی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

مجھ اندھے کے لئے خدا کا نام ہی لکڑی اور عصا ہے۔

رہوں صاحب کی ٹیک نہ مو ہے موہنڑی۔ (رہاؤ)۔

میں خدا کی پناہ میں رہتا ہوں اس لئے مجھے مایا اپنے جال میں نہیں پھنسا سکتی۔

(وقفہ) جیہہ دیکھوں تیہہ نال گُر دیکھالیا۔

جدھر بھی میں دیکھوں اُدھر ہی گروجی نے مالک کو میرے ساتھ ہی دِکھا دیا ہے۔

انتر باہر بھال سبد نہالیا۔

اندر اور باہر سب میں تلاش کر کے بالآخر میں نے خدا کو گرو کی تعلیمات میں پالیا۔

سیوی سَت گر بھائی نام نرنجنا۔

عقیدت و محبت کے ساتھ میں خدا کی اطاعت میں مشغول ہوں جس نے اپنا پاک نام مجھے عطا کیا ہے۔

تُدھ بھاوے توے رضائی بھرم بھو بھنجنا۔

اے شک اور خوف کو فنا کرنے والے جو تو چاہتا ہے وہی حکم جاری کرتا ہے۔

جنمت ہی دُکھ لاگے مرڑاں آئی کے۔

انسان کے پیدا ہوتے ہی موت کی بیماری اُس کو آ کے لگ جاتی ہے۔

جنم مرنڑ پروانڑ ہری گنڑ گائی کے۔

خدا کی حمد و ثنا گاتے ہوئے پیدائش اور موت دونوں مقبول ہو جاتے ہیں۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہوں نا ہی تو ہو دہی تذھ ہی ساجیا۔
جہاں میں نہیں ہے وہاں تو ہی ہے، تو نے ہی یہ عالم تخلیق کیا ہے۔
آپے تھاپی اُتھاپی سَبدی لوائیا۔
تُو خود ہی پیدا کرتا ہے خود ہی مارتا ہے اور بہتوں کو اپنے نام سے نوازتا ہے۔

(گرو گرنتھ صاحب، راگ سوہی محلّا ا، صفحہ ۷۵۲)

دُنیاوی معیاروں سے آزادی

"جب ہم ایکو ایک کر جانیا،
اگر ہم نے ایک خدا کو حقیقی معنوں میں خدائے واحد جان لیا ہے، تب
لوگے کا ہے دُکھ مانیا۔
تو اس میں لوگوں کے لئے دُکھ کی کیا بات ہے۔
ہم اپہتے اپنی پت کھوئی،
ہم بے عزت ہیں، اپنی عزت ہم گنوا چکے ہیں،
ہمرے کھوج پرومت کوئی۔ (رہاؤ)
ہماری کھوج میں کوئی کیوں پڑتا ہے۔ (وقفہ)
ہم مَندے، مندے من ماہی،
ہم خراب ہیں، ہمارا دماغ بھی خراب ہے،
ساجھ پات کا ہو سونا ہیں۔
(لیکن) ہم اپنے بھلے بُرے میں کسی کو شریک نہیں کرتے۔
پت اپت تا کی نہیں لاج،

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

(دُنیاوی) عزت یا بے عزتی کی مجھے کچھ پرواہ نہیں ہے،

تب جانو جب اُگرے گو پاج۔

اُس وقت سب راز کھل جائے گا جب (خدا کے سامنے) پیش ہوں گے۔

کہو کبیر پت ہری پر دان،

کبیر کہہ دے کہ عزت وہی ہے جو خدا کے نزدیک مقبول ہو،

سَرب تیاگ بھج کیوں رام۔

سب سے دل ہٹا کر خدا کی یاد میں مشغول ہو جا۔

(گرو گرنتھ صاحب، راگ گوری کبیر جی، صفحہ ۳۲۴)

پہلا اقتباس ماخود بہ ہمس آف گرو نانک، لینگویج ڈپارٹمنٹ، پنجاب، پٹیالہ، ۱۹۷۲ء صفحات ۸۳۔۴۸۲۔

دوسرا اقتباس براہ راست گرو گرنتھ صاحب سے ماخوذ ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ضمیمہ نمبر ٦

یہودیت کی مقدس کتابوں سے اقتباس

خدائی وعدہ

''پھر خدا نے موسیٰ سے کہا:

''میں خداوند ہوں اور میں ابراہام اور اضحاق اور یعقوب کو خدائے قادرِ مطلق کے طور پر دکھائی دیا لیکن اپنے یہوداہ نام سے اُن پر ظاہر نہ ہوا۔ اور میں نے اُن کے ساتھ اپنا عہد بھی باندھا ہے کہ ملکِ کنعان جو اُن کی مسافرت کا مُلک تھا اور جس میں وہ پردیسی تھے اُن کو دوں گا، اور میں نے بنی اسرائیل کے کراہنے کو بھی سُن کر جن کو مصریوں نے غلامی میں رکھ چھوڑا ہے اپنے اُس عہد کو یاد کیا ہے۔ سو تو بنی اسرائیل سے کہہ کہ میں خداوند ہوں اور میں تم کو مصریوں کے بوجھوں کے نیچے سے نکال لوں گا، اور میں تم کو اُن کی غلامی سے آزاد کروں گا اور میں اپنا ہاتھ بڑھا کر اور اُن کو بڑی بڑی سزائیں دے کر تم کو رہائی دوں گا اور میں تم کو (اپنا) لوں گا کہ میری قوم بن جاؤ اور میں تمہارا خدا ہوں گا اور تم جان لو گے کہ میں خداوند تمہارا ہوں جو تم کو مصریوں کے بوجھوں کے نیچے سے نکالتا ہوں۔ اور جس ملک کو

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ابرہام اور اضحاق اور یعقوب کو دینے کی قسم میں نے کھائی تھی اُس میں تم کو پہنچا کر اُسے تمہاری میراث کر دوں گا، خداوند میں ہوں۔"

(دی ہولی بائبل، کتاب خروج، باب ۶، آیات ۸-۲)

غضبِ الٰہی

"افرائیم (بنی اسرائیل کی ایک شاخ) کے کلام میں ہیبت تھی وہ اسرائیل کے درمیان سرفراز کیا گیا۔ لیکن بعل (کی پرستش) کے سبب سے گنہگار ہو کر فنا ہو گیا، اور اب وہ گناہ پر گناہ کرتے ہیں (،) اُنہوں نے اپنے لئے چاندی کی ڈھالی ہوئی مورتیں بنائیں اور اپنی فہمید کے مطابق بُت تیار کئے جو سب کے سب کاری گروں کا کام ہیں۔ وہ ان کی بابت کہتے ہیں (اُن سے) جو لوگ قربانی گزرانتے ہیں (کہ) بچھڑوں کو چومیں۔ اس لئے وہ صبح کے بادل اور شبنم کی مانند جلد جاتے رہیں گے اور (اس عارضی ہونے میں وہ) بھوسی کی مانند (ہوں گے) جس کو بگولا کھلیان پر سے اُڑا لے جاتا ہے اور اُس دُھوئیں کی مانند جو دودکش (چمنی) سے نکلتا ہے۔ لیکن میں ملکِ مصر ہی (کے وقت) سے خداوند تیرا خدا ہوں، اور میرے سوا تو کسی معبود کو نہیں جانتا تھا کیونکہ میرے سوا کوئی اور نجات دینے والا نہیں ہے۔ میں نے بیابان میں یعنی خشک زمین میں تیری خبر گیری کی۔ (پھر) وہ اپنی چراگاہوں میں سیر ہوئے اور سیر ہو کر اُن کے دل میں گھمنڈ سمایا اور مجھے بھول گئے۔ اس لئے میں ان کے لئے شیر ببر کی مانند ہوا۔ چیتے کی مانند راہ میں اُن کی گھات میں بیٹھوں گا۔ میں اُس ریچھنی کی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

مانند جس کے بچے چھن گئے ہوں اُن سے دوچار رہوں گا اور اُن کے
دل کا پردہ چاک کر کے شیر ببر کی طرح اُن کو وہیں نگل جاؤں گا۔
دشتی درندے اُن کو پھاڑ ڈالیں گے۔ اے اسرائیل یہی تیری ہلاکت
ہے کہ تو میرا، یعنی اپنے مددگار کا، مخالف بنا۔"

(کتاب ہوسیع، باب ۱۳، آیات ۹۔۱)

نیک بندے کی دُعا

"اے خدا میرا انصاف کر کیونکہ میں راستی سے چلتا رہا ہوں۔ اور میں
نے خداوند پر بے لغزش توکل کیا ہے۔
اے خداوند مجھے جانچ اور آزما۔
میرے دل ودماغ کو پرکھ۔
کیونکہ تیری شفقت میری آنکھوں کے سامنے ہے۔
اور میں تیری سچائی کی راہ پر چلتا رہا ہوں۔
میں بیہودہ لوگوں کے ساتھ نہیں بیٹھا۔
میں ریاکاروں کے ساتھ کہیں نہیں جاؤں گا۔
بدکرداروں کی جماعت سے مجھے نفرت ہے۔
میں شریروں کے ساتھ نہیں بیٹھوں گا۔
میں بے گناہی میں اپنے ہاتھ دھوؤں گا۔
اور اے خداوند! میں تیرے مذبح کا طواف کروں گا۔
تا کہ شکرگزاری کی آواز بلند کروں۔
اور تیرے سب عجیب کاموں کو بیان کروں۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اے خداوند! میں تیری سکونت گاہ
اور تیرے جلال کے خیموں کو عزیز رکھتا ہوں۔
میری جان کو گنہگاروں کے ساتھ
اور میری زندگی کو خونی آدمیوں کے ساتھ نہ ملا۔

(زبور، پہلی کتاب، داؤد کا مزمور ۲۶)

تمام اقتباسات ماخوذ بہ دی ہولی بائبل (اردو ترجمہ) بائبل سوسائٹی ہند، بنگلور، ۱۹۸۰ء صفحات ۵۸، ۵۵، ۸۵۴-۸۵۵ اور ۵۴۱

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ضمیمہ نمبر ۷

عیسائیت کی مقدس تحریروں سے اقتباس

اصلاحِ نفس اور اعتماد باللہ

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنی مختصر نبوت کے دوران مختلف موقعوں پر عوام اور اپنے حوارین کے سامنے اپنی تعلیمات وعظ کی شکل میں پیش کیں۔ ایسے بیانات میں، پہاڑی کا وعظ، ایک بنیادی اہمیت کا حامل ہے جس میں حضرت عیسیٰ کی اخلاقی تعلیمات بہت انقلابی انداز میں بیان ہوئی ہیں۔ اُسی میں سے ذیل کا اقتباس ہے۔

> ”عیب جوئی نہ کرو کہ تمہاری بھی عیب جوئی نہ کی جائے۔ کیونکہ جس طرح تم عیب جوئی کرتے ہو اُسی طرح تمہاری بھی عیب جوئی کی جائے گی اور جس پیمانے سے تم ناپتے ہو اُسی سے تمہارے واسطے ناپا جائے گا۔ تو کیوں اپنے بھائی کی آنکھ کے تنکے کو دیکھتا ہے اور اپنی آنکھ کے شہتیر پر غور نہیں کرتا۔ اور جب تیری ہی آنکھ میں شہتیر ہے تو تو اپنے بھائی سے کیونکر کہہ سکتا ہے کہ لا تیری آنکھ میں سے تنکا نکال دوں؟، اے رِیاکار پہلے اپنی آنکھ میں سے تو شہتیر نکال پھر اپنے بھائی کی آنکھ میں سے تنکے کو اچھی طرح دیکھ کر نکال سکے گا۔ پاک چیز کتوں کو نہ دو اور اپنے موتی سوروں کے آگے نہ ڈالو، ایسا نہ ہو کہ وہ

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

ان کو پاؤں تلے روندیں اور پلٹ کر تم کو پھاڑیں۔ مانگو تو تم کو دیا جائے گا۔ ڈھونڈو تو پاؤ گے۔ دروازہ کھٹکھٹاؤ تو تمہارے واسطے کھولا جائے گا۔ کیونکہ جو کوئی مانگتا ہے اُسے ملتا ہے اور ڈھونڈتا ہے وہ پاتا ہے اور جو کھٹکھٹاتا ہے اُس کے واسطے کھولا جائے گا، تم میں ایسا کون سا آدمی ہے کہ اگر اُس کا بیٹا اُس سے روٹی مانگے تو وہ اُسے پتھر دے؟ یا اگر مچھلی مانگے تو اُسے سانپ دے؟ پس جب کہ تم بُرے ہو کر اپنے بچوں کو اچھی چیزیں دینا جانتے ہو تو تمہارا باپ جو آسمان پر ہے اپنے مانگنے والوں کو اچھی چیزیں کیوں نہ دے گا؟ پس جو کچھ تم چاہتے ہو کہ لوگ تمہارے ساتھ کریں وہی تم بھی اُن کے ساتھ کرو کیونکہ توریت اور نبیوں کی تعلیم یہی ہے۔''

(متی کی انجیل، باب ۷، آیات ۱۲-۱)

مسیحیت

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے آسمان پر اٹھا لئے جانے کے کچھ عرصہ بعد جب اُن کے حواریّین پر ''روح القدس'' نازل ہوا اور وہ روحانی قوت سے بھر گئے تب عیسائی عقیدہ کے مطابق اُن پر صحیح معنوں میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی حقیقت کا انکشاف ہوا اور انہوں نے اُن کو خداوند اور مسیح کی حیثیت سے پورے یقین کے ساتھ جان لیا۔ اس موقعہ پر حواریّین کے سربراہ پطرس کھڑے ہوئے اور یہودیوں کے سامنے تقریر کرتے ہوئے کہا:

''اے اسرائیلیو! یہ باتیں سنو کہ یسوع ناصری ایک شخص تھا جس کا خدا کی طرف سے ہونا تم پر اُن معجزوں اور عجیب کاموں اور نشانوں سے ثابت ہوا جو خدا نے اُس کی معرفت تم میں دکھائے۔ چنانچہ تم آپ

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

ہی جانتے ہو۔ جب وہ خدا کے مقررہ انتظام اور علم سابق کے موافق پکڑوایا گیا تو تم نے بے شرع لوگوں کے ہاتھ سے اُسے مصلوب کروا کر مار ڈالا۔ لیکن خدا نے موت کے بند کھول کر اُسے جلایا کیونکہ ممکن نہ تھا کہ وہ اُس کے قبضہ میں رہتا۔ کیونکہ داؤد اُس کے حق میں کہتا ہے کہ............پس (داؤد نے) نبی ہو کر اور یہ جان کر خدا نے مجھ سے قسم کھائی ہے کہ تیری نسل سے ایک شخص کو تیرے تخت پر بٹھاؤں گا۔ اُس نے پیشین گوئی کے طور پر مسیح کے جی اٹھنے کا ذکر کیا کہ نہ وہ عالم ارواح میں چھوڑا گیا نہ اُس کے جسم کے سڑنے کی نوبت پہنچی۔ اسی یسوع کو خدا نے جلایا جس کے ہم سب گواہ ہیں۔ پس خدا کے داہنے ہاتھ سے سربلند ہو کر اور باپ سے وہ روح القدس حاصل کر کے جس کا وعدہ کیا گیا تھا اُس نے یہ نازل کیا جو تم دیکھتے اور سنتے ہو، پس اسرائیل کا سارا گھرانا یقین جان لے کہ خدا نے اُسی یسوع کو جسے تم نے مصلوب کیا خداوند بھی کیا اور مسیح بھی۔"

(رسولوں کے اعمال، باب ۲، آیات ۲۵۔۲۲، ۲۷۔۳۲، ۳۰۔۳۶)

کفارہ اور نجات

پولس جو حواریّین کے اصحاب میں سے تھا مگر اپنے مرتبہ کے باعث اُنہیں میں سے شمار ہوتا ہے اپنے علم و فضل اور روحانی مقام کی بنا پر عیسائی عقیدہ کا اوّلین مرتب ٹھہرا۔ اپنے خطوط میں جو اُس نے اپنے ہاتھ پر ایمان لانے والے عیسائیوں کو لکھے ہیں اُس نے عقائد کے بہت سے مسائل پر روشنی ڈالی مثلاً:

"کیونکہ جب ہم کمزور ہی تھے تو عین وقت پر مسیح بے دینوں کی خاطر

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

مؤا کسی راستباز کی خاطر بھی مشکل سے کوئی اپنی جان دے گا مگر شاید کسی نیک آدمی کے لئے کوئی اپنی جان تک دے دینے کی جرأت کرے۔ لیکن خدا اپنی محبت کی خوبی ہم پر یوں ظاہر کرتا ہے کہ جب ہم گنہگار ہی تھے تو مسیح ہماری خاطر مؤا۔ پس جب ہم اُس کے خون کے باعث اب راستباز ٹھہرے تو اُس کے وسیلہ سے غضب الٰہی سے ضرور ہی بچیں گے۔ کیونکہ جب باوجود دشمن ہونے کے خدا سے اُس کے بیٹے کی موت کے وسیلہ سے ہمارا میل ہو گیا تو میل ہونے کے بعد تو ہم اُس کی زندگی کے سبب سے ضرور ہی بچیں گے۔ اور صرف یہی نہیں بلکہ اپنے خداوند یسوع مسیح کے طفیل سے جس کے وسیلہ سے اب ہمارا خدا کے ساتھ میل ہو گیا، خدا پر فخر بھی کرتے ہیں۔"

(رومیوں کے نام پولس رسول کا خط، باب ۵، آیات ۱۱-۶)

تمام اقتباسات ماخوذ بہ دی ہولی بائبل (اردو ترجمہ) بائبل سوسائٹی ہند، بنگلور، ۱۹۸۰ء صفحات ۱۰، ۱۰۹، ۱۴۴

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ضمیمہ نمبر ۸

اسلام کی مقدس کتاب سے اقتباس

کائنات میں خدا تعالیٰ کی نشانیاں

اسلام کی مقدس کتاب قرآن پاک مسلمانوں کے نزدیک خدا تعالیٰ کا کلام ہے۔ جو حضور پاک حضرت محمد ﷺ پر تھوڑا تھوڑا کر کے تئیس سال کے عرصہ میں بذریعہ وحی نازل ہوا۔ اس میں مختلف موضوعات بیان ہوئے ہیں لیکن براہِ راست اور بالواسطہ خدا کی ذات وصفات کا بیان اس کا غالب ترین اور اہم ترین موضوع ہے۔ چونکہ قرآن پاک یہ سمجھتا ہے کہ خدا کی ذات وصفات کا احساس انسان کے دل میں ازلی طور پر موجود ہے اس لئے وہ کائنات اور خود انسان کے اندر خدا کی نشانیوں کا ذکر کر کے اُس احساس کو جگانے کی کوشش کرتا ہے۔ ایسی آیتیں قرآن پاک میں متفرق طور پر بکثرت موجود ہیں۔ ذیل کا اقتباس ایسی چند مسلسل آیتوں پر مشتمل ہے:

"إِنَّ اللّٰهَ فَالِقُ الْحَبِّ وَ النَّوٰى يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَ
مُخْرِجُ الْمَيِّتِ مِنَ الْحَيِّ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ فَأَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ ○
فَالِقُ الْإِصْبَاحِ وَ جَعَلَ الَّيْلَ سَكَنًا وَّ الشَّمْسَ وَ الْقَمَرَ
حُسْبَانًا ذٰلِكَ تَقْدِيْرُ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ ○ وَ هُوَ الَّذِىْ جَعَلَ
لَكُمُ النُّجُوْمَ لِتَهْتَدُوْا بِهَا فِىْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَ الْبَحْرِ قَدْ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

فَصَّلْنَا الْاٰیٰتِ لِقَوْمٍ یَّعْلَمُوْنَ ○ وَ هُوَ الَّذِیْۤ اَنْشَاَكُمْ مِّنْ
نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ فَمُسْتَقَرٌّ وَّ مُسْتَوْدَعٌ ؕ قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰیٰتِ لِقَوْمٍ
یَّفْقَهُوْنَ ○ وَ هُوَ الَّذِیْۤ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً ۚ فَاَخْرَجْنَا بِهٖ
نَبَاتَ كُلِّ شَیْءٍ فَاَخْرَجْنَا مِنْهُ خَضِرًا نُّخْرِجُ مِنْهُ حَبًّا
مُّتَرَاكِبًا ۚ وَ مِنَ النَّخْلِ مِنْ طَلْعِهَا قِنْوَانٌ دَانِیَةٌ وَّ جَنّٰتٍ مِّنْ
اَعْنَابٍ وَّ الزَّیْتُوْنَ وَ الرُّمَّانَ مُشْتَبِهًا وَّ غَیْرَ مُتَشَابِهٍ ؕ اُنْظُرُوْۤا
اِلٰی ثَمَرِهٖۤ اِذَاۤ اَثْمَرَ وَ یَنْعِهٖ ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكُمْ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ
یُّؤْمِنُوْنَ ○

ترجمہ: ”بے شک اللہ ہی دانہ اور گٹھلی کو پھوڑ کر نکالنے والا ہے، وہی ہے جو مردہ سے زندہ اور زندہ سے مردہ کو نکالتا ہے (پیدا کرتا) ہے۔ یہ اللہ ہی ہے پھر تم کدھر بہکے جاتے ہو، وہی صبح کی روشنی کو برآمد کرنے والا ہے، اُسی نے رات آرام کے لئے سورج اور چاند کو ایک حساب سے بنایا ہے۔ یہ اُسی واقف کار قوت والے کا حساب ہے۔ اُسی نے تمہیں راستہ دیکھنے کے لئے ستارے بنا دیئے۔ جنگل اور سمندر کی تاریکی میں یہ باتیں ہم نے کھول کھول کر اُن لوگوں کے لئے بیان کر دی ہیں جو جاننے والے ہیں، اور وہی ہے جس نے تم کو ایک جان (حضرت آدم) سے پیدا کیا ہے پھر ایک تمہارے ٹھہرنے اور ایک سپرد کئے جانے کی جگہ ہے۔ ہم نے اپنی نشانیاں غور کرنے والوں کے لئے کھول کر بتا دی ہیں۔ اور وہی ہے جو آسمان سے پانی برساتا ہے، پھر اُس سے ہر اُگنے والی چیز نکالی ہم نے پس نکالی ہم نے اُسی سے سرسبز کھیتی جس میں سے تلے اوپر دانے نکالتے ہیں ہم اور کھجور

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

کے جھکے ہوئے خوشے اور باغ انگور اور زیتون اور انار کے، جن میں
کچھ آپس میں ملتے جلتے ہیں کچھ الگ الگ ہیں۔ ان درختوں کے
پھل لانے اور پھلوں کے پکنے کو دیکھو۔ ان چیزوں میں نشانیاں ہیں
اُن لوگوں کے لئے جو ایمان رکھتے ہیں۔"

(سورۃ الانعام رکوع ۱۲، آیات ۹۹۔۹۵)

اچھے اخلاق

قرآن پاک کا ایک مقصد انسان کو اچھے اخلاق کی تعلیم دے کر اُس کی انفرادی اور اجتماعی زندگی کو انسانیت کے بلند معیار پر پہنچانا بھی تھا۔ چنانچہ جگہ جگہ انسانی کمزوریوں کا تذکرہ کرتے ہوئے مسلمانوں کو اخلاقِ حسنہ کی تعلیم دی گئی ہے مثلاً:

"يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا يَسْخَرْ قَوْمٌ مِّنْ قَوْمٍ عَسٰٓى اَنْ يَّكُوْنُوْا
خَيْرًا مِّنْهُمْ وَلَا نِسَآءٌ مِّنْ نِّسَآءٍ عَسٰٓى اَنْ يَّكُنَّ خَيْرًا مِّنْهُنَّ
وَلَا تَلْمِزُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَلَا تَنَابَزُوْا بِالْاَلْقَابِ بِئْسَ الِاسْمُ
الْفُسُوْقُ بَعْدَ الْاِيْمَانِ وَمَنْ لَّمْ يَتُبْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ
الظّٰلِمُوْنَ ○ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اجْتَنِبُوْا كَثِيْرًا مِّنَ الظَّنِّ اِنَّ
بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ وَّلَا تَجَسَّسُوا وَلَا يَغْتَبْ بَّعْضُكُمْ بَعْضًا
اَيُحِبُّ اَحَدُكُمْ اَنْ يَّاْكُلَ لَحْمَ اَخِيْهِ مَيْتًا فَكَرِهْتُمُوْهُ
وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ تَوَّابٌ رَّحِيْمٌ ○ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا
خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰى وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآئِلَ
لِتَعَارَفُوْا اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ
خَبِيْرٌ ○"

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ترجمہ: ''اے ایمان والو! تم میں سے کوئی کسی کا مذاق نہ اُڑائے شاید کہ وہ (جس کا مذاق اُڑایا جا رہا ہے) اُن سے بہتر ہوں اور نہ عورتیں آپس میں ایسا کریں شاید کہ اُن میں بھی وہ (جس کا مذاق اُڑایا جا رہا ہے) بہتر ہوں، اُن سے اور ایک دوسرے کو عیب نہ لگاؤ اور نہ چڑھاؤ نام رکھ رکھ کے۔ ایمان کے بعد بھی گنہگاری کے نام کتنے بڑے ہیں، اور (اب بھی) جو توبہ نہ کریں تو وہی ظالم ہیں۔ اے ایمان والو! بدگمانی سے بہت بچو، بے شک بعض بدگمانیاں (سخت) گناہ میں داخل ہیں، اور کسی کی کھوج میں نہ رہو اور آپس میں ایک دوسرے کی غیبت نہ کرو۔ بھلا تم میں سے کوئی اپنے بھائی کا گوشت کھانا پسند کرے گا۔ تو اُس سے تمہیں کتنی گھن آتی ہے (جبکہ غیبت بھی ایسے ہی ہے) اور اللہ سے ڈرتے رہو، بے شک اللہ معاف کرنے والا ہے مہربان اے لوگو! ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا ہے (سب ایک ہی ماں باپ کی اولاد ہیں) اور تم کو الگ الگ قوموں اور قبائل میں (صرف) پہچان کے لئے بانٹ دیا ہے۔ بے شک تم میں زیادہ محترم وہی ہے جو زیادہ خدا کے ہاں ڈرنے والا ہے۔ بے شک خدا ہر چیز سے باخبر جاننے والا ہے۔''

(سورۃ الحجرات: رکوع ۲، آیات ۱۳-۱۱)

یوم حساب

قرآن پاک کے بنیادی تصورات میں سے قیامت اور آخرت کا تصور بھی ہے۔ یہ تصور اسلام کی پیش کردہ اخلاقی زندگی کے لئے مضبوط بنیاد بھی فراہم کرتا ہے اور اِس آب و گِل کے قید خانے سے باہر انسان کے لئے ہمیشہ ہمیشہ کی ایک زندگی کا دروازہ بھی کھول دیتا

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہے۔اگرچہ پورے قرآن میں بکثرت آخرت اور اُس سے پہلے قیامت کا تذکرہ موجود ہے مگر ابتدائی مکی سورتوں میں خصوصیت سے بہت زور دے کر ان تصورات کو بیان کیا گیا ہے جو کہ زیادہ تر قرآن پاک کے آخری حصہ میں موجود ہیں۔ذیل کا اقتباس ایسی ہی ایک سورت کا ہے:

"إِذَا السَّمَاءُ انْفَطَرَتْ ○ وَإِذَا الْكَوَاكِبُ انْتَثَرَتْ ○ وَإِذَا الْبِحَارُ فُجِّرَتْ ○ وَإِذَا الْقُبُورُ بُعْثِرَتْ ○ عَلِمَتْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ وَأَخَّرَتْ ○ يَا أَيُّهَا الْإِنْسَانُ مَا غَرَّكَ بِرَبِّكَ الْكَرِيمِ ○ الَّذِي خَلَقَكَ فَسَوَّاكَ فَعَدَلَكَ ○ فِي أَيِّ صُورَةٍ مَّا شَاءَ رَكَّبَكَ ○ كَلَّا بَلْ تُكَذِّبُونَ بِالدِّينِ ○ وَإِنَّ عَلَيْكُمْ لَحَافِظِينَ ○ كِرَامًا كَاتِبِينَ ○ يَعْلَمُونَ مَا تَفْعَلُونَ ○ إِنَّ الْأَبْرَارَ لَفِي نَعِيمٍ ○ وَإِنَّ الْفُجَّارَ لَفِي جَحِيمٍ ○ يَصْلَوْنَهَا يَوْمَ الدِّينِ ○ وَمَا هُمْ عَنْهَا بِغَائِبِينَ ○ وَمَا أَدْرَاكَ مَا يَوْمُ الدِّينِ ○ ثُمَّ مَا أَدْرَاكَ مَا يَوْمُ الدِّينِ ○ يَوْمَ لَا تَمْلِكُ نَفْسٌ لِّنَفْسٍ شَيْئًا وَّالْأَمْرُ يَوْمَئِذٍ لِّلَّهِ ○

25596

ترجمہ: "جب آسمان پھٹ جائے گا، اور جب تارے جھڑ پڑیں گے، اور جب سمندر اُبل پڑیں گے، اور جب قبریں زیر وزبر کر دی جائیں گی، اُس وقت ہر نفس جان لے گا جو کچھ اُس نے آگے بھیجا (اعمال) میں سے یا پیچھے چھوڑا۔اے انسان کس چیز نے تجھے اپنے مہربان مالک کے بارے میں دھوکے میں ڈالا ہے، جس نے تجھے کو پیدا کیا پھر ٹھیک کیا اور سنوارا پھر جس صورت میں چاہا ڈھال دیا۔تو بات یہ ہے کہ اور کچھ نہیں کہ تم بدلہ کے دن (قیامت) پر یقین نہیں رکھتے،

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

(حالانکہ) تم پر نگہبان مقرر ہیں معزز لکھنے والے جو تمہارا سب عمل جانتے ہیں۔ بے شک اُس بدلہ کے دن نیک لوگ بہشت کو پہنچیں گے اور گنہگار دوزخ میں ڈالے جائیں گے جہاں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے، اور تم کیا خیال کرتے ہو وہ بدلہ کا دن کیا ہے؟ پھر تمہارا کیا گمان ہے وہ بدلہ کا دن کیا ہے؟ وہ دن وہ ہوگا جب کوئی کسی کے کام نہیں آ سکے گا، اور سارا اختیار اُس دن اللہ ہی کا ہوگا۔"

(سورۃ الانفطار)

(قرآن پاک کا ترجمہ اس کتاب کے مصنف کے قلم سے ہے۔)

تمت بالخیر......

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

نایاب تاریخی تصاویر کے ساتھ

عظیم مسلم شخصیات کی زندگی پر مستند کتابیں

ان کتابوں کے بغیر آپ کی لائبریری نامکمل ہے!

حیات محمد ﷺ	محمد حسین ہیکل
حیات حضرت ابراہیم علیہ السلام	محمد رضی الاسلام ندوی
حیاتِ حضرت خضر علیہ السلام	حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ
حضرت ذوالقرنین علیہ السلام (مع قصہ یاجوج ماجوج)	نوید احمد ربانی
حیات سیّدنا عیسیٰ علیہ السلام	کامران اعظم سوہدروی
حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ	محمد حسین ہیکل
حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ	محمد حسین ہیکل
حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ	محمد حسین ہیکل
حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ	ڈاکٹر طٰہٰ حسین
سیرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا	حافظ ناصر محمود
حضرت اویس قرنی رحمۃ اللہ علیہ	حافظ ناصر محمود
حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا	حافظ ناصر محمود
حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ	کامران اعظم سوہدروی
حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ	کامران اعظم سوہدروی
حضرت عبدالرحمٰن جامی رحمۃ اللہ علیہ	راجہ طارق محمود نعمانی
حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ	راجہ طارق محمود نعمانی
حضرت شمس تبریز رحمۃ اللہ علیہ مع دیوانِ شمس تبریز	راجہ طارق محمود نعمانی
سوانح مولانا رُوم رحمۃ اللہ علیہ	علامہ شبلی نعمانی
حضرت امام فخرالدین رازی رحمۃ اللہ علیہ	مولانا عبدالسلام ندوی

نفیس طباعت، اعلیٰ کاغذ، خوبصورت سرورق اور مضبوط بائنڈنگ

ناشران: بُک کارنر شوروم بالمقابل اقبال لائبریری بُک سٹریٹ جہلم پاکستان

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

نایاب تاریخی تصاویر کے ساتھ

عظیم تاریخی شخصیات | شاہکار سوانح عمریاں

ان کتابوں کو اپنی لائبریری کی زینت بنایئے!

حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ	(فاتح مصر)	ڈاکٹر حسن ابراہیم حسن
حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ	(اللہ کی تلوار)	صادق حسین صدیقی سردھنوی
محمد بن قاسم	(فاتح سندھ)	صادق حسین صدیقی سردھنوی
طارق بن زیاد	(فاتح اُندلس)	صادق حسین صدیقی سردھنوی
سلطان محمود غزنوی	(بت شکن)	صادق حسین صدیقی سردھنوی
عماد الدین زنگی	(عظیم فاتح)	صادق حسین صدیقی سردھنوی
غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ	(عاشقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم)	عبد الرشید عراقی
صلاح الدین ایوبی	(فاتح بیت المقدس)	ہیرلڈلیم/مترجم: محمد یوسف عباسی
امیر تیمور	(جس نے دُنیا ہلا ڈالی)	ہیرلڈلیم/مترجم: محمد عنایت اللہ
چنگیز خان	(دہشت اور جنون کا نشان)	ہیرلڈلیم/مترجم: سیّد ذیشان نظامی
سقراط	(عظیم فلسفی)	کورامیسن/مترجم: آنسہ صبیحہ حسن
سکندر اعظم	(عظیم فاتح)	انجم سلطان شہباز
شیر شاہ سوری	(شیر دِل بادشاہ)	انجم سلطان شہباز
سلطان محمد فاتح	(فاتح قسطنطنیہ)	ڈاکٹر محمد مصطفےٰ صفوت
حیدر علی	(سلطنت خداداد کا بانی)	نریندر کرشن سنہا
خلیفہ ہارون الرشید	(پانچویں عباسی خلیفہ)	راجہ طارق محمود نعمانی
ابن خلدون	(مؤرخ، فقیہ، فلسفی اور سیاستدان)	مولانا عبد السلام ندوی
عمر خیام	(فارسی شاعر اور فلسفی)	سیّد سلیمان ندوی
امیر خسرو	(فارسی و ہندی شاعر، ماہر موسیقی)	سیّد صباح الدین عبد الرحمٰن

نفیس طباعت، اعلیٰ کاغذ، خوبصورت سرورق اور مضبوط بائنڈنگ

ناشران: بُک کارنر شوروم بالمقابل اقبال لائبریری بُک سٹریٹ جہلم پاکستان

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بچوں اور بڑوں میں یکساں مقبول اقوال، حکایات، واقعات پر مبنی

زندگی سنوارنے والی سبق آموز کتابیں

قرآنی بکھرے موتی	مرتب: علی اصغر
جنت کے حسین مناظر	مرتب: علی اصغر
ذکر اللہ والوں کے	مرتب: محمد فیروز
اقوالِ علی رضی اللہ عنہ کا انسائیکلوپیڈیا	مرتب: محمد مغفور الحق
شیخ سعدی کی باتیں	مرتب: محمد مغفور الحق
حکایاتِ سعدی	شیخ سعدی شیرازی رحمۃ اللہ علیہ
حکایاتِ رُومی	مولانا جلال الدین رُومی رحمۃ اللہ علیہ
روحانی حکایات	مولانا عبدالمصطفیٰ اعظمی رحمۃ اللہ علیہ
حکایاتِ لقمان (سوانح حیات مع حکایات و واقعات)	کامران اعظم سوہدروی
سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم کا انسائیکلوپیڈیا (کوئز بک)	مرتب: سیّد ذیشان نظامی
فنِ تقریر (انعام یافتہ تقاریر)	پروفیسر نوید اے کیانی
گفتگو تقریر ایک فن	ڈیل کارنیگی
پریشان ہونا چھوڑیے جینا سیکھیے!	ڈیل کارنیگی
میٹھے بول میں جادو ہے	ڈیل کارنیگی
کامیاب لوگوں کی دلچسپ باتیں	ڈیل کارنیگی
39 بڑے آدمی	ڈیل کارنیگی
مانیں نہ مانیں	ڈیل کارنیگی
موت کا منظر (مرنے کے بعد کیا ہوگا؟)	خواجہ محمد اسلام
کلیاتِ اقبال رحمۃ اللہ علیہ	علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ
مکالماتِ اقبال (علامہ اقبال کی زندگی کے سنہرے واقعات)	پروفیسر سعید راشد علیگ
تذکرۂ اقبال	پروفیسر سعید راشد علیگ

ناشران: بک کارنر شوروم بالمقابل اقبال لائبریری بک سٹریٹ جہلم پاکستان

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

قادیانیت ایک فتنہ

ادارہ بک کارنر جہلم کے بانی وناشر **شاہد حمید** کی برسوں کی محنت

صفحات 704 قیمت -/600 روپے صرف

علمائے اہل سنت [illegible] پہلی تحقیقی کتاب — پہلی دفعہ ایک کتاب میں یکجا!

حضرت مولانا ثناء اللہ امرتسری رحمہ اللہ	حضرت مولانا حبیب اللہ امرتسری رحمہ اللہ	حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمہ اللہ	حضرت مولانا محمد منظور نعمانی رحمہ اللہ
حضرت مولانا احمد رضا خان بریلوی رحمہ اللہ	حضرت علامہ محمد نعیم الدین مراد آبادی رحمہ اللہ	حضرت علامہ پیر کرم شاہ صاحب رحمہ اللہ	مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی رحمہ اللہ
حضرت سید پیر مہر علی شاہ گیلانی رحمہ اللہ	حضرت مولانا احمد علی لاہوری رحمہ اللہ	بلبل عرب و عجم آغا شورش کاشمیری رحمہ اللہ	حضرت سید امین گیلانی رحمہ اللہ
حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ	مناظر اسلام مولانا لال حسین اختر رحمہ اللہ	حضرت مولانا عبدالرحیم اشعر رحمہ اللہ	ڈاکٹر اسرار احمد (مرحوم)
علامہ قاضی محمد سلیمان منصور پوری رحمہ اللہ	حضرت مولانا ظفر علی خان رحمہ اللہ	مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہید رحمہ اللہ	حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہ
حضرت علامہ غلام ربانی چشتی حنفی رحمہ اللہ	حضرت علامہ مولانا شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ	شہید اسلام علامہ احسان الٰہی ظہیر رحمہ اللہ	شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری
حضرت مولانا محمد ابراہیم میر سیالکوٹی رحمہ اللہ	امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمہ اللہ	حضرت مفتی نظام الدین شامزئی رحمہ اللہ	ڈاکٹر محمد ذاکر عبدالکریم نائیک
حضرت مولانا سید محمد انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ	حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ	حضرت مولانا منظور احمد چنیوٹی رحمہ اللہ	حافظ زبیر علی زئی عفی عنہ

کتاب ایک نظر میں

★ تاریخ مرزا ★ مرزا قادیانی کی پیشین گوئیاں ★ قادیانی مرتد پر قہر خداوندی ★ مرزا قادیانی اور نبوت
★ مرزا قادیانی کی غلطیاں ★ مرزا قادیانی کی کہانی مرزا اور مرزائیوں کی زبانی ★ آئینۂ قادیانیت
★ مسلمانوں کے مرزائیت سے نفرت کے اسباب اور مرزا قادیانی کے متضاد اقوال ★ عقیدہ ختم نبوت کی اہمیت
★ ختم نبوت کے دو مفہوم اور تکمیل رسالت کے عملی تقاضے ★ مرزائیت حضرت علامہ محمد اقبال رحمہ اللہ کی نظر میں
★ مرزائیوں سے چند سوال ★ ختم نبوت کے تقاضے ★ فتنہ قادیانیت اور اُمتِ مسلمہ کی ذمہ داریاں
★ قادیانیت نے عالم اسلام کو کیا عطا کیا؟ ★ مرزا غلام احمد سے مرزا ناصر احمد تک ★ قرآن اور ختم نبوت
★ مرزا غلام احمد قادیانی کے تیس (۳۰) جھوٹ ★ مسلمانوں اور قادیانیوں کے قبرستان پر سائنسی رپورٹ
★ مرزائیت کی اِسلام دُشمنی ★ قادیانی کیوں مسلمان نہیں؟ ★ مرزا غلام احمد قادیانی کا عبرتناک انجام
★ اشتعال انگیز تحریریں ★ قادیانی پیشگوئیوں کا انجام ★ وزیر اعظم پاکستان جناب ذوالفقار علی بھٹو کی تقریر

ناشران: بک کارنر شوروم بالمقابل اقبال لائبریری بک سٹریٹ جہلم پاکستان

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

حیاتِ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام

وِلادت سے نزولِ قربِ قیامت تک

مصنف
کامران اعظم سوہدروی

اللہ کے آخری رسول حضرت محمد ﷺ سے پہلے سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کی شریعت انسانوں کی ہدایت کا ذریعہ تھی۔ ان کی تعلیمات وہی تھیں جن کا پرچار ان سے پہلے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت داؤد علیہ السلام کرتے رہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی حیات مبارکہ پر غور کیا جائے تو وہ روحانی زندگی کے داعی نظر آتے تھے، ان کی تمام تر مساعی جمیلہ کا مقصد دُنیا میں امن کا قیام تھا۔ انہوں نے اللہ تعالیٰ کا پیغام دنیا تک پہنچانے کے لئے اپنا تن من دھن لگا دیا لیکن اس عہد کے حکام ان کی راہ میں طرح طرح کی رکاوٹیں ڈالتے رہے حتیٰ کہ انہیں شہید کرنے کا منصوبہ بنالیا گیا۔ تاہم اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو آسمان پر اُٹھالیا اور ان کے قتل کے درپے لوگ دھوکہ میں پڑ گئے۔ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام اب ایک مخصوص وقت پر دوبارہ اس دُنیا میں ظاہر ہوں گے اور اس دور میں فتنہ وفساد مچانے والوں پر فتح یاب ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ کے اس برگزیدہ بندے کی حیات مبارکہ کے بارے میں اُردو زبان میں بہت کم ایسا مواد موجود ہے جسے مستند سمجھا جاسکتا ہے۔ کامران اعظم سوہدروی نے اس ضرورت کو پورا کرنے کے لئے زیرِ نظر کتاب تصنیف کی ہے۔ اس میں پوری جامعیت سے بتایا گیا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا حسب ونسب کیا تھا؟ اور کن حالات میں مبعوث ہوئے؟ ان میں اوصاف کیا تھے؟ ان پر نازل ہونے والی اناجیل اور ان کی تعلیمات کیا تھیں؟ ان کی معجزات کا پوری تفصیل سے ذکر کیا گیا ہے۔ انہوں نے اللہ تعالیٰ کا پیغام لوگوں تک پہنچانے کے لئے کہاں کہاں کا سفر کیا؟ کون تھے جنہوں نے ان کا ساتھ دیا؟ اور پھر کن اسباب کی بنیاد پر لوگ ان کی جان کے دشمن بن گئے؟ اور پھر وہ کیسے آسمان پر اٹھالئے گئے؟ ان سارے ابواب کو پوری تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔ کتاب میں آخری باب میں ان حالات کا ذکر بھی موجود ہے جن کے دوران سیدنا عیسیٰ علیہ السلام ظہور فرمائیں گے۔ زیرِ نظر کتاب کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ اس میں روایات کی صحت کو مدنظر رکھا گیا البتہ دوسرے نقطہ ہائے نظر کو شامل ضرور کیا گیا ہے۔ موجودہ حالات میں کتاب تینوں مذاہب کے ماننے والوں کیلئے نہایت دلچسپی کی حامل ہوگی۔ کتاب کی پروڈکشن دیکھ کر حیرت ہوتی ہے کہ ایک نسبتاً چھوٹے شہر میں اس قدر عمدہ صلاحیتوں کے حامل لوگ بھی موجود ہیں۔ ''بک کارنر شوروم'' اس کیلئے لائق تحسین قرار پاتا ہے۔ (سنڈے ایکسپریس، 31 اکتوبر 2010ء)

نفیس طباعت، اعلیٰ کاغذ، خوبصورت سرورق اور مضبوط بائنڈنگ

ناشران: بک کارنر شوروم بالمقابل اقبال لائبریری بک سٹریٹ جہلم پاکستان
فون نمبر 0544-614977, 621953 موبائل 0323-5777931

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

END OF TIME

اینڈ آف ٹائم

قیامت کی نشانیاں اور ظہورِ امام مہدی

مُصنّف:

ھارُون یحیٰی

مترجم:

انجم سلطان شہباز

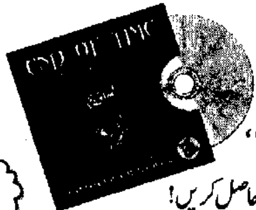

کتاب کے ساتھ
''اینڈ آف ٹائم''
ویڈیو سی ڈی مفت حاصل کریں!

376 صفحات پر مشتمل خوبصورت سرورق، مضبوط جلد بندی اور عمدہ کاغذ پر چھپ کر تیار ہے!

ناشران

بُک کارنر شوروم بالمقابل اقبال لائبریری بُک سٹریٹ جہلم پاکستان

فون نمبر 0544-614977
فون نمبر 0544-621953
موبائل 0323-5777931
موبائل 0321-5440882

ای میل info@bookcorner.com.pk ویب سائٹ www.bookcorner.com.pk

www.KitaboSunnat.com

DR. ZAKIR NAIK BOOKS

"کہو حق آ گیا اور باطل مٹ گیا بے شک باطل مٹنے والا ہے" (القرآن)

ڈاکٹر ذاکر نائیک

کی تقابل ادیان کے طلبا کے لیے انتہائی مؤثر اور مفید کتابیں

اسلام اور عیسائیت میں مشترکہ باتیں	250/-
اسلام کی سچائی اور غیر مسلموں کے اعتراضات	250/-
نماز اور جدید سائنس	200/-
قرآن اور جدید سائنس	200/-
خطبات ڈاکٹر ذاکر نائیک (پارٹ 1) (5 کتب کا مجموعہ) ☆ قرآن اور جدید سائنس ☆ کیا قرآن اللہ کا کلام ہے؟ ☆ مذاہب عالم میں خدا کا تصور ☆ اسلام میں عورتوں کے حقوق ☆ اسلام پر 40 اعتراضات اور ان کے مدلل جوابات	480/- سلیس ترجمہ اعلیٰ معیاری طباعت خوبصورت سرورق مضبوط جلد بندی
دین دلیل کے ساتھ (خطبات ڈاکٹر ذاکر نائیک پارٹ 2) (4 کتب کا مجموعہ) ☆ اسلام انسانیت کیلئے رحمت ہے نہ کہ زحمت! ☆ جہاد اور دہشت گردی ﴿جہاد کا اصل مفہوم اور غلط فہمیوں کا ازالہ﴾ ☆ دہشت گردی اور مسلمان ﴿کیا دہشت گردی مسلمانوں کی حکمت عملی ہے﴾ ☆ عالمی بھائی چارہ	480/- سلیس ترجمہ اعلیٰ معیاری طباعت خوبصورت سرورق مضبوط جلد بندی
ڈاکٹر ذاکر نائیک کے فیصلہ کن مناظرے (3 اثر انگیز مناظرے) ☆ قرآن اور بائبل، سائنس کی روشنی میں جناب ڈاکٹر ذاکر نائیک اور کرسچن سکالر ڈاکٹر ولیم کیمبل کے مابین مناظرہ ☆ اسلام اور ہندومت میں خدا کا تصور جناب ڈاکٹر ذاکر نائیک اور ہندو سکالر سری سری روی شنکر کے مابین مناظرہ ☆ گوشت خوری، اجازت یا ممانعت جناب ڈاکٹر ذاکر نائیک اور جناب رشمی بھائی زاویری کے مابین مناظرہ	480/- سلیس ترجمہ اعلیٰ معیاری طباعت خوبصورت سرورق مضبوط جلد بندی

ناشران: بک کارنر شوروم بالمقابل اقبال لائبریری بک سٹریٹ جہلم پاکستان

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

شارح
سیّد علی حیدر نظم طباطبائی

مرتب
ظفر احمد صدیقی

شرحِ دیوانِ غالب

(اُردو)

سیّد علی حیدر نظم طباطبائی پہلے شخص ہیں جنہوں نے غالبؔ کے متداول دیوان کی مکمل شرح لکھی ہے۔ ان سے پہلے دیوانِ غالب کی جتنی شرحیں لکھی گئی تھیں وہ جزوی تھیں۔ طباطبائی کی شرح، اوّلیت کے علاوہ اور بھی کئی پہلوؤں سے اہمیت کی حامل ہے۔ اس میں سب سے اہم بات یہ ہے کہ اس کے مصنف عربی و فارسی کے متبحر عالم اور ان دونوں زبانوں کی شعری روایت اور اصول نقد سے پوری طرح واقف تھے۔ اس کے ساتھ ہی نکتہ سنجی و سخن فہمی سے بھی انہیں بہرۂ وافر ملا تھا۔ اس لئے انہوں نے مشرقی شعریات کو ذہن میں رکھ کر یہ شرح تصنیف کی، نیز مختلف اشعار کی شرح کے دوران سخن فہمی کے عمدہ نمونے پیش کئے ہیں۔ ظفر احمد صدیقی نے نظم طباطبائی کے علم و عرفان کے تعلق سے جن خوبیوں کا ذکر کیا ہے ان میں سے کئی خوبیاں خود اُن میں بھی موجود ہیں۔ اگر نکتہ سنجی اور سخن فہمی نظم طباطبائی کا خاصہ ہے تو یہ صدیقی صاحب کا بھی وصف خاص ہے۔ عربی و فارسی سے واقفیت اور مشرقی شعریات کا شعور وادراک طباطبائی اور ظفر احمد صدیقی دونوں میں قدرِ مشترک کی حیثیت رکھتا ہے۔ یکسانیت کے ان روشن پہلوؤں کو ذہن میں رکھتے ہوئے ”شرح دیوان غالب“ کی تدوین نو کے لئے پروفیسر ظفر احمد صدیقی سے بہتر شخص خیال میں نہیں آتا۔ (شاہد حمید/ ناشر)

نفیس طباعت اعلیٰ کاغذ خوبصورت سرورق اور مضبوط پائیدار جلد

ناشران : بک کارنر شوروم بالمقابل اقبال لائبریری بک سٹریٹ جہلم پاکستان

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

علامہ محمد اقبالؒ کے خیالات کے عاشق
علی گڑھ کے تربیت یافتہ مشہور و معروف قلم کار

پروفیسر سعید راشد علیگ

کے قلم سے علامہ اقبال کی زندگی پر شاہکار کتاب

نایاب تاریخی تصاویر کے ساتھ

THE LIFE & TIMES OF IQBAL

تذکرۂ اقبال رحمۃ اللہ علیہ

علامہ اقبال کا نام کسی تعارف کا محتاج نہیں۔ فلسفی شاعر، تصوف کے داعی، پاکستان کے نظریاتی رہنما، احیائے امت مسلمہ کے پیامبر، اور ایسے بے شمار القابات وخطابات علامہ اقبال کے لافانی نام کا حصہ ہیں۔ اردو اور فارسی شاعری کو انہوں نے اپنے افکار و الفاظ کے ذریعے دوام بخشا۔ تاریخ کے صفحات پلٹ کر دیکھیں تو بھی علامہ اقبال کے پائے کا کوئی شاعر نہیں ملتا۔ مذہب، فلسفہ، انسانیت، سیاست، اخلاقیات غرضیکہ علامہ اقبال کی شاعری تمام جہات سمیٹے ہوئے ہے۔ قرآن کا پیغام بھی انہوں نے اپنی شاعری میں اس طریقے سے سمویا کہ پڑھنے والے عش عش کر اُٹھے۔ زیر تبصرہ کتاب میں بھی علامہ اقبال کی ولادت، بچپن، جوانی، ان کی شاعری غرضیکہ علامہ کی شخصیت کے تمام گوشوں سے پردہ اٹھانے کی سعی کی گئی ہے۔ پروفیسر سعید راشد نے علامہ اقبال کی زندگی کے حالات و واقعات کو اپنے انداز میں صفحۂ قرطاس پر بکھیرنے کی کامیاب کوشش کی ہے۔ پڑھنے والے کو علامہ کی زندگی کے مختلف گوشوں سے واقفیت حاصل ہوتی ہے اور پتہ چلتا ہے کہ ان کی گفتگو، الفاظ، انداز تکلم اور طبیعت میں کتنی عظمت پوشیدہ تھی۔ اس میں کوئی شک نہیں علامہ کی ہمہ جہت شخصیت کو اس مختصر کتاب میں بند کرنا نہایت مشکل کام ہے مگر پروفیسر صاحب نے ایک ایسی کامیاب کوشش کی ہے جو قابل قدر ہے۔ کتاب کے آغاز میں علامہ کی چند مختلف تصاویر بھی شائع کی گئی ہیں جو ان کی زندگی کے مختلف ادوار کی عکاسی کرتی ہیں۔ خوبصورت سرورق نے کتاب کی جاذبیت میں مزید اضافہ کر دیا ہے۔ (روزنامہ ایکسپریس، 27 جنوری 2013)

ناشران: بک کارنر شوروم بالمقابل اقبال لائبریری بک سٹریٹ جہلم پاکستان

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ کے خیالات کے عاشق
علی گڑھ کے تربیت یافتہ مشہور و معروف قلم کار

پروفیسر سعید راشد علیگ

کے قلم سے علامہ اقبال کی زندگی پر شاہکار کتاب

مکالماتِ اقبال رحمۃ اللہ علیہ

(علامہ اقبال کی زندگی کے سنہرے واقعات)

اعلیٰ کاغذ، نفیس طباعت، مضبوط جلد بندی، خوبصورت سرورق
اور نایاب تاریخی تصاویر کے ساتھ چھپ کر تیار ہیں!

بک کارنر شوروم بالمقابل اقبال لائبریری
بک سٹریٹ جہلم پاکستان

فون نمبر 0544-614977
فون نمبر 0544-621953
موبائل 0323-5777931
موبائل 0321-5440882

ویب سائٹ www.bookcorner.com.pk ای میل info@bookcorner.com.pk

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کتابوں کی دُنیا میں خوش آمدید!!!

بُک کارنر شوروم

اَب facebook پر!!

جہاں آپ کو ملیں

کتابوں سے متعلق

معلومات ...... اقتباسات ...... تبصرے

...... تجزیے ...... اور بہت کچھ!!

براہِ راست لنک:

www.facebook.com/bookcornershowroom

آج ہی ممبر بننے کے لیے پیج پر بنے بٹن

Like

پر کلک کیجیے!

اور سینکڑوں ممبرز کی فہرست میں آپ بھی شامل ہو جائیے!!

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

دُنیا کے بڑے مذاہب

اگر چہ مذاہب کی تاریخ اتنی ہی پُرانی ہے جتنی کہ خود انسان کی تاریخ۔ اسلامی نقطۂ نظر سے جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو زمین پر بھیجا تو نبوت و رسالت سے سرفراز فرما کر بھیجا اور یوں مذہب کی ابتدا ہوگئی۔ دیگر مؤرخین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ جب سے انسان اس خاکدانِ ارضی پر آباد ہوا، اس کا گرد و پیش کے مطابق کوئی نہ کوئی عقیدہ، نظریہ اور مذہب بہر حال موجود رہا۔ تاریخ انسانیت میں لاتعداد نظریات نے جنم لیا، بے شمار عقائد وجود میں آئے، متعدد مذاہب پھیلے، لیکن انسان کی معلوم تاریخ جو کہ تقریباً چار ہزار قبل مسیح سے پانچ ہزار قبل مسیح تک کی ہے میں جن مذاہب نے عالمی شہرت حاصل کی اور انسانیت پر دیرپا اثرات مرتب کیے، ان میں مندرجہ ذیل مذاہب شامل ہیں: (۱) ہندومت (۲) بُدھ مت (۳) جین مت (۴) زرتشتیت (۵) سِکھ مت (۶) یہودیت (۷) عیسائیت (۸) اسلام۔ ہر مذہب کی تعلیمات جداگانہ ہونے کے باوجود قدرِ مشترک یہ ہے کہ تمام مذاہب حق کی تلاش میں ہیں اور انسان کی فوز و فلاح کے داعی اور علمبردار ہیں۔ قطع نظر اس کے کہ غیر الہامی مذاہب میں الوہی نظامِ سفارت (یعنی نبوت و رسالت) کے فقدان کی وجہ سے وہ راہ یاب نہ ہو سکے اور الہامی مذاہب میں سے یہودیت و عیسائیت کی اصل تعلیمات گردشِ زمانہ کی دست بُرد سے محفوظ نہ رہ سکیں۔ البتہ اسلام کی تمام تر تعلیمات حرف بحرف نہ صرف محفوظ و مصئون بلکہ ازمنہ و امکنہ کی قید کے بغیر ہمیشہ کے لئے قابلِ عمل اور فوز و فلاح کی ضامن ہیں۔ زیرِ نظر کتاب ''دُنیا کے بڑے مذاہب'' انتہائی معلومات افزا اور حقائق کشا کتاب ہے۔ مصنف نے بڑی دیدہ ریزی اور جگر کاوی سے مذکورہ مذاہب کی تاریخ، تعلیمات، نظریات اور ترجیحات کو تحریر کی سِلک میں پرو دیا ہے، حقیقت بین نگاہوں کے لئے یہ ایک تحفہ سے کم نہیں، اس پر مستزاد پاکستان کے مشہور و معتبر طباعتی و اشاعتی ادارہ ''بک کارنر شوروم'' کا اسے شائع کرنا اس کی اہمیت کو بڑھا دیتا ہے۔

200
ف 273 د
29594-EU-64

facebook
book corner snowroom
website
www.bookcorner.com.pk
email
bookcornershowroom@gmail.com

ISBN: 978-969-9396-39-7
Rs. 600.00